انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم

سیر الصحابیات، اسوہ صحابیات

اہل کتاب صحابہ

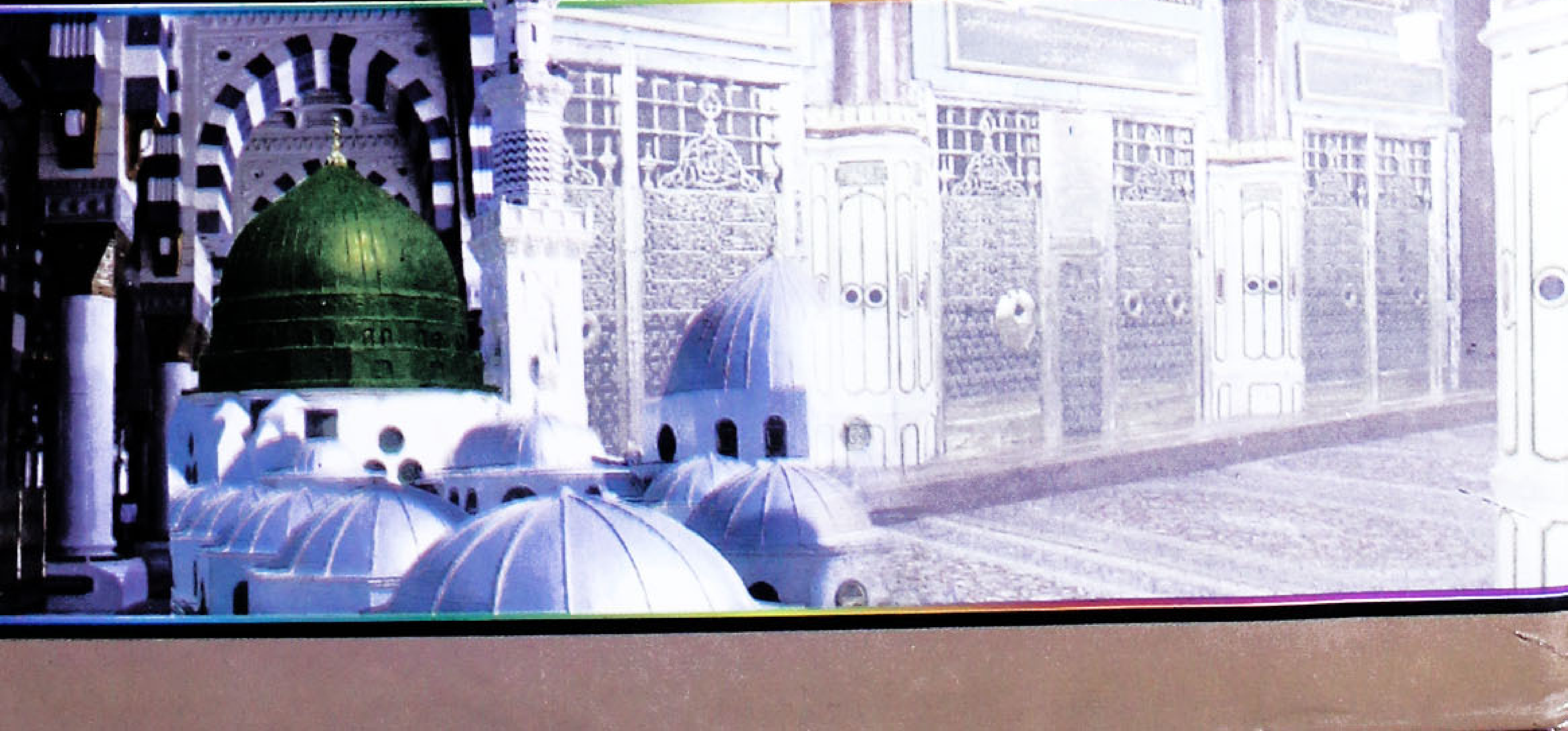

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ
بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ

بسلسلہ

سِيَرُ الصَّحَابَہ رضی اللہ عنہم

سیر الصحابیات

یعنی

مستند حوالوں سے ازواجِ مطہراتؓ، بناتِ طاہراتؓ اور اکابر صحابیاتؓ
کے سوانح زندگی اور اُن کے علمی، مذہبی، اخلاقی کارناموں کی تفصیل

از

جناب مولانا سعید انصاری
سابق رفیق دار المصنفین

بمعہ رسالہ
مسلمان عورتوں کی بہادری
از
سید سلیمان ندوی

ناشر
اسلامی کتب خانہ
فضل الٰہی مارکیٹ
چوک اردو بازار لاہور
فون : 042 - 7223506

Marfat.com

کتاب کی کمپوزنگ کے حقوق محفوظ ہیں

بسلسلہ .... سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم (جلد ششم)

نام کتاب .... سیر الصحابیاتؓ، اسوۂ صحابیات، اہل کتاب صحابہؓ
(حصہ اوّل + حصہ دوم + حصہ سوم)

طابع .... ممتاز احمد

83881

ناشر .... اسلامی کتب خانہ

مطبع .... لعل سٹار پرنٹرز

ملنے کے پتے

⇦ مکتبہ رحمانیہ غزنی سٹریٹ، اقراء سنٹر، اُردو بازار لاہور

⇦ ممتاز اکیڈمی فضل الٰہی مارکیٹ اُردو بازار لاہور

⇦ مکتبۃ العلم ۱۸/اُردو بازار لاہور

⇦ خزینہ علم و ادب الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور

نوٹ

ہماری قارئین سے درخواست ہے کہ ہماری تمام تر کوشش (اچھی پروف ریڈنگ، معیاری پرنٹنگ) کے باوجود اس بات کا امکان ہے کہ کہیں کوئی لفظی غلطی یا کوئی اور خامی رہ گئی ہو تو ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اس غلطی یا خامی کو دُور کیا جائے۔ شکریہ!

(ادارہ)

Marfat.com

فہرست موضوعات

سیرت صحابیات رضی اللہ عنہن

عنوانات	صفحہ
دیباچہ	5
۵-۱۸	
صحابیاتؓ کے مذہبی کارنامے	7
سیاسی کارنامے	10
علمی کارنامے	10
عملی کارنامے	12
انتخاب وترتیب	13
دیباچہ طبع ثانی	17
ازواج مطہراتؓ	
۱۹_۹۴	
ا۔حضرت خدیجہؓ	19
۲۔حضرت سودہؓ	30
۳۔حضرت عائشہؓ	36
۴۔حضرت حفصہؓ	49
۵۔حضرت زینبؓ ام المساکین	55
۶۔حضرت ام سلمہ	56
۷۔حضرت زینبؓ بنت جحش	71
۸۔حضرت جویریہؓ	78
۹۔حضرت ام حبیبہؓ	82
۱۰۔حضرت میمونہؓ	87
۱۱۔حضرت صفیہؓ	90
بنات طاہراتؓ	
۹۵_۱۱۱	
ا۔حضرت زینبؓ	95
۲۔حضرت رقیہؓ	98
۳۔حضرت ام کلثومؓ	101
۴۔حضرت فاطمہؓ	102
عام صحابیات	
۱۱۲_۱۹۲	
ا۔حضرت امامہؓ	112
۲۔حضرت صفیہؓ	114
۳۔حضرت ام ایمنؓ	117
۴۔حضرت فاطمہؓ بنت اسد	120
۵۔حضرت ام الفضلؓ	122

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
۶۔حضرت ام رومانؓ	124
۷۔حضرت سمیہؓ	127
۸۔حضرت ام سلیمؓ	129
۹۔حضرت ام عمارہؓ	135
۱۰۔حضرت ام عطیہؓ	137
۱۱۔حضرت ربیعؓ بنت معوذ بن عفرا	140
۱۲۔حضرت ام ہانیؓ بنت ابی طالب	143
۱۳۔حضرت فاطمہؓ بنت خطاب	145
۱۴۔حضرت اسماءؓ بنت عمیس	147
۱۵۔حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ	151
۱۶۔حضرت فاطمہؓ بنت قیس	158
۱۷۔حضرت شفاءؓ بنت عبداللہ	162
۱۸۔حضرت زینبؓ بنت ابی معاویہ	164
۱۹۔حضرت اسماءؓ بنت یزید	166
۲۰۔حضرت ام درداءؓ	170
۲۱۔حضرت ام حکیمؓ	171
۲۲۔حضرت خنساؓ	173
۲۳۔حضرت ام حرامؓ	176
۲۴۔حضرت ام ورقہؓ	178
۲۵۔حضرت ہندؓ	180
۲۶۔حضرت ام کلثومؓ	184
۲۷۔حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت ابی سلمہ	186
۲۸۔حضرت ام ابی ہریرہؓ	188
۲۹۔حضرت خولہؓ بنت حکیم	189
۳۰۔حضرت حمنہؓ بنت جحش	191

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

﴿ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴾ (جمعہ)

اسلام کا مقصد توحید' تمام دنیا کو ایک سطح پر لانا تھا- اس کی شہنشاہی میں پست و بلند' شاہ و گدا' امیر و غریب' وضیع و شریف' عالم و جاہل' عورت و مرد سب میانہ حیثیت رکھتے تھے- اس لیے اس نے اپنی تعلیمات' احکام اور قوانین کے ذریعہ سے تمام دنیا کو مساوات کا پیغام سنایا' جس سے مذہب' اخلاق' تمدن اور سیاست کا قالب بدل گیا اور اس میں وہ نئی روح حرکت کرنے لگی جس کے پیدا کرنے کو اسلام اپنا فرض اولین خیال کرتا تھا۔

اسلام سے پہلے دنیا نے جس قدر ترقی کی تھی صرف ایک صنف (مرد) کی اخلاقی اور دماغی قوتوں کا کرشمہ تھا' مصر' بابل' ایران' یونان اور ہندوستان مختلف عظیم الشان تمدن کے چمن آراء تھے' لیکن صنف نازک (عورت) کی آبیاری کا کچھ دخل نہ تھا' اسلام آیا تو اس نے دو صنفوں (مرد و عورت) کی جدوجہد کو وسائل ترقی میں شامل کر لیا' اس لیے جب اس کے باغ تمدن کی بہار آئی تو ایک نیا رنگ و بو پیدا ہو گیا۔

عورت کو دنیا نے جس نگاہ سے دیکھا وہ مختلف ممالک میں مختلف رہی ہے مشرق میں عورت مرد کے دامن تقدس کا داغ ہے' روما اس کو گھر کا اثاثہ سمجھتا ہے۔ یونان اس کو شیطان کہتا ہے۔ تورات اس کو لعنت ابدی کا مستحق قرار دیتی ہے۔ کلیسا اس کو باغ انسانیت کا کانٹا تصور کرتا ہے۔ یورپ اس کو خدا یا خدا کے برابر مانتا ہے۔ لیکن اسلام کا نقطۂ نظر ان سب سے جداگانہ ہے' وہاں عورت نسیم اخلاق کی نکہت اور چہرۂ انسانیت کا

Marfat.com

غازہ سمجھی جاتی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مکہ میں ہم لوگ عورتوں کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے۔ مدینہ میں نسبۃً ان کی قدر تھی۔ لیکن جب اسلام آیا اور خدا نے ان کے متعلق آیتیں نازل کیں تو ہم کو ان کی قدر و منزلت معلوم ہوئی[1] عرب جاہلیت کے رسم دختر کشی پر نظر ڈال کر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر:

یاانجشه! رویدک بالقواریر.

''انجشہ! دیکھنا یہ آبگینے ہیں''۔

غور کرو تو تم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی صحیح تشریح معلوم ہوگی۔

اسلام نے صرف یہی نہیں کیا کہ عورتوں کے چند حقوق متعین کر دیئے' بلکہ ان کو مردوں کے مساوی درجہ دے کر مکمل انسانیت قرار دیا' صحیح بخاری میں وارد ہوا ہے:

الرجل راع علی اهله وهو مسئول والمراة راعية علی بيت زوجها وهي مسئولة. (ج ۲ ص ۷۸۳)

''مرد اپنے اہل کا راعی بنایا گیا ہے اور اس سے ان کے متعلق جواب طلب ہوگا اور عورت شوہر کے گھر کی راعیہ ہے اور اس سے اس کے متعلق باز پرس ہوگی''۔

سنن ابن ماجہ میں اس کی مزید تشریح ہے:

ليس تملكون منهن شيئاً غير ذلک الا ان ياتين بفاحشة مبينة.

''تم کو عورتوں پر بجز مخصوص حقوق کے کوئی دسترس حاصل نہیں ہے لیکن ہاں جب کوئی گناہ کریں''۔

اس بنا پر اسلام میں عورت کی جو منزلت قائم ہوئی وہ بلحاظ نتائج دیگر اقوام و مذہب سے بالکل مختلف تھی' تمام دنیا اپنی قومی تاریخ پر ناز کرتی ہے اور بجا طور پر کرتی ہے۔ لیکن اگر اس سے یہ سوال کیا جائے کہ اس افسانہائے پارینہ میں صنف نازک کی سعی

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۶۹۔

Marfat.com

وکوشش کا کس قدر حصہ تھا؟ تو دفعتاً ہر طرف خاموشی چھا جائے گی اور فخر وغرور کا سارا ہنگامہ سرد ہو کر رہ جائے گا یونان بلاشبہ اپنی ''ربات النوع'' کو پیش کر سکتا ہے۔ ہندوستان متعدد عصمت وعفاف کی دیویوں کے نام لے سکتا ہے۔ یورپ کا ''گولڈن ڈیڈس'' چند جنگ آزما عورتوں کو منظر عام پر لاسکتا ہے۔ لیکن کیا ان کی وجہ سے دنیا نے کچھ بھی ترقی کی ہے؟ اور تمدن کا قدم ایک انچ بھی آگے بڑھ سکا ہے؟ تاریخ ان سوالات کا جواب نفی میں دیتی ہے۔

قومی تاریخ کو چھوڑ کر اگر دنیا کی مذہبی تاریخ کا مطالعہ کرو تو اس کے اوراق بھی صنف نازک کے عظیم الشان کارناموں سے خالی ہیں، مصر اس سلسلہ میں آسیہ رضی اللہ عنہا بنت مزاحم پیش کرے گا۔ تورات مریم اخت ہارون کو آگے بڑھائے گی۔ ناصرہ مریم عذرا علیہا السلام کو سامنے لائے گا۔ ان خاتونوں کا کوئی مذہبی یا اصلاحی کارنامہ تاریخ نے بھی یاد رکھا ہے؟

بخلاف اس کے اسلام نے جن پردہ نشینوں کو اپنے کنار عاطفت میں جگہ دی انہوں نے دنیا میں بڑے بڑے عظیم الشان کام انجام دیئے ہیں جو تاریخ کے صفحات میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ کتاب خاص صحابیات کے حالات میں ہے۔ اس لیے ہم صرف ان ہی کارناموں کو پیش کریں گے، جو صحابیات سے متعلق ہیں، کیونکہ یہ صنف نازک کا پہلا قدم تھا، جو ترقی کی راہ میں اٹھایا گیا۔

صحابیات رضی اللہ عنہن کے کارنامے تمدن کے تمام عنوانات پر منقسم ہیں۔ اور ہم ان کو اجمالاً اس مقام پر لکھنا چاہتے ہیں۔

مذہبی کارنامے:

مذہبی خدمات کے سلسلہ میں سب سے اہم خدمت جہاد ہے اور صحابیات رضی اللہ عنہن نے جس جوش، جس خلوص، جس عزم اور جس استقلال سے اس خدمت کو ادا کیا اس کی نظیر مشکل سے مل سکے گی، غزوۂ احد میں جب کہ کافروں نے حملہ کر دیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف چند جاں نثار رہ گئے تھے۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں، اور سینہ سپر ہوگئیں۔ کفار جب آپ پر بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں، ابن قمیہ جب ڈراتا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا تو حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے بڑھ کر روکا،

Marfat.com

چنانچہ کندھے زخم آیا اور غار پڑ گیا۔ انہوں نے تلوار ماری لیکن وہ دہری زرہ پہنے ہوئے تھا اس لیے کارگر نہ ہوئی۔[1] جنگ مسیلمہ میں انہوں نے اس پامردی سے مقابلہ کیا کہ ۱۲ زخم کھائے اور ایک ہاتھ کٹ گیا۔[2]

غزوۂ خندق میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے جس بہادری سے ایک یہودی کو قتل کیا، اور یہودیوں کے حملہ کو روکنے کی جو تدابیر اختیار کی وہ بجائے خود نہایت حیرت انگیز ہے،[3] غزوۂ حنین میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا خنجر لے کر نکلنا ایک مشہور بات ہے۔[4]

جنگ یرموک میں جو خلافت فاروقی میں ہوئی تھی حضرت اسماءؓ بنت ابوبکرؓ، حضرت ام ابانؓ، ام حکیمؓ، خولہؓ، ہندؓ، اور ام المومنین حضرت جویریہؓ نے بڑی دلیری سے جنگ کی تھی اور اسماءؓ بنت یزید نے جو انصار کے قبیلہ سے تھیں، خیمہ کی چوب سے ۹ رومیوں کو قتل کیا تھا۔[5]

نہ صرف بری بلکہ بحری لڑائیوں میں بھی صحابیات رضی اللہ عنہن شرکت کرتی تھیں ۲۸ھ میں جزیرہ قبرس پر حملہ ہوا تو حضرت ام حرام اس میں شامل ہوئیں۔[6]

میدان جنگ میں اس کے علاوہ صحابیات رضی اللہ عنہن اور خدمات بھی انجام دیتی تھیں، مثلاً ❶ پانی پلانا ❷ زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا ❸ مقتولوں اور زخمیوں کو اٹھا کر میدان جنگ سے لے جانا ❹ چرخہ کاتنا ❺ تیر اٹھا کر دینا ❻ خورد و نوش کا انتظام کرنا، پکانا ❼ قبر کھودنا فوج کو ہمت دلانا۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ، ام سلیمؓ، ام سلیطؓ نے غزوہ احد میں مشک بھر بھر کر زخمیوں کو پانی پلایا تھا،[7] ام سلیمؓ اور انصار کی چند عورتیں زخمیوں کی تیمارداری کرتی تھیں اور

---

[1] ابن ہشام ص ۸۴۔ [2] ابن سعد ج ۸ ص ۳۰۴۔

[3] زرقانی ج ۲ ص ۱۲۹۔ [4] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۳۔

[5] اصابہ ج ۸ ص ۱۳۔ [6] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲۹۔

[7] صحیح بخاری۔

Marfat.com

اس مقصد کے لیے وہ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوا کرتی تھیں[1] ربیع بنت معوذؓ وغیرہ نے شہداء و مجروحین کو قتل گاہ سے اٹھا کر مدینہ پہنچایا تھا[2] ام الشجعیہ اور دوسری پانچ عورتوں نے غزوۂ خیبر میں چرخہ کات کر مسلمانوں کو مدد دی تھی' وہ تیر اٹھا کر لاتی اور ستو پلاتی تھیں'[3] حضرت ام عطیہؓ نے سات غزوات میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے کھانا پکایا تھا[4] اغواث اور امارث وغیرہ جنگوں میں جو خلافت فاروقی میں ہوئیں' عورتوں اور بچوں نے گورکنی کی خدمت انجام دی تھی'[5] اور جنگ یرموک میں میں جب مسلمانوں کا میمنہ ہٹتے ہٹتے حرم کے خیمہ گاہ تک آ گیا تو ہندؓ اور خولہؓ نے پر جوش اشعار پڑھ کر لوگوں کو غیرت دلائی تھی۔[6]

اشاعت اسلام بھی مذہب کی ایک بڑی خدمت ہے اور صحابیات رضی اللہ عنہن نے اس سلسلے میں خاص کوششیں کی ہیں' چنانچہ حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا کی دعوت پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تھا[7] ام سلیم کی ترغیب سے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آستانۂ اسلام پر سر جھکایا تھا[8] عکرمہؓ اپنی بیوی ام حکیمؓ کے سمجھانے پر مسلمان ہوئے تھے'[9] اور ام شریک دوسیہ کی وجہ سے قریش کی عورتوں میں اسلام پھیلا تھا' جو نہایت مخفی طور پر اس خدمت کو انجام دیتی تھیں۔[10]

اسلام کی حفاظت بھی ایک اہم کام ہے اور متعدد صحابیات رضی اللہ عنہن میں سب سے زیادہ اس خدمت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ادا کیا ہے۔ ۳۵ھ میں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور نظام مذہب درہم برہم ہو گیا تو انہوں نے اصلاح کی آواز بلند کی' جس پر مکہ اور بصرہ کے لوگوں نے لبیک کہا۔

نماز کی امامت بھی ایک اہم کام ہے اور متعدد صحابیات رضی اللہ عنہن نے اس کو کبھی کبھی

---

[1] ابوداؤد ج ۱ ص ۲۵۲۔ [2] بخاری کتاب الطب ہل یداوی الرجل المراہ۔ [3] ابوداؤد ج ۱ ص ۲۷۰۔
[4] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۵۔ [5] طبری ج ۶ ص ۲۳۱۷۔ [6] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۶۳۔
[7] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۱۹۔ [8] اصابہ ج ۶ ص ۱۰۶۔ [9] مسند۔ [10] موطا امام مالک کتاب النکاح۔

Marfat.com

عورتوں کے مجمع میں انجام دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا' ام ورقہ بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا اور سعد بنت قمامہ عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں' ام ورقہ رضی اللہ عنہا کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ انہوں نے اپنے مکان کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا' جہاں وہ ہمیشہ امامت کرتی اور اذان دیتی تھیں'[1] (عورت کی اقتداء عورت کے پیچھے درست ہے مگر حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے)

سیاسی کارنامے:

صحابیات رضی اللہ عنہن نے متعدد سیاسی خدمتیں بھی انجام دی ہیں' چنانچہ حضرت شفاءؓ بنت عبداللہ اس درجہ صائب الرائے تھیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو تحسین کرتے اور ان سے مشورہ کرتے تھے'[2] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بسا اوقات بازار کا انتظام بھی ان کے سپرد کیا ہے۔[3]

ہجرت سے قبل جب قریش نے کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کرنا چاہا تو رقیقہ بنت صیفی نے جو عبدالمطلب کی بھتیجی تھیں' سرور عالم ﷺ کو اس ارادہ کی اطلاع دی تھی'[4] چنانچہ آپ خواب گاہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔[5]

عورت کے سیاسی اختیارات اس قدر وسیع ہیں کہ وہ دشمنوں کو پناہ دے سکتی ہے اور امام اس کے امان کو برقرار رکھ سکتا ہے' سنن ابی داؤد میں لکھا ہے کہ فتح مکہ کے زمانہ میں ام ہانی رضی اللہ عنہا نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ تھیں' ایک مشرک کو پناہ دی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:[6]

قد اجرنا من اجرت و امنا من امنت.

''تم نے جس کو پناہ دی ہم نے بھی دی''۔

علمی کارنامے:

اسلامی علوم یعنی قرأت' تفسیر' حدیث' فقہ' فرائض میں متعدد صحابیات رضی اللہ عنہن کمال

---

1 اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۹۴۔ 2 کتاب الام شافعی ج ۱ ص ۱۴۵ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۷۶' ۴۸۹۔
3 ایضاً ص ۴۸۷۔ 4 اصابہ ج ۸ ص ۳۲۔ 5 طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۶۔ 6 ابوداؤد جلد ۱ ص ۲۷۴۔

Marfat.com

رکھتی تھیں، حضرت عائشہؓ، حفصہؓ، ام سلمہؓ، اور ام ورقہؓ نے پورا قرآن مجید حفظ کیا تھا[1] ہند بنت اسیدؓ، ام ہشامؓ بنت حارثہ، رائطہؓ بنت حیان اور ام سعد بنت سعد ابن ربیع بعض حصوں کی حافظ تھیں، ام سعد قرآن مجید کا درس بھی دیتی تھیں[2]

تفسیر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خاص کمال تھا، چنانچہ صحیح مسلم کے آخر میں ان کی تفسیر کا معتدبہ حصہ منقول ہے۔

حدیث میں ازواج مطہرات عموماً اور حضرت عائشہؓ اور ام سلمہ تمام صحابیات سے ممتاز تھیں،[3] حضرت عائشہ کی روایات ۲۲۱۰ ہیں اور حضرت ام سلمہؓ نے ۳۷۸ حدیثیں روایت کی ہیں ان کے علاوہ ام عطیہؓ اور اسماءؓ بنت ابی بکرؓ، ام ہانی اور فاطمہؓ بنت قیس بھی کثیر الروایہ گزری ہیں۔

فقہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فتاوے اس قدر ہیں کہ متعدد ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔[4] حضرت ام سلمہؓ کے فتاوے سے ایک چھوٹا سا رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔ حضرت صفیہؓ، حفصہؓ، ام حبیبہؓ، جویریہؓ، میمونہؓ، فاطمہ زہراؓ، ام شریکؓ، اسماءؓ بنت ابی بکرؓ، لیلیٰ بنت قائف، خولاؓ بنت تویت، ام الدرداؓ، عاتکہؓ بنت زید، سہلہ بنت سہیل، فاطمہؓ بنت قیس، زینبؓ بنت جحش، ام سلمہؓ، ام ایمنؓ، ام یوسفؓ، ام سلمہؓ کے فتاوے ایک مختصر رسالہ میں جمع کیے جا سکتے ہیں۔

فرائض میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خاص مہارت تھی، اور بڑے بڑے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ان سے فرائض کے متعلق دریافت کرتے تھے۔[5]

اسلامی علوم کے علاوہ اور علوم میں بھی صحابیات رضی اللہ عنہن دستگاہ رکھتی تھیں مثلاً علم اسرار میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو پوری واقفیت تھی،[6] خطابت میں اسماء بنت سکن کا خاص شہرہ تھا[7] تعبیر میں اسماء بنت عمیس مشہور تھیں۔[8]

---

[1] فتح الباری ج۹ ص ۴۷۔ [2] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۸۶۔ [3] ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۲۶۔
[4] اعلام الموقعین ابن قیم ج ۱ ص ۱۳۔ [5] ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۶۲۔ [6] مسند۔
[7] اصابہ ج ۸ ص ۱۲۔ [8] ایضاً ص ۹۔

Marfat.com

طب اور جراحی میں رفیدہ اسلمیہؓ، ام مطاعؓ، ام کبشہؓ، حمنہ بنت جحشؓ معاذہؓ، لیلیٰ امیمہؓ، ام زیادؓ، ربیع بنت معوذؓ، ام عطیہؓ، ام سلیم کو زیادہ مہارت تھی' رفیدہ کا خیمہ جس میں جراح خانہ بھی تھا۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا[1]

شاعری میں خنسا' سعدیؓ، صفیہؓ، عاتکہؓ، امامہ مریدیہؓ، ہند بنت حارث، زینب بن عوام اروئؓ، عاتکہؓ بن زید، ہند بنت اثاثہ، ام ایمنؓ، قتیلہ عبدریہ' کبشہ بنت رافع' میمونہ بلویہؓ نعم، رقیہ زیادہ نامور ہیں' خنسا رضی اللہ عنہا کا جواب آج تک عورتوں میں پیدا نہیں ہوا۔ ان کا دیوان چھپ گیا ہے۔

علمی کارنامے:

اس سے مراد صنعت وحرفت ہے جس میں حیاکت' فلاحت' کتابت' تجارت اور خیاطت وغیرہ داخل ہیں۔ اسد الغابہ اور مسند احمد بن حنبل کی متعدد روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابیات رضی اللہ عنہن عموماً کپڑا بنا کرتی تھیں' جو ان کو اور ان کی اولاد کو کافی ہوتا تھا[2]

کاشتکاری تمام صحابیات رضی اللہ عنہن نہیں کرتی تھیں' بلکہ وہ مدینہ یا دیگر سرسبز مقامات کے باشندوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ مدینہ میں عموماً انصار کی عورتیں کاشت کاری کرتی تھیں' مہاجر عورتوں میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا بھی یہی مشغلہ تھا[3]

لکھنا بہت سی صحابیات رضی اللہ عنہن جانتی تھیں' چنانچہ شفاءؓ بنت عبداللہ کو اس میں خاص طور پر شہرت حاصل ہے۔ جنہوں نے ایام جاہلیت ہی میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ شفاءؓ کے علاوہ حضرت حفصہؓ، ام کلثومؓ بنت عقبہ اور کریمہ بنت المقداد بھی لکھنا جانتی تھیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اگرچہ پڑھنا آتا تھا۔ لیکن لکھنا نہیں آتا تھا[4]

صحابیات رضی اللہ عنہن میں بعض عورتیں تجارت بھی کرتی تھیں۔ چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تجارت نہایت وسیع پیمانہ پر شام سے تھی۔ خولاؓ، ملیکہؓ ثقفیہ اور بنت مخربہ عطر کی تجارت کیا کرتی تھیں[6]

---

[1] ابن سعد ج ۸ ص ۲۱۳۔ [2] اسد الغابہ ج ۵ ص ۲۹۸ و مسند ج ۵ ص ۱۶۶۔ [3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۸۶۔
[4] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۷۷، ۴۷۹۔ [5] اصابہ ج ۸ ص ۶۱۔ [6] اسد الغابہ ص ۴۳۲، ۵۴۸ ج ۵۔

Marfat.com

سینا عام تھا' چنانچہ فاطمہ بنت شیبہ وغیرہ کے حالات سے اس کا پتہ چلتا ہے۔

شادی بیاہ اور خوشی کی تقریبات میں انصار کی لڑکیاں گیت گا لیتی تھیں' بلکہ کبھی کبھی شادی بیاہ اور خوشی کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی اشعار گائے ہیں' اور فریعہ بنت معوذؓ نے جو حدیث روایت کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی تھی' مدینہ میں ایک بی بی تھیں جن کا نام ارنب تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو انصار کی بعض شادیوں میں گیت گانے کو بھیجا ہے' ارنب رضی اللہ عنہا کا تذکرہ اصابہ میں آیا ہے۔[1]

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا لحن کے ساتھ قرآن پڑھتیں تھیں اور خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز پر پڑھ سکتی تھیں۔[2]

ان صنعتوں کے علاوہ بعض صحابیات رضی اللہ عنہن اور کام بھی جانتی تھیں' مثلاً حضرت سودہ رضی اللہ عنہا طائف کی کھالیں درست کرتی اور ان کو دباغت دیتی تھیں'[3] حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی دستکار تھیں۔[4] اس تمام تفصیل کے بعد اب ہم کو اس کتاب کے متعلق عرض کرنا ہے۔

انتخاب وترتیب:

یہ کتاب صحابیات رضی اللہ عنہن کے حالات میں ہے اور سیر الصحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آخری جلد ہے' صحابیات رضی اللہ عنہن کے حالات میں اگرچہ بعض کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مثلاً ابن اثیر المتوفی ۶۳۰ھ نے تاریخ النساء کے نام سے ایک کتاب لکھی' جو ناپید ہے۔[5] اس کے علاوہ اسماء الرجال کی تمام کتابوں میں ان کا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا' چنانچہ ابن مندہ المتوفی ۳۹۵ھ ابونعیم (متوفی ۴۰۳ھ) اور ابوموسیٰ اصفہانی (المتوفی ۵۸۱ھ) نے اپنی کتابوں میں ان کے حالات لکھے ہیں۔

قاضی ابن عبدالبر کی کتاب استیعاب ہے۔ اس میں ۳۹۸ صحابیات رضی اللہ عنہن کے

---

[1] اسد الغابہ ج ۸ ص ۴۔ [2] مسند ج ۶ ص ۳۰۰' ۳۰۲۔ [3] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۴۰۔

[4] ایضاً ص ۴۶۵۔ [5] ایضاً ص ۴۷۲۔

Marfat.com

حالات ہیں، جن میں مکررات ہیں، اصابہ میں لکھا ہے کہ استیعاب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قاضی صاحب نے اپنے خیال میں تمام صحابہ کا استقصاء کر لیا تھا۔ حالانکہ اگر صحابہ کو چھوڑ کر صرف صحابیات کو لیا جائے تب بھی یہ خیال غلط ٹھہرتا ہے، طبقات الصحابہؓ میں جو محمد بن سعد زہری کاتب واقدی کی تصنیف ہے اور تیسری صدی کے اوائل میں لکھی گئی ہے۔ ۶۲۷ عورتوں کے حالات ہیں۔ جن میں ۹۳ غیر صحابیات ہیں، ابن سعد نے اپنی کتاب کی آٹھویں جلد مستقل عورتوں کے حالات میں لکھی ہے۔

قاضی صاحب کے بعد علامہ اثیر جزری المتوفی ۶۳۰ھ نے اسد الغابہ کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی جس میں عورتوں کے حالات کا ایک مخصوص حصہ کیا، اس میں ۱۰۲۲ صحابیات کے نام ہیں، جن میں مکررات کے علاوہ ۶۷ مجہول عورتیں بھی ہیں۔

نویں صدی میں حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ نے اسماء الرجال پر دو نہایت ضخیم کتابیں لکھیں، تہذیب التہذیب اور اصابہ فی تمیز الصحابہ، تہذیب کی بارہویں جلد کا ایک حصہ عورتوں کے حالات میں ہے۔ جس میں ۳۲۲ عورتوں کے تذکرے ہیں، ان میں مکرر نام بھی آگئے ہیں، اور تابعیات کے حالات بھی، البتہ اصابہ کی اٹھویں جلد خاص صحابیات کے حالات میں ہے جس میں ۱۵۴۵ عورتوں کا تذکرہ کیا ہے اس میں مکررات بھی ہیں اور کنیتیں بھی، اصابہ میں صحابیات رضی اللہ عنہن کی سب سے بڑی تعداد میں مذکور ہے۔[1]

تاہم ان تمام کتابوں میں چند خصائص مشترک ہیں:

❶ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسماء الرجال کے مصنفین کا مقصد ناموں کا استقصاء ہوتا ہے۔ ان کو اپنے مقصد کے لحاظ سے اس بحث نہیں ہوتی کہ جو واقعات ہاتھ آئے ہیں، ان سے کوئی مفید تاریخی نتیجہ نکل سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ یہ بحث ان کے فن سے خارج ہے۔

❷ کثرت سے ان کو ایسے نام لکھنے پڑتے ہیں، جن کے حالات دوسرے طریقوں سے

---

[1] یہ تعداد تخمینی ہے۔

Marfat.com

بالکل معلوم نہیں ہوتے یہ وہ نام ہیں جو برسبیل تذکرہ کسی حدیث میں آ گئے ہیں۔

3. بعض جگہ صرف کنیت یا لقب لکھ دیتے ہیں کہ اس سے زیادہ ان کا کوئی حال ان کو معلوم نہ ہوسکا۔

4. کہیں بالکل مبہم تذکرہ کرتے ہیں' مثلاً امراءت (ایک عورت) اور اس کے بعد کوئی واقعہ لکھتے ہیں' اس سے زیادہ کا علم ہی نہیں ہوتا۔

5. عموماً جن عورتوں کے حالات پہلے لکھ جاتے ہیں ان کنیتوں اور القاب میں دوبارہ تذکرہ کرتے ہیں' جس سے تکرار پیدا ہوتی ہے۔

ان کے علاوہ ایک اور مشکل یہ ہے کہ ان تمام کتابوں میں کوئی خاص ترتیب ملحوظ نہیں ہے۔ تہذیب میں تو تابعیات تک کے حالات ہیں' البتہ طبقات ابن سعد اس نکتہ چینی میں شامل نہیں ہے' وہ ترتیب کے ساتھ لکھی گئی ہے' پہلے آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیوں' پھوپھیوں' ان کی لڑکیوں اور ازدواج مطہرات کے تراجم ہیں' پھر قریش اور عام مہاجرات ؓ کا تذکرہ ہے' اس کے بعد انصاریات ؓ کے حالات ہیں' جن میں ہر خاندان کا ذکر جدا جدا ہے۔ آخر میں ان عورتوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے بجائے ازواج مطہرات وغیرہ سے روایت کی ہے اور یہ حصہ صحابیات سے بالکل الگ ہے۔

اس میں شک نہیں وہ صحابیات کے استقصاء اور ان کی سیرتوں کی ترتیب کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا' لیکن موجود زمانہ میں فن سیرت نگاری نے جو ترقی کی ہے اس کے لحاظ سے یہ تمام کتابیں ناکافی تھیں۔ نیز مسلمانوں کا موجودہ تنزل ان کی کتابوں کو نئے آب و رنگ سے پیش کرنے کا داعی تھا' اس بنا پر ہم نے کتب اسماء الرجال کے ساتھ صحاح ستہ اور مسند احمد بن حنبل وغیرہ کا مطالعہ کر کے مفید معلومات کا اضافہ کیا' اور بالکل جدید انداز سے صحابیات کی سیرتیں مرتب کیں۔

اسماء الرجال کی کتابوں میں مناقب پر زیادہ زور دیا جاتا تھا' ہم نے ان کی بجائے مذہبی' سیاسی' علمی اور اخلاقی کارناموں پر زیادہ توجہ کی' اور ان کو زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا۔ کیونکہ یہی وہ چیزیں ہیں' جو ایک مردہ قوم کے قالب میں جان ڈال سکتی ہیں' یہ

Marfat.com

وہ خیال تھا جس نے خود بخود صحابیات رضی اللہ عنہن کی تعداد کو گھٹا دیا' جس سے ہمارا دائرہ انتخاب بھی محدود ہو گیا۔

اس کتاب میں ۴۵ صحابیات رضی اللہ عنہن کی سوانح عمریاں ہیں' جو شرائط مذکورہ کے ساتھ لکھی گئی ہیں' اور اس بنا پر یہ کتاب فن اسماء الرجال میں داخل ہونے کی بجائے صحابیات کی تاریخ بن گئی ہے۔ جس میں ان کے محاسن کمال کا ایک ایک خال وخط نظر آتا ہے۔

واقعات کے انتخاب میں خاص احتیاط مدنظر رکھی گئی ہے' اور ان کو روایت و درایت کی کسوٹی پر جانچ لیا گیا ہے' اسی بنا پر بہت سے واقعات جو عام کتابوں میں متداول ہیں' اس کتاب میں نہیں ملیں گے۔

اس میں قارئین کو صحابیات رضی اللہ عنہن کے حالات میں بعض ایسی روایتیں ملیں گی جو مسائل فقہیہ کے معارض ہیں' اس لیے یہ بات واضح رہنا چاہیے کہ یہ کتاب تذکرۂ تراجم کی ہے' اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس پاکیزہ جماعت کی زندگی کا نقشہ ہمارے سامنے آ جائے' مسائل فقہیہ کی تشریح اور روایات مختلفہ کی تطبیق و ترجیح کا موضوع نہیں ہے۔ اس لیے اختلافی مسائل فقہیہ میں اس کتاب کو اپنے عمل کے لیے سند بنانا صحیح نہ ہوگا۔

قارئین کی سہوت کے لیے اس قسم کی مندرجہ روایات پر نوٹ دے دیئے گئے ہیں۔

ان تمام باتوں کے ساتھ ممکن بلکہ اغلب ہے کہ مجھ سے تحریر میں کچھ فروگزاشتیں ہو گئی ہوں' لیکن انسان اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا ہے۔

وقد قال اللہ تعالیٰ : ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾

سعید انصاری

دار المصنفین اعظم گڑھ

۵ محرم ۱۴۳۰ھ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع ثانی

دار المصنفین نے سیر الصحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مسلمانوں میں اس کو مقبولیت بخشی اور بہت سعادت مندوں کو اس سے علمی و عملی فائدے پہنچائے اس سے امید ہے کہ اس سلسلہ کے لکھنے والوں کو انشاء اللہ تعالیٰ اجر آخرت بھی ملے گا' اس سلسلہ کو دار المصنفین کے حسب ذیل رفقاء نے لکھ کر پورا کیا ہے:

❶ مولانا عبد السلام صاحب ندوی

❷ مولانا حاجی معین الدین ندوی مرحوم سابق صدر مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ۔

❸ مولانا سعید انصاری صاحب۔

یہ سیر الصحابیات رضی اللہ عنہن آخر الذکر رفیق کے قلم سے نکلی ہے اور یہ پہلی دفعہ آج سے ۲۳ برس پہلے ۱۳۴۱ھ میں چھپی تھی' اور اب دوبارہ شائع کی جارہی ہے' اس دوسرے ایڈیشن پر ہمارے ایک اور رفیق مولانا اویس صاحب نگرامی ندوی نے نظر ثانی کی ہے۔ حوالوں کی تصحیح' بعض غلطیوں کی اصلاح اور بعض مطالب میں مناسب ترمیم بھی انہوں نے کی ہے' جس کے لیے وہ شکریہ کے مستحق ہیں' امید ہے کہ یہ کتاب اس کے بعد اپنی افادیت میں پہلے سے بہتر اور انشاء اللہ مؤلف اور مصحح دونوں کے لیے خیر جاری ثابت ہوگی۔

مسلمان عورتیں زمانہ کے نئے حالات سے بدل رہی ہیں ان کے سامنے

Marfat.com

سعادت مند خواتین کا کوئی اسوہ موجود نہیں اس لیے ان کا ارادہ سے ہٹنا دور از عقل نہیں' لیکن ہماری بہنیں اور بیٹیاں اس کتاب کو اپنی کتاب کا نمونہ بنائیں تو انہیں معلوم ہوگا کہ دینداری' خدا ترسی' پاکیزگی' عفت اور اصلاح و تقویٰ کے ساتھ وہ دنیا کو کیونکر نباہ سکتی ہیں اور دنیا اور آخرت دونوں کی نیکیوں کو اپنے آنچل میں کیسے سمیٹ سکتی ہیں۔

والسلام

سید سلیمان ندوی

ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ

۴ شعبان ۱۳۶۳ھ

Marfat.com

(۱) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

خدیجہ نام، ام ہند کنیت، طاہرہ لقب، سلسلہ نسب یہ ہے:

خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی، قصی پر پہنچ کر ان کا خاندان رسول اللہ ﷺ کے خاندان سے مل جاتا ہے۔ والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا، اور لوی بن غالب کے دوسرے بیٹے عامر کی اولاد تھیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد اپنے قبیلہ میں نہایت معزز شخص تھے۔ مکہ آ کر اقامت کی، عبدالدار بن قصیٰ کے جوان کے ابن عم تھے، حلیف بنے اور یہیں سے فاطمہ بنت زائدہ سے شادی کی، جن کے بطن سے عام الفیل سے ۱۵ سال قبل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں[۱] سن شعور کو پہنچیں تو اپنے پاکیزہ اخلاق کی بنا پر طاہرہ کے لقب سے مشہور ہوئیں۔[۲]

نکاح:

باپ نے ان صفات کا لحاظ رکھ کر شادی کے لیے ورقہ بن نوفل کو جو برادر زادہ اور تورات وانجیل کے بہت بڑے عالم تھے، منتخب کیا، لیکن پھر کسی وجہ سے یہ نسبت نہ ہو سکی اور ابو ہالہ بن نباش تمیمی سے نکاح ہو گیا۔[۳]

ابو ہالہ کے بعد عتیق بن عائذ مخزومی کے عقد نکاح میں آئیں۔

اسی زمانہ میں حرب الفجار چھڑی، جس میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے باپ لڑائی کے نکلے لیے اور مارے گئے[۴]، یہ عام الفیل سے ۲۰ سال بعد کا واقعہ ہے۔[۵]

۱؎ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۸ و ۱۰۔ ۲؎ اصابہ ج ۸ ص ۶۰۔ ۳؎ استیعاب ج ۲ ص ۳۷۸۔
۴؎ طبقات ج ۸ ص ۹۔ ۵؎ ایضاً ص ۸۱ ج ا ق ا۔

Marfat.com

تجارت:

باپ اور شوہر کے مرنے کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سخت دقت واقع ہوئی' ذریعہ معاش تجارت تھا' جس کا کوئی نگران نہ تھا' تاہم اپنے اعزہ کو معاوضہ دے کر مال تجارت بھیجتی تھیں' ایک مرتبہ مال کی روانگی کا وقت آیا تو ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تم کو خدیجہ (رضی اللہ عنہا) سے جا کر ملنا چاہیے' ان کا مال شام جائے گا۔ بہتر ہوتا کہ تم بھی ساتھ جاتے' میرے پاس روپیہ نہیں ورنہ میں خود تمہارے لیے سرمایہ مہیا کر دیتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت ''امین'' کے لقب سے تمام اہل مکہ میں تھی اور آپ کے حسن معاملت' راست بازی' صدق و دیانت اور پاکیزہ اخلاق کا عام چرچا تھا' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اس گفتگو کی خبر ملی تو فوراً پیغام بھیجا کہ ''آپ میرا مال تجارت لے کر شام کو جائیں' جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں آپ کو اس کا مضاعف دوں گی''۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا اور مال تجارت لے کر میسرہ (غلام خدیجہؓ) کے ہمراہ بصریٰ تشریف لے گئے' اس سال کا نفع سالہائے گزشتہ کے نفع سے مضاعف تھا۔[1]

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آتی ہیں:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دولت و ثروت اور شریفانہ اخلاق نے تمام قریش کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا' اور ہر شخص ان سے نکاح کا خواہاں تھا' لیکن کارکنان قضا و قدر کی نگاہ انتخاب کسی پر پڑ چکی تھی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مال تجارت لے کر شام سے واپس آئے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے شادی کا پیغام بھیجا' نفیسہ بنت منیہ (یعلی بن امیہ کی ہمشیرہ) اس خدمت پر مقرر ہوئی' آپ نے منظور فرمایا'[2] اور شادی کی تاریخ مقرر ہوگئی' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد اگرچہ وفات پا چکے تھے تاہم ان کے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے' عرب میں عورتوں کو یہ آزادی حاصل تھی کہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کر سکتی تھیں' اسی بنا پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے چچا کے ہوتے ہوئے خود براہ راست تمام مراتب طے کیے۔

---

[1] طبقات ج ۱ ص ۸۱۔ [2] ایضاً ص ۸۴۔

Marfat.com

تاریخ معین پر ابوطالب اور تمام رؤسائے خاندان جن میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے خاندان کے چند بزرگوں کو جمع کیا تھا۔ ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا۔ عمرو بن اسد کے مشورے سے ۵۰۰ سوطلائی درہم مہر قرار پایا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا طاہرہ حرم نبوت ہو کر ام المومنین کے شرف سے ممتاز ہوئیں، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پچیس سال کے تھے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس برس کی تھی۔ یہ بعثت سے پندرہ سال قبل کا واقعہ ہے[1]

اسلام:

پندرہ برس کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہوئے اور فرائض نبوت کو ادا کرنا چاہا تو سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ پیغام سنایا وہ سننے سے پہلے مومن تھیں، کیونکہ ان سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق دعویٰ کا کوئی شخص فیصلہ نہیں کر سکتا تھا، صحیح بخاری باب بدء الوحی میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، اور وہ یہ ہے:

عن عائشة انها قالت اول ما بدئ به رسول الله صلى الله عليه وسلم من الوحي الرؤيا الصالحة في النوم فكان لا يرىٰ رويا الاجاء ت مثل فلق الصبح، ثم حبب اليه الخلاء و كان يخلوا بغار حراء فيتحنث فيه وهو التعبد الليالى ذوات العدد قبل ان ينزع الىٰ اهله ويتزود لذلك ثم يرجع الىٰ خديجةؓ . فيتزود لمثلها حتى جآء الحق وهو غار حراء فجاء ه الملك فقال اقرء فقلت ماانا بقارئ قال فاخذنى فغطنى حتى بلغ منى الجهد ثم ارسلنى فقال اقرا فقلت ما انا بقارى فاخذنى فغطى الثانية حتى بلغ منى الجهد الثالثة ثم ارسلنى فقال اقرء باسم ربك الذى خلق خلق الانسان من علق اقرء وربك الاكرم،فرجع بها رسول الله صلى الله عليه وسلم يرجف فؤاده فدخل على خديجة بنت خويلد

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۶۰۔

Marfat.com

فقال زملونی زملونی فزملوه حتی ذهب عنه الروع فقال لخديجة واخبرها الخبر لقد خشيت على نفسي فقالت خديجة. كلا والله ما يخزيک الله ابداً انک لتصل الرحم وتحمل الكل وتكسب المعدوم وتقرى الضيف و تعين على نوائب الحق فانطلقت به خديجة حتی اتت به ورقه بن نوفل بن اسد بن عبدالعزى ابن عم خديجة و كان امرأ تنصر في الجاهلية و كان يكتب الكتاب العبرانی فيكتب من الانجيل بالعبرانية ماشاء الله ان يكتب و كان شيخا كبيرا قد عمی فقالت له خديجة يا ابن اخی ما ذا تری فاخبره رسول الله صلى الله عليه وسلم خبر مارائ فقال له ورقة هذا الناموس الذی نزل الله على موسىٰ ياليتنی فيها جذعاً ياليتنی اكون حيا اذ يخرجک قومک فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم او مخرجی هم قال نعم لم يات رجل قد بمثل ما جئت به الاعودی وان يدركنی يومک انصرک نصرا مؤذر اثم لم ينشب ورقة ان توفی وفتر الوحی[1]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء رویائے صادقہ سے ہوئی' آپ جو کچھ خواب دیکھتے تھے سپیدۂ صبح کی طرح نمودار ہو جاتا تھا' اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلوت گزیں ہو گئے' چنانچہ کھانے پینے کا سامان لے کر غار حرا تشریف لے جاتے تھے اور وہاں تحنث یعنی عبادت کرتے تھے جب سامان ہو چکتا تو پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر مراقبہ میں مصروف ہوتے یہاں تک کہ ایک دن فرشتہ غیب نظر آیا' کہ آپ سے کہہ رہا ہے پڑھ' آپ نے فرمایا میں پڑھا لکھا نہیں' اس نے زور سے دبایا' پھر مجھ کو چھوڑ دیا اور کہا پڑھ' پھر میں نے کہا میں پڑھا لکھا نہیں اس طرح تیسری دفعہ دبا کر کہا پڑھ اس خدا کے نام

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲-۳

83881

Marfat.com

جس نے کائنات کو پیدا کیا۔ جس نے آدمی گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا خدا کریم ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو جلال الٰہی سے لبریز تھے' آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا مجھ کو کپڑا اڑھاؤ' مجھ کو کپڑا اڑھاؤ' لوگوں نے کپڑا اوڑھایا تو ہیبت کم ہوئی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تمام واقعہ بیان کیا اور کہا ''مجھ کو ڈر ہے'' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا آپ متردد نہ ہوں خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا' کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں' بے کسوں اور فقیروں کے معاون رہتے ہیں' مہمان نوازی اور مصائب میں حق کی حمایت کرتے ہیں پھر وہ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو مذہباً نصرانی تھے عبرانی زبان جانتے تھے اور عبرانی زبان میں انجیل لکھا کرتے تھے' اب وہ بوڑھے اور نابینا ہوگئے تھے' خدیجہؓ نے کہا اپنے بھتیجے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی باتیں سنو' بولے ابن الاخ تو نے کیا دیکھا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ کی کیفیت بیان کی تو کہا یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ پر اترا تھا۔ کاش مجھ میں اس وقت قوت ہوتی اور میں زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو شہر بدر کرے گی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے جواب دیا ہاں جو کچھ آپ پر نازل ہوا جب کسی پر نازل ہوتا ہے تو دنیا اس کی دشمن ہوجاتی ہے اور اگر اس وقت تک میں زندہ رہا تو تمہاری وزنی مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ کا بہت جلد انتقال ہوگیا اور وحی کچھ دنوں کے لیے رک گئی۔

اس وقت تک نماز پنجگانہ فرض نہ تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نوافل پڑھا کرتے تھے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ نوافل میں شرکت کرتی تھیں' ابن سعد کہتے ہیں[1]

مکث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و خدیجۃ یعلیان سرا ماشاء اللہ.

---

[1] طبقات ج ۸ ص ۱۰۔

Marfat.com

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک عرصہ تک خفیہ طور پر نماز پڑھا کیے''۔

عفیف کندی سامان خریدنے کے لیے مکہ آئے' اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر میں فروکش ہوئے۔ صبح کے وقت ایک دن کعبہ کی طرف نظر تھی۔ دیکھا کہ ایک نوجوان آیا' اور آسمان کی طرف دیکھ کر قبلہ رخ کھڑا ہو گیا۔ پھر ایک لڑکا اس کے داہنی طرف آ کر کھڑا ہو گیا' پھر ایک عورت دونوں کے پیچھے کھڑی ہوئی' نماز پڑھ کر یہ لوگ چلے گئے' تو عفیف نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کوئی عظیم الشان واقعہ پیش آنے والا ہے' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا' ہاں پھر کہا جانتے ہو یہ نوجوان کون ہے؟ یہ میرا بھتیجا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے' یہ دوسرا بھتیجا علیؓ ہے' اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی (خدیجہؓ) ہے' میرے بھتیجے کا خیال ہے کہ اس کا مذہب پروردگار عالم کا مذہب ہے اور وہ جو کچھ کرتا ہے' اس کے حکم سے کرتا ہے دنیا میں جہاں تک مجھ کو علم ہے اس خیال کے صرف یہی تین شخص ہیں[1]

عقیلی اس روایت کو ضعیف سمجھتے ہیں' لیکن ہمارے نزدیک اس کے ضعیف ہونے کی کوئی وجہ نہیں' درایت کے لحاظ سے اس میں کوئی خرابی نہیں' روایت کی حیثیت سے اس کے ثبوت کے متعدد طریق ہیں محدث ابن سعد نے اس کو نقل کیا ہے' بغوی' ابو یعلی اور نسائی نے اس کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے' حاکم' ابن خیثمہ' ابن مندہ اور صاحب غیلانیات نے اسے مقبول مانا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے صرف نبوت کی تصدیق ہی نہیں کی بلکہ آغاز اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی معین و مددگار ثابت ہوئیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو چند سال تک کفار مکہ کو اذیت دیتے ہوئے ہچکچاتے تھے اس میں بڑی حد تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا اثر کام کر رہا تھا' اوپر گزر چکا ہے کہ آغاز نبوت میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ ''مجھ کو ڈر ہے'' تو انہوں نے کہا کہ ''آپ متردد نہ ہوں' خدا

---

[1] طبقات ص ۱۰' ۱۱۔

Marfat.com

آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا'' دعوت اسلام کے سلسلے میں جب مشرکین نے آپ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں تو حضرت خدیجہ ؓ نے آپ کو تسلی اور تشفی دی' استیعاب میں ہے:[1]

فکان لایسمع من المشرکین شیا یکرہ من رد علیه وتکذیب له الا فرج الله عنه بما تثبته وتصدقه وتخفف عنه وتهون علیه ما یلقی من قومه.

''آنحضرت ﷺ کو مشرکین کی تردید یا تکذیب سے جو کچھ صدمہ پہنچتا' حضرت خدیجہ ؓ کے پاس آ کر دور ہو جاتا تھا کیونکہ وہ آپ کی باتوں کی تصدیق کرتی تھیں اور مشرکین کے معاملہ کو آپ کے سامنے ہلکا کر کے پیش کرتی تھیں''۔

۷ نبوی میں جب قریش نے اسلام کے تباہ کرنے کا فیصلہ کیا تو تدبیر یہ سوچی کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے خاندان کو ایک گھاٹی میں محصور کیا جائے' چنانچہ ابوطالب مجبور ہو کر تمام خاندان ہاشم کے ساتھ شعب ابوطالب میں پناہ گزین ہوئے' حضرت خدیجہ ؓ بھی ساتھ آئیں' سیرت ابن ہشام میں ہے:[2]

وهی عند رسول الله صلی الله علیه وسلم ومعه فی الشعب.

''اور وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ شعب ابوطالب میں تھیں''۔

تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ طلح کے پتے کھا کھا کر رہتے تھے تاہم اس زمانہ میں بھی حضرت خدیجہ ؓ کے اثر سے کبھی کبھی کھانا پہنچ جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دن حکیم بن حزام نے جو حضرت خدیجہ ؓ کا بھتیجا تھا تھوڑے سے گیہوں اپنے غلام کے ہاتھ حضرت خدیجہ ؓ کے پاس بھیجے' راہ میں ابوجہل نے دیکھ لیا اور چھین لینا چاہا' اتفاق سے ابوالبختری کہیں سے آ گیا' وہ اگرچہ کافر تھا' لیکن اس کو رحم آیا' ابوجہل سے کہا ایک شخص اپنی پھوپھی کو کھانے کے کچھ بھیجتا ہے تو کیوں روکتا ہے۔[3]

وفات:

حضرت خدیجہ ؓ نکاح کے بعد ۲۵ برس تک زندہ رہیں اور ۱۱ رمضان ۱۰ نبوی

---

[1] استیعاب ج ۲ ص ۷۴۰۔ [2] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۹۲۔ [3] ایضاً۔

Marfat.com

(ہجرت سے تین سال قبل)[1] انتقال کیا' اس وقت ان کی عمر ۶۴ سال ۶ ماہ کی تھی' چونکہ نماز جنازہ اس وقت تک مشروع نہیں ہوئی تھیں اس لیے ان کی لاش اسی طرح دفن کردی گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کی قبر میں اترے' اور اپنی سب سے بڑی غمگسار کو داعی اجل کے سپرد کیا' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قبر حجون میں ہے[2] اور زیارت گاہ خلائق ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے تاریخ اسلام میں ایک جدید دور شروع ہوا۔ یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سال کو عام الحزن (سال غم) فرمایا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کسی شخص کا پاس نہیں رہ گیا تھا' اور اب وہ نہایت بے رحمی اور بے باکی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستاتے تھے' اسی زمانہ میں آپ اہل مکہ سے ناامید ہو کر طائف تشریف لے گئے تھے۔

اولاد:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بہت سی اولاد ہوئی' ابوہالہ سے جو ان کے پہلے شوہر تھے' دولڑکے پیدا ہوئے' جن کا نام ہالہ اور ہند تھا' دوسرے شوہر یعنی عتیق سے ایک لڑکی پیدا ہوئی' اس کا نام بھی ہند تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ اولادیں ہوئیں' صاحبزادے جو بچپن میں انتقال کر گئے اور چار صاحبزادیاں جن کے نام حسب ذیل ہیں:[3]

1. حضرت قاسم رضی اللہ عنہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے لڑکے تھے' ان ہی کے نام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوالقاسم کنیت کرتے تھے' صغرسنی میں مکہ میں انتقال کیا' اس وقت پیروں چلنے لگ تھے۔
2. حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔
3. حضرت عبداللہ نے بہت کم عمر پائی' چونکہ زمانہ نبوت میں پیدا ہوئے تھے' اس لیے طیب اور طاہر کے لقب سے مشہور ہوئے۔
4. حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا 5. حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا 6. حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا

---

[1] بخاری ج ۱ ص ۵۵۱۔ [2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۱۔ [3] زرقانی جلد ۳ ص ۲۲۱۔

Marfat.com

ان سب میں ایک ایک سال کا چھوٹا یا بڑا پایا تھا' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی اولاد کو بہت چاہتی تھیں' اور چونکہ دنیا نے بھی ساتھ دیا تھا یعنی صاحب ثروت تھیں' اس لیے عقبہ کی لونڈی سلمہ کو بچوں کی پرورش پر مقرر کیا تھا' وہ ان کو کھلاتی اور دودھ پلاتی تھی۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بعض خاص خصوصیتیں حاصل ہیں' وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی ہیں' وہ جب عقد نکاح میں آئیں تو ان کی عمر چالیس برس کی تھی' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی' حضرت ابراہیم کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد انہیں سے پیدا ہوئی۔

فضائل ومناقب:

ام المومنین حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی عظمت وفضیلت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرض نبوت ادا کرنا چاہا تو فضائے عالم سے ایک آواز بھی آپ کی تائید میں نہ اٹھی' کوہ حرا' وادی عرفات' جبل فاران غرض تمام جزیرۃ العرب آپ کی آواز پر ایک پیکر تصویر بنا ہوا تھا' لیکن اس عالمگیر خاموشی میں صرف ایک آواز تھی جو فضائے مکہ میں تموج پیدا کررہی تھی' یہ آواز حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے قلب مبارک سے بلند ہوئی تھی' جو اس ظلمت کدہ کفر وضلالت میں انوار الٰہی کا دوسرا تجلی گاہ تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا وہ مقدس خاتون ہیں' جنہوں نے نبوت سے پہلے بت پرستی ترک کردی تھی' چنانچہ مسند احمد بن حنبل میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "بخدا میں کبھی لات وعزیٰ کی پرستش نہ کروں گا" انہوں نے جواب دیا کہ "لات کو جانے دیجیے' عزیٰ کو جانے دیجیے' یعنی ان کا ذکر بھی نہ کیجیے"[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کی صدا بلند کی تھی سب سے پہلے ان ہی نے اس پر لبیک کہا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کو ان کی ذات سے جو تقویت تھی وہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک صفحہ سے نمایاں ہے' ابن ہشام میں ہے:

---

[1] مسند ج ۴ ص ۲۲۲۔

Marfat.com

و كانت له وزير صدق على الاسلام.

''وہ اسلام کے متعلق آنحضرت ﷺ کی سچی مشیر کار تھیں''۔

آنحضرت ﷺ سے ان کو جو محبت تھی' وہ اس سے ظاہر ہے کہ باوجود اس تمول اور اس دولت و ثروت کے جوان کو حاصل تھی آنحضرت ﷺ کی خدمت خود کرتی تھیں' چنانچہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ ''خدیجہ رضی اللہ عنہا برتن میں کچھ لا رہی ہیں' آپ ان کو خدا کا اور میرا اسلام پہنچا دیجیے''۔[1]

آنحضرت ﷺ کو حضرت زید بن حارثہؓ سے سخت محبت تھی' لیکن وہ مکہ میں غلام کی حیثیت سے رہتے تھے' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کو آزاد کیا' اور اب وہ کسی دنیاوی رئیس کے خادم ہونے کی بجائے شہنشاہ رسالت (ﷺ) کے غلام تھے۔

آنحضرت ﷺ کو بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بے انتہا محبت تھی آپ نے ان کی زندگی تک دوسری شادی نہیں کی' ان کی وفات کے بعد آپ کا معمول تھا کہ جب گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کی سہیلیوں کے پاس گوشت بھجواتے تھے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ گو میں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو نہیں دیکھا' لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا' جس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے اس پر آپ ﷺ کو رنجیدہ کیا' لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''خدا نے مجھ کو ان کی محبت دی ہے''۔[2]

ایک دفعہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ان کی بہن ہالہ آنحضرت ﷺ سے ملنے آئیں اور استیذان کے قاعدے سے اندر آنے کی اجازت مانگی' ان کی آواز حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ملتی تھی' آپ کے کانوں میں آواز پڑی تو خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آ گئیں ور آپ جھجک اٹھے' اور فرمایا کہ ''ہالہ ہوں گی'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں ان کو

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۹۔

[2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۲۔

Marfat.com

نہایت رشک ہوا' بولیں کہ "آپ کیا ایک بڑھیا کی یاد کیا کرتے ہیں' جو مر چکیں اور خدا نے ان سے اچھی بیویاں آپ کو دیں" صحیح بخاری میں یہ روایت یہیں تک ہے' لیکن استیعاب میں ہے کہ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ہرگز نہیں جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے تصدیق کی' جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائیں' جب میرا کوئی معین نہ تھا تو انہوں نے میری مدد کی[1] اور میری اولاد ان ہی سے ہوئی"۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مناقب میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں' صحیح بخاری اور مسلم میں ہے:

خير نسائها مريم بنت عمران وخير نسائها خديجة بنت خويلد.

"عالم میں افضل ترین عورت مریمؑ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں"۔

ایک دفعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' خدیجہ رضی اللہ عنہا آئیں تو فرمایا:

بشر هابيت فى الجنة من قصب لا صخب فيه ولا نصب[2]

"ان کو جنت میں ایک ایسا گھر ملنے کی بشارت سنا دیجیے جو موتی کا ہوگا اور جس میں شور وغل اور محنت و مشقت نہ ہوگی"۔

---

[1] سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مجلد دوم طبع دوم ص ۴۰۱۔

[2] بخاری باب تزویج النبی صلی اللہ علیہ وسلم وخدیجہ وفضلہا۔

Marfat.com

(۲) حضرت سودہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

سودہ نام تھا' قبیلہ عامر بن لوی سے تھیں' جو قریش کا ایک نامور قبیلہ تھا' سلسلۂ نسب یہ ہے:

سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی' ماں کا نام شموس تھا' یہ مدینہ کے خاندان بنونجار سے تھیں' ان کا پورا نام ونسب یہ ہے' شموس بنت قیس بن زید بن عمرو بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار۔

نکاح:

سکران رضی اللہ عنہ بن عمرو سے جوان کے والد کے ابن عم تھے' شادی ہوئی۔

قبول اسلام:

ابتدائے نبوت میں مشرف بہ اسلام ہوئیں' ان کے ساتھ ان کے شوہر بھی اسلام لائے' اس بنا پر ان کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہے' حبشہ کی پہلی ہجرت کے وقت تک حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر مکہ ہی میں مقیم رہے' لیکن جب مشرکین کے ظلم وستم کی کوئی انتہا نہ رہی اور مہاجرین کی ایک بڑی جماعت ہجرت کے لیے آمادہ ہوئی تو اس میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر بھی شامل ہو گئے۔

کئی برس حبشہ میں رہ کر مکہ واپس آئیں اور سکران رضی اللہ عنہ نے کچھ دن بعد وفات پائی۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا حرم نبوت میں:

ازواج مطہرات میں یہ فضیلت صرف حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد سب سے پہلے وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آئیں' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت پریشان وغمگین تھے' یہ

Marfat.com

حالت دیکھ کر خولہؓ بنت حکیم (عثمانؓ بن مظعون کی بیوی) نے عرض کی آپ کو ایک مونس و رفیق کی ضرورت ہے' آپ نے فرمایا ہاں گھر بار بال بچوں کا انتظام سب خدیجہ رضی اللہ عنہا کے متعلق تھا' آپ کے ایماء سے وہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے والد کے پاس گئیں' اور جاہلیت کے طریقہ پر سلام کیا انعم صباحا' پھر نکاح کا پیغام سنایا' انہوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شریف کفو ہیں' لیکن سودہ رضی اللہ عنہا سے بھی تو دریافت کرو' غرض سب مراتب طے ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے گئے اور سودہ رضی اللہ عنہا کے والد نے نکاح پڑھایا' چار سو درہم مہر قرار پایا' نکاح کے بعد عبداللہ بن زمعہ (حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے بھائی) جو اس وقت کافر تھے' آئے اور ان کو یہ حال معلوم ہوا تو سر پر خاک ڈال لی کہ کیا غضب ہو گیا' چنانچہ اسلام لانے کے بعد اپنی اس حماقت و نادانی پر ہمیشہ افسوس آتا تھا۔[1]

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ۱۰ نبوی میں ہوا' اور چونکہ ان کے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا زمانہ قریب قریب ہے' اس لیے مورخین میں اختلاف ہے کہ کس کو تقدم حاصل ہے' ابن اسحاق کی روایت ہے کہ سودہ رضی اللہ عنہا کو تقدم ہے اور عبداللہ بن محمد بن عقیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مقدم سمجھتے ہیں۔[2]

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنے پہلے شوہر کی زندگی میں ایک خواب دیکھا تھا' وہ ان سے بیان کیا تو بولے کہ شاید میری موت کا زمانہ قریب ہے' اور تمہارا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگا' چنانچہ یہ خواب حرف بہ حرف پورا ہوا۔[3]

عام حالات:

نبوت کے تیرھویں سال جب آپ نے مدینہ منورہ میں ہجرت کی تو حضرت زیدؓ ابن حارثہ کو مکہ بھیجا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کو لے آئیں' چنانچہ وہ اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا حضرت زید کے ہمراہ مدینہ آئیں۔

---

[1] زرقانی ج ۳ ص ۲۶۱۔ [2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۹ و زرقانی ج ۳ ص ۲۶۰۔

[3] زرقانی ج ۳ ص ۲۶۰ و طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۸ و ۳۹۔

Marfat.com

۱۰ھ ہجری میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھیں، چونکہ وہ بلند و بالا اور فربہ اندام تھیں اور اس وجہ سے تیزی کے ساتھ چل پھر نہیں سکتی تھیں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی کہ لوگوں کے مزدلفہ سے روانہ ہونے کے قبل ان کو چلا جانا چاہیے' کیونکہ ان کو بھیڑ بھاڑ میں چلنے سے تکلیف ہوگی[1]

وفات:

ایک دفعہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھیں' انہوں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سب سے پہلے کون مرے گا' فرمایا کہ جس کا ہاتھ سب سے بڑا ہے' لوگوں نے ظاہری معنی سمجھے' ہاتھ ناپے گئے تو حضرت سودہ کا ہاتھ لمبا تھا'[2] لیکن جب سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ ہاتھ بڑائی سے آپ کا مقصود سخاوت اور فیاضی تھی' بہر حال واقدی نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا سال وفات ۵۴ھ بتایا ہے'[3] لیکن ثقات کی روایت یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اخیر زمانہ خلافت میں انتقال کیا[4]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۲۳ھ میں وفات پائی ہے اس لیے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا سال ۲۲ھ ہوگا' خمیس میں یہی روایت ہے اور سب سے زیادہ صحیح ہے'[5] اور اس کو امام بخاری' جزری' ابن عبدالبر اور خزرجی نے اختیار کیا ہے۔

اولاد:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اولاد نہیں ہوئی' پہلے شوہر (حضرت سکران رضی اللہ عنہ) نے ایک لڑکا یادگار چھوڑا تھا' جس کا نام عبدالرحمٰن تھا' انہوں نے جنگ جلولاء (فارس) میں شہادت حاصل کی[6]

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۸۔ [2] طبقات ج ۸ ص ۳۷۔ [3] طبقات ابن سعد ج ۸ (ص ۳۷، ۳۹)

[4] اسد الغابہ و استیعاب و خلاصہ تہذیب حالات سودہؓ۔ [5] زرقانی ج ۳ ص ۲۶۲۔

[6] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۰۷۔

Marfat.com

حلیہ:

ازواج مطہرات میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کوئی بلند و بالا نہ تھا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ جس نے ان کو دیکھ لیا ہے' اس سے وہ چھپ نہیں سکتی تھیں[1] زرقانی میں ہے کہ ان کا ڈیل لمبا تھا۔[2]

فضل و کمال:

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے صرف پانچ حدیثیں مروی ہیں' جن میں سے بخاری میں صرف ایک ہے' صحابہ میں حضرت ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ اور یحییٰ بن عبدالرحمٰن (بن اسعد زراہ) نے ان سے روایت کی ہے۔

اخلاق:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:[3]

ما من الناس امرء ة احب الی ان اکون فی مسلاخها من سودة.

''سودہ کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے خیال نہیں ہوا کہ اس کے قالب میں میری روح ہوتی''۔

اطاعت اور فرمانبرداری میں وہ تمام ازواج مطہرات سے ممتاز تھیں' آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ میرے بعد گھر میں بیٹھنا'[4] چنانچہ حضرت سودہؓ نے اس حکم پر اس شدت سے عمل کیا کہ پھر کبھی حج کے لیے نہ نکلیں' فرماتی تھیں کہ میں حج اور عمرہ دونوں کر چکی ہوں' اور اب خدا کے حکم کے مطابق گھر میں بیٹھوں گی۔[5]

سخاوت اور فیاضی بھی ان کا ایک نمایاں وصف تھا' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا

---

[1] صحیح بخاری ج۲ص ۷۰۷۔ [2] زرقانی ج ۳ص ۲۵۹۔

[3] طبقات ج۸ص ۳۷۔ [4] زرقانی ج ۳ص ۲۹۱۔

[5] طبقات ج۸ص ۳۸۔

Marfat.com

وہ اس وصف میں بھی ممتاز تھیں' ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمت میں ایک تھیلی بھیجی' لانے والے سے پوچھا' اس میں کیا ہے؟ بولا درہم بولیں' کھجور کی طرح تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں' یہ کہہ کر اسی وقت سب کو تقسیم کر دیا[1] وہ طائف کی کھالیں بناتی تھیں اور اس سے جو آمدنی ہوتی تھی' اس کو نہایت آزادی کے ساتھ نیک کاموں میں صرف کرتی تھیں[2]

ایثار میں بھی وہ ممتاز حیثیت رکھتی تھیں' وہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آگے پیچھے نکاح میں آئی تھیں' لیکن چونکہ ان کا سب بہت زیادہ تھا اس لیے جب بوڑھی ہوگئیں تو ان کو سوء ظن ہوا کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طلاق دے دیں' اور شرف صحبت سے محروم ہو جائیں' اس بنا پر انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی اور انہوں نے خوشی سے قبول کر لیے[3]

مزاج تیز تھا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی بے حد معترف تھیں' لیکن کہتی ہیں کہ وہ بہت جلد غصہ سے بھڑک اٹھتی تھیں' ایک مرتبہ قضائے حاجت کے لیے صحرا کو جا رہی تھیں' راستہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مل گئے' چونکہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا قد نمایاں تھا' انہوں نے پہچان لیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا باہر نکلنا ناگوار ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شکایت کی' اسی واقعہ کے بعد آیت حجاب نازل ہوئی[4]

بایں ہمہ ظرافت اس قدر تھی کہ کبھی کبھی اس انداز سے چلتی تھیں کہ آپ ہنس پڑتے تھے ایک مرتبہ کہنے لگیں کہ کل رات کو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تھی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس قدر دیر تک) رکوع کیا کہ مجھ کو نکسیر پھوٹنے کا شبہ ہو گیا' اس لیے میں دیر تک ناک پکڑے رہی' آپ اس جملہ کو سن کر مسکرا اٹھے[5]

دجال سے بہت ڈرتی تھیں' ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۱۱۸۔ [2] ایضاً ص ۶۵ حالات خلیہ۔

[3] صحیح بخاری و مسلم (کتاب النکاح جواز ہبۃ نوبتہا الضرتہا)۔

[4] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۔ [5] ابن سعد ج ۸ ص ۳۷۔

Marfat.com

کے پاس آ رہی تھیں دونوں نے مذاق کے لہجہ میں کہا' تم نے کچھ سنا؟ بولیں کیا؟ کہا دجال نے خروج کیا' حضرت سودہ رضی اللہ عنہا یہ سن کر گھبرا گئیں' ایک خیمہ جس میں کچھ آدمی آگ سلگا رہے تھے' قریب تھا' فوراً اس کے اندر داخل ہوگئیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا ہنستی ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں' اور آپ کو اس مذاق کی خبر کی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور خیمہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ ابھی دجال نہیں نکلا ہے' یہ سن کر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا باہر آئیں تو مکڑی کا جالا بدن میں لگا ہوا تھا' اس کو باہر آ کر صاف کیا[1]

میرے نزدیک یہ روایت مشکوک اور سنداً ضعیف ہے۔

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۶۵۔

Marfat.com

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

عائشہ نام' صدیقہ اور حمیرا لقب' ام عبداللہ کنیت' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں' ماں کا نام زینب تھا' ام رومان کنیت تھی' اور قبیلہ غنم بن مالک سے تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بعثت کے چار برس بعد شوال کے مہینہ میں پیدا ہوئیں' صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کاشانہ وہ برج سعادت تھا' جہاں خورشید اسلام کی شعاعیں سب سے پہلے پرتوفگن ہوئیں' اس بنا پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسلام کی ان برگزیدہ شخصیتوں میں ہیں' جن کے کانوں نے کبھی کفر وشرک کی آواز نہیں سنی' خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا ان کو مسلمان پایا[۱]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو وائل کی بیوی نے دودھ پلایا' وائل کی کنیت ابوالقعیس تھی' وائل کے بھائی افلح' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچا کبھی کبھی ان سے ملنے آیا کرتے تھے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے وہ ان کے سامنے آتی تھیں'[۲] رضاعی بھائی بھی کبھی کبھی ملنے آیا کرتا تھا[۳]

نکاح:

تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں یہ شرف صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنواری بیوی تھیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے وہ جبیر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب ہوئی تھیں☆ لیکن جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت خولہ بنت حکیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر ام رومان سے کہا' اور

---

۱ بخاری ج ۱ ص ۵۵۲۔ ۲ ایضاً ص ۳۲۰۔ ۳ ایضاً ص ۳۶۱۔

☆ یہ مصنف کا سہو ہے۔ حضرت عائشہؓ کی نسبت خود جبیر بن مطعم سے طے ہوئی تھی جو مطعم بن عدی کے بیٹے تھے۔ بعد میں حضرت جبیر بن مطعم کو اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ (محمد عرفان الحسن خالد)

Marfat.com

انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا تو چونکہ یہ ایک قسم کی وعدہ خلافی تھی' وہ بولے کہ جبیر بن مطعم سے وعدہ کر چکا ہوں' لیکن مطعم نے خود اس بنا پر انکار کر دیا کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے گھر میں آ گئیں تو گھر میں اسلام کا قدم آ جائے گا۔

بہرحال حضرت ابوبکرؓ نے خولہ کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد کر دیا' پانچ سو درہم مہر قرار پایا' یہ ۱۰ نبوی کا واقعہ ہے' اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چھ برس کی تھیں۔

یہ نکاح اسلام کی سادگی کی حقیقی تصویر تھا' عطیہؓ اس طرح بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لڑکیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں' ان کی انا آئی اور ان کو لے گئی' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نکاح پڑھا دیا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود کہتی ہیں کہ ''جب میرا نکاح ہوا تو مجھ کو خبر تک نہ ہوئی جب میری والدہ نے باہر نکلنے میں روک ٹوک شروع کی' تب میں سمجھی کہ میرا نکاح ہو گیا اس کے بعد میری والدہ نے مجھے سمجھا بھی دیا''۔[1]

نکاح کے بعد مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام ۳ سال تک رہا' ۱۳ نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ساتھ تھے اور اہل و عیال کو دشمنوں کے نرغہ میں چھوڑ گئے تھے۔ جب اطمینان ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن اریقط کو بھیجا کہ ام رومان، اسماء اور عائشہ رضی اللہ عنہن کو لے آئیں' مدینہ میں آ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سخت بخار میں مبتلا ہوئیں' اشتداد مرض سے سر کے بال جھڑ گئے'[2] صحت ہوئی تو ام رومان کو رسم عروسی کا خیال آیا' اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۹ سال کی تھی' سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں کہ ام رومان نے آواز دی' ان کو اس واقعہ کی خبر تک نہ تھی' ماں کے پاس آئیں' انہوں نے منہ دھویا' بال درست کیے' گھر میں لے گئیں' انصار کی عورتیں انتظار میں تھیں' یہ گھر میں داخل ہوئیں تو سب نے مبارک باد دی' تھوڑی دیر کے بعد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے'[3] شوال میں نکاح ہوا تھا اور شوال ہی میں یہ رسم ادا کی گئی۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۴۰۔ [2] (صحیح بخاری باب الہجرۃ) [3] صحیح بخاری تزویج عائشہؓ و سیرۃ النبی مجلد ۲۔

Marfat.com

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح سے عرب کے بعض بیہودہ خیالات میں اصلاح ہوئی

❶ عرب منہ بولے بھائی کی لڑکی سے شادی نہیں کرتے تھے' اسی بنا پر جب خولہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ ظاہر کیا' تو انہوں نے حیرت سے کہا کہ ''کیا یہ جائز ہے؟ عائشہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہے''۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انت اخ فی الاسلام تم صرف مذہبی بھائی ہو۔

❷ اہل عرب شوال میں شادی نہیں کرتے تھے' زمانہ قدیم میں اس مہینہ میں طاعون آیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی اور رخصتی دونوں شوال میں ہوئیں۔

عام حالات:

غزوات میں صرف غزوۂ احد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شرکت کا پتہ چلتا ہے' صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے عائشہ (رضی اللہ عنہا) اور ام سلیم (رضی اللہ عنہا) کو دیکھا کہ مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پلاتی تھیں' [1]

غزوہ مصطلق ۵ ھ کا واقعہ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ تھیں' واپسی میں ان کا ہار کہیں گر گیا' پورے قافلہ کو اترنا پڑا' نماز کا وقت آیا تو پانی نہ ملا' تمام صحابہؓ پریشان تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی اور تیمم کی آیت نازل ہوئی اس اجازت سے تمام لوگ خوش ہوئے' اسید بن حضیر نے کہا ''اے آل ابوبکرؓ! تم لوگوں کے لیے سرمایۂ برکت ہو''۔

اسی لڑائی میں واقعہ افک پیش آیا۔ یعنی منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی احادیث اور سیر کی کتابوں میں اس واقعہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے' لیکن جس واقعہ کی نسبت قرآن مجید میں صاف مذکور ہے کہ سننے کے ساتھ لوگوں نے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ ''بالکل افترا ہے'' اس کو تفصیل کے ساتھ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

۹ ھ میں تحریم اور ایلاء وتخییر کا واقعہ پیش آیا اور واقعہ تحریم کی تفصیل حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں آئے گی۔ البتہ واقعہ ایلاء کی تفصیل اس مقام پر نقل کی جاتی ہے۔

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۵۸۱۔

Marfat.com

آنحضرت ﷺ زاہدانہ زندگی بسر فرماتے تھے۔ دو دو مہینے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی‘ آئے دن فاقے ہوتے رہتے تھے‘ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن گو شرف صحبت کی برکت سے تمام ابنائے جنس سے ممتاز ہوئیں تھیں۔ تاہم بشریت بالکل معدوم نہیں ہوسکتی‘ خصوصاً وہ دیکھتی تھیں کہ فتوحات اسلام کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے اور غنیمت کا سرمایہ اس قدر پہنچ گیا ہے کہ ان کا ادنیٰ حصہ بھی ان کی راحت و آرام کے لیے کافی ہوسکتا ہے۔ ان واقعات کا اقتضا تھا کہ ان کے صبر وقناعت کا جام لبریز ہوجاتا۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے‘ دیکھا کہ بیچ میں آپ ﷺ ہیں اور ادھر ادھر بیویاں بیٹھی ہیں اور توسیع نفقہ کا تقاضا ہے‘ دونوں اپنی صاحبزادیوں کی تنبیہ پر آمادہ ہوگئے‘ لیکن انہوں نے عرض کی کہ ہم آئندہ آنحضرت ﷺ کو زائد مصارف کی تکلیف نہ دیں گی۔

دیگر ازواج اپنے مطالبہ پر قائم رہیں‘ آنحضرت ﷺ کے سکون خاطر میں یہ چیز اس قدر خلل انداز ہوئی کہ آپ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہرات سے نہ ملیں گے اتفاق یہ کہ اسی زمانہ میں آپ گھوڑے سے گر پڑے اور ساق مبارک پر زخم آیا‘ آپ نے بالا خانے پر تنہا نشینی اختیار کی‘ واقعات کے قرینہ سے لوگوں نے خیال کیا کہ آپ نے تمام ازواج کو طلاق دے دی لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے ازواج کو طلاق دے دی تو آپ نے فرمایا: ”نہیں“ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ اکبر پکار اٹھے۔

جب ایلاء کی مدت یعنی ایک مہینہ گزر چکا تو آپ ﷺ بالا خانہ سے اتر آئے‘ سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے‘ وہ ایک ایک دن گنتی تھیں‘ بولیں: ”یارسول اللہ (ﷺ) آپ نے ایک مہینہ کے لیے عہد فرمایا تھا ابھی تو انتیس ہی دن ہوئے ہیں ارشاد فرمایا: ”مہینہ کبھی انتیس کا بھی ہوتا ہے“۔

اس کے بعد آیت تخییر نازل ہوئی‘ اس آیت کی رو سے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو مطلع فرمادیں کہ دو چیزیں تمہارے سامنے ہیں‘ دنیا اور

Marfat.com

آخرت' اگر تم دنیا چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دے کر عزت واحترام کے ساتھ رخصت کر دوں' اور اگر تم خدا اور رسول اور ابدی راحت کی طلب گار ہو تو خدا نے ان نیکوں کاروں کے لیے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے' چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان تمام معاملات میں پیش پیش تھیں' آپ نے ان کو ارشاد الٰہی سے مطلع فرمایا' انہوں نے کہا: ''میں سب کچھ چھوڑ کر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لیتی ہوں''۔ تمام اور ازواج نے بھی یہی جواب دیا۔[1]

ربیع الاول ۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی' ۱۳ دن علیل رہے' جن میں ۸ دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں اقامت فرمائی خلق عمیم کی بنا پر اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے صاف طور پر اجازت نہیں طلب کی بلکہ پوچھا کہ کل میں کس کے گھر رہوں گا؟ دوسرا دن (دوشنبہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام فرمانے کا ارادہ تھا' ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے مرضی اقدس سمجھ کر عرض کی کہ آپ جہاں چاہیں قیام فرمائیں' ضعف اس قدر زیادہ ہو گیا تھا کہ چلا نہیں جاتا تھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ دونوں بازو تھام کر بہ مشکل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں لائے۔

وفات سے پانچ روز پہلے (جمعرات کو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد آیا کہ عائشہ وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا' جاؤ ان کو خدا کی راہ میں خیرات کر دو۔[2]

جس دن وفات ہوئی (یعنی دوشنبہ کے روز) بظاہر طبیعت کو سکون تھا لیکن دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا' آپ پر غشی طاری ہوتی تھی' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' آپ جب تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبروں کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خواہ موت کو قبول کریں یا حیات دنیا کو ترجیح دیں' اس حالت میں اکثر آپ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوتے رہے مع الذین انعم اللہ علیهم اور کبھی یہ فرماتے اللهم الرفیق الاعلیٰ وہ سمجھ گئیں کہ اب صرف رفاقت الٰہی مطلوب ہے۔

---

[1] صحیح بخاری (ج ۲ ص ۷۹۲) وصحیح مسلم باب ایلاء۔ [2] مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۴۹۔

Marfat.com

وفات سے ذرا پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں آئے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینہ پر ٹیک کر لیٹے تھے عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں مسواک تھی' مسواک کی طرف نظر جما کر دیکھا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھیں کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں' عبدالرحمٰن سے مسواک لے کر دانتوں سے نرم کی' اور خدمت اقدس میں پیش کی' آپ نے بالکل تندرستوں کی طرح مسواک کی' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فخریہ کہا کرتی تھیں کہ ''تمام بیویوں میں مجھی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آخر وقت میں بھی میرا جوٹھا آپ نے منہ میں لگایا''۔

اب وفات کا وقت قریب آ رہا تھا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کو سنبھالے بیٹھی تھیں کہ دفعۃً بدن کا بوجھ معلوم ہوا' دیکھا تو آنکھیں پھٹ کر چھت سے لگ گئیں تھیں اور روح پاک عالم قدس میں پرواز کر گئی تھی' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آہستہ سے سر اقدس تکیہ پر رکھ دیا اور رونے لگیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ابواب مناقب کا سب سے زریں باب یہ ہے کہ ان کے حجرہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن بننا نصیب ہوا' اور نعش مبارک اسی حجرہ کے ایک گوشہ میں سپرد خاک کی گئی۔ چنانچہ ازواج مطہرات کے لیے خدا نے دوسری شادی ممنوع قرار دی تھی اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ۴۸ سال بیوگی کی حالت میں بسر کیے' اس زمانہ میں ان کی زندگی کا مقصد وحید قرآن و حدیث کی تعلیم تھا' جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دو برس بعد ۱۳ھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ سایہ شفقت بھی باقی نہ رہا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے' انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جس قدر دل جوئی کی وہ خود اس کو اس طرح بیان فرماتی ہیں: ''ابن خطاب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مجھ پر بڑے بڑے احسانات کیے''[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام

[1] مستدرک حاکم ج ۴ ص ۸۔

Marfat.com

ازواج مطہرات کے لیے دس دس ہزار سالانہ وظیفہ مقرر فرمایا تھا' لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا وظیفہ بارہ ہزار تھا' جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھیں[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ میں مقیم تھیں' حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے مدینہ سے جا کر ان کو واقعات سے آگاہ کیا تو دعوت اصلاح کے لیے بصرہ گئیں اور وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ پیش آئی' جو جنگ جمل کے نام سے مشہور ہے' جمل اونٹ کو کہتے ہیں چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک اونٹ پر سوار تھیں' اور اس نے اس معرکہ میں بڑی اہمیت حاصل کی تھی اس لیے یہ جنگ بھی اسی کی نسبت مشہور ہوگئی' یہ جنگ اگرچہ بالکل اتفاقی طور پر پیش آ گئی تاہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کا ہمیشہ افسوس رہا۔

بخاری میں ہے کہ وفات کے وقت انہوں نے وصیت کی کہ ''مجھے روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن نہ کرنا' بلکہ بقیع میں اور ازواج کے ساتھ دفن کرنا' کیونکہ میں نے آپ کے بعد ایک جرم[2] کیا ہے''۔ ابن سعد میں ہے کہ وہ جب یہ آیت پڑھتی تھیں:

﴿ وقرن فی بیوتکن ﴾

''اے پیغمبر کی بیویو! اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ بیٹھو''۔

تو اس قدر روتی تھیں کہ آنچل تر ہو جاتا تھا[3]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اٹھارہ برس اور زندہ رہیں اور یہ تمام زمانہ سکون اور خاموشی میں گزرا۔

وفات:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اخیر زمانہ خلافت تھا کہ رمضان ۵۸ھ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رحلت فرمائی' اس وقت سرسٹھ برس کا سن تھا' اور وصیت کے مطابق جنت البقیع میں رات کے وقت مدفون ہوئیں' قاسم بن محمدؒ، عبداللہ بن عبدالرحمٰنؒ، عبداللہ بن ابی عتیقؒ، عروہ

---

[1] مستدرک۔ [2] کتاب الجنائز و مستدرک حاکم ج ۴ ص ۸۔ [3] طبقات ابن سعد ص ۵۹ جز ثانی۔

Marfat.com

بن زبیرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے قبر میں اتارا' اس وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' مروان بن حکم کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے' اس لیے انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔

اولاد:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کوئی اولاد نہیں ہوئی' ابن الاعرابی نے لکھا ہے کہ ایک ناتمام بچہ ساقط ہوا تھا' اس کا نام عبداللہ تھا اور اسی کے نام پر انہوں نے کنیت رکھی تھی' لیکن یہ قطعاً غلط ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام عبداللہ ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے تعلق سے تھی' جن کو انہوں نے متبنیٰ بنایا تھا۔

حلیہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خوش رو اور صاحب جمال تھیں' رنگ سرخ و سفید تھا[1]

فضل و کمال:

علمی حیثیت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہ صرف عورتوں پر نہ صرف دوسری امہات المومنین رضی اللہ عنہن پر' نہ صرف خاص خاص صحابیوں پر بلکہ باستثنائے چند تمام صحابہ پر فوقیت حاصل تھی' جامع ترمذی میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ما اشکل علینا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم حدیث قط فسئلنا عائشة الا وجدنا عندنا منه علما.

''ہم کو کبھی کوئی ایسی مشکل بات پیش نہیں آئی جس کو ہم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کے متعلق کچھ معلومات نہ ہوں''۔

امام زہری جو سرخیل تابعین تھے' فرماتے ہیں:

کانت عائشة اعلم الناس یسئلها الاکابر من اصحاب رسول اللہ ﷺ.

''عائشہ رضی اللہ عنہا تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں' بڑے بڑے اکابر صحابہؓ ان سے پوچھا کرتے تھے''۔

---

[1] طبقات ابن سعد جزو ۸ قسم ۲ ص ۲۶۔

Marfat.com

عروہ بن زبیر کا قول ہے:

مارأت احداً اعلم بالقران ولا بفريضة ولا بحلال ولا بفقه ولا بشعر ولا بطب ولا بحديث العرب ولا نسب من عائشة.

"قرآن' فرائض' حلال وحرام' فقہ' شاعری' طب' عرب کی تاریخ اور نسب کا عالم عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا"۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک شہادت ہے:

لو جمع علم الناس كلهم ثم علم ازواج النبي صلى الله عليه وسلم فكانت عائشة وسعهم علما.

"اگر تمام مردوں کا اور امہات المومنین کا علم ایک جگہ جمع کیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم وسیع تر ہوگا"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا شمار مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے' اور اس حیثیت سے وہ اس قدر بلند ہیں کہ بے تکلف ان کا نام حضرت عمرؓ' حضرت علیؓ' عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھ لیا جا سکتا ہے' وہ حضرت ابوبکر' حضرت عمرؓ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں فتوے دیتی تھیں' اور اکابر صحابہؓ پر انہوں نے جو دقیق اعتراضات کیے ہیں ان کو علامہ سیوطی نے ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے' اس رسالہ کا نام عین الاصابہ فی ما استدرکتہ عائشہ علی الصحابہ ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکثرین صحابہ میں داخل ہیں' ان سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں' جن میں ۱۷۴ حدیثوں پر شیخین نے اتفاق کیا ہے' امام بخاری نے منفرداً ان سے ۵۴ حدیثیں روایت کی ہیں' ۶۸ حدیثوں میں امام مسلم منفرد ہیں' بعض لوگوں کا قول ہے کہ احکام شرعیہ میں سے ایک چوتھائی ان سے منقول ہے۔

علم کلام کے متعدد مسائل ان کی زبان سے ادا ہوئے ہیں' چنانچہ رویت باری' علم غیب' عصمت انبیاء' معراج' ترتیب خلافت اور سماع موتی وغیرہ کے متعلق انہوں نے جو خیالات ظاہر کیے ہیں' انصاف یہ ہے کہ ان میں ان کی دقت نظر کا پلہ بھاری نظر آتا ہے۔

Marfat.com

علم اسرار الدین کے متعلق بھی ان سے بہت سے مسائل مروی ہیں' چنانچہ قرآن مجید کی ترتیب نزول' مدینہ میں کامیابی اسلام کے اسباب' غسل جمعہ' نماز قصر کی علت' صوم عاشورہ کا سبب' حج کی حقیقت اور ہجرت کے معنی کی انہوں نے خاص تشریحیں کی ہیں۔

طب کے متعلق وہی عام معلومات تھیں' جو گھر کی عورتوں کو عام طور پر ہوتی ہیں۔

البتہ تاریخ عرب میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں' عرب جاہلیت کے حالات ان کے رسم و رواج' ان کے انساب اور ان کی طرز معاشرت کے متعلق انہوں نے بعض ایسی باتیں بیان کیں ہیں' جو دوسری جگہ نہیں مل سکتیں' اسلامی تاریخ کے متعلق بھی بعض اہم واقعات ان سے منقول ہیں' مثلاً آغاز وحی کی کیفیت' ہجرت کے واقعات' واقعہ افک' نزول قرآن اور اس کی ترتیب' نماز کی صورتیں' آنحضرت ﷺ کے مرض الموت کے حالات' غزوہ بدر' احد' خندق' قریظہ کے واقعات' غزوۂ ذات لرقاع میں نماز خوف کی کیفیت' فتح مکہ میں عورتوں کی بیعت' حجۃ الوداع کے ضروری حالات' آنحضرت ﷺ کے اخلاق و عادات' خلافت صدیقی' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا دعویٰ میراث' حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ملال خاطر اور پھر بیعت کے حالات کے تمام مفصل حالات ان ہی کے ذریعہ سے معلوم ہوئے ہیں۔

ادبی حیثیت سے وہ نہایت شیریں کلام اور فصیح اللسان تھیں' ترمذی میں موسیٰ ابن طلحہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

مارأیت افصح من عائشۃ[1]

''میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو فصیح اللسان نہیں دیکھا''۔

اگرچہ احادیث میں روایت بالمعنی کا عام طور پر رواج ہے' اور روایت باللفظ کم اور نہایت کم ہوتی ہے تاہم جہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اصلی الفاظ محفوظ رہ گئے ہیں' پوری حدیث میں جان پڑ گئی ہے' مثلاً آغاز وحی کے سلسلہ میں فرماتی ہیں:

فما رای رویا الاجأت مثل فلق الصبح۔

''آپ جو خواب دیکھتے تھے سپیدۂ سحر کی طرح نمودار ہو جاتا تھا''۔

---

[1] مستدرک حاکم ج ۴ ص ۱۱۔

Marfat.com

آپ پر جب وحی کی کیفیت طاری ہوتی' تو جبین مبارک پر عرق آ جاتا تھا' اس کو اس طرح ادا کرتی ہیں:

مثل الجمان. ''پیشانی پر موتی ڈھلکتے تھے''۔

واقعہ افک میں انہیں راتوں کو نیند نہیں آتی تھی' اس کو اس طرح بیان فرماتی ہیں:

ما اکتحل بنوم. ''میں نے سرمۂ خواب نہیں لگایا تھا''۔

صحیح بخاری میں ان کے ذریعہ سے ام زرع کا جو قصہ مذکور ہے' وہ جان ادب ہے اور اہل ادب نے اس کی مفصل شرحیں اور حاشیے لکھے ہیں۔

خطابت کے لحاظ سے بھی حضرت عمر اور حضرت علی ؓ کے سوا تمام صحابہ ؓ میں ممتاز تھیں جنگ جمل میں انہوں نے جو تقریریں کی ہیں' وہ جوش کی ہیں' وہ جوش اور زور کے لحاظ سے اپنا جواب نہیں رکھتیں' ایک تقریر میں فرماتی ہیں:

''لوگو! خاموش' خاموش' تم پر میرا مادری حق ہے' مجھے نصیحت کی عزت حاصل ہے' سوا اس شخص کے جو خدا کا فرمانبردار نہیں ہے' مجھ کو کوئی الزام نہیں دے سکتا' آنحضرت ﷺ نے میرے سینہ پر سر رکھے ہوئے وفات پائی ہے' میں آپ کی محبوب ترین بیوی ہوں' خدا نے مجھ کو دوسروں سے ہر طرح محفوظ رکھا اور میری ذات سے مومن و منافق کی تمیز ہوئی اور میرے ہی سبب سے تم پر خدا نے تیمم کا حکم نازل فرمایا۔

پھر میرا باپ دنیا میں تیسرا مسلمان ہے اور غار حرا میں دو کا دوسرا تھا اور پہلا شخص تھا جو صدیق کے لقب سے مخاطب ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے خوش ہو کر اور اس کو طوق خلافت پہنا کر وفات پائی اس کے بعد جب مذہب اسلام کی رسی ہلنی ڈھلنے لگی تو میرا ہی باپ تھا جس نے اس کے دونوں سرے تھام لیے' جس نے نفاق کی باگ روک دی' جس نے ارتداد کا سرچشمہ خشک کر دیا' جس نے یہودیوں کی آتش افروزی سرد کی' تم لوگ اس وقت آنکھیں بند کیے غدر و فتنہ کے منتظر تھے اور شور و غوغا پر گوش بر آواز تھے۔ اس نے شگاف کو برابر کیا' بیکار کو درست کیا' گرتوں کو سنبھالا' دلوں کی مدفون بیماریوں کو دور کیا' جو پانی سے سیراب ہو چکے تھے' ان کو تھان تک پہنچا دیا' جو

Marfat.com

پیاسے تھے' ان کو گھاٹ پر لے آیا' اور جو ایک بار پانی پی چکے تھے انہیں دوبارہ پلایا جب وہ نفاق کا سر کچل چکا' اور اہل شرک کے لیے آتش جنگ مشتعل کر چکا اور تمہارے سامان کی گٹھڑی کو ڈوری سے باندھ چکا تو خدا نے اسے اٹھالیا.........

ہاں میں سوال کا نشانہ بن گئی ہوں کہ کیوں فوج لے کر نکلی؟ میرا مقصد اس سے گناہ کی تلاش اور فتنہ کی جستجو نہیں ہے' جس کو میں پامال کرنا چاہتی ہوں' جو کچھ کہہ رہی ہوں سچائی اور انصاف کے ساتھ تنبیہ اور اتمام حجت کے لیے"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گو شعر نہیں کہتی تھیں' تاہم شاعرانہ مذاق اس قدر عمدہ پایا تھا کہ حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ جو عرب کے مسلم الثبوت شاعر تھے' ان کی خدمت میں اشعار سنانے کے لیے حاضر ہوتے تھے' امام بخاری نے ادب المفرد میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کعب بن مالک کا پورا قصیدہ یاد تھا' اس قصیدہ میں کم وبیش چالیس شعر تھے' کعب کے علاوہ ان کو دیگر جاہلی اور اسلامی شعراء کے اشعار بھی بکثرت یاد تھے' جن کو وہ مناسب موقعوں پر پڑھا کرتی تھیں' چنانچہ وہ احادیث کی کتابوں میں منقول ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہ صرف ان علوم کی ماہر تھیں' بلکہ دوسروں کو بھی ماہر بنا دیتی تھیں' چنانچہ ان کے دامن تربیت میں جو لوگ پرورش پا کر نکلے' اگرچہ ان کی تعداد دو سو کے قریب ہے لیکن ان میں جن کو زیادہ قرب واختصاص حاصل تھا' وہ حسب ذیل ہیں:

عروہ بن زبیر' قاسم بن محمد' ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن' مسروق' عمرۃ' صفیہ بنت شیبہ' عائشہ بنت طلحہ' معاذۃ عدویہ۔

اخلاق وعادات:

اخلاقی حیثیت سے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بلند مرتبہ رکھتی تھیں' وہ نہایت قانع تھیں' غیبت سے احتراز کرتی تھیں' احسان کم قبول کرتیں' اگرچہ خودستائی ناپسند تھی' تاہم نہایت خوددار تھیں' شجاعت اور دلیری بھی ان کا خاص جوہر تھا۔

ان کا سب سے زیادہ نمایاں وصف جود وسخا تھا' حضرت عبداللہ بن زبیر فرمایا

---

[1] عقد الفرید باب الخطیب وذکر واقعہ جمل ص ۱۴۔

Marfat.com

کرتے تھے کہ ان سے زیادہ سخی کسی کو نہیں دیکھا' ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے ان کی خدمت میں لاکھ درہم بھیجے تو شام ہوتے ہوتے سب خیرات کر دیئے اور اپنے لیے کچھ نہ رکھا' اتفاق سے اس دن روزہ رکھا تھا' لونڈی نے عرض کی کہ افطار کے لیے کچھ نہیں ہے' فرمایا پہلے سے کیوں نہ یاد دلایا[1]

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جو ان کے متبنی فرزند تھے ان کی فیاضی دیکھ کر گھبرا گئے اور کہا اب ان کا ہاتھ روکنا چاہیے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو سخت برہم ہوئیں اور قسم کھائی کہ ان سے بات نہ کریں گی' چنانچہ ابن زبیرؓ مدت تک معتوب رہے اور بڑی دقت سے ان کا غصہ فرو ہوا[2]

نہایت خاشع' متضرع اور عبادت گزار تھیں' چاشت کی نماز برابر پڑھتیں' فرماتی تھیں کہ اگر میرا باپ بھی قبر سے اٹھ آئے اور مجھ کو منع کرے تب بھی میں باز نہ آؤں گی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ راتوں کو اٹھ کر تہجد کی نماز ادا کرتی تھیں اور اس کی اس قدر پابند تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب کبھی یہ نماز قضا ہو جاتی تو نماز فجر سے پہلے اٹھ کر اس کو پڑھ لیتی تھیں' رمضان میں تراویح کا خاص اہتمام کرتی تھیں' ذکوان ان کا غلام امامت کرتا اور وہ مقتدی ہوتیں۔

اکثر روزے رکھا کرتی تھیں' حج کی بھی شدت سے پابند تھیں' اور ہر سال اس فرض کو ادا کرتی تھیں' غلاموں پر شفقت کرتیں' اور ان کو خرید کر آزاد کرتی تھیں' ان کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد ۶۷ ہے۔[3]

---

[1] مستدرک حاکم ج ۴ ص ۱۳ [2] صحیح بخاری باب مناقب قریش۔ [3] شرح بلوغ المرام کتاب العتق۔

Marfat.com

(۴) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

حفصہ نام' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں' سلسلہ نسب یہ ہے حفصہ بنت عمرؓ بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباع بن عبداللہ بن رباح بن عدی بن لوی بن فہر بن مالک' والدہ کا نام زینبؓ بنت مظعون تھا' جو مشہور صحابی حضرت عثمانؓ بن مظعون کی ہمشیرہ تھیں' اور خود بھی صحابیہ تھیں' حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حقیقی بھائی بہن ہیں' حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں' اس وقت قریش خانہ کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے۔

نکاح:

پہلا نکاح خنیس بن حذافہ سے ہوا جو خاندان بنو سہم سے تھے۔

اسلام:

ماں' باپ اور شوہر کے ساتھ مسلمان ہوئیں۔

ہجرت اور نکاح ثانی:

شوہر کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی' غزوہ بدر میں خنیسؓ نے زخم کھائے اور واپس آ کر ان ہی زخموں کی وجہ سے شہادت پائی' عدت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی فکر ہوئی' اسی زمانہ میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو چکا تھا' اس بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی خواہش کی' انہوں نے کہا میں اس پر غور کروں گا' چند دنوں بعد ملاقات ہوئی' تو صاف انکار کیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مایوس ہو کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا انہوں نے خاموشی اختیار کی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی بے التفاتی سے رنج ہوا۔ اس کے بعد خود

Marfat.com

رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی خواہش کی، نکاح ہو گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملے اور کہا کہ جب تم نے مجھ سے حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی خواہش کی اور میں خاموش رہا تو تم کو ناگوار گزرا، لیکن میں نے اسی بنا پر کچھ جواب نہیں دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر کیا تھا اور میں ان کا راز فاش کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے نکاح کا قصد نہ ہوتا تو میں اس کے لیے آمادہ تھا[1]

وفات:

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے شعبان ۴۵ھ میں مدینہ میں انتقال کیا، یہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا، مروان نے جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا، نماز جنازہ پڑھائی اور کچھ دور تک جنازہ کو کندھا دیا، اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جنازہ کو لے کر قبر تک لے گئے، ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور لڑکوں عاصمؒ، سالمؒ، عبداللہؒ، حمزہ نے قبر میں اتارا۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے سنہ وفات میں اختلاف ہے، ایک روایت ہے کہ جمادی الاول ۴۱ھ میں وفات پائی، اس وقت ان کا سن ۵۹ سال کا تھا۔ لیکن اگر سنہ وفات ۴۵ھ قرار دیا جائے، تو ان کی عمر ۶۳ سال کی ہوگی، ایک روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۲۷ھ میں انتقال کیا، یہ روایت اس بنا پر پیدا کی گئی کہ وہب نے ابن مالک سے روایت کی ہے کہ جس سال افریقہ فتح ہوا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اسی سال وفات پائی اور افریقہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۲۷ھ میں فتح ہوا۔ لیکن یہ سخت غلطی ہے۔ افریقہ دو مرتبہ فتح ہوا۔ اس دوسری فتح کا فخر معاویہؓ بن خدیج کو حاصل ہے، جنہوں نے امیر معاویہؓ کے عہد میں حملہ کیا تھا۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے وفات کے وقت حضرت عبداللہ بن عمر کو بلا کر وصیت کی اور غابہ میں جو جائیداد تھی جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی نگرانی میں دے گئے تھے، اس کو صدقہ کر کے وقف کر دیا[2]

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۱ واصابہ ج ۸ ص ۵۱۔ [2] زرقانی ج ۳ ص ۲۷۱۔

Marfat.com

اولاد:

کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

فضل وکمال:

البتہ معنوی یادگاریں بہت سی ہیں اور وہ ہیں عبداللہ بن عمرؓ، حمزہؓ (ابن عبداللہ) صفیہ بنت ابوعبیدؓ (زوجہ عبداللہ) حارثہ بن وہب مطلب بن ابی وداعہ ام مبشر انصاریہ عبداللہ بن صفوان بن امیہ عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام[1]

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ۶۰ حدیثیں منقول ہیں[2] جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ سے سنی تھیں۔

تفقہ فی الدین کے لیے واقعہ ذیل کافی ہے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ میں امید کرتا ہوں کہ اصحاب بدر و حدیبیہ جہنم میں داخل نہ ہوں گے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اعتراض کیا کہا خدا تو فرماتا ہے:

﴿ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ﴾

"تم میں ہر شخص وارد جہنم ہوگا آپ نے فرمایا ہاں لیکن یہ بھی تو ہے:

﴿ ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴾

"پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں زانوؤں پر گرا ہوا چھوڑیں گے"[3]

اسی شوق کا اثر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تعلیم کی فکر رہتی تھی حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کو چیونٹی کے کاٹے کا منتر آتا تھا ایک دن وہ گھر میں آئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تم حفصہ کو منتر سکھلا دو[4]

اخلاق:

ابن سعد میں کے اخلاق کے متعلق ہے:

---

[1] زرقانی ج ۳ ص ۲۷۱۔ [2] ایضاً۔ [3] مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۲۸۵۔ [4] ایضاً ص ۲۸۱۔

Marfat.com

انها صوامة قوامة. ''وہ (یعنی حفصہؓ) صائم النہار اور قائم اللیل ہیں''۔

دوسری روایت میں ہے:

ماتت حفصة حتى ما تفطر[1] ''انتقال کے وقت تک صائم رہیں''۔

اختلاف سے سخت نفرت کرتی تھیں' جنگ صفین کے بعد جب تحکیم کا واقعہ پیش آیا تو ان کے بھائی عبداللہ بن عمرؓ اس کو فتنہ سمجھ کر خانہ نشین رہنا چاہتے تھے' لیکن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا گو اس شرکت میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں' تاہم تمہیں شریک رہنا چاہیے' کیونکہ لوگوں کو تمہاری رائے کا انتظار ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ تمہاری عزلت گزینی ان میں اختلاف پیدا کر دے[2]

دجال سے بہت ڈرتی تھیں' مدینہ میں ابن صیاد نامی ایک شخص تھا' دجال کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو علامتیں بتائی تھیں' اس میں بہت سی موجود تھیں' اس کی عبداللہ بن عمرؓ سے ایک دن راہ میں ملاقات ہوگئی' انہوں نے اس کو سخت سست کہا' اس پر وہ اس قدر پھولا کہ راستہ بند ہوگیا' ابن عمرؓ نے اس کو مارنا شروع کیا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی تو بولیں' تم کو اس سے کیا غرض' تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال کے خروج کا محرک اس کا غصہ ہوگا[3]

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مزاج میں ذرا تیزی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کبھی دو بدو گفتگو کرتیں' اور برابر جواب دیتی تھیں' چنانچہ صحیح بخاری میں خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ''ہم لوگ جاہلیت میں عورتوں کو ذرہ برابر بھی وقعت نہ دیتے تھے' اسلام نے ان کو درجہ دیا' اور قرآن میں ان کے متعلق آیتیں اتریں تو ان کی قدر و منزلت معلوم ہوئی' ایک دن میری بیوی نے کسی معاملہ میں مجھ کو رائے دی' میں نے کہا: ''تم کو رائے و مشورہ سے کیا واسطہ'' بولیں: ''ابن خطاب! تم کو ذرا سی بات کی بھی برداشت نہیں حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو برابر کا جواب دیتی ہے' یہاں تک کہ آپ دن دن بھر رنجیدہ

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۵۲۔ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۹۔ [3] مسند ج ۲ ص ۲۸۳ و کتاب الفتن ذکر ابن صیاد۔

Marfat.com

رہتے ہیں''۔ میں اٹھا اور حفصہ کے پاس آیا' میں نے کہا: ''بیٹی میں نے سنا ہے تم رسول اللہ ﷺ کو برابر کا جواب دیتی ہو'' بولیں: ''ہاں ہم ایسا کرتے ہیں'' میں نے کہا خبردار! میں تمہیں عذاب الٰہی سے ڈراتا ہوں' تم اس عورت (حضرت عائشہؓ) کی ریس نہ کرو جس کو رسول اللہ ﷺ کی محبت کی وجہ سے اپنے حسن پر ناز ہے[1]

ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت صفیہؓ رو رہی تھیں' آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور رونے کی وجہ پوچھی' انہوں نے کہا کہ ''مجھ کو حفصہؓ نے کہا ہے کہ تم یہودی کی بیٹی ہو'' آپ نے فرمایا حفصہؓ خدا سے ڈرو' پھر حضرت صفیہ سے ارشاد ہوا۔ ''تم نبی کی بیٹی ہو۔ تمہارا چچا پیغمبر ہے اور پیغمبر کے نکاح میں ہو' حفصہ رضی اللہ عنہا تم پر کس بات پر فخر کرسکتی ہے''[2]

ایک بار حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ''ہم رسول اللہ ﷺ کے نزدیک تم سے زیادہ معزز ہیں' ہم آپ کی بیوی بھی ہیں اور چچازاد بہن بھی'' حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو ناگوار گزرا' انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کی شکایت' آپ نے فرمایا: ''تم نے یہ کیوں نہ کہا کہ تم مجھ سے زیادہ کیونکر معزز ہوسکتی ہو' میرے شوہر محمد ﷺ' میرے باپ ہارون علیہ السلام اور میرے چچا موسیٰ علیہ السلام ہیں''۔

حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی بیٹیاں تھیں جو تقریب نبوی میں دوش بدوش تھے' اس بنا پر حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ بھی دیگر ازواج کے مقابلہ میں باہم ایک تھیں چنانچہ واقعہ تحریم جو ۹ھ میں پیش آیا' اسی قسم کے اتفاق کا نتیجہ تھا' ایک دفعہ کئی دن تک آنحضرت ﷺ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے' جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس کہیں سے شہد آ گیا تھا' انہوں نے آپ کے سامنے پیش کیا آپ کو شہد بہت مرغوب تھا۔ آپ نے نوش فرمایا' اس میں وقت مقررہ سے دیر ہوگئی' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رشک ہوا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا رسول اللہ ﷺ جب ہمارے اور تمہارے گھر میں آئیں تو کہنا چاہیے کہ آپ کے

---

[1] کتاب التفسیر و فتح الباری ج ۸ ص ۵۰۴۔ [2] ترمذی باب فضل ازواج النبی ﷺ۔

Marfat.com

منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے[1] (مغافیر کے پھولوں سے شہد کی مکھیاں رس چوستی ہیں) آنحضرت ﷺ نے قسم کھالی کہ میں شہد نہ کھاؤں گا' اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری:[2]

یاایھا الذین لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک.

''اے پیغمبر! اپنی بیویوں کی خوشی کے لیے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیوں کرتے ہو''۔

کبھی کبھی (حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ میں) باہم رشک و رقابت کا اظہار بھی ہو جایا کرتا تھا' ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما دونوں آنحضرت ﷺ کے ساتھ سفر میں تھیں' رسول اللہ ﷺ راتوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ پر چلتے تھے' اور ان سے باتیں کرتے تھے' ایک دن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آج رات کو تم میرے اونٹ پر اور میں تمہارے اونٹ پر سوار ہوں تاکہ مختلف مناظر دیکھنے میں آئیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راضی ہو گئیں آنحضرت ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے پاس آئے جس پر حفصہ رضی اللہ عنہا سوار تھیں جب منزل پر پہنچے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو نہیں پایا تو اپنے پاؤں کو اذخر (ایک گھاس ہے) کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں، ''خداوند کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے''۔[3]

---

[1] مغافیر کی بو کا اظہار کرنا کوئی جھوٹ بات نہ تھی مغافیر کے پھولوں میں اگر کسی قسم کی کرختگی ہو تو تعجب کی بات نہیں۔ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۲۹۔ [3] صحیح بخاری (و سیرۃ النبی جلد دوم)

Marfat.com

(۵) حضرت زینب ام المساکین رضی اللہ عنہا

زینب نام تھا' سلسلۂ نسب یہ ہے:

زینب بنت خزیمہ بن عبداللہ بن عمر بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ۔

چونکہ فقراء و مساکین کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلایا کرتی تھیں' اس لیے ام المساکین کی کنیت کے ساتھ مشہور ہوگئیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عبداللہ ابن جحش رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔

عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے جنگ احد میں شہادت پائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سال ان سے نکاح کرلیا۔

نکاح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف دو تین ماہ رہنے پائی تھیں کہ ان کا انتقال ہوگیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد صرف یہی بی بی تھیں جنہوں نے وفات پائی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز جنازہ پڑھائی' اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں' وفات کے وقت ان کی عمر ۳۰ سال کی تھی۔

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۹۴، ۹۵ (وسیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد دوم)

Marfat.com

(۶) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

ہند نام' ام سلمہ کنیت' قریش کے خاندان مخزوم سے ہیں' سلسلہ نسب یہ ہے:

ہند بنت ابی امیہ سہیل بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم' والدہ کا بنو فراس سے تھیں اور ان کا سلسلہ نسب یہ ہے' عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ بن مالک بن جذیمہ بن علقمہ بن جذل بن الطعان ابن فراس بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

ابوامیہ (حضرت ام سلمہؓ کے والد) کے مشہور مخیر اور فیاض تھے' سفر میں جاتے تو تمام قافلہ والوں کی کفالت خود کرتے تھے اسی لیے زادالراکب کے لقب سے مشہور تھے[1] حضرت ام سلمہؓ نے ان ہی کی آغوش تربیت میں نہایت نازونعمت سے پرورش پائی۔

نکاح:

عبداللہ بن عبدالاسد سے جو زیادہ تر ابوسلمہؓ کے نام سے مشہور ہیں' اور جو ام سلمہؓ کے چچازاد اور آنحضرت ﷺ کے رضاعی بھائی تھے' نکاح ہوا۔

اسلام:

آغاز نبوت میں اپنے شوہر کے ساتھ ایمان لائیں۔

ہجرت حبشہ:

اور ان ہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی' حبشہ میں کچھ زمانہ تک قیام کر کے مکہ واپس آئیں اور یہاں سے مدینہ ہجرت کی' ہجرت میں ان کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اہل سیر کے نزدیک وہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ میں آئیں۔

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۲۴۰۔

Marfat.com

ہجرت مدینہ:

ہجرت کا واقعہ نہایت عبرت انگیز ہے' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کے ہمراہ ہجرت کرنا چاہتی تھیں (ان کا بچہ سلمہ بھی ساتھ تھا) لیکن (حضرت ام سلمہؓ کے) قبیلہ نے مزاحمت کی تھی' اس لیے حضرت ابو سلمہؓ ان کو چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تھے' اور یہ اپنے گھر واپس آ گئی تھیں (ادھر سلمہ کو بھی خاندان والے حضرت ام سلمہؓ کے پاس سے چھین لے گئے) اس لیے ام سلمہ کو اور بھی تکلیف تھی' چنانچہ روزانہ گھبرا کر گھر سے نکل جاتیں اور ابطح میں بیٹھ کر رویا کرتی تھیں' ۷۔۸ دن تک یہ حالت رہی اور خاندان کے لوگوں کو احساس تک نہ ہوا۔ ایک دن ابطح سے ان کے خاندان کا ایک شخص نکلا اور ام سلمہ کو روتے ہوئے دیکھا تو اس کا دل بھر آیا۔ گھر آ کر لوگوں سے کہا کہ "اس غریب پر ظلم کیوں کرتے ہو' اس کو جانے دو اور اس کا بچہ اس کے حوالے کر دو" روانگی کی اجازت ملی تو بچے کو گود میں لے کر اونٹ پر سوار ہو گئیں اور مدینہ کا راستہ لیا۔

چونکہ بالکل تنہا تھیں' یعنی کوئی مرد ساتھ نہ تھا' تنعیم میں عثمان بن طلحہ (کلید بردار کعبہ) کی نظر پڑی' بولا "کدھر کا قصد ہے؟" کہا: "مدینہ کا" پوچھا: "کوئی ساتھ بھی ہے" جواب میں بولیں: "خدا اور یہ بچہ" عثمان نے کہا: "یہ نہیں ہو سکتا تم تنہا کبھی نہیں جاسکتیں" یہ کہہ کر اونٹ کی مہار پکڑی اور مدینہ کی طرف روانہ ہوا' رستہ میں جب کہیں ٹھہرتا تو اونٹ کو بٹھا کر کسی درخت کے نیچے چلا جاتا' اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اتر پڑتیں' روانگی کا وقت آتا تو اونٹ پر کجاوہ رکھ کر ہٹ جاتا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہتا کہ "سوار ہو جاؤ" حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایسا شریف آدمی کبھی نہیں دیکھا' غرض مختلف منزلوں پر قیام کرتا ہوا مدینہ لایا' قبا کی آبادی نظر پڑی تو بولا "اب تم اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ' وہ یہیں مقیم ہیں" یہ ادھر روانہ ہوئیں اور عثمان نے مکہ کا راستہ لیا[1]

قبا پہنچیں تو لوگ ان کا حال پوچھتے تھے اور جب یہ اپنے باپ کا نام بتاتیں تو ان کو یقین نہیں آتا تھا (یہ حیرت ان کے تنہا سفر کرنے پر تھی' شرفا کی عورتیں اس طرح باہر نکلنے کی جرأت نہیں کرتی تھیں) اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا مجبوراً خاموش تھیں' لیکن جب کچھ

---

[1] زرقانی ج ۳ ص ۲۷۲' ۲۷۳۔

Marfat.com

لوگ حج کے ارادہ سے مکہ روانہ ہوئے اور انہوں نے اپنے گھر رقعہ بھجوایا تو اس وقت لوگوں کو یقین ہوا وہ واقعی ابوامیہ کی بیٹی ہیں' ابوامیہ چونکہ قریش کے نہایت مشہور اور معزز شخص تھے' اس لیے حضرت ام سلمہؓ بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھی گئیں [1]

وفات ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اور نکاح ثانی اور خانگی حالات:

کچھ زمانہ تک شوہر کا ساتھ رہا' حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بڑے شہ سوار تھے' بدر اور احد میں شریک ہوئے' غزوۂ احد میں چند زخم کھائے' جن کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے' جمادی الثانی ۴ھ میں ان کا زخم پھٹا اور اسی صدمہ سے وفات پائی [2] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچیں اور وفات کی خبر سنائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کے مکان پر تشریف لائے' گھر میں کہرام مچا تھا' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں ''ہائے غربت میں یہ کیسی موت ہوئی''۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صبر کرو' ان کی مغفرت کی دعا مانگو' اور یہ کہو کہ خداوند! ان سے بہتر ان کا جانشین عطا کر''۔ اس کے بعد ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر تشریف لائے اور جنازہ کی نماز نہایت اہتمام سے پڑھی گئی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نو تکبیریں کہیں' لوگوں نے نماز کے بعد پوچھا' یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو سہو تو نہیں ہوا؟ فرمایا یہ ہزار تکبیروں کے مستحق تھے' وفات کے وقت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں کھلی رہ گئیں تھیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دست مبارک سے آنکھیں بند کیں' اور ان کی مغفرت کی دعا مانگی [2]

ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں' وضع حمل کے بعد عدت گزر گئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا' لیکن حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے انکار کیا' ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لے کر پہنچے' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا مجھے چند عذر ہیں: ❶ میں سخت غیور عورت ہوں۔ ❷ صاحب عیال ہوں ❸ میرا سن زیادہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب زحمتوں کو گوارا فرمایا' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اب عذر کیا

---

[1] مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۳۰۷۔ [2] زرقانی ج ۳ ص ۲۷۳۔

Marfat.com

ہوسکتا تھا؟ اپنے لڑکے سے (جن کا نام عمر تھا) کہا اٹھو اور رسول اللہ ﷺ سے میرا نکاح کرو دے[1]

شوال کی ۴ھ کی اخیر کی تاریخوں میں یہ تقریب انجام پائی' حضرت ام سلمہ کو ابوسلمہ کی موت سے جو شدید صدمہ ہوا تھا' خداوند تعالیٰ نے اس کو ابدی مسرت سے تبدیل کردیا' سنن ابن ماجہ میں ہے:

فلما توفی ابوسلمة ذکرت الذی کان حدثنی فقلت فلما اردت ان اقول اللھم عضنی خیرا منه قلت فی نفسی اعاض خیرا من ابی سلمة رض ثم قلتھا فعاضنی اللہ محمد صلی اللہ علیه وسلمه.

''جب ابوسلمہؓ نے وفات پائی تو میں نے وہ حدیث یاد کی جس کو وہ مجھ سے بیان کیا کرتے تھے اور میں نے دعا شروع کی تو جب میں یہ کہنا چاہتی کہ خداوندا! مجھے ابوسلمہؓ سے بہتر جانشین دے تو دل کہتا کہ ابوسلمہؓ سے بہتر کون مل سکتا ہے؟ لیکن میں نے دعا کو پڑھنا شروع کیا تو ابوسلمہؓ کے جانشین آنحضرت ﷺ ہوئے''۔

آنحضرت ﷺ نے ان کو دو چکیاں' گھڑا اور چمڑے کا تکیہ جس میں خرمے کی چھال بھری تھی عنایت فرمایا' یہی سامان اور بیویوں کو بھی عنایت ہوا تھا[2]

بہت حیادار تھیں' ابتداءً جب آنحضرت ﷺ مکان پر تشریف لاتے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرط غیرت سے لڑکی (زینب) کو گود میں بٹھا لیتیں' آپ یہ دیکھ کر واپس جاتے' حضرت عمارؓ بن یاسر کو جو حضرت ام سلمہؓ کے رضاعی بھائی تھے' معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور لڑکی کو چھین لے گئے[3]

لیکن بعد میں یہ بات کم ہوتی گئی' اور جس طرح دوسری بیبیاں رہتی تھیں' وہ بھی رہنے لگیں' نکاح سے قبل آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کا ذکر کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بڑا رشک ہوا' ابن سعد میں ان سے جو روایت منقول ہے اس میں یہ فقرہ بھی ہے:

---

[1] سنن نسائی ص ۵۱۱۔ [2] مسند ج ۶ ص ۲۹۵۔ [3] ایضاً۔

Marfat.com

خزنت حزنا شدیدا[1] "یعنی مجھ کو سخت غم ہوا"۔

آنحضرت ﷺ کو ان سے بے حد محبت تھی' یہی وجہ ہے کہ ایک موقعہ پر جب تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو (سوا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے) حضور ﷺ کی خدمت میں کچھ عرض کرنا تھا تو انہوں نے حضرت ام سلمہؓ ہی کو اپنا سفیر بنا کر حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا' صحیح بخاری میں ہے کہ ازواج مطہرات کے دو گروہ تھے' ایک میں حضرت عائشہ' حفصہ' صفیہ' سودہ رضی اللہ عنہن شامل تھیں' دوسرے میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور باقی ازواج تھیں' چونکہ آنحضرت ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو زیادہ محبوب رکھتے تھے اس لیے لوگ ان ہی کی باری میں ہدیے بھیجتے تھے' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی جماعت نے ان سے کہا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح ہم بھی سب کی بھلائی کی خواہاں ہیں' اس بنا پر رسول اللہ ﷺ جس کے مکان میں بھی ہوں لوگوں کو ہدیہ بھیجنا چاہیے۔

حضرت ام سلمہؓ نے آپ سے یہ شکایت کی تو آپؐ نے دو مرتبہ اعراض فرمایا' تیسری مرتبہ کہا: "ام سلمہؓ! عائشہؓ کے معاملہ میں مجھے اذیت نہ پہنچاؤ' کیونکہ ان کے سوا تم میں کوئی بیوی ایسی نہیں ہے' جس کے لحاف میں میرے پاس وحی آئی ہو"۔[2] حضرت ام سلمہؓ نے کہا: "اتوب الی اللہ عزوجل من اذاك یارسول اللہ" "میں آپؐ کے اذیت پہنچانے سے پناہ مانگتی ہوں"۔

حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں آنحضرت ﷺ شب باش ہوتے تو ان کا بچھونا حضور ﷺ کی جانماز کے سامنے بچھتا تھا آنحضرت ﷺ نماز پڑھا کرتے اور یہ سامنے ہوتی تھیں۔[3]

آنحضرتؐ کے آرام کا بہت خیال رکھتی تھیں' حضرت سفینہؓ جو آنحضرت ﷺ کے مشہور غلام ہیں' دراصل حضرت ام سلمہؓ کے غلام تھے' ان کو آزاد کیا تو یہ شرط کی کہ جب تک آنحضرت ﷺ زندہ ہیں تم پر ان کی خدمت لازمی ہوگی۔[4]

---

[1] مسند ج ۸ ص ۲۴۱ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۳۔

[3] مسند ج ۶ ص ۳۲۲۔ [4] ایضاً ص ۳۱۶۔

Marfat.com

عام حالات:

حضرت ام سلمہؓ کے مشہور واقعات زندگی یہ ہیں' غزوۂ خندق میں اگرچہ شریک نہ تھیں' تاہم اس قدر قریب تھیں کہ آنحضرت ﷺ کی گفتگو اچھی طرح سنتی تھیں فرماتی ہیں کہ مجھے وہ وقت خوب یاد ہے کہ جب سینہ مبارک غبار سے اٹا ہوا تھا' اور آپ لوگوں کو اینٹیں اٹھا اٹھا کر دیتے اور اشعار پڑھ رہے تھے کہ دفعۃً عمارؓ بن یاسر پر نظر پڑی فرمایا: ''(افسوس) ابن سمیہ! تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا''[1]

محاصرۂ بنو قریظہ (۵ھ) میں یہود سے گفتگو کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا' اثنائے مشورہ میں ابولبابہؓ نے ہاتھ کے اشارے سے بتلایا کہ تم قتل کیے جاؤ گے' لیکن بعد میں اس کو افشائے راز سمجھ کر اس قدر نادم ہوئے کہ مسجد کے ستون سے اپنے آپ کو باندھ لیا' چند دنوں تک یہی حالت رہی پھر توبہ قبول ہوئی' آنحضرت ﷺ ام سلمہؓ کے مکان میں تشریف فرما تھے کہ صبح کو مسکراتے ہوئے اٹھے تو بولیں: ''خدا آپ کو ہمیشہ ہنسائے' اس وقت ہنسنے کا کیا سبب ہے''؟ فرمایا: ''ابولبابہ کی توبہ قبول ہوگئی''۔ عرض کی ''تو کیا میں ان کو یہ مژدہ سنا دوں'' فرمایا: ''ہاں اگر چاہو'' حضرت ام سلمہؓ اپنے حجرہ کے دروازے پر کھڑی ہوئیں' اور پکار کر کہا: ''ابولبابہ! مبارک ہو' تمہاری توبہ قبول ہوگئی''۔ اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام مدینہ امڈ آیا[2]

اسی سنہ میں آیت حجاب نازل ہوئی اس سے پیشتر ازواج مطہرات بعض دور کے اعزہ واقارب کے سامنے آیا کرتی تھیں' اب خاص خاص اعزہ کے سوا سب سے پردہ کرنے کا حکم ہوا۔ حضرت ابن ام مکتوم قبیلہ قریش کے ایک معزز صحابی اور بارگاہ نبوی ﷺ کے مؤذن تھے اور چونکہ نابینا تھے' اس لیے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجروں میں آیا کرتے تھے' ایک دن آئے تو آنحضرت ﷺ نے حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا: ''ان سے پردہ کرو'' بولیں: ''وہ تو نابینا ہیں'' فرمایا: ''تم تو نابینا نہیں ہو۔ تم تو

---

[1] مسند ج ۶ ص ۲۸۹۔ [2] زرقانی ج ۲ ص ۱۵۳ و ابن سعد ج ۲ ص ۵۴۔

Marfat.com

انہیں دیکھتی ہو"[1]

صلح حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھیں، صلح کے بعد آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ لوگ حدیبیہ میں قربانی کریں، لیکن لوگ اس قدر دل شکستہ تھے کہ ایک شخص بھی نہ اٹھا، یہاں تک کہ جیسا صحیح بخاری میں ہے، تین دفعہ بار بار کہنے پر بھی ایک شخص بھی آمادہ نہ ہوا (چونکہ معاہدہ کی شرطیں بظاہر مسلمانوں کے سخت خلاف تھیں اس لیے تمام لوگ رنجیدہ اور غصہ سے بے تاب تھے) آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور ام سلمہؓ سے شکایت کی، انہوں نے کہا "آپ کسی سے کچھ نہ فرمائی بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کریں اور حرم اتارنے کے لیے بال منڈوائیں" آپ نے باہر آکر خود قربانی کی اور بال منڈوائے، اب جب لوگوں کو یقین ہوگیا کہ اس فیصلہ میں تبدیلی نہیں ہوسکتی تو سب نے قربانیں کیں اور احرام اتارا، ہجوم کا یہ حال تھا کہ ایک دوسرے پر ٹوٹا پڑتا تھا اور عجلت اس قدر تھی کہ ہر شخص حجامت بنانے کی خدمت انجام دے رہا تھا[2]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا یہ خیال علم النفس کے ایک بڑے مسئلہ کو حل کرتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور کی فطرت شناسی میں ان کو کس درجہ کمال حاصل تھا، امام الحرمین فرمایا کرتے تھے کہ صنف نازک کی پوری تاریخ اصابت رائے کی ایسی عظیم الشان مثال پیش نہیں کرسکتی[3]

غزوہ خیبر میں شریک تھیں، مرحب کے دانتوں پر جب تلوار پڑی تو کرکراہٹ کی آواز ان کے کانوں میں آئی تھی[4]

۹ھ میں ایلاء کا واقعہ پیش آیا، حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو تنبیہ کی تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی آئے وہ ان کی عزیز ہوتی تھیں، ان سے بھی گفتگو کی، حضرت ام سلمہؓ نے جواب دیا:[5]

---

[1] مسند ج ۶ ص ۲۹۶۔ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۸۰۔ [3] زرقانی ج ۳ ص ۲۷۲۔
[4] استیعاب ج ۲ ص ۸۰۳۔ [5] صحیح بخاری ۲ ص ۷۳۰۔

Marfat.com

عجباً لک یا ابن الخطاب دخلت فی کل شئی حتی تبتغی ان تدخل بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وازواجہ.

''عمر تم ہر معاملہ میں دخل دینے لگے یہاں تک کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی ازواج کے معاملات میں بھی دخل دیتے ہو''۔

چونکہ جواب نہایت خشک تھا' اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ چپ ہو گئے اور اٹھ کر چلے آئے' رات کو یہ خبر مشہور ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کو طلاق دے دی صبح کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور تمام واقعہ بیان کیا جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا تو آپ مسکرائے۔

حجۃ الوداع میں جو ۱۰ھ میں ہوا اگر چہ ام سلمہ علیل تھیں' تاہم ساتھ آئیں' بنہان (غلام) اونٹ کی مہار تھامے تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب غلام مکاتب کے پاس اس قدر مال موجود ہو کہ وہ اس کو ادا کر کے آزاد ہو سکتا ہو تو اس سے پردہ ضروری ہو جاتا ہے[1] طواف کے متعلق فرمایا کہ جب نماز فجر قائم ہو' تم اونٹ پر سوار ہو کر طواف کرنا' چنانچہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا۔[2]

۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہوئے' مرض الموت نے طول کھینچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں منتقل ہو گئے' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اکثر آپ کو دیکھنے کے لیے جایا کرتی تھیں' ایک دن طبیعت زیادہ علیل ہوئی تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا چیخ اٹھیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا کہ یہ مسلمانوں کا شیوہ نہیں'[3] ایک دن مرض میں اشتداد ہوا تو ازواج نے دوا پلانا چاہی' چونکہ گوارا نہ تھی' آپ نے انکار فرمایا' لیکن جب غشی طاری ہو گئی تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور اسماءؓ بنت عمیس نے دوا پلا دی[4] (بعض روایتوں میں ہے کہ ان دونوں نے مشورہ دیا تھا) اسی زمانہ میں ایک روز حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جو حبشہ سے ہو آئی تھیں' وہاں کے عیسائی معبدوں کا (جو غالباً رومن کیتھولک

---

[1] مسند ج ۶ ص ۳۰۸ و ص ۲۸۹۔ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۹ و ۲۲۰۔ [3] طبقات ج ۲ ق ۲ ص ۱۳۔
[4] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۱ و طبقات ج ۲ ق ۲ ص ۳۲۔

Marfat.com

گرجے ہوں گے) اور ان کے مجسموں اور تصویروں کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا: ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرتا ہے تو اس کے مقبرہ کو عبادت گاہ بنا لیتے ہیں' اور اس کا بت بنا کر اس میں کھڑا کرتے ہیں' قیامت کے روز عزوجل کی نگاہ میں لوگ بدترین مخلوق ہوں گے[1]

وفات سے پہلے آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کان میں تین باتیں کی تھیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی وقت بے تابانہ پوچھنے لگیں' لیکن حضرت ام سلمہؓ نے توقف کیا اور آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد پوچھا[2]

۶۱ھ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی' حضرت ام سلمہؓ نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے ہیں' نہایت پریشان ہیں' سر اور ریش مبارک غبار آلود ہے پوچھا یا رسول اللہ (ﷺ) کیا حال ہے' ارشاد ہوا: ''حسین رضی اللہ عنہ کے مقتل سے واپس آرہا ہوں''۔ حضرت ام سلمہؓ بیدار ہوئیں تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے[3] اسی حالت میں زبان سے نکلا اہل عراق نے حسین کو قتل کیا' خدا ان کو قتل کرے اور حسین کو ذلیل کیا خدا ان لوگوں پر لعنت کرے[4]

۶۳ھ میں واقعہ حرہ کے بعد شامی لشکر مکہ گیا' جہاں ابن زبیرؓ پناہ گزین تھے' چونکہ آنحضرت ﷺ نے ایک حدیث میں ایسے لشکر کا تذکرہ فرمایا تھا' بعض کو شبہ ہوا اور حضرت ام سلمہؓ سے دریافت کیا بولیں آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ ایک شخص کعبہ میں پناہ لے گا' اس کے مقابلہ میں جو لشکر آئے گا بیابان میں وہیں دھنس جائے گا۔ ام سلمہؓ سے پوچھا گیا جو لوگ جبراً شریک کیے گیے ہوں گے وہ بھی؟ فرمایا ہاں' لیکن قیامت میں اپنی نیتوں کے مطابق اٹھیں گے (حضرت ابو جعفرؒ) فرماتے تھے کہ یہ واقعہ مدینے کے میدان میں پیش آئے گا[5]

وفات:

جس سال حرہ کا واقعہ ہوا (یعنی ۶۳ھ) اسی سال حضرت ام سلمہؓ نے انتقال فرمایا' اس وقت ۸۴ برس کا سن تھا' حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھی اور بقیع میں دفن کیا[6]

---

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم۔ [2] طبقات ج ۲ ق ۲ ص ۴۰۔ [3] صحیح ترمذی ص ۲۲۴۔
[4] مسند ج ۶ ص ۲۹۸۔ [5] صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۹۳ و ۴۹۴۔ [6] زرقانی ج ۳ ص ۲۷۶۔

Marfat.com

اس زمانہ میں ولید بن عتبہ (ابوسفیان کا پوتا) مدینہ کا گورنر تھا' چونکہ حضرت ام سلمہؓ نے وصیت کی تھی کہ وہ میرے جنازہ کی نماز نہ پڑھائے اس لیے وہ جنگل کی طرف نکل گیا اور اپنے بجائے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا[1]

اولاد:

حضرت ام سلمہؓ کے پہلے شوہر سے جو اولاد ہوئی اس کے نام یہ ہیں:

سلمہ حبشہ میں پیدا ہوئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لڑکی امامہ سے کیا تھا۔

عمرؓ' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان ہی نے کیا تھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں فارس اور بحرین کے حاکم تھے۔

درہ' ان کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے' حضرت ام حبیبہؓ نے جو کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں داخل تھیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ درہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں؟ فرمایا یہ کیسے ہوسکتا ہے' اگر ہم نے اس کو پرورش نہ بھی کیا ہوتا تو بھی وہ میرے لیے کسی طرح حلال نہ تھی' کیونکہ وہ میرے رضاعی بھائی کی لڑکی ہے[2]

زینبؓ۔ پہلے برہ نام تھا' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رکھا[3]

حلیہ:

اصابہ میں ہے:

كانت ام سلمة موصوفة بالجمال البارع.

''یعنی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نہایت حسین تھیں''۔

ابن سعد[4] نے روایت کی ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے حسن کا معلوم ہوا تو سخت پریشان ہوئیں' مگر یہ واقدی کی یہ روایت ہے جو چنداں قابل اعتبار نہیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بال نہایت گھنے تھے[5]

---

[1] طبرانی کبیر ج ۳ ص ۲۴۴۳۔ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶۴۔ [3] زرقانی ج ۳ ص ۲۷۲۔
[4] (ابن سعد ج ۸ ص ۶۶) [5] مسند ج ۶ ص ۲۸۹۔

Marfat.com

فضل وکمال:

علمی حیثیت سے اگر چہ تمام ازواج بلند رتبہ تھیں' تاہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ان میں کوئی جواب نہ تھا' چنانچہ محمود بن لبید کہتے ہیں [1]

کان ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحفظن من حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم کثیراً ولا مثلاً العائشۃ رضی وام سلمۃ۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج احادیث کا مخزن تھیں' تاہم عائشہ اور ام سلمہ کا ان میں کوئی حریف مقابل نہ تھا۔

مروان بن حکم ان سے مسائل دریافت کرتا اور علانیہ کہتا تھا:

کیف نسئل احداً وفینا ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم [2]

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے ہوتے ہوئے ہم دوسروں سے کیوں پوچھیں''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن عباس دریائے علم ہونے کے باوجود ان کے دریائے فیض سے مستغنی نہ تھے [3]' تابعین کرام کا ایک بڑا گروہ ان کے آستانہ فیض پر سر بر تھا۔

قرآن اچھا پڑھتیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز پر پڑھ سکتی تھیں' ایک مرتبہ کسی نے پوچھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر قرأت کرتے تھے؟ بولیں ایک ایک آیت الگ الگ پڑھتے تھے اس کے بعد خود پڑھ کر بتلایا [4]

حدیث میں حضرت عائشہ کے سوا ان کا کوئی حریف نہ تھا' ان سے ۳۷۹ روایتیں مروی ہیں۔ اس بنا پر وہ محدثین صحابہ کے تیسرے طبقہ میں شامل ہیں۔

حدیث سننے کا بڑا شوق تھا۔ ایک دن بال گوندوا رہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے زبان مبارک سے ایھا الناس (لوگو!) کا لفظ نکلا تو فوراً بال باندھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں' اور کھڑے ہو کر پورا خطبہ سنا [5]

مجتہد تھیں' صاحب اصابہ نے ان کے تذکرہ میں لکھا ہے:

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۲۶۔ [2] مسند ج ۶ ص ۳۱۷۔
[3] ایضاً ص ۳۱۲۔ [4] ایضاً ص ۳۰۰ و ۳۰۲۔ [5] (ایضاً ص ۳۰۱)۔

Marfat.com

صاحب العقل البالغ والرائے الصائب[1]

''یعنی وہ کامل العقل اور صائب الرائے تھیں''۔

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ ان کے فتاویٰ اگر جمع کیے جائیں تو ایک چھوٹا رسالہ تیار ہو سکتا ہے[2] ان کے فتاویٰ کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ عموماً متفق علیہ ہیں اور یہ ان کی دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی کا کرشمہ ہے۔ ان کی نکتہ سنجی پر واقعات شاہد ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے' مروان نے پوچھا آپ یہ نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ بولے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی پڑھتے تھے' چونکہ انہوں نے یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سلسلہ سے سنی تھی۔ مروان نے ان کے پاس تصدیق کے لیے آدمی بھیجا' انہوں نے کہا مجھ کو ام سلمہؓ سے یہ حدیث پہنچی ہے۔ حضرت ام سلمہؓ کے پاس آدمی بھیجا گیا اور یہ قول نقل کیا تو بولیں:

یغفر اللہ لعائشۃ لقد وضعت امر علی غیر موضعہ[3] اولم اخبرھا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد نھی عنھما۔[4]

''یعنی خدا عائشہ رضی اللہ عنہا کی مغفرت کرے انہوں نے بات نہیں سمجھی' کیا میں نے ان سے یہ نہیں کہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ رمضان میں جنابت کا غسل فوراً صبح اٹھ کر کرنا چاہیے ورنہ ٹوٹ جاتا ہے' ایک شخص نے جا کر حضرت ام سلمہؓ اور حضرت عائشہؓ سے پوچھا دونوں نے کہا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں صائم ہوتے تھے' حضرت ابو ہریرہؓ نے سنا تو رنگ فق ہو گیا' اس خیال سے رجوع کیا اور کہا کہ میں کیا کروں فضل بن عباسؓ نے مجھ سے اسی طرح بیان کیا تھا' لیکن ظاہر ہے کہ حضرت ام سلمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو زیادہ علم ہے۔[5] (اس کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنا فتویٰ واپس لے لیا[6])

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۲۴۱ [2] اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۳۔ [3] مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۹۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں بھی ہے ج ۲ ص ۲۳۹۔ [4] مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۳

[5] مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۶، ۳۰۷۔ [6] ایضاً ص ۳۰۶

Marfat.com

ایک مرتبہ چند صحابہؓ نے دریافت کیا کہ (آنحضرت ﷺ کی اندرونی زندگی) کے متعلق کچھ ارشاد کیجیے فرمایا: "آپ ﷺ کا ظاہر و باطن یکساں تھا" آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ سے واقعہ بیان کیا' فرمایا تم نے بہت اچھا کیا۔[1]

حضرت ام سلمہؓ جواب صاف دیتی تھیں اور کوشش کرتی تھیں کہ سائل کو تشفی ہو جائے' ایک دفعہ کسی شخص کو مسئلہ بتایا' وہ ان کے پاس سے اٹھ کر دوسری ازواج کے پاس گیا۔ سب نے ایک ہی جواب دیا' واپس آ کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو یہ خبر سنائی تو بولیں: نعم واشفیك ! ذرا ٹھہرو! میں تمہاری تشفی کرنا چاہتی ہوں' میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق حدیث سنی ہے۔[2]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو حدیث وفقہ کے علاوہ اسرار کا بھی علم تھا' اور یہ وہ فن تھا جس کے حضرت حذیفہؓ عالم تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ان کے پاس آئے تو بولیں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ بعض صحابی ایسے ہیں جن کو نہ میں اپنے انتقال کے بعد دیکھوں گا نہ وہ مجھے دیکھیں گے' حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ گھبرا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے یہ حدیث بیان کی' حضرت عمرؓ، حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لائے اور کہا: "خدا کی قسم! سچ سچ کہنا کیا میں انہیں میں ہوں؟" حضرت ام سلمہؓ نے کہا نہیں' لیکن تمہارے علاوہ میں کسی کو مستثنیٰ نہیں کروں گی۔[3]

حضرت ام سلمہؓ سے جن لوگوں نے علم حدیث حاصل کیا ان کی ایک بڑی جماعت ہے ہم صرف چند ناموں پر اکتفا کرتے ہیں:

عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، اسامہ بن زیدؓ، ہندؓ بنت الحارث الفراسیہ، صفیہؓ بنت شیبہ، عمرؓ، زینبؓ (اولاد حضرت ام سلمہؓ) مصعبؓ بن عبداللہ (برادرزادہ) نبہان (غلام مکاتب) عبداللہؓ بن رافع، نافعؓ، شعبہ، پسر شعبہؓ، ابوبکرؓ، خیرہ والدہ حسن بصری، سلمانؓ بن یسار، ابوعثمانؓ النہدی، حمیدؓ، ابوسلمہؓ، سعید بن مسیب، ابووائل، صفیہ بنت محصن، شعبی، عبدالرحمٰن ابن حارث بن ہشام، عکرمہ، ابوبکر بن عبدالرحمان، عثمان بن عبداللہ ابن موہب، عروہ بن زبیرؓ

---

[1] مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۹۔ [2] ایضاً ص ۲۹۷۔ [3] مسند احمد ص ۳۰۷ ج ۶۔

Marfat.com

کریب مولیٰ ابن عباسؓ، قبیصہ بن ذویبؓ، نافع مولیٰ ابن عمرؓ یعلیٰ بن مملک۔

اخلاق و عادات:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں ایک مرتبہ ایک ہار پہنا جس میں سونے کا کچھ حصہ شامل تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض کیا تو اس کو توڑ ڈالا[1] ہر مہینہ میں تین دن (دوشنبہ' جمعرات اور جمعہ) روزہ رکھتی تھیں[2] ثواب کی متلاشی رہتیں۔ ان کے پہلے شوہر کی اولاد ان کے ساتھ تھی' اور وہ نہایت عمدگی سے ان کی پرورش کرتی تھیں' اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مجھ کو اس کا کچھ ثواب بھی ملے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں''[3]

اچھے کاموں میں شریک ہوتی تھیں' آیت تطہیر انہی کے گھر میں نازل ہوئی تھی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسنین رضی اللہ عنہما کو بلا کر کمبل اڑھایا اور کہا: ''خدایا یہ میرے اہل بیت ہیں' ان سے ناپاکی کو دور کر اور ان کو پاک کر''۔ حضرت ام سلمہؓ نے یہ دعا سنی تو بولیں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بھی ان کے ساتھ شریک ہوں ارشاد ہوا تم اپنی جگہ پر ہو اور اچھی ہو[4]

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پابند تھیں' نماز کے اوقات میں بعض امراء نے تغیر و تبدل کیا یعنی مستحب اوقات چھوڑ دیئے تو حضرت ام سلمہؓ نے ان کو تنبیہ کی اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر جلد پڑھا کرتے تھے اور تم عصر جلد پڑھتے ہو[5]

ایک دن ان کے بھتیجے نے دو رکعت نماز پڑھی' چونکہ سجدہ گاہ غبار آلود تھی' وہ سجدہ کرتے وقت مٹی جھاڑتے تھے' حضرت ام سلمہؓ نے روکا کہ یہ فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روش کے خلاف ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام نے ایک دفعہ ایسا کیا تھا' تو آپ نے فرمایا تھا: ''ترب وجهك الله!'' یعنی تیرا چہرہ خدا کی راہ میں غبار آلود ہو[6]

فیاض تھیں' اور دوسروں کو بھی فیاضی کی طرف مائل کرتی تھیں' ایک دفعہ حضرت

---

[1] مسند احمد ج ۶ ص ۳۲۲،۱۳۵۔ [2] ایضاً ص ۲۸۹۔ [3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱۹۸۔
[4] صحیح ترمذی ص ۵۳۰۔ [5] مسند ج ۶ ص ۲۸۹۔ [6] ایضاً ج ۶ ص ۳۰۱۔

Marfat.com

عبدالرحمان بن عوف نے آ کر کہا اماں! میرے پاس اس قدر مال جمع ہوگیا ہے کہ اب بربادی کا خوف ہے، فرمایا بیٹا! اس کو خرچ کرو، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بہت سے صحابہ ایسے ہیں جو مجھ کو میری موت کے بعد پھر کبھی نہ دیکھیں گے[1]

ایک مرتبہ چند فقراء جن میں عورتیں بھی تھیں، ان کے گھر آئے اور نہایت الحاح سے سوال کیا، ام الحسن بیٹھی تھیں، انہوں نے ڈانٹا لیکن حضرت ام سلمہؓ نے کہا ہم کو اس کا حکم نہیں ہے۔ اس کے بعد لونڈی سے کہا ان کو کچھ دے کر رخصت کرو، کچھ نہ ہو تو ایک ایک چھوہارا ان کے ہاتھ پر رکھ دو[2]

آنحضرت ﷺ سے ان کو جو محبت تھی اس کا یہ اثر تھا کہ آپ کے موئے مبارک تبرکاً رکھ چھوڑے تھے۔ جن کی وہ لوگوں کو زیارت کراتی تھیں،[3] آنحضرت ﷺ کو ان سے اس قدر محبت تھی کہ ایک مرتبہ انہوں نے کہا یارسول اللہ (ﷺ) اس کا کیا سبب ہے کہ ہمارا قرآن میں ذکر نہیں، تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اور یہ آیت پڑھی:

ان المسلمین والمسلمات والمومنین والمومنات[4]

مناقب:

ایک مرتبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھی تھیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور باتیں کرتے رہے، ان کے جانے کے بعد آپ نے پوچھا: ''ان کو جانتی ہو''؟ بولی دحیہ تھے، لیکن جب آپ نے اس واقعہ کو اور لوگوں سے بیان کیا تو اس وقت معلوم ہوا کہ وہ جبرئیل تھے،[5] (غالباً نزول حجاب سے قبل کا واقعہ ہے)۔

---

[1] مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۰۔ [2] استیعاب ج ۲ ص ۸۰۳۔ [3] مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۶
[4] ایضاً ص ۳۰۱۔ [5] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۱ مطبوعہ مصر

Marfat.com

(۷) حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

زینب نام، ام الحکیم کنیت، قبیلہ قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے، زینب بنت جحش بن رباب بن یعمر بن صبرۃ بن مرۃ بن کثیر بن غنم بن دودان بن سعد بن خزیمہ، والدہ کا نام امیمہ تھا جو عبدالمطلب جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر تھیں، اس بنا پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

اسلام:

نبوت کے ابتدائی دور میں اسلام لائیں اسد الغابہ میں ہے:

كانت قديمة الاسلام[1] "قدیم اسلام سے تھیں"۔

نکاح:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کے ساتھ جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور متبنی تھے ان کا نکاح کر دیا، اسلام نے دنیا میں مساوات کی جو تعلیم رائج کی ہے اور پست و بلند کو جس طرح ایک جگہ پر لا کر کھڑا کر دیا ہے، اگرچہ تاریخ میں اس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں، لیکن یہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ان سب پر فوقیت رکھتا ہے کیونکہ اسی سے عملی تعلیم کی بنیاد قائم ہوتی ہے، قریش اور خصوصاً خاندان ہاشم کو تولیت کعبہ کی وجہ سے عرب میں جو درجہ حاصل تھا، اس کے لحاظ سے شاہان یمن بھی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے لیکن اسلام نے محض "تقویٰ" کو بزرگی کا معیار قرار دیا اور فخر وادعاء کو جاہلیت کا شعار ٹھہرایا ہے، اس بنا پر اگرچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ بظاہر غلام تھے تاہم چونکہ وہ مسلمان اور مرد صالح تھے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ساتھ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا عقد کر دینے میں کوئی تکلف نہیں ہوا۔

تعلیم مساوات کے علاوہ اس نکاح کا ایک مقصد اور بھی تھا جو اسد الغابہ میں

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۳۔

Marfat.com

مذکور ہے اور وہ یہ ہے:

نزوجها العیلمها کتاب الله وسنة رسوله.[1]

''یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح زیدؓ سے کیا تھا کہ ان کو قرآن و حدیث کی تعلیم دیں''۔

تقریباً ایک سال تک دونوں کا ساتھ رہا' لیکن پھر تعلقات قائم نہ رہ سکے اور شکررنجی بڑھتی گئی' حضرت زیدؓ نے بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں شکایت کی[2] اور طلاق دے دینا چاہی۔

جاء زيد بن حارثه فقال یارسول الله (صلى الله علیه وسلم) ان زینب اشتد على لسانها وانا ارید ان اطلقها.

''زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ زینبؓ مجھ سے زبان درازی کرتی ہے اور میں ان کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بار بار ان کو سمجھاتے تھے کہ طلاق نہ دیں' قرآن مجید میں ہے:

﴿ واذ تقول للذى انعم الله علیه وانعمت علیه امسک علیک زوجک واتق الله ﴾ (احزاب: ۵)

''اور جب تم اس شخص سے جس پر خدا نے اور تم نے احسان کیا تھا' یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو نکاح میں لیے رہو اور خدا سے خوف کرو''۔

لیکن یہ کسی طرح صحبت برآ نہ ہو سکے' اور آخر حضرت زیدؓ نے ان کو طلاق دے دی حضرت زینب رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہن تھیں اور آپ ہی کی تربیت میں پلی تھیں' آپ کے فرمانے سے انہوں نے یہ رشتہ منظور کر لیا تھا جو ان کے نزدیک ان کے خلاف شان تھا (چونکہ زیدؓ غلام رہ چکے تھے' اس لیے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو یہ نسبت گوارا نہ تھی) بہر حال وہ مطلقہ ہو گئیں تو آپ نے ان کی دلجوئی کے لیے خود ان سے نکاح کر لینا چاہا' لیکن عرب میں اس وقت تک متبنیٰ اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا' اس لیے عام لوگوں کے خیال سے آپ تامل فرماتے تھے' لیکن چونکہ یہ محض جاہلیت کی رسم تھی اور اس کا مٹانا

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۳۔ [2] صحیح ترمذی ص ۵۳۱۔ [3] فتح الباری ج ۸ ص ۴۰۳۔ تفسیر سورۂ احزاب۔

Marfat.com

مقصود تھا' اس لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ وتخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ.

''اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جس کو خدا ظاہر کر دینے والا ہے' اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنا خدا سے چاہیے''۔ (احزاب: ۵)

آنحضرت ﷺ نے حضرت زیدؓ سے فرمایا کہ تم زینبؓ کے پاس میرا پیغام لے کر جاؤ' زیدؓ ان کے گھر آئے تو وہ آٹا گوندھنے میں مصروف تھیں' چاہا کہ ان کی طرف دیکھیں لیکن پھر کچھ سوچ کر منہ پھیر لیا اور کہا ''زینبؓ! رسول کریم ﷺ کا پیغام لایا ہوں'' جواب ملا: ''میں بغیر استخارہ کیے کوئی رائے قائم نہیں کرتی'' یہ کہا اور مصلیٰ پر کھڑی ہو گئیں۔ ادھر رسول اللہ ﷺ پر وحی آئی:

فلما قضی زید منها وطرا زوجنا کها 'اور نکاح ہو گیا آنحضرت ﷺ حضرت زینب کے مکان پر تشریف لائے اور بلا استیذان اندر چلے گئے۔

دن چڑھے دعوت ولیمہ ہوئی جو اسلام کی سادگی کی اصلی تصویر تھی اس میں روٹی سالن کا انتظام تھا۔ انصار میں حضرت ام سلیمؓ نے جو آنحضرت ﷺ کی خالہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں مالیدہ بھیجا تھا۔ غرض سب چیزیں جمع ہو گئیں تو آنحضرت ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو لوگوں کو بلانے کے لیے بھیجا۔ ۳۰۰ آدمی شریک دعوت ہوئے۔ کھانے کے وقت آنحضرت ﷺ نے دس دس آدمیوں کی ٹولیاں کر دی تھیں' باری باری آتے اور کھانا کھا کر واپس جاتے تھے۔

اسی دعوت میں آیت حجاب اتری' جس کی وجہ یہ تھی کہ چند آدمی مدعو تھے' کھا کر باتیں کرنے لگے اور اس قدر دیر لگائی کہ رسول کریم ﷺ کو تکلیف ہوئی' رسول اللہ ﷺ فرط مروت سے خاموش تھے' بار بار اندر جاتے اور باہر آتے تھے' اسی مکان میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی بیٹھی ہوئی تھیں' اور ان کا منہ دیوار کی طرف تھا۔

آنحضرت ﷺ کی آمد و رفت کو دیکھ کر بعضوں کو خیال ہوا اور اٹھ کر چلے گئے۔ حضرت انسؓ نے آنحضرت ﷺ کو جو دوسری ازواج کے مکان میں تھے' اطلاع دی' آپ باہر تشریف لائے تو وحی کی زبان اس طرح گویا ہوئی:

Marfat.com

﴿ یاایھا الذین امنو لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یوذن لکم الیٰ طعام غیر نظرین انہ ولکن اذ ادعیتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا ولامستانسین لحدیث ان ذالکم کان یؤذی النبی فیستحیی منکم واللہ لا یستحی من الحق واذا سالتموھن متاعافسئلو ھن من وراء حجاب ﴾

''اے ایمان والو! نبی کے گھروں پرمت جایا کرو' مگر جس وقت تم کو کھانے کے لیے اجازت دی جائے' ایسے طور پر کہ تم اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو لیکن جب تم کو بلایا جائے تب جایا کرو' پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو اس بات سے نبی کو ناگواری پیدا ہوتی ہے' سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے سے لحاظ نہیں کرتا اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر مانگو''۔ (احزاب:۷)

آپ نے دروازہ پر پردہ لٹکا دیا' اور لوگوں کو گھر کے اندر جانے کی ممانعت ہوگئی یہ ذوالقعدہ ۵ھ کا واقعہ ہے۔

حضرت زینبؓ کے نکاح کی چند خصوصیتیں ہیں جو کہیں اور نہیں پائی جاتیں' ان کے نکاح سے جاہلیت کی ایک رسم کہ متبنیٰ اصلی بیٹے کا حکم رکھتا ہے مٹ گئی' مساوات اسلامی کا وہ عظیم الشان منظر نظر آیا کہ آزاد غلام کی تمیز اٹھ گئی پردہ کا حکم ہوا۔ نکاح کے لیے وحی الٰہی آئی۔ ولیمہ میں تکلف ہوا' اسی بنا پر حضرت زینب اور ازواج کے مقابلہ میں فخر کیا کرتی تھیں [1]

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں جو بیبیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھیں' ان میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا خصوصیت کے ساتھ ممتاز تھیں' خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتیں ہیں:

ھی [2] التی کانت تسامینی منھن فی المنزلۃ عند رسول اللہؐ.

''ازواج میں سے وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں عزت و مرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی تھیں''۔

[1] ترمذی ص ۵۳۱۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۴ [2] صحیح مسلم باب فضل عائشہؓ

Marfat.com

آنحضرت ﷺ کو بھی ان کی خاطر داری منظور رہتی تھی' یہی وجہ تھی کہ جب چند ازواج نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو سفیر بنا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا' اور وہ ناکام واپس آئیں' تو سب نے اس خدمت (سفارت) کے لیے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتخاب کیا کیونکہ وہ اس خدمت کے لیے زیادہ موزوں تھیں' انہوں نے بڑی دلیری سے پیغام ادا کیا' اور بڑے زور کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس رتبہ کی مستحق نہیں ہیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چپ بن رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے چہرہ کی طرف دیکھتی جاتی تھیں' حضرت زینب رضی اللہ عنہا تقریر کر چکیں تو مرضی پا کر کھڑی ہوئیں اور اس زور شور کے ساتھ تقریر کی کہ حضرت زینبؓ لاجواب ہو کر رہ گئیں' آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہ ہو ابوبکر کی بیٹی ہے'' [1]

وفات:

آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا تھا:

اسرعکن لحاقابی اطولکن یداً۔ ''تم میں مجھ سے جلد وہ ملے گی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا''

یہ استعارۃً فیاضی کی طرف اشارہ تھا' لیکن ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اس کو حقیقت سمجھیں چنانچہ باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنی فیاضی کی بنا پر اس پیشین گوئی کا مصداق ثابت ہوئیں اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سب سے پہلے انتقال کیا' کفن کا خود سامان کر لیا تھا اور وصیت کی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی کفن دیں تو ان میں سے ایک کو صدقہ کر دینا' چنانچہ یہ وصیت پوری کی گئی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی' اس کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے دریافت کیا گیا کہ کون قبر میں داخل ہوگا' انہوں نے کہا وہ شخص جوان کے گھر میں داخل ہوا کرتا تھا' چنانچہ اسامہ بن زیدؓ، محمد بن عبداللہ بن جحش، عبداللہؓ بن ابی احمد بن جحش نے ان کو قبر میں اتارا اور بقیع میں سپرد خاک کیا۔[2]

حضرت زینبؓ نے ۲۰ھ میں انتقال کیا اور ۵۳ برس کی عمر پائی' واقدی نے لکھا

---

[1] صحیح مسلم فضل عائشہؓ [2] صحیح بخاری ج ا ص ۱۹۱' مسلم ص ۳۴۱ ج ۲' اسد الغابہ ص ۴۶۵ ج ۵۔

Marfat.com

ہے کہ آنحضرت ﷺ سے جس وقت نکاح ہوا اس وقت ۳۵ سال کی تھیں لیکن یہ عام روایت کے خلاف ہے' عام روایت کے مطابق ان کا سن ۳۸ سال کا تھا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے مال متروکہ میں صرف ایک مکان یادگار چھوڑا تھا' جس کو ولید بن عبدالملک نے اپنے زمانۂ حکومت میں پچاس ہزار درہم پر خرید کیا اور وہ مسجد نبوی ﷺ میں شامل کر دیا گیا[1]

حلیہ:

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کوتاہ قامت لیکن خوبصورت اور موزوں اندام تھیں[2]

فضل وکمال:

روایتیں کم کرتی تھیں' کتب حدیث میں ان سے صرف گیارہ روایتیں منقول ہیں' راویوں میں حضرت ام حبیبہؓ، زینب بنت ابی سلمہؓ، محمد بن عبداللہ بن جحش (برادر زادہ)، کلثوم بنت طلق اور مذکور (غلام) داخل ہیں۔

اخلاق:

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں:

كانت زينب صالحة صوامة قوامة.[3]

''یعنی حضرت زینبؓ نیک خو' روزہ دار ونماز گزار تھیں''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

لم ار امرءة قط خيرفى الدين من زينبؓ واتقى الله واصدق حديثا واوصل للرحم واعظم صدقة واشد ابتذالاً لنفسها فى العمل الذى تصدق به وتقرب به الى الله ما عدا سورة من حدة كانت فيها تسرع منها الفيئة.[4]

''میں نے کوئی عورت زینبؓ سے زیادہ دیندار' زیادہ پرہیزگار' زیادہ راست باز

---

[1] طبری ص ۲۴۴۹ ج ۱۳۔ [2] زرقانی ج ۳ ص ۲۸۳۔ [3] زرقانی بحوالہ ابن سعد۔
[4] مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ (فضل عائشہؓ)۔

Marfat.com

گفتار، زیادہ فیاض، مخیر اور خدا کی رضا جوئی میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی فقط مزاج میں ذرا تیزی تھی جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی"۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا زہد و تورع میں یہ حال تھا کہ جب حضرت عائشہؓ پر اتہام لگایا گیا اور اس اتہام میں خود حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بہن حمنہ بھی شریک تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اخلاقی حالت دریافت کی تو انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا:

ما علم الا خیرا۔ "مجھ کو عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے اس صدق و قرار حق کا اعتراف کرنا پڑا۔

عبادت میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ مصروف رہتی تھیں، ایک مرتبہ آپ مہاجرین پر کچھ مال تقسیم کر رہے تھے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس معاملہ میں کچھ بول اٹھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈانٹا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سے درگزر کرو یہ اواہ ہیں[1] (یعنی خاشع و متضرع ہیں)

نہایت قانع اور فیاض طبع تھیں۔ خود اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتی تھیں اور اس کو خدا کی راہ میں لٹا دیتی تھیں، حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو مدینہ کے فقراء اور مساکین میں سخت کھلبلی پیدا ہوگئی اور وہ گھبرا گئے[2] ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کا سالانہ نفقہ بھیجا، انہوں نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا اور برزہ بنت رافع کو حکم دیا کہ میرے خاندانی رشتہ داروں اور یتیموں کو تقسیم کر دو، برزہ نے کہا آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے؟ انہوں نے کہا کپڑے کے نیچے جو کچھ ہو وہ تمہارا ہے، دیکھا تو پچاسی درہم نکلے جب تمام مال تقسیم ہو چکا تو دعا کی کہ خدایا اس سال کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کے عطیہ سے فائدہ نہ اٹھاؤں، دعا قبول ہوئی اور اسی سال انتقال ہو گیا[3]

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۹۳۔ [2] اصابہ ص ۱۱۳ ج ۸ بحوالہ ابن سعد۔ [3] (ابن سعد ج ۸ ص ۷۸)

Marfat.com

(۸) حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

جویریہ نام، قبیلہ خزاعہ کے خاندان مصطلق سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے:

جویریہؓ بنت حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن جذیمہ (مصطلق) بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو مزیقیاء۔

حارث بن ابی ضرار حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد خاندان مصطلق کے سردار تھے[1]

نکاح:

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح اپنے ہی قبیلہ میں مسافع بن صفوان (ذی شفر) سے ہوا تھا۔

غزوہ مریسیع اور نکاح ثانی:

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا باپ اور شوہر مسافع دونوں اسلام دشمن تھے چنانچہ حارث نے قریش کے اشارہ سے یا خود مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تو مزید تحقیقات کے لیے بریدہؓ بن حصیب اسلمی کو روانہ کیا، انہوں نے واپس آ کر خبر کی تصدیق کی آپ نے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا، ۲ شعبان ۵ھ کو فوجیں مدینہ سے روانہ ہوئیں اور مریسیع میں جو مدینہ منورہ سے ۹ منزل ہے پہنچ کر قیام کیا، لیکن حارث کو یہ خبریں پہلے سے پہنچ چکی تھیں، اس لیے اس کی جمعیت منتشر ہوگئی اور وہ خود بھی کسی طرف نکل گیا، لیکن مریسیع میں جو لوگ آباد تھے، انہوں نے صف آرائی کی اور دیر تک جم کر تیر برساتے رہے مسلمانوں نے دفعۃً ایک ساتھ حملہ کیا تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے، ۱۱ آدمی مارے گئے

---

[1] طبقات ج ۲ ق ا ص ۴۵۔

Marfat.com

اور باقی گرفتار ہو گئے، جن کی تعداد ۶۰۰ سو تھی، غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔

لڑائی میں جو لوگ گرفتار ہوئے ان میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، ابن اسحاق کی روایت ہے جو بعض حدیث کی کتابوں میں بھی ہے کہ تمام اسیران جنگ لونڈی غلام بنا کر تقسیم کر دیئے گئے حضرت جویریہؓ ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں، انہوں نے ثابت سے درخواست کی کہ مکاتبت کر لو یعنی مجھ سے کچھ روپیہ لے کر چھوڑ دو، ثابت نے ۹ اوقیہ سونے پر منظور کیا حضرت جویریہؓ کے پاس روپیہ نہ تھا، چاہا کہ لوگوں سے روپیہ مانگ کر یہ رقم ادا کریں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی آئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی وہاں موجود تھیں۔

ابن اسحاق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی روایت کی ہے جو یقیناً ان کی ذاتی رائے ہے کہ چونکہ جویریہ رضی اللہ عنہا نہایت شیریں ادا تھیں۔ میں نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے دیکھا تو سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ان کے حسن و جمال کا وہی اثر ہو گا جو مجھ پر ہوا۔ غرض وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم کو اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں؟ انہوں نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”تمہاری طرف سے میں روپیہ ادا کر دیتا ہوں اور تم سے نکاح کر لیتا ہوں“۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا راضی ہو گئیں، آپ نے تنہا وہ رقم ادا کر دی، اور ان سے شادی کر لی۔

لیکن دوسری روایت میں اس سے زیادہ واضح کن بیان مذکورہ ہے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا باپ (حارث) رئیس عرب تھا۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا جب گرفتار ہوئیں تو حارث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا: ”میری بیٹی کنیز نہیں بن سکتی، میری شان اس سے بالاتر ہے میں اپنے قبیلہ کا سردار اور رئیس عرب ہوں آپ اس کو آزاد کریں آپؐ نے فرمایا کہ کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ خود جویریہؓ کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے، حارث نے جا کر جویریہؓ سے کہا محمدؐ نے تیری مرضی پر رکھا ہے دیکھنا مجھ کو رسوا نہ کرنا، انہوں نے کہا: ”میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنا پسند کرتی ہوں“۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کر لی۔

Marfat.com

ابن سعد نے طبقات میں یہ روایت کی ہے کہ حضرت جویریہؓ کے والد نے ان کا زرفدیہ ادا کیا اور جب وہ آزاد ہوگئیں تو آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح کیا۔[1]

حضرت جویریہؓ سے جب آپ نے نکاح کیا تو تمام اسیران جنگ جو اہل فوج کے حصہ میں آ گئے تھے' دفعۃً رہا کر دیئے گئے' فوج نے کہا جس خاندان میں رسول اللہ ﷺ نے شادی کر لی وہ غلام نہیں ہوسکتا۔[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کسی عورت کو جویریہؓ سے بڑھ کر اپنی قوم کے حق میں مبارک نہیں دیکھا' ان کے سبب سے بنو مصطلق کے سینکڑوں گھرانے آزاد کر دیئے گئے۔[3]

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا نام برہ تھا' آنحضرت ﷺ نے بدل کر جویریہؓ رکھا کیونکہ اس میں بدفالی تھی۔[4]

وفات:

حضرت جویریہؓ نے ربیع الاول ۵۰ھ میں وفات پائی' اس وقت ان کا سن ۶۵ برس کا تھا' مروان نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

حلیہ:

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا خوبصورت اور موزوں اندام تھیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

کانت امرء ۃ حلوۃ ملاحۃ لا یراھا احدالا اخذت بنفسہ[5]

فضل وکمال:

آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کیں' ان سے حسب ذیل بزرگوں نے حدیث سنی ہے' ابن عباسؓ، جابرؓ، ابن عمرؓ، عبید بن السباق، طفیل' ابوایوب مراغی، کلثوم، ابن مصطلق، عبداللہ بن شداد بن الہاد، کریب۔

---

[1] ابن سعد ج ۸ ص ۸۴۔ [2] ابوداؤد کتاب العتاق ج ۲ ص ۱۰۵ طبقات ج ۲ ق ا ص ۴۶ صحیح مسلم ص ۶۱۔
[3] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۲۰۔ [4] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۳۱۔ [5] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۲۰۔

Marfat.com

اخلاق:

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں' ایک دن صبح کو مسجد میں دعا کر رہی تھیں آنحضرت ﷺ گزرے اور دیکھتے ہوئے چلے گئے' دوپہر کے قریب آئے تب بھی ان کو اسی حالت میں پایا[1]

جمعہ کے دن آنحضرت ﷺ ان کے گھر تشریف لائے تو روزہ سے تھیں' حضرت جویریہؓ سے دریافت کیا کہ کل روزہ سے تھیں؟ بولیں ''نہیں'' فرمایا: ''تو کل رکھو گی؟'' جواب ملا: ''نہیں'' ارشاد ہوا: ''تو پھر تم کو افطار کر لینا چاہیے''[2]

(دوسری روایتوں میں ہے کہ حضور ﷺ ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھتے تھے ان تین دنوں میں ایک جمعہ کا ضرور ہوتا تھا۔ اس لیے تنہا جمعہ کے دن ایک روزہ رکھنے میں علماء کا اختلاف ہے' ائمہ حنفیہ کے نزدیک جائز ہے' امام مالکؒ سے بھی جواز کی روایت ہے بعض شافعیہ نے اس سے روکا ہے' تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری جلد۴ صفحہ ۲۰۴' امام ابو یوسف کے نزدیک احتیاط اس میں ہے کہ جمعہ کے روزہ کے ساتھ ایک روزہ اور ملا لیا جائے (بذل المجہود جلد۳ صفحہ ۱۶۹) یہ بحث صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنے کے متعلق ہے اور دنوں سے اس کا تعلق نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ کو ان سے محبت تھی اور ان کے گھر آتے جاتے تھے ایک مرتبہ آ کر پوچھا کہ ''کچھ کھانے کو ہے''؟ جواب ملا: ''میری کنیز نے صدقہ کا گوشت دیا' وہی رکھا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں'' فرمایا اسے اٹھا لاؤ' کیونکہ صدقہ جس کو دیا گیا تھا اس کو پہنچ چکا''[3]

1 صحیح ترمذی ص ۵۹۰۔ 2 صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۷۔ 3 صحیح مسلم ا ص ۴۰۰۔

Marfat.com

(۹) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

رملہ نام' ام حبیبہ کنیت' سلسلہ نسب یہ ہے:

رملہ بنت ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس' والدہ کا نام صفیہ بنت ابوالعاص تھا' جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حقیقی پھوپھی تھیں۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ۱۷ سال پہلے پیدا ہوئیں[۱]

نکاح:

عبیداللہ بن جحش سے کہ حرب بن امیہ کے حلیف تھے' نکاح ہوا[۲]

اسلام:

اوران ہی کے ساتھ مسلمان ہوئیں اور حبش کو ہجرت کی' حبش میں جا کر عبیداللہ نے عیسائی مذہب اختیار کیا' ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے بھی کہا' لیکن وہ اسلام پر قائم رہیں' اب وہ وقت آ گیا کہ ان کو اسلام اور ہجرت کی فضیلت کے ساتھ ام المومنین بننے کا شرف بھی حاصل ہو۔ عبیداللہ نے عیسائی ہو کر بالکل آزادانہ زندگی بسر کرنا شروع کی' مے نوشی کی عادت ہوگئی' آخر ان کا انتقال ہو گیا[۳]

نکاح ثانی:

عدت کے دن ختم ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کی خدمت میں بغرض نکاح بھیجا' جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے تو اس نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اپنی

---

[۱] اصابہ ج ۸ ص ۸۴۔ [۲] (ایضاً)۔

[۳] زرقانی ج ۳ ص ۲۷۶ بحوالہ ابن سعد۔

Marfat.com

لونڈی ابرہہ کے ذریعہ پیغام دیا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو تمہارے نکاح کے لیے لکھا ہے' انہوں نے خالد بن سعید اموی کو وکیل مقرر کیا اور اس مژدہ کے صلہ میں ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن اور انگوٹھیاں دیں' جب شام ہوئی تو نجاشی نے جعفرؓ ابن ابی طالب اور وہاں کے مسلمانوں کو جمع کر کے خود نکاح پڑھایا اور آنحضرت ﷺ کی طرف چار سو دینار مہر ادا کیا' نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہؓ جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہوئیں اور مدینہ کی بندرگاہ میں اتریں آنحضرت ﷺ اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے۔ یہ ۷ھ یا ۶ھ کا واقعہ ہے[1] اس وقت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۳۶، ۳۷ سال کی تھی۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے متعلق مختلف روایتیں ہیں' ہم نے جو روایت لی ہے وہ مسند کی ہے اور مشہور روایتوں کے مطابق' البتہ مہر کی تعداد میں کچھ غلطی معلوم ہوتی ہے' عام روایت یہ ہے اور مسند میں بھی ہے کہ ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں کا مہر چار سو درہم تھا' اس بنا پر چار سو دینار راوی کا سہو ہے۔ اس موقع پر ہم کو صحیح مسلم کی ایک روایت کی تنقید کرنا ہے۔

صحیح مسلم ہے کہ لوگ ابوسفیان کو نظر اٹھا کر دیکھنا اور ان کے پاس بیٹھنا ناپسند کرتے تھے۔ اس بنا پر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے تین چیزوں کی درخواست کی جن میں ایک یہ بھی تھی کہ ام حبیبہ (رضی اللہ عنہا) سے شادی کر لیجیے' آنحضرت ﷺ نے ان کی درخواست منظور فرمائی'[2] اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان کے مسلمان ہونے کے وقت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں داخل نہیں ہوئی تھیں۔

لیکن یہ راوی کا وہم ہے چنانچہ ابن سعد' ابن حزم' ابن جوزی' ابن اثیر' بیہقی اور عبدالعظیم منذری نے اس کے خلاف روایتیں کی ہیں' اور ابن سعد کے سوا سب نے اس روایت کی تردید کی ہے۔

---

[1] مسند ج ۶ ص ۴۲۷ (و تاریخ طبری واقعات ۶ھ)

[2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۶۱۔

Marfat.com

وفات:

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں ۴۴ھ میں انتقال کیا اور مدینہ میں دفن ہوئیں' اس وقت ۷۳ برس کا سن تھا۔ قبر کے متعلق اس قدر معلوم ہے کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان میں تھی (حضرت علیؓ بن حسین) سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ میں نے مکان کا ایک گوشہ کھدوایا تو ایک کتبہ برآمد ہوا کہ ''یہ رملہ بنت صخر کی قبر ہے'' چنانچہ اس کو میں نے اسی جگہ رکھ دیا[1]

وفات کے قریب حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ سوکنوں میں باہم جو کچھ ہوتا ہے وہ ہم لوگوں میں بھی ہو جایا کرتا تھا' اس لیے مجھ کو معاف کر دو' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے معاف کر دیا اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی تو بولیں' تم نے مجھ کو خوش کیا خدا تم کو خوش کرے[2]

اولاد:

پہلے شوہر سے دو لڑکے پیدا ہوئے' عبداللہ اور حبیبہ' حبیبہؓ نے آغوش نبوت میں تربیت پائی' اور داؤد بن عروہ بن مسعود کو منسوب ہوئیں' جو قبیلہ ثقیف کے رئیس اعظم تھے۔

حلیہ:

خوبصورت تھیں' صحیح مسلم میں خود ابوسفیان کی زبانی منقول ہے:[3]

عندی احسن العرب و اجمله ام حبیبة.

''میرے ہاں عرب کی حسین تر اور جمیل تر عورت موجود ہے''۔

فضل و کمال:

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے حدیث کی کتابوں میں (۶۵) روایتیں منقول ہیں' راویوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے' بعض کے نام یہ ہیں' حبیبہؓ (دختر) معاویہؓ اور عتبہؓ پسران

---

[1] استیعاب جلد۲ص ۷۵۰۔ [2] اصابہ جلد۸ص ۸۵ بحوالہ ابن سعد (ابن سعد جز نساء ص ۷۱)
[3] صحیح مسلم جلد۲ص ۳۶۱۔

Marfat.com

ابوسفیانؓ، عبداللہ بن عتبہ، ابوسفیان بن سعید ثقفی (خواہر زادہ) سالم بن سوار (مولیٰ) ابوالجراح، صفیہ بنت شیبہ، زینب بنت ابوسلمہؓ، عروہ بن زبیرؓ، ابوصالح السمان، شہر بن حوشب۔

اخلاق:

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے جوش ایمان کا یہ منظر قابل دید ہے کہ فتح مکہ سے قبل جب ان کے باپ (ابوسفیان) کفر کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ آئے اور ان کے گھر گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچھونے پر بیٹھنا چاہتے تھے، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے یہ دیکھ کر بچھونا الٹ دیا، ابوسفیان سخت برہم ہوئے کہ بچھونا اس قدر عزیز ہے۔ بولیں یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرش ہے اور آپ مشرک ہیں اور اس بنا پر ناپاک ہیں، ابوسفیان نے کہا تو میرے پیچھے بہت بگڑ گئی۔[1]

حدیث پر بہت شدت سے عمل کرتی تھیں اور دوسروں کو بھی تاکید کرتی تھیں۔ ان کے بھانجے ابوسفیان بن سعید بن المغیرہ آئے اور انہوں نے ستو کھا کر کلی کی تو بولیں تم کو وضو کرنا چاہیے، کیونکہ جس چیز کو آگ پکائے اس کے استعمال سے وضو لازم آتا ہے[2] یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔

(یہ حکم منسوخ ہے، یعنی پہلے تھا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باقی نہیں رکھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام آگ پر پکی ہوئی چیزیں کھاتے تھے (اور اگر پہلے سے وضو ہوتا) تو دوبارہ وضو نہیں کرتے تھے۔ بلکہ پہلے ہی وضو سے نماز پڑھ لیا کرتے تھے اس قسم کی ایک حدیث حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں آئندہ ملے گی)

ابوسفیانؓ کا انتقال ہوا تو خوشبو لگا کر رخساروں پر ملی اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ کسی پر تین دن سے زیادہ غم نہ کیا جائے، البتہ شوہر کے لیے ۴ مہینہ ۱۰ دن سوگ کرنا چاہیے[3]

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۸۵ بحوالہ ابن سعد۔ [2] مسند ج ۲ ص ۳۲۶۔

[3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۰۳۔

Marfat.com

آنحضرت ﷺ سے ایک مرتبہ سنا تھا کہ جو شخص بارہ رکعت روزانہ نفل پڑھے گا، اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا، فرماتی ہیں: ''فما برحت اصلیھن بعد!'' میں ان کو ہمیشہ پڑھتی ہوں، اس کا یہ اثر ہوا کہ ان کے شاگرد اور بھائی عتبہ اور عتبہ کے شاگرد عمرو ابن ادریس اور عمرو کے شاگرد نعمان بن سالم اپنے اپنے زمانہ میں برابر نمازیں پڑھتے تھے[1]

فطرۃً نیک مزاج تھیں، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے کہا میری بہن سے آپ ﷺ نکاح کر لیجیے فرمایا: ''کیا تمہیں پسند ہے''۔ بولیں: ''ہاں میں ہی آپ کی تنہا بیوی نہیں ہوں، اس لیے میں یہ پسند کرتی ہوں کہ آپ کے نکاح کی سعادت میں میرے ساتھ میری بہن بھی شریک ہو''[2]

---

[1] مسند ج ۶ ص ۳۲۷ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶۴ (باب وامھاتکم اللاتی ارضعنکم ویحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب)

Marfat.com

(۱۰) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

میمونہ نام' قبیلہ قریش سے ہیں' سلسلہ نسب یہ ہے:

میمونہ بنت حارث بن حزن ابن بجیر بن ہزم بن رویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمۃ بن خصیفہ بن قیس عیلان بن مضر' والدہ قبیلہ حمیر سے تھیں ان کا نام ونسب ذیل ہے:

ہند بنت عوف بن زہیر بن حارث بن حماطہ بن جرش۔

نکاح:

پہلے مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے نکاح ہوا[۱] لیکن کسی وجہ سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی' پھر ابورہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں آئیں' ابورہم نے ۷ھ میں وفات پائی تو لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انتساب کی کوشش کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذوالقعدہ ۷ھ میں عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہوئے تھے اسی احرام کی حالت میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا[۲] حضرت عباس رضی اللہ عنہ نکاح کے متولی ہوئے تھے'[۳] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ سے فارغ ہو کر جب مدینہ واپس ہوئے تو سرف میں جو مدینہ کے راستہ پر مکہ سے ۱۰ میل ہے[۴] قیام فرمایا ابورافع (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام) حضرت میمونہ کو لے کر سرف پہنچے اور یہیں رسم عروسی ادا ہوئی۔[۵] یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نکاح تھا'[۶] اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سب سے آخری بیوی تھیں۔

---

۱ زرقانی ص ۲۸۸ ج ۳۔ ۲ بخاری ص ۶۱۱ ج ۲۔ ۳ نسائی ص ۵۱۳۔ ۴ تہذیب ص ۴۵۳ ج ۱۲۔
۵ ابن سعد ص ۸۹ ج ۲ ق ۱۔ ۶ ذیل المذیل طبری ج ۱۳ ص ۲۴۵۳۔

Marfat.com

وفات:

یہ عجیب اتفاق ہے کہ مقام سرف میں ان کا نکاح ہوا تھا اور سرف ہی میں انہوں نے انتقال بھی کیا[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبر میں اتارا' صحاح میں ہے کہ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ''یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو' باادب آہستہ لے چلو''[2]

سال وفات کے متعلق اگرچہ اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ انہوں نے ۵۱ھ میں وفات پائی۔

فضل وکمال:

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے ۴۶ حدیثیں مروی ہیں' جن میں بعض سے ان کی فقہ دانی کا پتہ چلتا ہے۔

ایک مرتبہ ابن عباس رضی اللہ عنہما پراگندہ ہوئے تو کہا بیٹا! اس کا کیا سبب ہے؟ جواب دیا ام عمار میرے کنگھا کرتی تھیں (اور آج کل ان کے ایام کا زمانہ ہے) بولیں کیا خوب! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہماری گود میں سر رکھ کر لیٹتے تھے اور قرآن پڑھتے تھے' اور ہم اسی حالت میں ہوتے تھے' اسی طرح ہم چٹائی اٹھا کر مسجد میں رکھ آتے تھے' بیٹا! کہیں یہ ہاتھ میں بھی ہوتا ہے[3]

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے جن بزرگوں نے روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن شداد بن الہاد، عبدالرحمن بن السائب، یزید بن اصم (یہ سب ان کے بھانجے تھے) عبیداللہ الخولانی (ربیب تھے) ندبہ (کنیز تھیں) عطاء ابن یسار' سلیمان بن یسار (غلام تھے) ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن عباس' کریب (ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام) عبید بن سباق' عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ' عالیہ بنت سبیع۔

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۱۱ ومسند ابن حنبل ج ۶ ص ۳۳۳۔

[2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۸۔ [3] مسند ج ۶ ص ۳۳۱۔

Marfat.com

اخلاق:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:[1]

انها کانت اتقانا الله و اوصلنا للرحم.

''میمونہ رضی اللہ عنہا خدا سے بہت ڈرتی اور صلہ رحمی کرتی تھیں''۔

احکام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل ہر وقت پیش نظر رہتی تھی ایک دفعہ ان کی کنیز بدیہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے گھر گئی تو دیکھا کہ میاں بیوی کے بچھونے دور دور بچھے ہیں' خیال ہوا کہ شاید کچھ رنجش ہوگئی ہے لیکن دریافت سے معلوم ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما (بیوی کے ایام کے زمانہ میں) اپنا بستر ان سے الگ کر لیتے ہیں۔ آ کر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا تو بولیں' ان سے جا کر کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے اس قدر کیوں اعراض ہے؟ آپ برابر ہم لوگوں کے بچھونوں پر آرام فرماتے تھے۔[2]

ایک عورت بیمار پڑی تو اس نے منت مانی تھی کہ شفا ہونے پر بیت المقدس جا کر نماز پڑھے گی' خدا کی شان وہ اچھی ہوگئی اور سفر کی تیاریاں شروع کیں جب رخصت ہونے کے لیے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی' تو وہ بولیں تم یہیں رہو' اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھ لو کیونکہ یہاں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مسجدوں کے ثواب سے ہزار گنا زیادہ ہے۔[3]

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو غلام آزاد کرنے کا شوق تھا' ایک لونڈی کو آزاد کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اللہ تم کو اس کا اجر دے)[4]

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کبھی کبھی قرض لیتی تھیں' ایک بار زیادہ رقم قرض لی تو کسی نے کہا کہ آپ اس کو کس طرح ادا کریں گی؟ فرمایا: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے خدا خود اس کا قرض ادا کر دیتا ہے۔[5]

---

1 اصابہ ج ۸ ص ۱۹۲ بحوالہ ابن سعد۔

2 مسند ج ۶ ص ۳۳۲۔ 3 ایضاً ۳۳۳۔

4 ایضاً ص ۳۳۲۔ 5 ایضاً۔

Marfat.com

(۱۱) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

اصلی نام زینب تھا' لیکن چونکہ وہ جنگ خیبر میں خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آئی تھیں' اور عرب میں غنیمت کے ایسے حصہ کو جو امام یا بادشاہ کے لیے مخصوص ہوتا تھا صفیہ کہتے تھے اس لیے وہ بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہوگئیں' یہ زرقانی کی روایت ہے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو باپ اور ماں دونوں کی طرف سے سیادت حاصل ہے۔ باپ کا نام حیی ابن اخطب تھا جو قبیلہ بنو نضیر کا سردار تھا اور حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل میں شمار ہوتا تھا۔ ماں جس کا نام ضرد تھا' سموال رئیس قریظہ کی بیٹی تھی۔ اور یہ دونوں خاندان (قریظہ اور نضیر) بنو اسرائیل کے ان تمام قبائل سے ممتاز سمجھے جاتے تھے' جنہوں نے زمانۂ دراز سے عرب کے شمالی حصوں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

نکاح:

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی شادی پہلے سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی۔ سلام نے طلاق تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں جو ابو رافع تاجر حجاز اور رئیس خیبر کا بھتیجا تھا۔ کنانہ جنگ خیبر میں مقتول ہوا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے باپ اور بھائی بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں' جب خیبر کے تمام قیدی جمع کیے گئے تو دحیہ کلبیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لونڈی کی درخواست کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتخاب کرنے کی اجازت دی' انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو منتخب کیا۔

لیکن ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں آ کر عرض کی کہ آپ نے رئیسہ بنو نضیر وقریظہ کو دحیہ کو دے دیا' وہ تو صرف آپ کے لیے سزاوار ہے' مقصود یہ تھا کہ رئیسہ عرب کے ساتھ عام عورتوں کا سا برتاؤ مناسب نہیں' چنانچہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو آپ نے دوسری

Marfat.com

لونڈی عنایت فرمائی اور صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے نکاح کر لیا[1] خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام صہبا میں رسم عروسی ادا کی[2] اور جو کچھ سامان لوگوں کے پاس تھا اس کو جمع کر کے دعوت ولیمہ فرمائی' وہاں سے روانہ ہوئے تو آپ نے ان کو خود اپنے اونٹ پر سوار کر لیا اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ وہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں داخل ہو گئیں[3]

عام حالات:

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے مشہور واقعات میں حج کا سفر ہے' جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایام محاصرہ میں جو ۳۵ھ میں ہوا تھا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ان کی بے حد مدد کی تھی' جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ضروریات زندگی مسدود کر دی گئیں' اور ان کے مکان پر پہرہ بٹھا دیا گیا۔ تو وہ خود خچر پر سوار ہو کر ان کے مکان کی طرف چلیں' غلام ساتھ تھا' اشتر کی نظر پڑی تو انہوں نے خچر کو مارنا شروع کیا' حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا' مجھ کو ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں' میں واپس جاتی ہوں' تم خچر کو چھوڑ دو۔ گھر واپس آئیں تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مامور کیا' وہ ان کے مکان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا اور پانی لے جاتے تھے[4]

وفات:

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے رمضان ۵۰ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں' اس وقت ان کی عمر ۶۰ سال کی تھی۔ ایک لاکھ ترکہ چھوڑا' اور ایک ثلث کے لیے اپنے یہودی بھانجے کے لیے وصیت کر گئیں[5]

---

[1] صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ ما یذکر کتاب الصلوٰۃ

[2] (اصابہ ج ۸ ص ۱۲۶) [3] (طبقات ج ۸ جزء نسا ص ۸۶)۔

[4] اصابہ ج ا ص ۱۲۷ بحوالہ ابن سعد۔ [5] زرقانی جلد ۳ ص ۲۹۶۔

Marfat.com

حلیہ:

کوتاہ قامت اور حسین تھیں [1]

فضل وکمال:

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے حدیثیں مروی ہیں' جن کو حضرت زین العابدین رحمہ اللہ، اسحاق بن عبداللہ بن حارث' مسلم بن صفوان' کنانہ اور یزید بن معتب وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

دیگر ازواج کی طرح حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے زمانہ میں علم کا مرکز تھیں' چنانچہ حضرت صہیرہ رحمہا اللہ بنت جیفر حج کر کے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس مدینہ آئیں تو کوفہ کی بہت سی عورتیں مسائل دریافت کرنے کی غرض سے بیٹھی ہوئیں تھیں' صہیرہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی مقصد تھا۔ اس لیے انہوں نے کوفہ کی عورتوں سے سوال کرائے' ایک فتویٰ نبیذ کے متعلق تھا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو بولیں اہل عراق اس مسئلہ کو اکثر پوچھتے ہیں [2]

اخلاق:

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا میں بہت سے محاسن اخلاق جمع تھے' اسد الغابہ میں ہے: [3]

کانت عاقلة من عقلاء النساء. ''وہ نہایت عاقلہ تھیں''۔

زرقانی میں ہے: [4]

کانت صفية عاقلةً حليمة فاضلة.

''یعنی صفیہ رضی اللہ عنہا عاقل' فاضل اور حلیم تھیں''۔

حلم وتحمل ان کے باب فضائل کا نہایت جلی عنوان ہے' غزوہ خیبر میں جب وہ اپنی بہن کے ساتھ گرفتار ہو کر آ رہی تھیں تو ان کی بہن یہودیوں کی لاشوں کو دیکھ کر چیخ اٹھی تھیں' حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے محبوب شوہر کی لاش سے قریب ہو کر گزریں' لیکن اب بھی اسی طرح پیکر متانت تھیں اور ان کی جبین تحمل پر کسی قسم کی شکن نہیں آئی۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۵۴۸۔ [2] مسند ج ۶ ص ۳۷۷۔

[3] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۴۹۰۔ [4] زرقانی جلد ۳ ص ۲۹۶۔

Marfat.com

لیکن ایک مرتبہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ان کو یہودیہ کہا' ان کو معلوم ہوا تو رونے لگیں' حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک کنیز تھی' جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جا کر ان کی شکایت کیا کرتی تھی' چنانچہ ایک دن کہا کہ ان میں یہودیت کا اثر آج تک باقی ہے۔ وہ یوم السبت کو اچھا سمجھتی ہیں اور یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تصدیق کے لیے ایک شخص کو بھیجا' حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ یوم السبت کو اچھا سمجھنے کی ضرورت نہیں' اس کے بدلے خدا نے ہم کو جمعہ کا دن عنایت فرمایا ہے۔ البتہ میں یہود کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں۔ وہ میرے خویش و اقارب ہیں اس کے بعد لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ تو نے میری شکایت کی تھی؟ بولی: ''ہاں مجھے شیطان نے بہکا دیا تھا''۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا خاموش ہو گئیں اور اس لونڈی کو آزاد کر دیا[1]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت تھی چنانچہ جب آپ علیل ہوئے تو نہایت حسرت سے بولیں: ''کاش آپ کی بیماری مجھ کو ہو جاتی''۔ ازواج نے ان کی طرف دیکھنا شروع کیا' تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سچ کہہ رہی ہیں[2] (یعنی اس میں تصنع کا شائبہ نہیں ہے)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے ساتھ نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دل جوئی فرماتے تھے۔ ایک بار آپ سفر میں تھے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی تھیں' حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ سوء اتفاق سے بیمار ہو گیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس ضرورت سے زیادہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ایک اونٹ صفیہ رضی اللہ عنہا کو دے دو۔ انہوں نے کہا' کیا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دے دوں؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک ان کے پاس نہ گئے[3]

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے قد و قامت کی نسبت چند جملے کہے تو

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۱۲۷۔ (و زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶)۔ [2] زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶ بحوالہ ابن سعد۔

[3] اصابہ ج ۸ ص ۱۲۶ بحوالہ ابن سعد و (زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶)

Marfat.com

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم نے یہ ایسی بات کہی ہے کہ اگر سمندر میں چھوڑ دی جائے تو اس میں مل جائے[1] (یعنی سمندر کو بھی گدلا کر سکتی ہے)

ایک بار آپ ﷺ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے' دیکھا کہ رو رہی ہیں آپ نے رونے کی وجہ پوچھی' انہوں نے کہا کہ: ''عائشہ اور حفصہ کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں افضل ہیں' ہم آپ ﷺ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کی چچازاد بہن بھی ہیں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہارون علیہ السلام میرے باپ' موسیٰ علیہ السلام میرے چچا اور محمد (ﷺ) میرے شوہر ہیں اس لیے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو[2]

سفر حج میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیٹھ گیا تھا اور وہ سب سے پیچھے رہ گئی تھیں آنحضرت ﷺ ادھر سے گزرے تو دیکھا کہ زار و قطار رو رہی ہیں' آپ نے رداء اور دست مبارک سے آنسو پونچھے' آپ آنسو پونچھتے جاتے تھے' اور وہ بے اختیار روتی جاتی تھیں[3]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سیر چشم اور فیاض واقع ہوئی تھیں' چنانچہ جب امیر المومنین بن کر مدینہ میں آئیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو سونے کی بالیاں تقسیم کیں[4]

کھانا بہت اچھا پکاتی تھیں اور آنحضرت ﷺ کے پاس تحفۃً بھیجا کرتی تھیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آنحضرت ﷺ کے پاس انہوں نے پیالہ میں جو کھانا بھیجا تھا' اس کا ذکر بخاری اور نسائی وغیرہ میں آیا ہے۔

---

[1] ابوداؤد ج ۲ ص ۱۹۳۔ [2] صحیح ترمذی ص ۶۳۸ باب فضل ازواج النبی ﷺ۔
[3] زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶۔ [4] زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶۔

Marfat.com

(۱۲) حضرت زینب رضی اللہ عنہا [1]

نام ونسب:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں بعثت سے دس برس پہلے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۳۰ سال کی تھی' پیدا ہوئیں۔

نکاح:

ابوالعاص بن ربیع لقیط سے جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے خالہ زاد بھائی تھے نکاح ہوا۔

عام حالات:

نبوت کے تیرھویں سال جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو اہل وعیال مکہ میں رہ گئے تھے' حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی اپنی سسرال میں تھیں۔ غزوۂ بدر میں ابوالعاص کفار کی طرف سے شریک ہوئے تھے' عبداللہ بن جبیر انصاری نے ان کو گرفتار کیا' اور اس شرط پر رہا کیے گئے کہ مکہ جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بھیج دیں گے[1]۔

ابوالعاص نے مکہ جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے چھوٹے بھائی کنانہ کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ کیا' کیونکہ کفار کے تعرض کا خوف تھا اس لیے کنانہ نے ہتھیار ساتھ لے لیے تھے۔ مقام ذی طوی میں پہنچے تو قریش کے چند آدمیوں نے تعاقب کیا' ہبار بن اسود نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نیزہ سے زمین پر گرا دیا' وہ حاملہ تھیں' حمل ساقط ہو گیا' کنانہ نے ترکش سے تیر نکالے اور کہا کہ: ''اب اگر کوئی قریب آیا تو ان تیروں کا نشانہ ہوگا''۔ لوگ ہٹ گئے تو ابوسفیان سرداران قریش کے ساتھ آیا اور کہا: ''تیر روک لو ہم کو کچھ گفتگو کرنی ہے''۔

---

[1] طبقات ج ۸ ص ۲۰۔

Marfat.com

انہوں نے تیر ترکش میں ڈال دیئے' ابوسفیان نے کہا: ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ سے جو مصیبتیں پہنچی ہیں تم کو معلوم ہیں' اب اگر تم علانیہ لڑکی کو ہمارے قبضہ سے نکال لے گئے تو لوگ کہیں گے کہ ہماری کمزوری ہے۔ ہم کو زینب کو روکنے کی ضرورت نہیں جب شور و ہنگامہ کم ہو جائے اس وقت چوری چھپے لے جانا'' کنانہ نے یہ رائے تسلیم کی اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو لے کر مکہ واپس آئے' چند روز کے بعد ان کو رات کے وقت لے کر روانہ ہوئے' زیدؓ بن حارثہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے بھیج دیا تھا۔ وہ بطن یاجج میں تھے۔ کنانہ نے زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے حوالے کیا' وہ ان کو لے کر روانہ ہو گئے [1]

حضرت زینب رضی اللہ عنہا مدینہ میں آئیں' اور اپنے شوہر ابوالعاص کو حالت شرک میں چھوڑا۔ جمادی الاول ۶ھ میں ابوالعاص قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو ۱۷۰ سواروں کے ساتھ بھیجا' مقام عیص میں قافلہ ملا' کچھ لوگ گرفتار کیے گئے اور مال و اسباب لوٹ میں آیا۔ ان ہی میں ابوالعاص بھی تھے۔ ابوالعاص آئے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو پناہ دی اور ان کی سفارش سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مال بھی واپس کرا دیا۔

ابوالعاص نے مکہ جا کر لوگوں کی امانتیں حوالہ کیں اور اسلام لائے' اسلام لانے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ میں آئے' حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو حالت شرک میں چھوڑا تھا' اس لیے دونوں میں باہم تفریق ہو گئی تھی' وہ مدینہ آئے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا دوبارہ ان کے نکاح میں آئیں' ترمذی وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کوئی جدید نکاح نہیں ہوا' لیکن دوسری روایت میں تجدید نکاح کی تصریح ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کو اگرچہ اسناد کے لحاظ سے دوسری روایت پر ترجیح ہے لیکن فقہاء نے دوسری صورت پر عمل کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کی یہ تاویل کی ہے کہ نکاح جدید کے مہر اور شرائط وغیرہ میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا ہوگا اسی لیے حضرت

---

[1] زرقانی ج ۳ ص ۲۲۳۔

Marfat.com

عبداللہ بن عباسؓ نے اس کو نکاح اول سے تعبیر کیا ورنہ بعد تفریق نکاح ثانی ضروری ہے۔

ابوالعاصؓ نے حضرت زینبؓ کے ساتھ نہایت شریفانہ برتاؤ کیا اور آنحضرت ﷺ نے ان کے شریفانہ تعلقات کی تعریف کی[1]

وفات:

نکاح جدید کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا بہت کم زندہ رہیں اور ۸ھ میں انہوں نے انتقال کیا۔ حضرت ام ایمنؓ، حضرت سودہؓ، حضرت ام سلمہؓ اور ام عطیہؓ نے غسل دیا جس کا طریقہ خود آنحضرت ﷺ نے بتایا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی' خود قبر میں اترے اور اپنے نوردیدہ کو خاک کے سپرد کیا' اس وقت چہرہ مبارک پر حزن وملال کے آثار نمایاں تھے[2]

اولاد:

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے دو اولادیں چھوڑی' علی اور امامہؓ، علی کی نسبت ایک روایت ہے کہ بچپن میں وفات پائی' لیکن عام روایت یہ ہے کہ سن رشد کو پہنچے' ابن عساکر نے لکھا ہے کہ یرموک کے معرکہ میں شہادت پائی' فتح مکہ میں یہی آنحضرت ﷺ کے ردیف تھے' امامہ رضی اللہ عنہا عرصہ تک زندہ رہیں' ان کا حال آگے آئے گا۔

اخلاق وعادات:

آنحضرت ﷺ اور اپنے شوہر سے بہت محبت کرتی تھیں حضرت انسؓ نے ان کو ریشمی چادر اوڑھے دیکھا تھا' جس پر زرد دھاریاں پڑی ہوئی تھیں[3]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۱۔ [2] طبقات ج ۸ ص ۲۴ وصحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶۷ وصحیح مسلم ج ۱ ص ۳۴۶ واسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۸۔ [3] طبقات ج ۸ ص ۲۲۔

Marfat.com

(۱۴) حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا [2]

نام ونسب:

مشہور روایت کے مطابق یہ رسول اللہ ﷺ کی دوسری صاحبزادی ہیں جو ۳۳ قبل نبوت پیدا ہوئیں۔

نکاح:

پہلے ابولہب کے بیٹے (عتبہ) سے شادی ہوئی' یہ قبل نبوت کا واقعہ ہے' آنحضرت ﷺ کی تیسری صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے ہوئی تھی۔

اسلام:

جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ ﷺ نے دعوت اسلام کا اظہار فرمایا تو ابولہب نے بیٹوں کو جمع کر کے کہا: ''اگر محمد ﷺ کی بیٹیوں سے علیحدگی اختیار نہیں کرتے تو تمہارے ساتھ میرا اٹھنا بیٹھنا حرام ہے''۔ دونوں بیٹوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی آنحضرت ﷺ نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کردی۔

عام حالات:

نبوت کے پانچویں سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حبش کی طرف ہجرت کی' حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ گئیں' جب واپس آئیں تو مکہ کی سرزمین پہلے سے زیادہ خونخوار تھی' چنانچہ دوبارہ ہجرت کی مدت تک آنحضرت ﷺ کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہوا۔ ایک عورت نے آکر خبر دی کہ ''میں نے ان دونوں کو دیکھا ہے''۔ آنحضرت ﷺ نے دعا دی اور فرمایا کہ ''ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بی بی کو

Marfat.com

لے کر ہجرت کی ہے''۔[1]

اس مرتبہ حبش میں زیادہ عرصہ تک مقیم رہیں، جب یہ خبر پہنچی کہ آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے والے ہیں تو چند بزرگ جن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں مکہ آئے اور آنحضرت ﷺ کی اجازت سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی، جہاں انہوں نے حضرت حسانؓ کے بھائی اوس بن ثابتؓ کے گھر قیام کیا۔

وفات:

۲ھ غزوۂ بدر کا سال تھا۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے دانے نکلے اور نہایت سخت تکلیف ہوئی آنحضرت ﷺ اس زمانہ میں بدر کی تیاریاں کر رہے تھے، غزوہ کو روانہ ہوئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تیمارداری کے لیے چھوڑ دیا[1] عین اسی دن جس دن زید بن حارثہ نے مدینہ میں آکر فتح کا مژدہ سنایا حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی، آنحضرت ﷺ غزوہ کی وجہ سے ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو سکے لیکن جب واپس آئے اور اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو نہایت رنجیدہ ہو کر قبر پر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: ''عثمان بن مظعون پہلے جا چکے اب تم بھی ان کے پاس چلی جاؤ''۔ اس فقرہ نے عورتوں میں کہرام برپا کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کوڑا لے کر مارنے کے لیے اٹھے، آپ ﷺ نے ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: ''رونے میں کچھ حرج نہیں لیکن نوحہ و بین شیطانی حرکت ہے اس سے قطعاً بچنا چاہیے''۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئیں، وہ قبر کے پاس بیٹھ کر روتی تھیں اور آنحضرت ﷺ کپڑے سے ان کے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔

اولاد:

حبش کے زمانۂ قیام میں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جس کا نام عبداللہ تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عبداللہ اسی کے نام پر تھی، چھ سال تک زندہ رہا، ایک مرتبہ ایک مرغ

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۵۷۔

[2] بخاری ج ۱ ص ۴۴۲۔

Marfat.com

نے اس کے چہرہ پر چونچ ماری اور جاں بحق تسلیم ہوگیا' یہ جمادی الاول ۴ھ کا واقعہ ہے عبداللہ کے بعد حضرت رقیہؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

حلیہ:

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا خوبرو اور موزوں اندام تھیں' زرقانی میں ہے:[1]

کانت بارعة الجمال.

''وہ نہایت جمیل تھیں''۔

[1] دیکھئے استیعاب ج ۲ ص ۷۴۷' طبقات ج ۸ ص ۲۴ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۵۶ و ۴۵۷ و زرقانی ج ۳ ص ۲۲۶۔

Marfat.com

(۱۴) حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

یہ تیسری صاحبزادی ہیں‘ اور کنیت ہی کے ساتھ مشہور ہیں۔

نکاح:

۳ھ میں جب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو ربیع الاول میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کر لیا‘ بخاری میں ہے کہ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا‘ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تامل کیا‘ لیکن دوسری روایتوں میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ”میں تم کو عثمان سے بہتر شخص کا پتہ دیتا ہوں اور حضرت عثمانؓ کے لیے تم سے بہتر شخص ڈھونڈتا ہوں‘ تم اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کردو اور میں اپنی لڑکی کی شادی عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیتا ہوں“۔ بہر حال نکاح ہوا اور نکاح کے بعد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ٦ برس تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہیں۔

وفات:

شعبان ۹ھ میں وفات پائی‘ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا۔ قبر پر بیٹھے تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے‘ آپ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ‘ حضرت علی رضی اللہ عنہ‘ فضل بن عباسؓ اور اسامہؓ بن زید نے قبر میں اتارا۔[۱]

اولاد:

کوئی اولاد نہیں ہے۔

---

[۱] طبقات ج ۸ ص ۲۵‘ ۲٦ و صحیح بخاری ج ا ص ۱۷۱۔

Marfat.com

(۱۵) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا [4]

نام ونسب:

فاطمہ نام' زہرا لقب تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاجزادیوں میں سے کم سن تھیں' سنہ ولادت میں اختلاف ہے' ایک روایت ہے کہ ۱ بعثت میں پیدا ہوئیں ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ابراہیم کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد قبل نبوت پیدا ہوئی' آپ کی بعثت ۴۰ سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ اس بنا پر بعضوں نے دونوں روایتوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ ۱ بعثت کے آغاز میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئی ہوں گی اور چونکہ دونوں مدت میں بہت کم فاصلہ ہے اس لیے یہ اختلاف روایت ہو گیا ہوگا۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ بعثت سے پانچ برس پہلے خانہ کعبہ کی تعمیر جب ہو رہی تھی' پیدا ہوئیں' بعض روایتوں میں ہے کہ نبوت سے تقریباً ایک سال پیشتر پیدا ہوئیں۔

نکاح:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب مشہور روایت کے مطابق ۱۸ سال اور اگر ۱ بعثت کو ان کا سال ولادت تسلیم کیا جائے تو پندرہ سال ساڑھے پانچ مہینہ کی ہوئیں تو ذی الحجہ ۲ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔ ابن سعد نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی' آپؐ نے فرمایا کہ جو خدا کا حکم ہوگا۔ پھر حضرت عمرؓ نے جرأت کی' ان کو بھی آپؐ نے کچھ جواب نہیں دیا' بلکہ وہی الفاظ فرمائے' لیکن بظاہر یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ابن سعد کی اکثر روایتیں حضرت فاطمہؓ کے حال میں روایت کی ہیں' لیکن اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔

بہرحال حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب درخواست کی تو آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

Marfat.com

کی مرضی دریافت کی' وہ چپ رہیں' یہ ایک طرح کا اظہار رضا تھا۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر میں دینے کے لیے کیا ہے؟ بولے: کچھ نہیں' آپ نے فرمایا اور وہ حطمیہ زرہ کیا ہوئی؟ (جنگ بدر میں ہاتھ آئی تھی) عرض کی وہ تو موجود ہے' آپ نے فرمایا بس وہ کافی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اس کو ۸۰ درہم پر فروخت کیا اور قیمت لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بازار سے خوشبو لائیں۔

زرہ کے سوا اور جو کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سرمایہ تھا وہ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ یمنی چادر تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے نذر کیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس رہتے تھے' شادی کے بعد ضرورت ہوئی کہ الگ گھر لیں۔ حارثہ بن نعمان انصاری کے متعدد مکانات تھے جن میں سے وہ کئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نذر کر چکے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ان ہی سے کوئی مکان دلوا دیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ کہاں تک' اب ان سے کہتے شرم آتی ہے۔ حارثہ نے سنا تو دوڑے آئے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اور میرے پاس جو کچھ ہے' سب آپ کا ہے' خدا کی قسم میرا جو مکان آپ لے لیتے ہیں مجھ کو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ میرے پاس رہ جائے' غرض انہوں نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس میں اٹھ گئیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب نئے گھر میں جا بسیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے' دروازے پر کھڑے ہو کر اذن مانگا' پھر اندر آئے' ایک برتن میں پانی منگوایا' دونوں ہاتھ اس میں ڈالے' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا' پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا' وہ شرم سے لڑکھڑاتی آئیں' ان پر بھی پانی چھڑکا' اور فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان میں بہتر شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے۔[1]

---

[1] یہ تمام تفصیل صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۱' طبقات ابن سعد ج ۸ زرقانی ج ۲ اور اصابہ ج ۸ سے ماخوذ ہے۔

Marfat.com

داغ بے پدری:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر مشہور روایت کے مطابق ۲۹ سال کی تھی کہ جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین اولاد تھیں، اور اب صرف وہی باقی رہ گئی تھیں، اس لیے ان کو صدمہ بھی اوروں سے زیادہ ہوا۔ وفات سے پہلے ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا بھیجا، تشریف لائیں تو ان سے کان میں کچھ باتیں کیں، وہ رونے لگیں، پھر بلا کر کچھ کان میں کہا، تو ہنس پڑیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا تو کہا۔ ''پہلی دفعہ آپ نے فرمایا کہ میں اسی مرض میں انتقال کروں گا۔ جب میں رونے لگی تو فرمایا کہ میرے خاندان میں میں سب سے پہلے تمہیں مجھ سے آکر ملو گی، تو ہنسنے لگی''۔[1]

وفات سے پہلے جب بار بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہوئی تو فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ دیکھ کر بولیں واکرب اباہ، ہائے میرے باپ کی بے چینی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہوگا''۔[2] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو حضرت فاطمہؓ پر ایک مصیبت ٹوٹ پڑی، اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ ''جب تک زندہ رہیں کبھی تبسم نہیں فرمایا''۔[3] بخاری میں لکھا ہے کہ جب صحابہ نعش مبارک کو دفن کر کے واپس آئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ''کیا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خاک ڈالتے اچھا معلوم ہوا''؟[4]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد میراث کا مسئلہ پیش ہوا۔ حضرت عباسؓ، حضرت علیؓ، ازواج مطہراتؓ، یہ تمام بزرگ میراث کے مدعی تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بھی ایک قائم مقام موجود تھا، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالصہ جائیداد تھی اور اس میں قانون وراثت جاری نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزہ کو اپنے اعزہ سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں، لیکن دقت یہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ انبیاء جو متروکہ چھوڑتے ہیں وہ کل کا کل صدقہ ہوتا ہے۔ اور اس میں

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۸۔ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۱۔
[3] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۲۴۔ [4] (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۱)۔

Marfat.com

وراثت جاری نہیں ہوتی اس بنا پر میں اس جائیداد کو کیونکر تقسیم کر سکتا ہوں' البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اہل بیت جس حد تک اس سے فائدہ اٹھاتے تھے اب بھی اٹھا سکتے ہیں۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ اس گفتگو کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سخت قلق ہوا اور وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس قدر ناراض ہوئیں کہ آخر وقت تک ان سے گفتگو نہیں کی۔[1] (طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ بعد کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے راضی ہو گئیں تھیں[2])

وفات:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کو ٦ ماہ گزرے تھے کہ رمضان ١١ھ میں حضرت فاطمہؓ نے وفات پائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی کہ ''میرے خاندان میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے آ کر ملو گی'' پوری ہوئی' یہ منگل کا دن اور رمضان کی تیسری تاریخ تھی' اس وقت ان کا سن ٢٩ سال کا تھا۔ لیکن اگر دوسری روایتوں کا لحاظ کیا جائے تو اس سے مختلف ثابت ہوگا۔ چنانچہ ایک روایت میں ٢٤ سال' ایک میں ٢٥ سال اور ایک میں ٣٠ سال مذکور ہے۔ زرقانی نے لکھا ہے کہ پہلی روایت (٢٩) زیادہ صحیح ہے' اگر ٤١ (محمدی) کو سال ولادت قرار دیا جائے تو اس وقت ان کا یہ سن نہیں ہو سکتا تھا' البتہ اگر ٢٤ سال کی عمر تسلیم کی جائے تو اس سنہ کو سال ولادت قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے کہ پانچ برس قبل نبوت میں پیدا ہوئیں تو اس وقت ان کا سن ٢٩ سال کا ہو سکتا ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تجہیز و تکفین میں خاص جدت کی گئی' عورتوں کے جنازہ پر آج کل جو پردہ لگانے کا دستور ہے' اس کی ابتدا ان ہی سے ہوئی' اس سے پیشتر عورت اور مرد سب کا جنازہ کھلا ہوا جاتا تھا۔ چونکہ حضرت فاطمہؓ کے مزاج میں انتہاء کی حیا و شرم تھی' اس لیے انہوں نے حضرت اسماء بنت عمیسؓ سے کہا کہ کھلے جنازہ میں عورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے جس کو میں ناپسند کرتی ہوں' اسماءؓ نے کہا جگر گوشہ رسول! میں نے حبش میں ایک طریقہ دیکھا ہے۔ آپ کہیں تو اس کو پیش کروں' یہ کہہ کر خرمے کی چند شاخیں منگوائیں اور ان کا کپڑا تانا جس سے پردہ کی صورت پیدا ہو گئی' حضرت فاطمہؓ بے حد مسرور ہوئیں کہ

[1] بخاری شریف ج ١ ص ٥٢٦ و ج ٢ ص ٦٠٩۔ [2] طبقات ابن سعد ج ٨ ص ١٧۔

Marfat.com

یہ بہترین طریقہ ہے' حضرت فاطمہؓ کے بعد حضرت زینب کا جنازہ بھی اسی طریقہ سے اٹھایا گیا۔[1]

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر کے متعلق بھی سخت اختلاف ہے' بعضوں کا خیال ہے کہ وہ بقیع میں حضرت امام حسنؓ کے مزار کے پاس مدفون ہوئیں' ابن زبالہ نے یہی لکھا ہے اور مورخ مسعودی نے بھی اسی قسم کی تصریح کی ہے۔ مورخ موصوف نے ۳۳۲ھ میں بقیع کی ایک قبر پر ایک کتبہ دیکھا تھا' جس میں لکھا تھا کہ "یہ فاطمہ زہرا کی قبر ہے"[2] لیکن طبقات کی متعدد روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دار عقیل کے ایک گوشہ میں مدفون ہوئیں۔[3]

ایک روایت یہ ہے کہ وہ خاص اپنے مکان میں دفن کی گئیں' اس پر ابن ابی شیبہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ پھر پردہ دار جنازہ کی ضرورت تھی؟ لیکن طبقات کی ایک روایت سے اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سلمی کے گھر میں بیمار ہوئی تھیں' وہیں انتقال کیا' اور وہیں ان کو غسل دیا گیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ جنازہ اٹھا کر باہر لائے اور دفن کیا'[4] آج فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر متفقہ طور پر عقیل ہی میں سمجھی جاتی ہے' چنانچہ محمد لبیب بک تبجونی نے جو ۱۳۲۷ھ میں خدیو مصر کے سفر حجاز میں ہمرکاب تھے' اپنے سفرنامہ میں اس کی تصریح کی ہے۔[5]

اولاد:

حضرت فاطمہؓ کے پانچ اولادیں ہوئیں' حسنؓ' حسینؓ' محسنؓ' ام کلثومؓ' زینبؓ۔ محسنؓ نے بچپن ہی میں انتقال کیا' حضرت زینبؓ' حضرت حسنؓ' حضرت حسینؓ اور ام کلثومؓ اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخ میں مشہور ہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب سے نہایت محبت تھی' اور حضرت علیؓ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ان کو بہت محبوب رکھتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں صرف فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل باقی رہی۔

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۲۴۔ [2] خلاصۃ الوفا ص ۲۱۷۔

[3] طبقات ج ۸ ص ۲۰۔ [4] ایضاً ص ۱۸۔ [5] الرحلۃ الحجابیہ۔

Marfat.com

حلیہ:

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا حلیہ مبارک جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا جلتا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گفتگو لب ولہجہ اور نشست و برخاست کا طریقہ بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا[1] اور رفتار بھی بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار تھی[2]

فضل وکمال:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کتب حدیث میں ۱۸ حدیثیں منقول ہیں۔ جن کو بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ نے ان سے روایت کیا ہے' حضرت علیؓ ابن ابی طالب' حضرت حسینؓ، حضرت حسنؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ام کلثومؓ، حضرت سلمیٰؓ، ام رافعؓ اور حضرت انسؓ بن مالک ان سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ تفقہ پر واقعات ذیل شاہد ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی سفر میں گئے تھے' واپس آئے تو حضرت فاطمہؓ نے قربانی کا گوشت پیش کیا' ان کو عذر ہوا۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا' اس کے کھانے میں کچھ حرج نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دے دی ہے[3]

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں گوشت تناول فرما رہے تھے کہ نماز کا وقت آ گیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح اٹھ کھڑے ہوئے' چونکہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا کہ آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے' اس لیے حضرت فاطمہؓ نے دامن پکڑا کہ وضو کر لیجئے' ارشاد ہوا۔ بیٹی! وضو کی ضرورت نہیں ہے' تمام اچھے کھانے آگ ہی پر تو پکتے ہیں[4]

فضل وکمال:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت کی محبوب ترین اولاد تھیں' آپ نے ارشاد فرمایا:

فاطمة بضعة منی فمن اغضبها فقد اغضبنی. [5]

''فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے جو اس کو ناراض کرے گا وہ مجھ کو ناراض کرے گا''۔

---

[1] صحیح ترمذی ص ۶۳۶۔ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۰۔ [3] مسند احمد ج ۶ ص ۲۸۲۔
[4] ایضاً ص ۲۸۳۔ [5] اصابہ ج ۸ ص ۱۵۷۔

Marfat.com

ابوجہل کی لڑکی کو حضرت علیؓ نے نکاح کا پیغام بھیجا تھا' بارگاہ نبوت میں اطلاع ہوئی تو حضور ﷺ منبر پر چڑھے اور حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

ان بنی هشام بن مغیرة استاذنونی فی ان یکنحوا ابنتهم علی بن ابی طالب فلا اذن ثم لا اذن ثم لا آذن الا ان یرید ابن ابی طالب ان یطلق ابنتی وینکح ابنتهم فانماهی بضعة منی یریبنی ما رابها ویوذینی ما اذاها.

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸۷)

ان فاطمة منی وانا اتخوف ان تفتن فی دینها ثم ذکر صهرا من بنی عبدشمس فاثنی علیه فی مصاهرته ایاه قال حدثنی فصدقنی وعدنی فوفی لی وانی لست احرم حلالا ولا احل حراما ولکن والله لا تجتمع بنت رسول الله وبنت عدو الله ابدا.(صحیح بخاری ج ۲ ص ۴۳۸)

''آل ہشام' علی بن ابی طالب سے اپنی بیٹی کا عقد کرنا چاہتی ہے اور مجھ سے اجازت مانگتے ہیں لیکن میں اجازت نہ دوں گا اور کبھی نہ دوں گا۔ البتہ ابن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دے کر ان کی لڑکی سے نکاح کر سکتے ہیں۔ فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے' جس نے اس کو اذیت دی مجھ کو اذیت دی''۔

(اس کے بعد ابوالعاص بن ربیع کا جو داماد تھے ذکر فرمایا کہ) اس نے مجھ سے جو بات کہی اس کو سچ کر کے دکھلایا اور جو وعدہ کیا وفا کیا' اور میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے نہیں کھڑا ہوا۔ لیکن خدا کی قسم! ایک پیغمبر اور ایک دشمن خدا کی بیٹیاں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں''۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کی حیات تک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسری شادی نہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا شمار آنحضرت ﷺ نے ان مقدس خواتین میں فرمایا ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک برگزیدہ قرار پائی ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

کفاک من نساء العالمین مریم بنت عمران و خدیجة بنت خویلد وفاطمه بنت محمدؐ واسیه امرأة فرعون. (ترمذی کتاب المناقب)

Marfat.com

''تمہاری تقلید کے لیے تمام دنیا کی عورتوں میں مریمؑ، خدیجہؓ، فاطمہؓ اور آسیہؓ کافی ہیں ......''

زہد و ورع کی یہ کیفیت تھی کہ گو وہ آنحضرت ﷺ کی محبوب ترین اولاد تھیں اور اسلام میں رہبانیت کا قلع قمع بھی کر دیا گیا تھا اور فتوحات کی کثرت مدینہ میں مال و زر کے خزانے لٹا رہی تھی، لیکن جانتے ہو کہ اس میں جگر گوشہ رسول (ﷺ) کا کتنا حصہ تھا؟ اس کا جواب سننے سے پہلے آنکھوں کو اشک بار ہو جانا چاہیے۔

سیدہ عالم کی خانگی زندگی یہ تھی کہ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینے پر گھٹے پڑ گئے تھے۔ گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو جاتے تھے، چولہے کے پاس بیٹھتے بیٹھتے کپڑے دھوئیں سے سیاہ ہو جاتے تھے، لیکن بایں ہمہ جب انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ایک بار گھر کے کاروبار کے لیے ایک لونڈی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو ارشاد ہوا کہ جان پدر! بدر کے یتیم تم سے پہلے اس کے مستحق ہیں[1]

ایک دفعہ آپ حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لائے، دیکھا کہ انہوں نے ناداری سے اس قدر چھوٹا دوپٹہ اوڑھا ہے کہ سر ڈھانکتی ہیں تو پاؤں کھل جاتے ہیں اور پاؤں چھپاتی ہیں تو سر برہنہ ہو جاتا ہے۔

یوں کی ہے اہل بیت مطہرؓ نے زندگی یہ ماجرائے دختر خیر الانامؐ تھا (شبلی)

صرف یہی نہیں کہ آنحضرت ﷺ خود ان کو آرائش یا زیب و زینت کی کوئی چیز نہیں دیتے تھے۔ بلکہ اس قسم کی جو چیزیں ان کو دوسرے ذرائع سے ملتی تھیں ان کو بھی ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ان کو سونے کا ہار دیا، آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا: ''کیوں فاطمہؓ! کیا لوگوں سے کہلوانا چاہتی ہو کہ ''رسول اللہ (ﷺ) کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے''۔ حضرت فاطمہؓ نے اس کو فوراً بیچ کر اس کی قیمت سے ایک غلام خرید لیا۔

ایک دفعہ آپ کسی غزوہ سے تشریف لائے، حضرت فاطمہؓ نے بطور خیر مقدم کے گھر

---

[1] ابو داؤد۔

Marfat.com

کے دروازے پر پردے لگائے اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو چاندی کے کنگن پہنائے، آپ حسب معمول حضرت فاطمہؓ کے یہاں آئے تو اس دنیوی ساز و سامان کو دیکھ کر واپس گئے، حضرت فاطمہ کو آپ کی ناپسندیدگی کا حال معلوم ہوا تو پردہ چاک کر دیا اور بچوں کے ہاتھ سے کنگن نکال ڈالے بچے آپ کی خدمت میں روتے ہوئے آئے، آپ نے فرمایا: ''یہ میرے اہل بیت ہیں، میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ ان زخارف سے آلودہ ہوں''۔ اس کے بدلے فاطمہؓ کے لیے ایک عصیب کا ہار اور ہاتھی دانت کے کنگن خرید لاؤ۔[1]

صدق و راستی میں بھی ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:[2]

ما رأیت احدا کان صدق بهجة من فاطمة الا ان یکون الذی ولدها۔

''میں نے فاطمہؓ سے زیادہ کسی کو صاف گو نہیں دیکھا البتہ ان کے والد ﷺ اس سے مستثنیٰ ہیں''۔

حد درجہ حیادار تھیں، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کو طلب فرمایا تو شرم سے لڑکھڑاتی ہوئی آئیں۔ اپنے جنازہ پر پردہ کرنے کی جو وصیت کی تھی وہ اسی بنا پر تھی۔

آنحضرت ﷺ سے نہایت محبت کرتی تھیں۔ جب وہ خورد سال تھیں اور آپ مکہ معظمہ میں تھے تو عقبہ بن ابی معیط نے نماز پڑھنے کی حالت میں ایک مرتبہ آپ کی گردن پر اونٹ کی اوجھ لا کر ڈال دی، قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ کسی نے جا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خبر کی، وہ اگرچہ اس وقت ۵۔۶ برس کی تھیں لیکن جوش محبت سے دوڑی آئیں اور اوجھ ہٹا کر عقبہ کو برا بھلا کہا اور بددعائیں دیں۔[3]

آنحضرت ﷺ بھی ان سے نہایت محبت کرتے تھے، معمول تھا کہ جب کبھی سفر فرماتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہؓ کے پاس جاتے اور سفر سے واپس تشریف لاتے تو جو شخص سب سے پہلے باریاب خدمت ہوتا وہ بھی حضرت فاطمہؓ ہی ہوتیں، حضرت فاطمہؓ جب آپ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے، ان کی پیشانی چومتے

[1] یہ تمام واقعات ابوداؤد اور نسائی میں میں مذکور ہیں۔ [2] استیعاب ج ۲ ص ۷۷۲۔
[3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸ و ۷۴۔

Marfat.com

اور اپنی نشست سے ہٹ کر اپنی جگہ بٹھاتے۔

آپ ہمیشہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے تعلقات میں خوشگواری پیدا کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ میں کبھی کبھی خانگی معاملات کے متعلق رنجش ہوجاتی تھی تو آنحضرت ﷺ دونوں میں صلح کرادیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا' آپ گھر میں تشریف لے گئے اور صفائی کرادی' گھر سے مسرور نکلے' لوگوں نے پوچھا آپ گھر میں گئے تھے تو اور حالت تھی تو اب آپ اس قدر خوش کیوں ہیں؟ فرمایا میں نے ان دو شخصوں میں مصالحت کرادی ہے جو مجھ کو محبوب تر ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے ان پر کچھ سختی کی' وہ آنحضرت ﷺ کے پاس شکایت لے کر چلیں۔ پیچھے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آئے' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے شکایت کی' آپ نے فرمایا: بیٹی! تم کو خود سمجھنا چاہیے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے''۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ''اب میں تمہارے خلاف مزاج کوئی بات نہ کروں گا''۔

Marfat.com

(۱۶) حضرت امامہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

ابوالعاصؓ بن ربیع کی صاحبزادی ہیں جو زینبؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے پیدا ہوئیں، آبائی شجرہ نسب یہ ہے۔ امامہؓ بنت ابوالعاص بن ربیع بن عبدالعزی ابن عبدشمس بن عبدمناف۔

عام حالات:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امامہؓ سے نہایت محبت تھی۔ آپ ان کو اوقات نماز میں بھی جدا نہیں کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں امامہ رضی اللہ عنہا کو کندھے پر چڑھائے ہوئے تشریف لائے اور اسی حالت میں نماز پڑھائی، جب رکوع میں جاتے تو ان کو اتار دیتے، پھر جب کھڑے ہوتے تو چڑھا لیتے اسی طرح پوری نماز ادا فرمائی،[۱] اللہ اکبر!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مرتبہ کسی نے کچھ چیزیں ہدیہ میں بھیجیں جن میں ایک زریں ہار بھی تھا۔ امامہ رضی اللہ عنہا ایک گوشہ میں کھیل رہی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنی محبوب ترین اہل کو دوں گا۔ زوج نے سمجھا کہ یہ شرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوگا لیکن آپ نے امامہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر وہ ہار خود ان کے گلے میں ڈال دیا، بعض روایتوں میں ہار کی بجائے انگوٹھی کا ذکر ہے[۲] اور اس میں ہدیہ بھیجنے والے کا نام بھی آ گیا ہے یعنی نجاشی[۳]

---

[۱] صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۴ و (زرقانی ج ۳ ص ۲۵۵) [۲] زرقانی ج ۳ ص ۲۲۵ بروایت مسند احمد ابن حنبل۔
[۳] (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۷)

Marfat.com

نکاح:

آنحضرت ﷺ کی وفات کے سن شعور کو پہنچ چکی تھیں' اس لیے جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امامہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا' ابوالعاص نے حضرت زبیر بن عوام کو جو عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں اور آنحضرت ﷺ کے پھوپھیرے بھائی تھے امامہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی وصیت کی تھی۔ چنانچہ یہ تقریب ان ہی کی مرضی سے انجام پائی اور نکاح بھی خود انہی نے پڑھایا یہ ۱۱ھ کا واقعہ ہے۔

۴۰ھ میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی تو مغیرہ بن نوفل (عبدالمطلب کے پڑپوتے) کو وصیت کر گئے کہ امامہؓ سے نکاح کر لیں چنانچہ مغیرہ نے تعمیل کی' اس کے قبل امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا پیغام پہنچا تھا' اور انہوں نے مروان کو لکھا تھا کہ ایک ہزار دینار (۵ ہزار روپے) اس تقریب میں خرچ کیے جائیں' لیکن امامہؓ نے مغیرہ کو اطلاع دی تو انہوں نے فوراً حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اجازت سے نکاح پڑھا لیا[1]

وفات:

حضرت امامہ رضی اللہ عنہا نے مغیرہ کے ہاں وفات پائی[2]

اولاد:

مغیرہ سے ایک لڑکا پیدا ہوا' جس کا نام یحییٰ تھا' لیکن بعض روایتوں میں ہے کہ امامہؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۷ واسد الغابہ ج ۵ ص ۴۰۰ واستیعاب ج ۲ ص ۷۲۸۔

[2] اصابہ ج ۸ ص ۱۴۔

Marfat.com

(۱۷) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

صفیہ نام، عبدالمطلب جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر تھیں ماں کا نام ہالہ بنت وہب تھا، جو حضرت آمنہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ) کی ہمشیرہ ہیں، اس بنا پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہونے کے ساتھ آپ کی خالہ زاد بہن بھی تھیں، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہالہ سے پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے وہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حقیقی بھائی بہن تھے۔

نکاح:

ابوسفیان بن حرب کے بھائی حارث سے شادی ہوئی، جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عوام بن خویلد سے نکاح ہوا۔ جس سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

اسلام:

۴۰ برس کی عمر ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام پھوپھیوں میں یہ شرف صرف حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ اسد الغابہ میں ہے: والصحیح انہ لم یسلم غیرھا۔[1] یعنی صحیح یہ ہے کہ ان کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی پھوپھی ایمان نہیں لائیں۔

عام حالات:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کی، غزوۂ احد میں جب مسلمانوں نے شکست

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۹۲۔

Marfat.com

کھائی تو وہ مدینہ سے نکلیں' صحابہؓ سے عتاب آمیز لہجہ میں کہتی تھیں کہ ''رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر چل دیئے''؟[1] آنحضرت ﷺ نے ان کو آتے دیکھا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ارشاد کیا کہ حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش نہ دیکھنے پائیں' حضرت زبیرؓ نے آنحضرت ﷺ کا پیغام سنایا' بولیں کہ میں اپنے بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں لیکن خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں آنحضرت ﷺ نے اجازت دی لاش پر گئیں' خون کا جوش تھا' اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے تھے لیکن انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر چپ ہوگئیں[2] اور مغفرت کی دعا مانگی۔ واقعہ چونکہ نہایت درد انگیز تھا اس لیے مرثیہ کہا' جس کے ایک شعر میں آنحضرت ﷺ کو اس طرح مخاطب کرتی ہیں:[3]

ان یوما اتی علیك لیوم کورت شمسه وکان مضیاء

''آج آپ پر وہ دن آیا ہے جس میں آفتاب سیاہ ہوگیا ہے حالانکہ پہلے وہ روشن تھا''۔

غزوۂ احد کی طرح غزوۂ خندق میں بھی انہوں نے نہایت ہمت اور استقلال کا ثبوت دیا' انصار کے قلعوں میں فارع سب سے زیادہ مستحکم قلعہ تھا' اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا تھا۔ یہ قلعہ یہود بنو قریظہ کے آبادی سے متصل تھا۔ مستورات اسی میں تھیں اور ان کی حفاظت کے لیے حضرت حسانؓ (شاعر) متعین کردیئے گئے تھے۔ یہود نے یہ دیکھ کر کہ تمام جمعیت آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہے قلعہ پر حملہ کردیا' ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گیا اور قلعہ پر حملہ کرنے کا موقع ڈھونڈ رہا تھا۔ حضرت صفیہؓ نے دیکھ لیا' حسانؓ سے کہا کہ اتر کر قتل کردو ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو پتہ دے گا۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو ایک عارضہ ہوگیا تھا۔ جس نے ان میں اس قدر جبن پیدا کردیا تھا کہ وہ لڑائی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے اس بنا پر معذوری ظاہر کی اور کہا کہ میں اس کام کا ہوتا تو یہاں کیوں ہوتا؟ حضرت صفیہؓ نے خیمہ کی ایک چوب

---

[1] (طبقات ج ۸ ص ۲۸) [2] (اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۹۲ واصابہ ج ۸ ص ۱۲۹)

[3] اصابہ ج ۸ ص ۱۲۹۔

Marfat.com

اکھاڑ لی اور اتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر پھٹ گیا۔ حضرت صفیہؓ چلی آئیں اور حسانؓ سے کہا کہ ہتھیار اور کپڑے چھین لاؤ' حسانؓ نے کہا جانے دیجئے' مجھ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں حضرت صفیہؓ نے کہا اچھا جاؤ اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دو تا کہ یہودی مرعوب ہو جائیں' لیکن یہ خدمت بھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہی کو انجام دینی پڑی' یہودیوں کو یقین ہوا کہ قلعہ میں بھی کچھ فوج متعین ہے۔ اس خیال سے پھر انہوں نے حملہ کی جرأت نہ کی[1]

۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو جو صدمہ ہوا ہوگا ظاہر ہے' نہایت پر درد مرثیہ لکھا' جس کا مطلع یہ ہے:

لفقد رسول اللہ اذ حان یوم فیاعین جودی بالدموع السواجم

"آنحضرت ﷺ کی وفات پر اے آنکھ خوب آنسو بہا"

یہ مرثیہ ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں نقل کیا ہے[2]

وفات:

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ۲۰ھ میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں' اس وقت بہتر برس کا سن تھا۔

فضل وکمال:

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بقول صاحب اصابہ[3] کچھ حدیثیں بھی روایت کی ہیں' لیکن ہماری نظر سے نہیں گزریں اور نہ مسند میں ان کی حدیثوں کا پتہ چلتا ہے۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۷ و ۲۸ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۹۳۔

[2] اصابہ ج ۸ ص ۱۲۹۔ [3] اصابہ ج ۸ ص ۱۲۸۔

Marfat.com

(۱۸) حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

برکۃ نام' ام ایمن کنیت' ام الظباء عرف' سلسلہ نسب یہ ہے:

برکۃ بنت ثعلبہ بن عمرو بن حصن بن مالک بن سلمہ بن عمرو بن نعمان' حبشہ کی رہنے والی تھیں' اور حضرت عبداللہ (پدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی کنیز تھیں۔ بچپن سے عبداللہ کے ساتھ رہیں اور جب انتقال کیا تو حضرت آمنہ کے پاس رہنے لگیں' ان کے بعد خود سرور کائنات کے حلقہ غلامی میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہی نے پرورش اور پرداخت کی تھی[۱]

نکاح:

حارث بن خزرج[۲] کے خاندان میں عبید بن زید ایک شخص تھے' ام ایمن رضی اللہ عنہا کا ان ہی کے ساتھ عقد ہوا' لیکن جب انہوں نے وفات پائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ بن حارثہ جو کہ محبوب خاص تھے نکاح پڑھایا۔ یہ بعثت کے بعد کا واقعہ ہے۔

اسلام:

حضرت زیدؓ چونکہ مسلمان ہو چکے تھے' ام ایمنؓ نے بھی اسلام قبول کیا۔

عام حالات:

جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو وہ بھی گئیں اور وہاں ہجرت کے بعد مدینہ واپس آئیں' غزوہ احد میں شرکت کی' اس موقع پر وہ لوگوں کو پانی پلاتیں اور

---

۱ (اصابہ ج ۸ ص ۲۱۲ و ۲۱۳)

۲ صحیح بخاری (ج ۱ ص ۵۲۹) میں ایمنؓ کے متعلق مذکور ہے وھو رجل من الانصار۔

Marfat.com

زخمیوں کی تیمارداری کرتی تھیں، غزوہ خیبر میں بھی شریک ہوئیں۔

۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا ام ایمن رضی اللہ عنہا مغموم تھیں، اور رو رہی تھیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خدا کے پاس بہتر چیز موجود ہے۔ جواب ملا: ''یہ خوب معلوم ہے اور یہ رونے کا سبب بھی نہیں، رونے کا اصلی سبب یہ ہے کہ اب وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا'' حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ پر بھی اس جواب کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ بھی ان کے ساتھ مل کر زار و قطار رونے لگے[1]

۲۳ھ میں حضرت عمرؓ نے وفات شہادت پائی، ام ایمن رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو بہت روئیں، لوگوں نے کہا اب کیوں روتی ہو؟ بولیں اس لیے کہ اب اسلام کمزور پڑ گیا[2]

وفات:

ام ایمنؓ نے حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

اولاد:

دو اولادیں ہوئیں، ایمنؓ اور اسامہؓ، ایمنؓ پہلے شوہر سے تھے، صحابی ہیں خیبر میں شہادت پائی، اسامہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب خاص تھے اور ان کے والد کو بھی یہی درجہ حاصل تھا، نہایت جلیل القدر صحابی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بے انتہا محبت تھی۔

فضل و کمال:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند روایتیں روایت کی ہیں۔ راویوں میں حضرت انسؓ بن مالک، حنش بن عبداللہ صنعانی اور ابو یزیدؒ مدنی داخل ہیں۔

اخلاق:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نہایت عزت کرتے اور فرماتے تھے کہ ''ام ایمنؓ میری ماں ہیں''۔ اکثر ان کے مکان پر تشریف لے جاتے، ایک مرتبہ تشریف لائے تو انہوں نے شربت پیش کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (کسی وجہ سے) متردد ہوئے، اس پر ام ایمنؓ ناراض

---

1. صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۱۔ 2. اصابہ ج ۸ ص ۲۱۴ بحوالۂ ابن سعد۔

Marfat.com

ہوئیں[1] (حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کرنے کی وجہ سے ایک قسم کا ناز تھا۔ یہ خفگی اسی محبت کی خفگی تھی)[2]

انصار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے نخلستان دیئے تھے' جب بنو قریظہ اور بنو نضیر پر فتح حاصل ہوئی تو آپ نے ان انصار کو ان کے نخلستان واپس کرنا شروع کیے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے کچھ باغ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے اور آپ نے ام ایمن رضی اللہ عنہا کو عطا فرمائے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ آئے تو حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے ان کے واپس کرنے سے انکار کر دیا' اس پر مصر رہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر ان کو باغ سے ۱۰ گنا زیادہ عطا فرمایا[3]

---

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۱۔ [2] (نووی شرح مسلم)

[3] صحیح بخاری (زرقانی ج ۳ ص ۳۴۷)

Marfat.com

(۱۹) حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

فاطمہ نام' اسد بن ہاشم کی بیٹی اور عبدالمطلب جد رسول اللہ ﷺ کی بھتیجی تھیں۔

نکاح:

ابو طالب بن عبدالمطلب سے نکاح ہوا۔ جن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

اسلام:

آغاز اسلام میں خاندان ہاشم نے آنحضرت ﷺ کا سب سے زیادہ ساتھ دیا تھا اور ان میں اکثر مسلمان بھی ہوگئے تھے' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ان لوگوں میں تھیں' اور گو ان کے شوہر ایمان نہیں لائے' تاہم وہ اور ان کی بعض اولاد مشرف بہ اسلام ہوئی' جب ابو طالب کا انتقال ہوا تو ان کے بجائے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کی دست و بازو رہیں۔

ہجرت اور عام حالات:

جب مسلمان ہو کر ہجرت کی اجازت ملی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ کی طرف ہجرت کی' یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ زہرا سے عقد ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ (حضرت فاطمہؓ بنت اسد) سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی آتی ہیں' میں پانی بھروں گا اور باہر کا کام کروں گا اور وہ چکی پیسنے اور آٹا گوندھنے میں آپ کی مدد کریں گی۔[1]

وفات:

آنحضرت ﷺ کی زندگی میں وفات پائی' بعض کا خیال ہے کہ ہجرت سے قبل

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۱۷۔

Marfat.com

فوت ہوئیں لیکن یہ صحیح نہیں، آنحضرت ﷺ نے اپنی قمیص اتار کر کفن دیا اور قبر میں اتر کر لیٹ گئے، لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ابوطالب کے بعد ان سے زیادہ میرے ساتھ کسی نے سلوک نہیں کیا تھا۔ اس بنا پر میں نے ان کو قمیص پہنایا کہ جنت میں ان کو حلہ ملے اور قبر میں لیٹ گیا کہ شدائد قبر میں کمی واقع ہو[1]

اولاد:

حسب ذیل اولاد چھوڑی، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ، طالب، عقیل رضی اللہ عنہ۔

اخلاق:

اصابہ میں ہے:

کانت امراء ۃ صالحۃ و کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی بیتھا[2]

''وہ نہایت صالح بی بی تھیں آنحضرت ﷺ ان کی زیارت کو تشریف لاتے اور ان کے گھر میں آرام کرتے تھے''۔

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۱۷۔

[2] اصابہ ج ۸ ص ۱۶۰۔

Marfat.com

(۲۰) حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

لبابہ نام' ام الفضل کنیت' کبریٰ لقب' سلسلہ نسب یہ ہے:

لبابۃ الکبریٰ بنت الحارث بن حزن بن بجیر بن الہرام بن رویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ' والدہ کا نام ہند بنت عوف تھا اور قبیلہ کنانہ سے تھیں' لبابہ کی حقیقی اور اخیافی کئی بہنیں تھیں' جو خاندان ہاشم اور قریش کے دوسرے معزز گھرانوں میں منسوب تھیں' چنانچہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو' لبابہ حضرت عباسؓ (عم رسول اللہؐ) کو سلمیٰ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ (عم رسول اللہؐ) کو اور اسماءؓ حضرت جعفر طیارؓ (برادر حضرت علیؓ) کو منسوب تھیں' اسی بنا پر ان کی والدہ (ہند بنت عوف) کی نسبت مشہور ہے کہ سسرالی قرابت میں ان کا کوئی نظیر نہیں۔

نکاح:

حضرت عباسؓ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم تھے' نکاح ہوا۔

اسلام:

ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں' ابن سعد کا خیال ہے کہ انہوں نے حضرت خدیجہؓ کے بعد اسلام قبول کیا تھا' باقی اور عورتیں اور ان کے بعد ایمان لائیں' اس لحاظ سے ان کے ایمان لانے کا زمانہ بہت قدیم ہو جاتا ہے۔

حالات:

ام الفضلؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج بھی کیا ہے' چنانچہ حجۃ الوداع میں جب لوگوں کو عرفہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صائم ہونے کی نسبت شبہہ ہوا اور ان کے پاس آ کر ذکر کیا' تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک پیالہ دودھ بھیجا' آپ

Marfat.com

چونکہ روزہ سے نہ تھے۔ دودھ پی لیا اور لوگوں کو تشفی ہو گئی[1]

وفات:

ام الفضلؓ نے حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں وفات پائی' اس وقت عباسؓ زندہ تھے' حضرت عثمانؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

اولاد:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اکثر اولاد ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئی' اور چونکہ سب بیٹے نہایت قابل تھے اس لیے بڑی خوش قسمت سمجھی جاتی تھیں' فضل' عبداللہ' معبد' عبیداللہ قثم' عبدالرحمن اور ام حبیبہ ان ہی کی یادگاریں ہیں' ان میں حضرت عبداللہؓ اور عبیداللہ آسمان علم کے مہر و ماہ تھے۔

فضل وکمال:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ۳۰ حدیثیں روایت کی ہیں' راوی حسب ذیل اصحاب ہیں' عبداللہ' تمام (پسران عباسؓ) انسؓ بن مالک' عبداللہ بن حارث بن نوفل' عمیر' کریب' قابوس۔

اخلاق:

عابدہ اور زاہدہ تھیں' ہر دو شنبہ اور پنج شنبہ کو روزہ رکھتی تھیں'[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتی تھیں' آپ اکثر ان کے ہاں جاتے اور دوپہر کے وقت آرام فرماتے تھے۔

---

[1] صحیح بخاری ج ا ص ۲۶۷۔ [2] خلاصۂ تہذیب ص ۴۹۵۔

Marfat.com

حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

نام معلوم نہیں، ام رومان کنیت ہے۔ قبیلہ کنانہ کے خاندان فراس[1] سے تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے، ام رومان بنت عامر بن بن عویمر بن عبد شمس بن عتاب بن اذینہ بن سبیع ابن دہمان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

نکاح:

عبداللہ بن سنجرہ سے نکاح ہوا اور انہی کے ہمراہ مکہ آ کر اقامت کی، عبداللہ حضرت ابوبکرؓ کے حلیف بن گئے تھے، اس بنا پر جب انہوں نے انتقال کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے خود نکاح کر لیا۔

اسلام:

کچھ زمانے کے بعد مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی، تو حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ انہوں نے بھی اس صدا کو لبیک کہا۔

ہجرت:

ہجرت کے وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں مدینہ کو روانہ ہو گئے تھے، لیکن ان کا خاندان مکہ میں مقیم تھا۔ مدینہ پہنچے تو وہاں سے زیدؓ ابن حارثہ اور ابورافع مستورات کو لانے کے لیے بھیجے گئے، ام رومان رضی اللہ عنہا بھی ان ہی کے ہمراہ مدینہ آئیں۔

عام حالات:

شعبان ۶ھ میں افک کا واقعہ پیش آیا، (ام رومانؓ کے لیے یہ نہایت مصیبت کا

---

[1] صحیح بخاری ج ا ص ۸۵۔

Marfat.com

وقت تھا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر میکہ آئیں حضرت ابوبکرؓ بالا خانے پر تھے اور ام رومان نیچے بیٹھیں تھیں' پوچھا کیسے آئیں' حضرت عائشہؓ نے سارا واقعہ بیان کیا بولیں: بیٹی اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں جو عورت اپنے خاوند کو زیادہ محبوب ہوتی ہے اس کی سوتیں حسد کی وجہ سے ایسا کرتی ہیں'۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس سے تسکین نہ ہوئی اور چیخ مار کر روئیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے آواز سنی تو بالا خانہ سے اتر آئے اور خود بھی رونے لگے۔ پھر ان سے کہا کہ تم اپنے گھر واپس جاؤ اس کے ساتھ ہی ام رومان رضی اللہ عنہا کو لے کر خود بھی روانہ ہوئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو چونکہ اس صدمہ سے بخار آ گیا تھا۔ دونوں نے ان کو گود میں لٹایا' عصر پڑھ کر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: ''عائشہ! اگر واقعی تم سے ایسی غلطی ہوئی تو خدا سے توبہ کرو''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے والدین سے کہا آپ لوگ جواب دیں' لیکن جواب ملا کہ ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟ غرض حضرت عائشہؓ نے خود جواب دیا' جب آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوئی' جس میں ان کی صاف طور پر برأت کی گئی تھی تو حضرت ام رومانؓ بولیں کہ ''تم اٹھ کر آنحضرت ﷺ کے پاس جاؤ''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

''میں نہ ان کی مشکور ہوں اور نہ آپ کی میں صرف اپنے خدا کا شکریہ ادا کرتی ہوں''[1]

اسی سنہ کے اخیر میں مہمانوں کا واقعہ پیش آیا' حضرت ابوبکرؓ اصحاب صفہ میں سے تین صاحبوں کو اپنے گھر لائے تھے آنحضرت ﷺ کے پاس گئے تو واپسی میں دیر ہوگئی' گھر آئے تو ام رومانؓ نے کہا مہمانوں کو چھوڑ کر کہاں بیٹھ رہے؟ بولے تم نے کھانا نہیں کھلایا؟ جواب ملا کھانا بھیجا تھا لیکن ان لوگوں نے انکار کیا' غرض کھانا کھلایا گیا اور اس قدر برکت ہوئی کہ نہایت افراط کے ساتھ بچ رہا تھا' حضرت ابوبکرؓ نے حضرت ام رومانؓ سے پوچھا اب کتنا ہے؟ بولیں بولیں گنے سے زیادہ' چنانچہ اب اٹھوا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا گیا[2]

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹۵ و ۵۹۶ و ۶۹۹ و ۷۰۰۔ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۴ و ۸۵۔

Marfat.com

وفات:

حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا نے ۹ھ یا اس کے بعد انتقال کیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود قبر میں اترے اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کی' بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ٦ھ میں وفات پائی تھی لیکن یہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ واقعات سے اس کی تردید ہوتی ہے۔

اولاد:

اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت ام رومانؓ نے دو نکاح کیے تھے۔ پہلے شوہر سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام طفیل تھا۔ حضرت ابوبکرؓ سے دو اولادیں ہوئیں۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ اور عائشہؓ۔

Marfat.com

(۲۲) حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

خباط کی بیٹی اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی والدہ ہیں۔ ابوحذیفہ بن مغیرہ مخزومی کی کنیز تھیں۔

نکاح:

یاسر عبسی سے کہ ابوحذیفہ کے حلیف تھے' نکاح ہوا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو ابوحذیفہ نے ان کو آزاد کر دیا[1]

اسلام:

ایام پیری میں مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی' تو حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا' یاسر رضی اللہ عنہ اور عمار رضی اللہ عنہ تینوں نے اس دعوت کو لبیک کہا' تاریخ میں ہے کہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کا اسلام قبول کرنے والوں میں ساتواں نمبر تھا۔ کچھ دن اطمینان سے گزرے تھے کہ قریش کا ظلم و ستم شروع ہو گیا اور بہ تدریج بڑھتا گیا۔ چنانچہ جو شخص جس مسلمان پر قابو پاتا طرح طرح کی دردناک تکلیفیں دیتا تھا۔

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو بھی خاندان مغیرہ نے شرک پر مجبور کر دیا۔ لیکن وہ اپنے عقیدہ پر نہایت شدت سے قائم رہیں۔ جس کا صلہ یہ ملا کہ مشرکین ان کو مکہ کی جلتی تپتی ریت پر لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کرتے تھے' لیکن ان کے عزم واستقلال کے چھینٹوں کے سامنے یہ آتش کدہ سرد پڑ جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرتے تو یہ حالت دیکھ کر فرماتے' آل یاسر! صبر کرو اس کے عوض تمہارے لیے جنت ہے۔

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۱۱۴ و استیعاب ج ۲ ص ۷۵۹۔

Marfat.com

شہادت:

دن بھر اس مصیبت میں رہ کر شام کو نجات ملتی تھی، ایک مرتبہ شب کو گھر آئیں تو ابوجہل نے ان کو گالیاں دینی شروع کیں اور پھر اس کا غصہ اس قدر تیز ہوا کہ اٹھ کر ایسی برچھی ماری کہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا جان بحق تسلیم ہوئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اپنی والدہ کی اس بے کسی پر سخت افسوس تھا۔ آنحضرت ﷺ سے آ کر کہا اب حد ہو گئی، آنحضرت ﷺ نے صبر کی تاکید فرمائی اور کہا: ''خداوند! آل یاسر کو جہنم سے بچا'' یہ واقعہ ہجرت نبوی ﷺ سے قبل کا ہے، اس بنا پر حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اسلام میں سب سے پہلے شہید ہوئیں [1]

غزوۂ بدر میں ابوجہل مارا گیا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''دیکھو تمہاری ماں کے قاتل کا خدا نے فیصلہ کر دیا'' [2]

---

[1] استیعاب ج ۲ ص ۷۶۰۔ [2] اصابہ ج ۸ ص ۱۱۴ بحوالۂ ابن سعد۔

Marfat.com

(۲۳) حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

سہلہ یا رملہ نام' ام سلیم کنیت' غمیصاء اور رمیصا لقب' سلسلہ نسب یہ ہے: ام سلیم بنت ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار' ماں کا نام ملیکہ[1] بنت مالک بن عدی بن زید مناۃ تھا۔ آبائی سلسلہ سے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سلمیٰ بنت زید کی پوتی تھیں۔ سلمیٰ' عبدالمطلب جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ تھیں اسی بنا پر ام سلیم رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ مشہور ہیں۔

نکاح:

مالک بن نضر سے نکاح ہوا۔

اسلام:

مدینہ میں اوائل اسلام میں مسلمان ہوئیں' مالک چونکہ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہنا چاہتے تھے اور ام سلیمؓ تبدیلی مذہب پر اصرار کرتی تھیں اس لیے دونوں میں کشیدگی پیدا ہوئی اور مالک ناراض ہو کر شام چلے گئے اور وہیں انتقال کیا' ابوطلحہ نے جو اسی قبیلہ سے تھے نکاح کا پیغام دیا۔ لیکن ام سلیم کو اب بھی وہی عذر تھا یعنی ابوطلحہ مشرک تھے۔ اس لیے وہ ان سے نکاح نہیں کر سکتی تھیں۔

غرض ابوطلحہ نے کچھ دن غور کر کے اسلام کا اعلان کیا اور ام سلیم کے سامنے آ کر کلمہ پڑھا' حضرت ام سلیم نے حضرت انسؓ سے کہا کہ اب تم ان کے ساتھ میرا نکاح کر دو۔ ساتھ ہی مہر معاف کر دیا اور کہا ''میرا مہر اسلام ہے'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ یہ نہایت عجیب وغریب مہر تھا۔

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۲۴۴۔ [2] اصابہ بحوالہ ابن سعد۔

Marfat.com

عام حالات:

نکاح کے بعد حضرت ابوطلحہؓ نے بیعت عقبہ میں شرکت کی اور چند ماہ کے بعد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے' حضرت ام سلیم اپنے صاجزادے (حضرت انسؓ) کو لے کر حضور میں آئیں اور کہا ''انیس کو آپ کی خدمت میں پیش کرتی ہوں' یہ میرا بیٹا ہے آپ اس کے لیے دعا فرمائیں'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی[1]

اسی زمانہ میں آپ نے مہاجرین اور انصار میں مواخاۃ کی' اور یہ مجمع ان ہی کے مکان میں ہوا[2]

غزوات میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے نہایت جوش سے حصہ لیا۔ صحیح مسلم میں ہے[3]

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یغز و بام سلیم و نسوۃ من الانصار مع اذا عز فیسقین الماء و یداوین الجرحیٰ.

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اور انصار کی چند عورتوں کو غزوات میں ساتھ رکھتے تھے' جو لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں''۔

غزوہ احد میں جب مسلمانوں کے جمے ہوئے قدم اکھڑ گئے تھے' وہ نہایت مستعدی سے کام کر رہی تھیں' صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ ''میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ مشک بھر بھر کر لاتی تھیں' او زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں' مشک خالی ہو جاتی تھی تو پھر جا کر بھر لاتی تھیں[4]

۵ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا' اس موقع پر حضرت ام سلیم نے ایک لگن میں مالیدہ بنا کر حضرت انس کے ہاتھ بھیجا اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنا کہ اس حقیر ہدیہ کو قبول فرمائیں۔

۷ھ میں خیبر کا واقعہ ہوا۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اس میں شریک تھیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ سے نکاح کیا تو حضرت ام سلیمؓ ہی نے حضرت صفیہ کو آنحضرتؐ کے لیے

---

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۲ و صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۴۴۔ [2] بخاری۔ [3] مسلم ج ۲ ص ۱۰۳۔
[4] صحیح بخاری کتاب المغازی ج ۲ ص ۵۸۱۔ [5] صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۵۔

Marfat.com

کے لیے سنوارا تھا[1]

غزوہ حنین میں وہ ایک خنجر ہاتھ میں لیے تھیں۔ ابوطلحہؓ نے دیکھا تو آنحضرتؐ سے کہا کہ ام سلیم خنجر لیے ہیں آپؐ نے پوچھا کیا کروگی؟ بولیں "اگر کوئی مشرک قریب آئے گا تو اس سے اس کا پیٹ چاک کروں گی" آنحضرتؐ یہ سن کر مسکرا دیئے حضرت ام سلیمؓ نے کہا یا رسول اللہ مکہ کے قریب جو لوگ فرار ہو گئے ہیں ان کے قتل کا حکم دیجیے' ارشاد ہوا "خدا نے خود ان کا انتظام کر دیا ہے"[2]

وفات:

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی وفات کا سال اور مہینہ معلوم نہیں' لیکن قرینہ یہ ہے کہ انہوں نے خلافت راشدہ کے ابتدائی زمانہ میں وفات پائی ہے۔

اولاد:

جیسا کہ اوپر معلوم ہوا انہوں نے دو نکاح کیے تھے' پہلے شوہر سے حضرت انسؓ پیدا ہوائے حضرت ابوطلحہؓ سے دو لڑکے پیدا ہوئے' ابوعمیر اور عبداللہ' ابوعمیر صغر سنی میں فوت ہو گئے اور عبداللہ سے نسل چلی۔

فضل و کمال:

حضرت ام سلیمؓ سے چند حدیثیں مروی ہیں' جن کو حضرت انسؓ، حضرت ابن عباسؓ، زید بن ثابت، ابوسلمہ اور عمرو بن عاصم نے ان سے روایت کیا ہے لوگ مسائل دریافت کرتے تھے' حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور زید بن ثابتؓ میں ایک مسئلہ میں اختلاف ہوا تھا تو ان بزرگوں نے ان ہی کو حکم مانا[3]

ان کو مسائل کے پوچھنے میں کچھ عار نہ تھا۔ ایک دفعہ آنحضرت کی خدمت میں آئیں۔ اور کہا یا رسول اللہ خدا حق بات سے نہیں شرماتا کیا عورت پر خواب میں غسل واجب ہے' ام المومنین حضرت ام سلمہؓ یہ سن رہی تھیں' بے ساختہ ہنس پڑیں کہ تم نے نے عورتوں

---

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۴۶۔ [2] ایضاً ج ۲ ص ۱۰۳۔ [3] مسند ج ۶ ص ۴۳۰ و ۴۳۱۔

Marfat.com

کی بڑی فضیحت کی؟ بھلا کہیں عورتوں کو بھی ایسا ہوتا ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں؟ ورنہ بچے ماں کے ہم شکل کیوں ہوتے ہیں [1]

اخلاق:

حضرت ام سلیمؓ میں بڑے بڑے فضائل اخلاق جمع تھے' جوش ایمان کا یہ عالم تھا کہ اپنے پہلے شوہر سے صرف اس بنا پر علیحدگی اختیار کی کہ وہ اسلام قبول کرنے پر رضامند نہ تھے' حضرت ابوطلحہ نے نکاح کا پیغام دیا تو محض اس وجہ سے رد کردیا کہ وہ مشرک تھے اس موقع پر انہوں نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو جس خوبی سے اسلام کی دعوت دی وہ سننے کے قابل ہے مسند احمد میں ہے:

قالت یا اباطلحةؓ! الست تعلم ان الٰھک الذی تعبد نبت من الارض قال بلی قالت افلا تستھی تعبد شجرة. (اصابہ ج ۸ ص ۲۴۳ بحوالہ مسند)

''ام سلیمؓ نے کہا ابوطلحہؓ! تم جانتے ہو کہ تمہارا معبود زمین سے آگا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں' حضرت ام سلیمؓ بولیں تو پھر تم کو درخت کی پوجا کرتے شرم نہیں آتی؟

حضرت ابوطلحہؓ پر اس تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ فوراً مسلمان ہو گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حد درجہ محبت کرتی تھیں' آپ اکثر ان کے مکان پر تشریف لے جاتے اور دوپہر کو آرام فرماتے تھے۔ جب بستر سے اٹھتے تو وہ آپ کے پسینے اور ٹوٹے ہوئے بالوں کو ایک شیشی میں جمع کرتی تھیں [2]

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مشک سے منہ لگا کر پانی پیا تو وہ اٹھیں اور مشک کا منہ کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دہن مبارک مس ہوا ہے [3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے خاص محبت تھی' صحیح مسلم میں ہے [4]

---

[1] مسند ج ۶ ص ۲۹۲ و ۳۰۶ (۳۷۶ ج ۶) [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲۹۔

[3] مسند ج ۶ ص ۳۷۶۔ [4] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۱۔

Marfat.com

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخل علی احد من النساء الا علی ازواجہ الا ام سلیم فانہ یدخل علیھا فقیل فی ذالک فقال انی رحمھما قتل اخوھا معی.

''آنحضرت ﷺ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے علاوہ اور کسی عورت کے یہاں نہیں جاتے تھے لیکن ام سلیم رضی اللہ عنہا مستثنیٰ تھیں لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا مجھے ان پر رحم آتا ہے' ان کے بھائی (حرامؓ) نے میرے ساتھ رہ کر شہادت پائی ہے''۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اکثر اوقات حضرت ام سلیمؓ کے مکان پر تشریف لے جاتے تھے۔

حضرت ام سلیمؓ نہایت صابر اور مستقل مزاج تھیں' ابوعمیر ان کا بہت لاڈلا اور پیارا بیٹا تھا لیکن جب اس نے انتقال کیا تو نہایت صبر سے کام لیا اور گھر والوں کو منع کیا کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی خبر نہ کریں' رات کو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آئے تو ان کو کھانا کھلایا اور اطمینان سے بستر پر لیٹے' کچھ رات گزرنے پر ام سلیمؓ نے واقعہ کا تذکرہ کیا' لیکن عجیب انداز سے بولیں اگر تم کو کوئی شخص عاریۃً ایک چیز دے اور پھر اس کو واپس لینا چاہے تو کیا تم اس کے دینے سے انکار کرو گے؟ ابوطلحہؓ نے کہا کبھی نہیں' کہا تو اب تم کو اپنے بیٹے کی طرف سے صبر کرنا چاہیے۔ ابوطلحہؓ یہ سن کر غصہ ہوئے کہ پہلے سے کیوں نہ بتلایا۔ صبح اٹھ کر آنحضرت ﷺ کے پاس گئے اور سارا واقعہ بیان کیا' آپ نے فرمایا' خدا نے اس رات تم دونوں کو بڑی برکت دی[1]

اسی طرح ایک مرتبہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آئے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ بھوکے ہیں کچھ بھیج دو' حضرت ام سلیمؓ نے چند روٹیاں ایک کپڑے میں لپیٹ کر حضرت انس کو دیں کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیں' آپ مسجد میں تھے اور صحابہ بھی بیٹھے ہوئے

---

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۲۔

Marfat.com

تھے، حضرت انس کو دیکھ کر فرمایا' ابوطلحہؓ نے تم کو بھیجا ہے؟ بولے جی ہاں' فرمایا کھانے کے لیے؟ کہا ہاں' آپ تمام صحابہ کو لے کر ابوطلحہؓ کے مکان پر تشریف لائے' ابوطلحہؓ دیکھ کر گھبرا گئے اور حضرت ام سلیمؓ سے کہا اب کیا کیا جائے؟ کھانا بہت قلیل ہے اور آنحضرت ﷺ ایک مجمع کے ساتھ تشریف لائے ہیں' حضرت ام سلیمؓ نے نہایت استقلال سے جواب دیا کہ ان باتوں کو خدا اور رسول زیادہ جانتے ہیں' آنحضرت ﷺ اندر آئے تو حضرت ام سلیمؓ نے وہی روٹیاں اور سالن سامنے رکھ دیا' خدا کی شان اس میں بڑی برکت ہوئی اور سب لوگ کھا کر سیر ہو گئے[1]

حضرت ام سلیمؓ کے فضائل و مناقب بہت ہیں' آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں جنت میں گیا تو مجھ کو آہٹ معلوم ہوئی' میں نے کہا کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ انسؓ کی والدہ غمیصاء بنت ملحان ہیں[2]

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۱۰۔

[2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۲۔

Marfat.com

(۲۴) حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

نسیبہ نام' ام عمارہ کنیت' قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں' نسب نامہ یہ ہے:
ام عمارہؓ بنت کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن بن نجار۔

نکاح:

پہلا نکاح زید بن عاصم سے ہوا۔ پھر عربہ بن عمرو کے عقد نکاح میں آئیں۔

اسلام:

اوران ہی کے ساتھ بیعت عقبہ میں شرکت کی' سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ بیعت عقبہ میں ۷۳ مرد اور دو عورتیں شامل تھیں' حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا کا بھی ان ہی میں شمار ہے۔

غزوات:

غزوۂ احد میں شریک ہوئیں اور نہایت پامردی سے لڑیں' جب تک مسلمان فتح یاب تھے' وہ مشک میں پانی بھر کر لوگوں کو پلا رہی تھیں' لیکن جب شکست ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں اور سینہ سپر ہوگئیں' کفار جب آپ پر بڑھتے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خود بیان ہے کہ میں احد میں ان کو اپنے داہنے اور بائیں برابر لڑتے ہوئے دیکھتا تھا' ابن قمیہ جب دراتا ہوا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا تو حضرت ام عمارہؓ نے بڑھ کر روکا' چنانچہ کندھے پر زخم آیا اور غار پڑ گیا۔ انہوں نے بھی تلوار ماری لیکن وہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا۔ اس لیے کارگر نہ ہوئی۔[1] بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے ایک کافر کو قتل کیا تھا۔ احد کے بعد بیعت الرضوان' خیبر اور فتح مکہ میں بھی شرکت کی۔

---

[1] ابن ہشام ص ۸۴۔

Marfat.com

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں یمامہ کی جنگ میں پیش آئی مسیلمہ کذاب سے جو مدعی نبوت تھا' مقابلہ تھا' حضرت ام عمارہؓ نے اپنے ایک لڑکے (حبیب) کو لے کر حضرت خالدؓ کے ساتھ روانہ ہوئیں اور جب مسیلمہ نے ان کے لڑکے کو قتل کر دیا' تو انہوں نے منت مانی کہ ''یا مسیلمہ قتل ہوگا یا وہ خود جان دے دیں گی'' یہ کہہ کر تلوار کھینچ لی اور میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئیں اور پامردی سے مقابلہ کیا کہ ۱۲ زخم کھائے اور ایک ہاتھ کٹ گیا۔ اس جنگ میں مسیلمہ میں بھی مارا گیا۔

وفات:

اس کے بعد معلوم نہیں کب تک زندہ رہیں۔

اولاد:

وفات کے وقت چار اولادیں یادگار چھوڑیں' حبیب' عبداللہ (پہلے شوہر سے) تمیم' خولہ (دوسرے شوہر سے)

فضل وکمال:

چند حدیثیں روایت کی ہیں جو عباد بن تمیم (پوتے) لیلے (کنیز) عکرمہ، حارث ابن کعب اور ام سعد بنت سعد بن ربیع سے مروی ہیں۔

اخلاق:

آنحضرت ﷺ سے ان کو جو محبت تھی اس کا اصلی منظر تو غزوہ احد میں نظر آتا ہے' لیکن اور بھی چھوٹے چھوٹے واقعات ہیں' ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ ان کے مکان میں تشریف لائے تو انہوں نے کھانا پیش کیا۔ ارشاد ہوا تم بھی کھاؤ' بولیں میں روزہ سے ہوں' آنحضرت ﷺ نے کھانا نوش فرمایا اور فرمایا کہ روزہ دار کے پاس اگر کچھ کھایا جائے تو اس پر فرشتے درود بھیجتے ہیں [1]

جوش اسلام کا نظارہ بھی اوپر کے واقعات سے ہوسکتا ہے۔

---

[1] مسند ج ٦ ص ٣٦٥۔

Marfat.com

(۲۵) حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

نسیبہ بنت حارث نام' انصار کے قبیلہ ابی مالک بن النجار سے تھیں[۱]

اسلام:

ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو انصار کی عورتوں کو ایک مکان میں بیعت کے لیے جمع کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دروازہ پر بھیجا کہ ان شرائط پر بیعت لیں کہ شرک نہ کریں گی' چوری اور زنا سے بچیں گی' اولاد کو قتل نہ کریں گی' کسی پر بہتان نہ باندھیں گی' اچھی باتوں سے انکار نہ کریں گی' عورتوں نے یہ سب تسلیم کیا تو حضرت عمرؓ نے اندر کی طرف ہاتھ بڑھایا' اور عورتوں نے اپنے ہاتھ باہر نکالے جو بیعت کی علامت تھی' اس کے بعد حضرت ام عطیہؓ نے پوچھا کہ اچھی باتوں سے انکار کرنے کے کیا معنی ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نوحہ اور بین نہ کرنا[۲]

غزوات اور عام حالات:

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا عہد رسالت کے سات معرکوں میں شریک ہوئیں جن میں وہ مردوں کے لیے کھانا پکاتی' ان کے سامان کی حفاظت کرتی' مریضوں کی تیمارداری اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں[۳]

۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا' تو حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا اور چند عورتوں نے ان کو غسل دیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہلانے

---

۱ (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۲۱' ۳۲۲) ۲ مسند ج ۶ ص ۴۰۹۔

۳ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۵۔

Marfat.com

کی ترکیب بتلائی۔[1]

خلافت راشدہ کے زمانہ میں ان کا ایک لڑکا کسی غزوہ میں شریک تھا' بیمار ہو کر بصرہ آیا' حضرت ام عطیہؓ مدینہ میں تھیں' خبر ملی تو نہایت عجلت سے بصرہ روانہ ہوئیں' لیکن پہنچنے کے ایک دو دن قبل وہ وفات پا چکا تھا' یہاں آ کر انہوں نے بنو خلف کے قصر میں قیام کیا' تیسرے روز انہوں نے خوشبو منگوا کر ملی اور کہا کہ شوہر کے علاوہ اور کسی کے لیے ۳ دن سے زیادہ سوگ نہیں کرنا چاہیے۔[2]

اس کے بعد بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔[3]

وفات:

وفات کی تاریخ اور سنہ معلوم نہیں اور نہ اولاد کی تفصیل کا علم ہے۔

فضل وکمال:

چند حدیثیں روایت کی ہیں' راویوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں:

حضرت انسؓ، ابن سیرین، حفصہ بنت سیرین، اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن عطیہ عبدالملک ابن عمیر، علی ابن الاقمر، ام شراحیل۔

صحابہ اور تابعین ان سے میت کے نہلانے کا طریقہ سیکھتے تھے۔[4]

اخلاق:

آنحضرت ﷺ سے بہت محبت کرتی تھیں' اور آپ ﷺ بھی ان سے محبت کرتے تھے' ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کے پاس صدقہ کی ایک بکری بھیجی تو انہوں نے اس کا گوشت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس روانہ کیا' آپ ﷺ گھر میں تشریف لائے تو کھانے کے لیے مانگا۔ بولیں اور تو کچھ نہیں ہے البتہ جو بکری آپ نے نسیبہؓ کے پاس

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۸ (و مسلم ج ۱ ص ۳۴۶ و ۳۴۷) [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۰ (باب احدا المرأة علی غیر زوجہا) [3] اسد الغابہ ج ۵ ص ۶۰۳۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۴۵۵ (اصابہ ج ۸ ص ۲۵۹)

Marfat.com

بھیجی تھی اس کا گوشت رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا لاؤ' کیونکہ وہ مستحق کے پاس پہنچ چکی[1]

آنحضرت ﷺ کے ساتھ آپ کے اعزہ واقارب سے بھی خاص تعلقات تھے۔ چنانچہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عطیہؓ کے مکان میں قیلولہ فرماتے تھے[2]

احکام نبوی ﷺ کی پوری پابندی کرتی تھیں' آنحضرت ﷺ نے بیعت میں نوحہ کی ممانعت کی تھی' اس پر انہوں نے ہمیشہ عمل کیا۔ چنانچہ بیعت ہی کے وقت آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ فلاں خاندان کے لوگ میرے ہاں رہ چکے ہیں۔ اس لیے مجھ کو بھی ان کے ہاں جا کر رہنا ضروری ہے' آپ ﷺ اس خاندان کو مستثنیٰ کر دیجیے۔ چنانچہ مستثنیٰ کر دیا[3] (بعض روایات میں ہے حضور ﷺ نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کو کوئی جواب نہیں دیا اور جن روایات سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو مستثنیٰ کر دیا ان کا مطلب یہ ہے کہ یہ استثناء حضرت ام عطیہؓ کے لیے خاص تھا۔ ورنہ اصلی مسئلہ کہ نوحہ جائز نہیں ہے اپنی جگہ پر ثابت ہے لڑکے کی وفات اور اس پر سوگ کرنے کا حال ا‌ُ‌‌‌وپر گزر چکا ہے۔

---

1 صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۰۱۔ 2 اصابہ ج ۸ ص ۲۵۹۔ 3 مسند ج ۶ ص ۴۰۷۔

4 مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۱۱۴۔

Marfat.com

(۲۶) حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

ربیع نام، قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے۔ ربیع بنت معوذ بن حارث بن رفاعہ بن حارث بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار، والدہ کا نام ام تزید تھا جو قیس بن زعورا کی بیٹی تھی، حضرت ربیعؓ اور ان کے بھائی عفراء کی اولاد مشہور ہیں، عفراء ان لوگوں کی دادی تھیں [1]

اسلام:

ایاس بن بکر لیثی سے شادی ہوئی، صبح کو آنحضرت ﷺ ان کے گھر تشریف لائے اور بستر پر بیٹھ گئے، لڑکیاں دف بجا بجا کر شہدائے بدر کے مناقب میں اشعار پڑھ رہیں تھیں، اس ضمن میں آنحضرت ﷺ کی شان میں بھی کچھ اشعار پڑھے جن میں ایک مصرع یہ تھا:

وفینا نبی یعلم ما فی غد.

''اور ہم میں وہ ہی ہے جو کل کی بات جانتا ہے''۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ نہ کہو (اس کے علاوہ جو کہتی تھیں وہ کہو) [2]

عام حالات:

غزوات میں شرکت کرتی تھیں، زخمیوں کا علاج کرتیں لوگوں کو پانی پلاتیں اور مقتولوں کو مدینہ پہنچاتی اور فوج کی خدمت کرتی تھیں [3]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۴۱۸۔ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۰۔

[3] مسند ج ۶ ص ۳۵۸۔

Marfat.com

غزوہ حدیبیہ میں بھی موجود تھیں' جب بیعت رضوان کا وقت آیا تو انہوں نے بھی آ کر بیعت کی ۳۵ھ میں اپنے شوہر سے علیحدہ ہوئیں' شرط یہ تھی کہ جو کچھ میرے پاس ہے اس کو لے کر مجھ سے دست بردار ہو جاؤ' چنانچہ اپنا تمام سامان ان کو دے دیا' صرف ایک کرتی رہنے دی لیکن شوہر کو یہ بھی گوارا نہ ہوا۔ جا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا' چونکہ ربیع نے کل چیزوں کی شرط کی تھی' حضرت عثمان نے فرمایا کہ تم کو اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیے۔ اور شوہر سے فرمایا تم ان کے جوڑا باندھنے کی دھجی تک لے سکتے ہو[1]

وفات:

حضرت ربیع رضی اللہ عنہا کی وفات کا سال نامعلوم ہے۔

اولاد:

اولاد میں محمد مشہور ہیں۔

فضل وکمال:

حضرت ربیع رضی اللہ عنہا سے ۲۱ حدیثیں مروی ہیں' علمی حیثیت سے ان کا یہ پایہ تھا کہ حضرت ابن عباس اور حضرت زین العابدینؒ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے[2] راویوں میں بہت سے بزرگ ہیں' مثلاً عائشہؒ بنت انس بن مالک' سلیمان بن یسار' ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن' نافع' عبادہ بن الولید' خالد بن ذکوان' عبداللہ بن محمد بن عقیل' ابوعبیدہ بن محمد (حضرت عمارؓ ابن یاسر کے پوتے) محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان۔

اخلاق:

جوش ایمان اس سے ظاہر ہے کہ ایک مرتبہ اسماء بنت مخربہ جو ابو ربیعہ مخزومی کی بیوی تھی اور عطر بیچتی تھی' چند عورتوں کے ساتھ ربیع کے گھر آئی' اور ان کا نام ونسب دریافت کیا' چونکہ ربیع کے بھائی نے ابوجہل کو بدر میں قتل کیا تھا' اور اسماء قریش کے قبیلے سے تھی' بولی ''تو تم ہمارے سردار کے قاتل کی بیٹی ہو''؟ حضرت ربیع رضی اللہ عنہا کو ابوجہل کی

---

[1] اصابہ ج۸ ص۸۰ بحوالہ ابن سعد۔ [2] مسند ج۶ ص ۳۵۸۔

Marfat.com

نسبت سردار کا لفظ نہایت ناگوار ہوا۔ بولیں ''سردار نہیں بلکہ غلام کے قاتل کی بیٹی ہوں'' اسماء کو ابوجہل کی شان میں یہ گستاخی پسند نہ آئی' جھنجھلا کر کہا کہ مجھ کو تمہارے ہاتھ سودا بیچنا حرام ہے حضرت ربیع رضی اللہ عنہا نے برجستہ کہا' مجھ کو تم سے کچھ خریدنا حرام ہے' کیونکہ تمہارا عطر عطر نہیں بلکہ گندگی ہے[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا محبت تھی' آپ ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے[2] ایک مرتبہ آپ تشریف لائے اور ان سے وضو کے لیے پانی مانگا[3] ایک مرتبہ دو طاقوں میں چھوہارے اور انگور لے کر گئیں' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیور یا سونا مرحمت فرمایا[4]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مرتبہ کسی نے حلیہ پوچھا تو بولیں ''بس یہ سمجھ لو کہ آفتاب طلوع ہو رہا ہے''[5]

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۵۲۔ [2] مسند ج ۶ ص ۳۵۸۔

[3] ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳ [4] مسند ج ۶ ص ۳۵۹۔

[5] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۵۲۔

Marfat.com

(۲۷) حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

فاختہ نام، ام ہانی کنیت، ابو طالب عم رسول اللہ ﷺ کی دختر تھیں ماں کا نام فاطمہ بنت اسد تھا، اس بنا پر حضرت علی، حضرت جعفر طیار اور ام ہانی رضی اللہ عنہم حقیقی بھائی بہن ہیں۔

نکاح:

ہبیرہ بن عمرو (بن عائذ) مخزومی سے نکاح ہوا۔

اسلام:

۸ھ میں جب مکہ فتح ہوا مسلمان ہوئیں، آپ ﷺ نے اس روز ان کے مکان میں غسل کیا تھا، اور چاشت کی نماز پڑھی تھی، انہوں نے اپنے دو عزیزوں کو جو مشرک تھے پناہ دے دی تھی آنحضرت ﷺ نے بھی ان کو پناہ دی،[1] ان کا شوہر ہبیرہ فتح مکہ میں نجران بھاگ گیا تھا۔

وفات:

ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد مدت تک زندہ رہیں، تہذیب میں ہے کہ امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں انتقال کیا۔

اولاد:

حسب ذیل اولاد چھوڑی، عمرو، ہانی، یوسف، جعدہ۔

فضل وکمال:

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے ۴۶ حدیثیں مروی ہیں، جن کے راوی حسب ذیل حضرات ہیں، جعدہ، یحییٰ، ہارون، ابومرہ، ابوصالح، حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن حارث

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۳۴۲۔

Marfat.com

بن نوفل، ابن ابی لیلیٰ، مجاہد، عروہ، عبداللہ بن عیاش، شعبی، عطاء، کریب، محمد بن عقبہ۔

آنحضرت ﷺ سے کبھی کبھی مسائل دریافت کرتی تھیں، جس سے ان کی فقہ دانی کا پتہ چلتا ہے ایک مرتبہ اس آیت کی تفسیر پوچھی تھی، وتاتون فی نادیکم المنکر[1]

اخلاق:

آنحضرت ﷺ سے ان کو جو عقیدت تھی، وہ اس سے ظاہر ہے کہ آپ ﷺ فتح مکہ کے زمانہ میں ان کے مکان پر تشریف لائے اور شربت نوش فرمایا، اس کے بعد ان کو دیا (انہوں نے کہا میں روزہ سے ہوں لیکن آپ کا جوٹھا واپس نہیں کرنا چاہتی ہوں بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے پی لیا اور پھر خود ہی عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں روزہ سے ہوں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر روزہ رمضان کی قضا کا ہے تو کسی دوسرے دن یہ روزہ رکھ لینا اور اگر محض نفل ہے تو اس کی قضا کرنے یا نہ کرنے کا تم کو اختیار ہے[2])

آنحضرت ﷺ کو بھی ان سے بہت محبت تھی، ایک مرتبہ فرمایا، ام ہانی! بکری لے لو یہ بڑی خیر و برکت کی چیز ہے[3]

ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ اب میں بوڑھی ہوگئی ہوں اور چلنے پھرنے میں ضعف معلوم ہوتا ہے اس لیے ایسا عمل بتلایا جائے جس کو بیٹھے بیٹھے انجام دے سکوں۔ آپ ﷺ نے ایک وظیفہ بتلایا (سبحان اللہ ایک سو مرتبہ الحمد للہ ایک سو مرتبہ، اللہ اکبر ایک سو مرتبہ اور لا الہ الا اللہ ایک سو مرتبہ کہہ لیا کرو[4])

---

[1] مسند ج ۶ ص ۳۴۱۔ ([2] ایضاً ص ۳۴۱، ۳۴۳، ۳۴۴)
[3] ایضاً۔ [4] ایضاً ص ۳۴۴۔

Marfat.com

(۲۸) حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

فاطمہ نام' ام جمیل کنیت' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ہیں۔

نکاح:

حضرت سعیدؓ بن زید سے نکاح ہوا۔

اسلام:

اورانہی کے ساتھ مسلمان ہوئیں۔ یہ اوائل اسلام کا واقعہ ہے۔ان کے کچھ دنوں کے بعدان کے بھائی یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے' اوران ہی کے سبب سے ہوئے۔اس کا قصہ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود بیان کیا ہے یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جارہے تھے۔راستہ میں ایک مخزومی صحابی سے ملاقات ہوئی' پوچھا تم نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب اختیار کرلیا ہے؟ بولے ہاں' لیکن بولے اپنے گھر کی خبرلو' تمہارے بہن اور بہنوئی نے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب قبول کرلیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سیدھے بہن کے گھر پہنچے۔ دروازہ بند تھا' اور وہ قرآن پڑھ رہی تھیں' ان کی آہٹ پا کر چپ ہوگئیں' اور قرآن کے اجزاء چھپا دیئے' لیکن آواز ان کے کان میں پڑ چکی تھی' پوچھا یہ کیا آواز تھی؟ انہوں نے کہا کچھ نہیں بولے میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہوگئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست وگریباں ہوگئے' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی' بال پکڑ کر گھسیٹے اوراس قدر مارا کہ ان کا بدن لہولہان ہوگیا۔اسی حالت میں ان کی زبان سے نکلا' عمر! جو ہوسکے کرو لیکن اب اسلام دل سے نہیں نکل سکتا۔ ان الفاظ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل پر ایک خاص اثر کیا' بہن کی

Marfat.com

طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا' ان کے بدن سے خون جاری تھا' یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہو... فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے' مجھ کو بھی سناؤ' فاطمہؓ نے قرآن کے اجزاء لا کر سا... رکھ دیئے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو پڑھتے جاتے تھے اور ان پر رعب چھاتا جاتا تھا۔ یہا... تک کہ ایک آیت پر پہنچ کر پکار اٹھے:

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً رسول الله[1]

ہجرت:

اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کی۔

وفات:

وفات کا سنہ اور مہینہ معلوم نہیں۔

اولاد:

ایک لڑکا چھوڑا' عبدالرحمٰن نام تھا۔

[1] اصابہ ج ۸ ص ۱۶۱ و اسد الغابہ ج ۴ ص ۵۴۔

Marfat.com

(۲۹) حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

اسماء نام قبیلہ خثعم سے تھیں' سلسلۂ نسب یہ ہے' اسماء بنت عمیس بن معد بن حارث بن تیم بن کعب بن مالک بن قحافہ بن عامر بن معاویہ بن زید بن مالک ابن بشیر بن وہب اللہ بن شعران بن عفرس بن خلف بن اقبل (خثعم) ماں کا نام ہند (خولہ) بنت عوف تھا۔ اور قبیلہ کنانہ سے تھیں' اس بنا پر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا (ام المومنین) اور اسماء رضی اللہ عنہا اخیافی بہنیں تھیں۔

نکاح:

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے (اور دس برس بڑے تھے) نکاح ہوا۔

اسلام:

آنحضرت کے خانۂ ارقم میں مقیم ہونے سے قبل مسلمان ہوئیں' حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا۔[1]

عام حالات:

حبشہ کی ہجرت کی اور کئی سال تک مقیم رہیں' ۷ھ میں جب خیبر فتح ہوا تو مدینہ آئیں' حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئیں' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے' پوچھا یہ کون ہیں' جواب ملا اسماء بولے "ہاں وہ حبش والی وہ سمندر والی" حضرت اسماءؓ نے کہا "ہاں وہی" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہم کو تم پر فضیلت ہے' اس لیے کہ ہم مہاجر ہیں' حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو یہ فقرہ سن کر غصہ آیا' بولیں "کبھی نہیں! تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھوکوں کو کھلاتے اور جاہلوں کو پڑھاتے تھے لیکن ہماری حالت بالکل جداگانہ تھی' ہم نہایت دور دراز مقام میں صرف خدا اور رسول کی خوشنودی کے لیے پڑے رہے اور بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں"

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۳۶' اصابہ ج ۸ ص ۹ بحوالہ ابن سعد۔

Marfat.com

آنحضرت ﷺ مکان پر تشریف لائے تو انہوں نے سارا قصہ بیان کیا' ار
ہوا: ''انہوں نے ایک ہجرت کی اور تم نے دو ہجرتیں کیں۔ اس لیے تم کو زیادہ فضیلت
ہے'' حضرت اسماءؓ اور دوسرے مہاجرین کو اس سے اس درجہ مسرت ہوئی کہ دنیا کی تم
فضیلتیں ہیچ معلوم ہوتیں تھیں' مہاجرین حبشہ جوق در جوق حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پا
آتے اور یہ واقعہ دریافت کرتے تھے۔[1]

۸ھ غزوہ موتہ میں حضرت جعفرؓ نے شہادت پائی' آنحضرت ﷺ کو خبر ہ
(حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی دیکھا کہ حضور آبد
ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ غمگین کیوں ہیں۔ کیا جعفرؓ کے متعلق ک
اطلاع آئی ہے' حضور نے ارشاد فرمایا کہ ہاں وہ لوگ شہید ہو گئے ہیں' بچوں کو نہلا دھلا
ہمراہ لے گئی تھی' حضورؐ نے بچوں کو اپنے پاس بلایا اور میں چیخ اٹھی) آنحضرتؐ اپنے (ا
بیت کے پاس تشریف لے گئے) اور فرمایا' جعفرؓ کے بچوں کے لیے کھانا پکاؤ کیونکہ وہ ر
وغم میں مصروف ہیں۔[2]

اس کے بعد مسجد میں جا کر غم زدہ بیٹھے' اور اس خبر کا اعلان کیا' اسی حالت می
ایک شخص نے آ کر کہا کہ جعفر (رضی اللہ عنہ) کی مستورات ماتم کر رہی ہیں اور رو رہی ہیں۔ آ
نے منع کرا بھیجا' وہ گئے اور واپس آ کر کہا کہ میں نے منع کیا لیکن وہ باز نہیں آتیں۔ آ
نے دوبارہ بھیجا وہ پھر گئے اور واپس آ کر عرض کی کہ ہم لوگوں کی نہیں چلتی' آپ نے ارشا
فرمایا ''تو ان کے منہ میں خاک بھر دو'' یہ واقعہ حضرت عائشہؓ سے صحیح بخاری میں منقول ہے
صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس شخص سے کہا کہ ''خدا کی قسم تم یہ نہ کر
گے (منہ میں خاک ڈالنا) تو آنحضرت ﷺ کو تکلیف سے نجات نہ ملے گی''۔[3]

تیسرے[4] دن آنحضرت ﷺ اسماء کے گھر تشریف لائے' اور سوگ کی ممانعت کی

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۰۷ و ۶۰۸۔ [2] مسند ج ۶ ص ۳۷۰۔

[3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۱۱۔ [4] مسند ج ۶ ص ۳۶۹۔

Marfat.com

کی[1] تقریباً ۶ مہینے کے بعد شوال ۸ھ میں غزوہ حنین کا زمانہ تھا آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے ان کا نکاح پڑھا دیا[2] جس کے دو برس بعد ذوقعدہ ۱۰ھ میں محمد بن ابوبکرؓ پیدا ہوئے اس وقت حضرت اسماءؓ حج کی غرض سے مکہ آئی تھیں چونکہ محمد ذوالحلیفہ میں پیدا ہوئے تھے۔ اسماءؓ نے دریافت کرایا کہ میں کیا کروں؟ ارشاد ہوا نہا کر احرام باندھیں[3]

آنحضرتؐ کے مرض الموت میں حضرت ام سلمہؓ اور اسماءؓ نے ذات الجنب تشخیص کر کے دوا پلانا چاہی، چونکہ گوارا نہ تھی، آپ نے انکار فرمایا، اسی ممانعت میں غشی طاری ہوگئی، انہوں نے منہ کھول کر پلادی، افاقہ کے بعد احساس ہوا تو فرمایا ''مشورہ اسماءؓ نے دیا ہوگا۔ وہ حبشہ سے اپنے ساتھ یہی حکمت لائی ہیں، عباسؓ کے علاوہ سب کو دوا پلائی جائے'' چنانچہ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو دوا پلائی گئی[4]

۱۳ھ میں حضرت ابوبکرؓ نے وفات پائی تو وصیت کی کہ اسماء غسل دیں۔[5] حضرت ابوبکرؓ کے بعد اسماءؓ حضرت علیؓ کے عقد نکاح میں آئیں، محمد بن ابوبکر بھی ساتھ آئے اور حضرت علیؓ کے آغوش تربیت میں پرورش پائی، ایک دن عجیب لطیفہ ہوا۔ محمد بن جعفرؓ اور محمدؓ بن ابوبکر نے باہم فخراً کہا کہ ہم تم سے بہتر ہیں۔ اس لیے کہ ہمارے باپ تمہارے باپ سے بہتر تھے حضرت علیؓ نے حضرت اسماءؓ سے کہا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ کرو۔ بولیں کہ تمام نوجوانوں پر جعفر رضی اللہ عنہ کو اور تمام بوڑھوں پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فضیلت حاصل ہے۔ حضرت علیؓ بولے ہمارے لیے کیا رہا''[6]

۳۸ھ میں محمد بن ابوبکر مصر میں قتل ہوئے اور گدھے کی کھال میں ان کی لاش

---

[1] (جس عورت کا شوہر کا انتقال کر جائے اس کو ۴ ماہ ۱۰ دن سوگ کرنا چاہیے، مسئلہ یہی ہے حضرت اسماء کی روایت سے شبہہ میں نہ پڑنا چاہیے، اس لیے کہ یہ روایت تمام صحیح احادیث کے خلاف ہے اور شاذ ہے۔ اور اجماع اس کے مخالف امام طحاوی کے نزدیک یہ روایت منسوخ ہے اور امام بیہقی کے نزدیک منقطع ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۹ ص ۴۲۹ ان کے سوا اور بہت سے جوابات ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے)

[2] اصابہ ج ۸ ص ۹۔ [3] صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۸۵ و ۳۹۴۔ [4] صحیح بخاری ج ۲ و طبقات ج ۲ قسم ۲ ص ۳۱ و ۳۲ و مسند ج ۶ ص ۴۳۸۔ [5] اصابہ ج ۸ ص ۹ بحوالہ ابن سعد۔ [6] اصابہ ج ۸ ص ۹۔

Marfat.com

جلائی گئی حضرت اسماءؓ کے لیے اس سے زیادہ تکلیف دہ واقعہ کیا ہوسکتا تھا؟ ان کو سخت غصہ آیا' لیکن نہایت صبر سے کام لیا' اور مصلّیٰ پر کھڑی ہوگئیں۔[1]

وفات:

۴۰ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی اور ان کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بھی انتقال ہوگیا۔[2]

اولاد:

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ حضرت اسماءؓ نے ۳ نکاح کیے' چنانچہ حضرت جعفرؓ سے محمد' عبداللہ' عون' حضرت ابوبکرؓ سے محمد' اور حضرت علیؓ سے یحییٰ پیدا ہوئے۔[3]

ریاض النضرہ میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کے دولڑکے ہوئے تھے' یحییٰ اور عون'[4] لیکن علامہ ابن اثیر نے اس کو غلط کہا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ابن کلبی کا خیال ہے جو مشہور دروغ گو تھا۔

فضل وکمال:

حضرت اسماءؓ سے ۶۰ حدیثیں مروی ہیں' جن کے راویوں کے نام یہ ہیں' حضرت عمرؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، عبداللہ بن جعفرؓ، ابن عباسؓ، قاسم بن محمد، عبداللہ بن شداد بن الہاد، عروہ، ابن مسیب، ام عون بنت محمد بن جعفر، فاطمہؓ بنت علی، ابویزید مدنی۔

آنحضرت ﷺ سے براہ راست تعلیم حاصل کرتی تھیں' آنحضرت ﷺ نے مصیبت اور تکلیف میں پڑھنے کے لیے ان کو ایک دعا بتائی تھی۔[5]

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جعفرؓ کے بچوں کو دبلا دیکھا تو پوچھا کہ یہ اس قدر دبلے کیوں ہیں' اسماءؓ نے کہا ان کو نظر بہت لگتی ہے' فرمایا تو تم جھاڑ پھونک کرو' حضرت اسماء کو ایک منتر یاد تھا۔ آنحضرت ﷺ کو سنایا' فرمایا ''یہی سہی''۔[6]

حضرت اسماء کو خواب کی تعبیر میں بھی دخل تھا' چنانچہ حضرت عمرؓ اکثر ان سے خوابوں کی تعبیر پوچھتے تھے۔[7]

---

1 اصابہ ج ۸ ص ۹۔ 2 خلاصہ تہذیب ص ۴۸۸۔ 3 استیعاب ج ۲ ص ۷۲۶۔ 4 ریاض النضرۃ ج ۲ ص ۲۴۹۔ 5 مسند ج ۶ ص ۳۶۹۔ 6 صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۲۳۔ 7 اصابہ ج ۸ ص ۹

Marfat.com

(۳۰) حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

اسماء نام ذات النطاقین لقب' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں' ماں کا نام قتیلہ بنت عبدالعزیٰ تھا۔ ہجرت سے ۲۷ سال قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔

نکاح:

حضرت زبیرؓ بن عوام سے نکاح ہوا۔

اسلام:

اپنے شوہر کی طرح انہوں نے قبول اسلام میں سبقت کی' ابن اسحاق کے قول کے مطابق ان کا ایمان لانے والوں میں اٹھارواں نمبر تھا۔

عام حالات:

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت ابوبکرؓ رفیق صحبت تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کو ان کے گھر تشریف لائے' اور ہجرت کا خیال ظاہر فرمایا۔ حضرت اسماءؓ نے سفر کا سامان کیا' دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان میں رکھا' نطاق جس کو عورتیں کمر میں لپیٹتی ہیں پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا' یہ وہ شرف تھا' جس کی بنا پر آج تک ان کو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے[1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہجرت کے وقت کل روپیہ ساتھ لے گئے تھے۔ ابوقحافہ کہ ان کے والد تھے' معلوم ہوا تو بولے کہ انہوں نے جانی اور مالی دونوں قسم کی تکلیف دی' حضرت اسماءؓ نے کہا وہ کثیر دولت چھوڑ گئے ہیں' یہ کہہ کر اٹھیں اور جس جگہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مال رہتا تھا بہت سے پتھر رکھ دیئے اور ان پر کپڑا ڈال دیا' پھر ابوقحافہ کو لے کر گئیں اور کہا ٹٹول لیجئے' یہ دیکھئے یہ رکھا ہے۔ ابوقحافہ نابینا ہو گئے تھے اس لیے مان گئے

---

[1] صحیح بخاری ج ا ص ۵۵۳، ۵۵۵۔

Marfat.com

اور کہا کھانے کے لیے بہت ہے۔ حضرت اسماء ؓ کا بیان ہے کہ میں نے صرف ابو قحا
کی تسکین کے لیے ایسا کیا تھا ورنہ وہاں ایک حبہ بھی نہ تھا[1]

آنحضرت ﷺ نے مدینہ پہنچ کر مستورات کو بلوایا تو حضرت اسماء ؓ بھی آئیں[2] قبا میں
قیام کیا' یہاں عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے۔ ان کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاض
ہوئیں۔ آپ ﷺ نے عبداللہ کو گود میں لیا' گھٹی دی اور ان کے لیے دعا فرمائی[3] عبداللہ
بن زبیر جوان ہوئے تو حضرت اسماءؓ ان کے پاس رہنے لگیں کیونکہ حضرت زبیرؓ نے ان کو
طلاق دے دی تھی[4]

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے گھٹی میں آنحضرت ﷺ کا لعاب مبارک پیا تھا۔
اس بنا پر جب سن شعور کو پہنچے تو فضائل اخلاق کے پیکر مجسم تھے' ادھر سلطنت بنو امیہ کا
فرمانروا (یزید) سرتاپا فسق و فجور تھا۔ حضرت عبداللہ نے اس کی بیعت سے انکار کیا۔ مکہ
میں پناہ گزیں ہوئے اور وہیں سے اپنی خلافت کی صدا بلند کی' چونکہ حضرت عبداللہ کی
عظمت وجلالت کا ہر شخص معترف تھا اس لیے تمام دنیائے اسلام نے اس صدا پر لبیک کہا
اور ملک کا بڑا حصہ ان کے علم کے نیچے آ گیا' لیکن جب عبدالملک بن مروان تخت نشین ہوا
تو اس نے اپنی حکمت عملی سے بعض صوبوں پر قبضہ کرلیا اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے
مقابلہ کی تیاریاں کیں۔

شامی لشکر نے خانہ کعبہ کا محاصر کیا تو ابن زبیر ؓ، حضرت اسماءؓ کے پاس آئے'
وہ بیمار تھیں پوچھا ''کیا حال ہے؟'' بولیں ''بیمار ہوں'' کہا ''آدمی کو موت کے بعد آرام
ملتا ہے'' حضرت اسماءؓ نے کہا ''شاید تم کو میرے مرنے کی تمنا ہے' لیکن میں ابھی مرنا پسند
نہیں کرتی' میری آرزو یہ ہے کہ تم لڑ کر قتل ہو اور میں صبر کروں' یا تم کامیاب ہو اور میری
آنکھیں ٹھنڈی ہوں'' ابن زبیر ہنس کر چلے گئے' شہادت کا وقت آیا تو دوبارہ ماں کی
خدمت میں آئے' وہ مسجد میں بیٹھی تھیں صلح کے متعلق مشورہ کیا' بولیں ''بیٹا! قتل کے خوف

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۳۵۰۔ [2] اصابہ ج ۴ ص ۲۲۹، طبقات ج ا ق ا ص ۱۶۱ و تہذیب ج ۵ ص ۲۱۴۔
[3] صحیح بخاری ج ا ص ۵۵۵۔ [4] فتح الباری ج ۶ ص ۱۶۳ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۹۲۔

Marfat.com

سے ذلت آمیز صلح بہتر نہیں۔ کیونکہ عزت کے ساتھ تلوار مارنا ذلت کے ساتھ کوڑا مارنے سے بہتر ہے'' حضرت ابن زبیرؓ نے اس پر عمل کیا اور لڑ کر مردانہ وار شہادت حاصل کی۔ حجاج نے ان کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا' ۳ دن گزرنے پر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کنیز کو ساتھ لے کر اپنے بیٹے کی لاش پر آئیں' لاش الٹی لٹکی تھی دل تھام کر اس منظر کو دیکھا اور نہایت استقلال سے کہا ''کیا اس سوار کے گھوڑے سے اترنے کا ابھی وقت نہیں آیا''[1] حجاج کو چھیڑ منظور تھی' آدمی بھیجا کہ ان کو جا کر لائے' حضرت اسماءؓ نے انکار کیا' اس نے پھر آدمی بھیجا کہ ''ابھی خیریت ہے ورنہ آئندہ جو شخص بھیجا جائے گا وہ بال گھسیٹ کر لائے گا''

حضرت اسماءؓ صرف خدا کی شان جباری کی معترف تھیں' جواب دیا میں نہیں جا سکتی حجاج نے مجبوراً خود جوتا پہنا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آیا اور حسب ذیل گفتگو ہوئی' حجاج نے کہا'' کہیے میں نے دشمن خدا (ابن زبیرؓ) کے ساتھ کیا سلوک کیا'' حضرت اسماء بولیں ''تو نے اس کی دنیا بگاڑی اور اس نے تیری عاقبت خراب کی! میں نے سنا ہے کہ تو اس کو طنزاً ذات النطاقین کا بیٹا کہتا ہے' خدا کی قسم ذات النطاقین میں ہوں میں نے نطاق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کھانا باندھا تھا اور دوسرے کو کمر میں لپیٹتی تھی لیکن یہ یاد رہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ثقیف میں ایک کذاب اور ایک ظالم پیدا ہوگا' چنانچہ کذاب کو دیکھ چکی ہوں اور ظالم تو ہے'' حجاج نے یہ حدیث سنی تو چپکا اٹھ کھڑا ہوا[2]

چند دنوں بعد عبدالملک کا حکم پہنچا تو حجاج نے لاش اتروا کر یہود کے قبرستان میں پھینکوا دی' حضرت اسماءؓ نے لاش اٹھوا کر گھر منگوایا اور غسل دلوا کر جنازہ کی نماز پڑھی حضرت ابن زبیر کا جوڑ جوڑ الگ تھا' نہلانے کے لیے کوئی عضو اٹھایا جاتا تو ہاتھ کے ساتھ چلا آتا تھا' لیکن حضرت اسماءؓ نے یہ کیفیت دیکھ کر صبر کیا کہ خدا کی رحمت ان ہی پارہ پارہ ٹکڑوں پر نازل ہوتی ہے۔

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۶۳ و استیعاب ج ۱ ص ۳۶۶۔ [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۵۔

Marfat.com

وفات:

حضرت اسماءؓ دعا کرتی تھیں کہ جب تک میں عبداللہ رضی اللہ عنہ کی لاش نہ دیکھ لوں مجھے موت نہ آئے[1] چنانچہ ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت اسماءؓ نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا یہ جمادی الاولی ۷۳ھ کا واقعہ ہے اس وقت ان کی عمر سو سال کی تھی۔

اولاد:

حسب ذیل اولاد ہوئی' عبداللہ' منذر' عروہ' مہاجر' خدیجۃ الکبری' ام الحسن' عائشہ[2]

حلیہ:

حضرت اسماءؓ بایں ہمہ سو برس کی تھیں لیکن ایک دانت بھی نہ گرا تھا اور ہوش و حواس بالکل درست تھے[3] دراز قد اور لحیم شحیم تھیں' اخیر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی[4]

فضل وکمال:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت اسماءؓ نے ۵۶ حدیثیں روایت کی ہیں جو صحیحین اور سنن میں موجود ہیں' راویوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں:

عبداللہؓ، عروہ (پسران) عباد بن عبداللہ، عبداللہ بن عروہ (نبیرگان) فاطمہ بنت المنذر، ابن زبیرؓ، عبادہ بن حمزہ بن عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن کیسان (غلام) ابن عباسؓ، صفیہ بنت شیبہ' ابن ابی ملیکہ، وہب بن کیسان' ابوبکر و عامر (پسران ابن زبیرؓ)، مطلب بن حنطب' محمد بن منکدر' مسلم معری' ابونوفل ابن ابوعقرب۔

اخلاق:

حضرت اسماءؓ بالطبع نیکی کی طرف مائل تھیں' ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسوف کی نماز پڑھا رہے تھے۔ نماز کو بہت طول دیا تو حضرت اسماءؓ نے ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا ان کے پاس دو عورتیں کھڑی تھیں جن میں ایک فربہ اور دوسری لاغر تھی یہ دیکھ کر انہوں نے اپنے دل کو تسلی دی کہ مجھے ان سے زیادہ دیر تک کھڑا رہنا چاہیے[5] لیکن چونکہ نماز کئی

[1] استیعاب ج ا ص ۳۶۶۔ [2] طبری ج ۳ ص ۲۴۶۱ اور الریاض النضرہ ص ۲۷۹ و ۲۸۰۔
[3] اصابہ ج ۸ ص ۸۔ [4] مسند ج ۶ ص ۳۴۸، واسد الغابہ ج ۵ ص ۳۹۳۔ [5] مسند ج ۶ ص ۳۴۹۔

Marfat.com

گھنٹے تک ہوئی تھی' حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو غش آ گیا' اور سر پر پانی چھڑکنے کی نوبت آئی[1]

ابن ابی ملیکہ کا بیان ہے کہ ان کے سر میں درد ہوتا تو سر پکڑ کر کہتیں یہ میرا گناہ ہے جو گناہ خدا معاف کرتا رہتا ہے' وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں۔

حق گوئی ان کا خاص شعار تھا اس کی متعدد مثالیں اوپر گزر چکی ہیں حجاج بن یوسف جیسے ظالم اور جبار کے سامنے وہ جس صاف گوئی سے کام لیتی تھیں' وہ بجائے خود اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ ایک دن وہ منبر پر بیٹھا ہوا تھا' حضرت اسماءؓ اپنی کنیز کے ساتھ آئیں اور دریافت کیا کہ ''امیر کہاں ہے'' معلوم ہوا تو حجاج کے قریب گئیں' اس نے دیکھتے ہی کہا ''تمہارے بیٹے نے خدا کے گھر میں الحاد پھیلایا تھا۔ اس لیے خدا نے اس کو بڑا دردناک عذاب دیا'' حضرت اسماء نے برجستہ جواب دیا تو جھوٹا ہے۔ وہ ملحد نہ تھا بلکہ صائم' پارسا اور شب بیدار تھا[2]

نہایت صابر تھیں' حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت ایک قیامت تھی جوان کے لیے قیامت کبریٰ بن گئی تھی۔ لیکن اس میں انہوں نے جس استقلال' جس صبر اور جس تحمل سے کام لیا اس کی تاریخ میں بہت کم نظیریں مل سکتی ہیں۔

حد درجہ خوددار تھیں' حجاج بن یوسف جیسے امیر کی نخوت بھی ان کی خودداری کی چٹان سے ٹکرا کر چور چور ہو جاتی تھی۔

بایں ہمہ نہایت متواضع اور خاکسار تھیں' محنت مشقت میں ان کو بالکل عار نہ تھا' چنانچہ جب ان کا نکاح ہوا تو حضرت زبیرؓ کے پاس کچھ نہ تھا۔ صرف ایک اونٹ اور ایک گھوڑا تھا۔ وہ گھوڑے کو دانہ دیتی۔ پانی بھرتی اور ڈول سیتی تھیں' روٹی پکانی نہیں آتی تھی' اس لیے آٹا گوندھ کر رکھتیں اور انصار کی عورتیں پکا دیتی تھیں' رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو جو زمین عنایت فرمائی تھی وہاں جا کر چھواروں کی گٹھلیاں چنتی اور تین فرلانگ سے سر پر لاد کر لاتی تھیں ایک دن اسی حالت میں آ رہی تھیں کہ آنحضرت ﷺ

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۴۴۔ [2] مسند ج ۶ ص ۳۵۱۔

Marfat.com

سے ملاقات ہوگئیں آپ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا کہ سوار ہو جائیں، لیکن ان کو شرم معلوم ہوئی اور اونٹ پر بیٹھیں گھر آ کر حضرت زبیرؓ سے سارا قصہ بیان کیا انہوں نے کہا "سبحان اللہ سر پر بوجھ لادنے سے شرم نہیں آئی"؟ کچھ زمانہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ان کو ایک غلام دیا جو گھوڑے کی تربیت اور پرداخت کرتا تھا۔ اسی وقت حضرت اسماء کی مصیبت کم ہوئی، کہتی تھیں "فکانما اعتقنی" یعنی گویا ابوبکرؓ نے مجھے آزاد کر دیا[1]

غربت کی وجہ سے جو کچھ خرچ کرتیں ناپ تول کر کرتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا کہ پھر خدا بھی ناپ کر دے گا۔ اس وقت یہ عادت چھوڑ دی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آمدنی وافر ہوگئی اور پھر کبھی تنگدست نہیں ہوئیں[2]

حد درجہ فیاض تھیں، عبداللہ بن زبیر فرماتے تھے کہ میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو فیاض نہیں دیکھا۔ حضرت عائشہؓ نے اپنی وفات کے وقت ترکہ میں ایک جنگل چھوڑا تھا جو ان کے حصہ میں آیا تھا، لیکن انہوں نے اس کو لاکھ درہم پر فروخت کر کے کل رقم عزیزوں پر تقسیم کر دی[3] بیمار پڑتیں تو اپنے غلام آزاد کر دیتی تھیں،[4] حضرت زبیر کا مزاج تیز تھا اس لیے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں بلا اجازت ان کے مال سے فقراء کو خیرات دے سکتی ہوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی[5]

ایک مرتبہ ان کی ماں مدینہ میں آئیں اور ان سے روپیہ مانگا، حضرت اسماءؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ مشرک ہیں۔ کیا ایسی حالت میں ان کی مدد کر سکتی ہوں؟ ارشاد ہوا "ہاں (اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو)"[6]

حضرت اسماءؓ نے کئی حج کیے، پہلا حج آنحضرتؐ کے ساتھ کیا تھا،[7] اس میں جو کچھ دیکھا تھا،[8] ان کو بالکل یاد تھا، چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب حج کے لیے آئیں، اور مزدلفہ میں ٹھہریں تو رات کو نماز پڑھی۔ پھر اپنے غلام سے پوچھا "چاند

---

1 صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸۶۔ 2 مسند ج ۶ ص ۳۵۲۔ 3 صحیح بخاری ہبۃ الواحد للجماعت۔
4 خلاصہ تہذیب ص ۴۸۸۔ 5 مسند ج ۶ ص ۳۵۳۔ 6 صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۸۴۔
7 صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۹۔ 8 صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳۷۔

Marfat.com

چھپ گیا' اس نے کہا نہیں' جب چاند ڈوب گیا بولیں کہ اب رمی کے لیے چلو' رمی کے بعد پھر واپس آئیں اور صبح کی نماز پڑھی' اس نے کہا آپ نے بڑی عجلت کی' فرمایا آنحضرتؐ نے پردہ نشینوں کو اس کی اجازت دی ہے[1] جب کبھی حجون سے گزرتیں' کہتیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہم یہاں ٹھہرے تھے' اس وقت ہمارے پاس بہت کم سامان تھا' ہم نے اور عائشہؓ اور زبیرؓ نے عمرہ کیا تھا اور طواف کر کے حلال ہوئے تھے[2]

نہایت بہادر تھیں' اخلاقی جرأت کے چند واقعات اوپر گزر چکے ہیں' سعید بن عاص کے زمانۂ حکومت میں جب اسلام میں فتنہ پیدا ہوا' اور بدامنی شروع ہوگئی' تو انہوں نے ایک خنجر رکھا تھا' لوگوں نے پوچھا' اس کا کیا فائدہ ہے؟ بولیں اگر کوئی چور آئے گا تو اس سے اس کا پیٹ چاک کروں گی[3]

حضرت اسماءؓ کے تقدس کا چرچا تھا۔ لوگ ان سے دعا کراتے تھے' جب کوئی عورت بخار میں مبتلا ہوتی اور دعا کے لیے آتی تو اس کے سینہ پر پانی چھڑکتیں اور کہتیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو[4] (حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے روایت کیا ہے کہ بخار آتش جہنم کی گرمی سے ہے' اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو[5]) گھر کا کوئی آدمی بیمار ہوتا تو آنحضرت ﷺ کا جبہ (جس کو حضرت عائشہؓ نے وفات کے وقت ان کے سپرد کیا تھا) دھوتی اور اس کا پانی پلاتی تھیں۔ اس سے بیمار کو شفا ہو جاتی تھی[6]

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۷۔ [2] ایضاً۔ [3] ذیل طبری ج ۱۳ ص ۲۴۶۱۔ [4] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۲۔ ([5] ایضاً باب الحمی من فیح جہنم) [6] مسند ج ۶ ص ۳۴۸۔

Marfat.com

(۳۱) حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

فاطمہ نام، سلسلہ نسب یہ ہے، فاطمہ بنت قیس بن خالد اکبر بن وہب بن ثعلبہ ابن وائلہ بن عمرو بن شیبان بن محارب بن فہر، والدہ کا نام امیمہ بنت ربیعہ تھا اور بنی کنانہ سے تھیں۔

نکاح:

ابو عمرو بن حفص بن مغیرہ سے نکاح ہوا۔

ہجرت:

اور ہجرت کی۔

عام حالات:

۱۰ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک لشکر لے کر یمن گئے ابو عمرو بھی ان کے ساتھ تھے چلتے وقت عیاش ابن ابی ربیعہ کی معرفت اپنی بیوی کو آخری طلاق (دو طلاق پہلے دے چکے تھے) اور ۵۔۵ صاع جو اور خرمے بھیجے، حضرت فاطمہؓ نے کھانے اور مکان کا مطالبہ کیا تو عیاش نے کہا کہ جو کچھ دیا گیا ہے محض احسان ہے ورنہ ہمارے ذمہ یہ بھی ضروری نہیں اس جواب پر فاطمہ کو غصہ آیا اور اپنے کپڑے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئیں، خالد بن ولید وغیرہ بھی پہنچے، آپ نے دریافت کیا کہ انہوں نے تم کو کتنی مرتبہ طلاق دی، بولیں ۳ مرتبہ، فرمایا اب تم کو نفقہ نہیں مل سکتا[1] تم ام شریک کے ہاں عدت کے دن پورے کرو، لیکن چونکہ ام شریکؓ کے عزیز و اقارب ان کے مکان میں آتے جاتے تھے،

---

[1] (عدت کے اندر عورت کا کھانا کپڑا اسی مرد کے ذمہ ہے جس نے طلاق دی ہے، حضرت فاطمہؓ بنت قیس کی اس روایت کے متعلق بڑی بحث ہے جس کے ذکر کا یہاں موقع نہیں ہے)

Marfat.com

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "ابن مکتوم نابینا اور تمہارے ابن عم ہیں اس لیے بہتر ہے۔ کہ تم ان کے ہاں رہو" عدت کا زمانہ پورا ہوا تو ہر طرف سے پیغام آئے' امیر معاویہؓ' ابوجہم اور اسامہ بن زیدؓ نے بھی پیغام دیا' لیکن آنحضرت ﷺ نے پہلے دو شخصوں کا پیغام اس لیے مسترد کر دیا کہ اول الذکر مفلس اور دوسرے تند مزاج تھے پھر فاطمہؓ سے فرمایا کہ تم اسامہؓ سے نکاح کر لو چونکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خیال تھا کہ خود آنحضرت ﷺ ان کو اپنی زوجیت کا شرف عطا فرمائیں گے' اس لیے انکار کیا' ارشاد ہوا "خدا اور رسول کی اطاعت کرو اس میں تمہارے لیے بھلائی ہے"۔ یہ سن کر فاطمہ مجبور ہوئیں' اور حضرت اسامہؓ سے نکاح کر لیا کہتی ہیں کہ پھر میں قابل رشک بن گئی[1]

۲۳ھ میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتقال کیا تو مجلس شوریٰ کا اجلاس فاطمہؓ ہی کے مکان میں ہوا تھا[2]

۵۴ھ میں حضرت اسامہؓ نے انتقال فرمایا' فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سخت صدمہ ہوا' دوسری شادی نہیں کی اور اپنے بھائی ضحاک کے ساتھ رہیں' جب یزید نے اپنے عہد حکومت میں ان کو عراق کا گورنر مقرر کیا تو فاطمہ بھی ان کے ساتھ کوفہ چلی آئیں اور یہیں سکونت اختیار کی۔

وفات:

وفات کا سال معلوم نہیں' حضرت ابن زبیرؓ کے زمانہ خلافت تک زندہ تھیں[3]

حلیہ:

خوبصورت تھیں[4]

فضل وکمال:

اسد الغابہ میں ہے۔

لها عقيل و كمال. (ص ۵۲۶ ج ۵)

---

[1] صحیح مسلم ج ا ص ۵۸۳، ۵۸۴ و مسند ج ۶ ص ۴۱۱' ۴۱۲' ۴۱۳۔ [2] اسد الغابہ ج ۶ ص ۵۲۶۔
[3] صحیح مسلم ج ا ص ۵۸۶۔ [4] اصابہ ج ۸ ص ۱۶۴۔

Marfat.com

"یعنی وہ نہایت عقیل اور صاحب کمال تھیں"۔

حضرت سعید بن زید کی صاحبزادی، عبداللہ بن عمرو (بن عثمان) کو منسوب تھیں انہوں نے ان کو تین طلاقیں دیں، فاطمہؓ ان کی خالہ ہوتی تھیں کہلا بھیجا کہ میرے گھر چلی آؤ، مروان نے قبیصہ کو بھیجا کہ فاطمہؓ سے سبب دریافت کرو، قبیصہ نے آ کر کہا آپ ایک عورت کو ایام عدت گزرنے سے قبل کیوں گھر سے نکالتی ہیں، بولیں اس لیے آنحضرتؐ نے مجھ کو یہی حکم دیا تھا، اس کے بعد اپنا واقعہ بیان کیا اور اس کی قرآن مجید سے تائید کی، قرآن مجید میں ہے:

﴿اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾

"جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کو عدت کے وقت تک طلاق دو اور عدت کو شمار کرو اور خدا سے ڈرو ان کو گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ نکلیں مگر یہ کہ کھلی ہوئی بے حیائی کی مرتکب ہوں۔ (طلاق:۱)

یہ مراجعہ کی صورت تھی، اس کے بعد ہے۔

﴿فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾

"پس جب میعاد کو پہنچ جائیں تو ان کو اچھی طرح روکے رکھو یا اچھی طرح جدا کرو"۔

اس بنا پر تین مرتبہ کے بعد پھر کسی صورت کا احتمال نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ چونکہ تمہارے نزدیک عورت جب تک حاملہ نہ ہو اس کا نفقہ نہ دینا چاہیے۔ اس لیے اس کو روک رکھنا بالکل بے کار ہے۔ (جب مروان کو حضرت فاطمہ کی اس گفتگو کی اطلاع ہوئی تو کہا یہ ایک عورت کی بات ہے اور ان مطلقہ خاتون کو حکم دیا کہ اپنے گھر واپس آئیں، چنانچہ وہ واپس آئیں اور وہیں عدت گزاری[1])

فاطمہؓ نے آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں، جو متعدد اشخاص کے

---

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۸۴ و مسند ج ۶ ص ۴۱۵، ۴۱۶۔

Marfat.com

ذریعہ سے مروی ہیں' ان میں سے چند نام یہ ہیں۔

قاسم بن محمد' ابوبکر بن ابوالجہم' ابوسلمہ' سعید بن میسّب' عروہ' عبداللہ بن عبداللہ' اسود' سلیمان بن یسار' عبداللہ البہی' محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان' شعبی' عبدالرحمٰن ابن عاصم' تمیم۔

اخلاق:

عادات و اخلاق نہایت شریفانہ تھے' شعبی جوان کے شاگرد تھے' ملنے کو آئے تو انہوں نے چھوہارے کھلائے اور ستو پلایا۔[1]

❖ ❖ ❖

---

[1] صحیح مسلم ج ا ص ۵۸۵۔

Marfat.com

(۳۲) حضرت شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

شفاء نام' قبیلہ قریش کے خاندان عدی سے ہیں' سلسلہ نسب یہ ہے' شفاء بنت عبداللہ بن عبد شمس بنِ خلف بن سداد بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی ابن کعب بن لوی' والدہ کا نام فاطمہ بنت وہب بن عمرو بن عائذ بن عمر بن مخزوم تھا۔

نکاح:

ابوحثمہ بن حذیفہ عدوی سے نکاح ہوا۔

اسلام:

ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں[1]

عام حالات:

آنحضرت ؐ سے ان کو بہت محبت تھی' آپ ؐ کبھی ان کے گھر تشریف لے جاتے تو آرام فرماتے تھے۔ انہوں نے آپ کے لیے ایک علیحدہ بچھونا اور ایک تہمد رکھ چھوڑ تھی۔ چونکہ ان میں آنحضرت ؐ کا پسینہ جذب ہوتا تھا' یہ بڑی متبرک چیزیں تھیں' حضرت شفاءؓ کے بعد ان کی اولاد نے ان تبرکات کو نہایت احتیاط سے محفوظ رکھا۔ لیکن مروان نے ان سے یہ سب چیزیں لے لیں[2] آنحضرت ؐ نے ان کو ایک مکان بھی عنایت فرمایا تھا اور وہ اپنے بیٹے کے ساتھ اسی میں سکونت پذیر تھیں[3] حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کے ساتھ خاص رعایتیں کیں چنانچہ ابن سعد میں ہے:

کان عمر یقدمھا فی الرائے ویرعاھا ویفضلھا وربھا ولا شیئا من امر السوق.

''حضرت عمرؓ ان کو رائے میں مقدم رکھتے ان کی فضیلت کی رعایت کرتے اور

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۲۰۔ [2] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۸۶۔

[2] اصابہ ج ۸ ص ۱۲۱۔ [3] اصابہ ص ۱۲۱ بحوالہ ابن سعد۔

Marfat.com

ان کو بازار کا اہتمام سپرد کرتے تھے"۔

وفات:

وفات کا سنہ معلوم نہیں۔

اولاد:

اولاد میں دو کا پتہ چلتا ہے' سلیمان اور ایک لڑکی جو شرحبیل بن حسنہ کو منسوب تھی۔

فضل وکمال:

جاہلیت میں دو چیزوں میں مشہور تھیں' جھاڑ پھونک اور لکھنا' جھاڑ پھونک کے متعلق آنحضرتؐ سے انہوں نے استفتاء کیا تھا' آنحضرتؐ نے اجازت دی تھی اور فرمایا تھا کہ حفصہ کو بھی سکھا دو لکھنے کے متعلق بھی یہی ارشاد ہوا تھا[1] چیونٹی کے کاٹے میں یہ منتر پڑھتی تھیں "بسم الله صلو صلب جبر تعوذا من افواهها فلا تضر احدا اللهم اكشف الباس رب الناس.[2]

حضرت شفاء نے آنحضرت ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں جن کی تعداد صاحب خلاصہ کے نزدیک ۱۲ ہے' راویوں میں ان کے بیٹے اور دو پوتے ابوبکر و عثمان اور ابوسلمہ' حضرت حفصہؓ اور ابواسحاق شامل ہیں۔

اخلاق:

اسد الغابہ میں ہے:[3]

كانت من عقلاء النسا و فضلا ئهن. "یعنی وہ بڑی عاقلہ اور فاضلہ تھیں"

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ ان کو بلا کر ایک چادر عنایت کی اور عاتکہ بنت اسید کو ان سے بہتر چادر دی' تو بولیں تمہارے ہاتھ غبار آلود ہوں' ان کو مجھ سے بہتر چادر دی' حالانکہ میں ان سے پہلے مسلمان ہوئی' تمہاری بنت عم بھی ہوں' اس کے علاوہ تم نے مجھ کو طلب کیا تھا اور یہ خود چلی آئیں حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں تمہیں عمدہ چادر دیتا لیکن جب یہ آگئیں تو مجھے ان کی رعایت کرنی پڑی۔ کیونکہ یہ رسول اللہؐ سے نسباً قریب تر ہیں۔

[1] مسند ج ۶ ص ۳۷۲۔ [2] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۷۷۔ [3] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۸۶۔
[4] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۹۷ حالات عاتکہ۔

Marfat.com

(۳۳) حضرت زینب بنت ابی معاویہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

زینبؓ نام، رائطہ عرف، قبیلہ ثقیف سے تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے زینب بنت عبداللہ ابی معاویہ بن معاویہ بن عتاب بن اسعد بن غاضرہ بن حطیط بن جشم ابن ثقیف۔

نکاح:

حضرت عبداللہ بن مسعود سے نکاح ہوا، چونکہ ان کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا اور زینبؓ دستکار تھیں، اس لیے اپنے شوہر اور اولاد کی خود کفیل ہوئیں، ایک دن کہنے لگیں کہ تم نے اور تمہاری اولاد نے مجھ کو صدقہ وخیرات سے روک رکھا ہے۔ جو کچھ کماتی ہوں تم کو کھلا دیتی ہوں، بھلا اس میں میرا کیا فائدہ؟ حضرت ابن مسعودؓ نے جواب دیا، تم اپنے فائدہ کی صورت نکال لو۔ مجھ کو تمہارا نقصان منظور نہیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں، اور عرض کی کہ میں دستکار ہوں، اور جو کچھ اس سے پیدا کرتی ہوں شوہر اور بال بچوں پر صرف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ میرے شوہر کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔ اس بنا پر میں محتاجوں کو صدقہ نہیں دے سکتی، اس حالت میں کیا مجھ کو کچھ ثواب ملتا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا ہاں تم کو ان کی خبر گیری کرنا چاہیے[1]

عام حالات:

حضرت زینبؓ کے حالات بہت کم معلوم ہیں سال وفات کا بھی یہی حال ہے۔

اولاد:

ابوعبیدہ جو اپنے زمانے کے مشہور محدث گزرے ہیں حضرت زینبؓ کے نور نظر تھے۔

---

[1] صحیح مسلم۔

Marfat.com

فضل وکمال:

آنحضرت ﷺ حضرت عمرؓ اور ابن مسعودؓ سے چند حدیثیں روایت کیں راویوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں' ابوعبیدہ' عمرو بن حارث بن ابی ضرار' بسر بن سعید' عبید بن سباق' کلثوم' محمد بن عمرو بن حارث۔

اخلاق:

بارگاہ نبوت میں ان کو مخصوص درجہ حاصل تھا' اکثر آپ کے مکان میں آتی جاتی تھیں' ایک دن وہ آپ کے سر کی جوئیں دیکھ رہی تھی۔ مہاجرین کی اور عورتیں بھی بیٹھی ہوئی تھیں ایک پیش ہوا تو انہوں نے اپنا کام چھوڑ کر بولنا شروع کیا' آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم آنکھ سے نہیں بولتی ہو' کام بھی کرو اور گفتگو بھی[1]

---

[1] مسند ج ۶ ص ۳۶۳۔

Marfat.com

(۳۴) حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

اسماء نام' ام سلمہ کنیت' سلسلہ نسب یہ ہے' اسماء بنت یزید بن السکن بن رافع بن امراء القیس بن زید بن عبدالاشہل بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

اسلام:

ہجرت کے بعد مسلمان ہوئیں اور چند عورتوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بیعت کے لیے آئیں' آپ صحابہ کے مجمع میں تشریف فرما تھے' انہوں نے عرض کی کہ ''مسلمان عورتوں کی طرف سے ایک پیغام لے کر آئی ہوں' خدا نے آپ کو مرد و عورت سب کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے' ہم نے آپ ﷺ کی پیروی کی ہے اور آپ پر ایمان لائے ہیں۔ لیکن حالت مردوں سے بالکل جداگانہ ہے۔ ہم پردہ نشین ہیں' اس لیے جمعہ اور جماعت میں شریک نہیں ہوسکتیں اور مرد جمعہ اور جماعت میں شریک ہوتے ہیں' مریضوں کی عیادت کرتے ہیں' نماز جنازہ پڑھتے ہیں' حج کو جاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جہاد کرتے ہیں لیکن ان تمام صورتوں میں ہم گھر میں بیٹھ کر ان کی اولاد کو پالتی ہیں' گھروں کی حفاظت کرتی ہیں' کپڑوں کے لیے چرخہ کاتتی ہیں' تو کیا اس صورت میں ہم کو بھی ثواب ملے گا''۔

آنحضرت ﷺ نے سنا تو صحابہ سے فرمایا کہ تم نے کسی عورت سے ایسی گفتگو بھی سنی ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں' آپ نے اسماء کو جواب دیا کہ عورت کے شوہر کی رضا جوئی نہایت ضروری چیز ہے' اگر وہ فرائض زوجیت ادا کرتی اور شوہر کی مرضی پر چلتی ہے تو مرد کو جس قدر ثواب ملتا ہے' عورت کو بھی اسی قدر ملتا ہے[1]

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۹۸ و استیعاب ج ۲ ص ۷۲۶۔

Marfat.com

جامع ترمذی' ابن سعد اور مسند ابن حنبل میں اس بیعت کا کسی قدر تذکرہ آیا ہے'
مسند میں ہے کہ اس بیعت میں اسماءؓ کی خالہ بھی شریک تھیں' جو سونے کے کنگن اور انگوٹھیاں پہنے تھیں' آپ نے فرمایا ان کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ بولیں نہیں' فرمایا تو کیا تم کو یہ پسند ہے کہ خدا آگ کے کنگن اور انگوٹھیاں پہنائے' حضرت اسماءؓ نے کہا خالہ ان کو اتار دو' چنانچہ فوراً تمام چیزیں اتار کر پھینک دیں' اسماءؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم زیور نہ پہنیں گی تو شوہر بے وقعت سمجھے گا۔ ارشاد ہوا ''تو پھر چاندی کے زیور بنواؤ اور ان پر زعفران مل لو کہ سونے کی چمک پیدا ہو جائے''۔

غرض ان باتوں کے بعد جب بیعت کا وقت آیا تو آنحضرت ﷺ نے زبانی چند اقرار کرائے۔ حضرت اسماءؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ سے بیعت کرتی ہیں اپنا ہاتھ بڑھایئے' فرمایا میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ کنگن کا واقعہ خود حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا تھا[1]

عام حالات:

۱ھ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی اور وہ میکہ سے کاشانہ نبوت میں آئیں تو جن عورتوں نے ان کو سنوارا تھا' ان میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بھی داخل تھیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جلوے میں بٹھا کر آنحضرت ﷺ کو اطلاع کی' آپ ﷺ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئے' کسی نے دودھ پیش کیا تو تھوڑا سا پی کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا' ان کو شرم معلوم ہوئی اور سر جھکا لیا' حضرت اسماءؓ نے ڈانٹا کہ رسول اللہ ﷺ جو دیتے ہیں لے لو' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دودھ لے کر کسی قدر پی لیا اور آنحضرت ﷺ کو واپس کر دیا' آنحضرت ﷺ نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو دیا' انہوں نے پیالہ کو گھٹنے پر رکھ کر گردش دینا شروع کیا کہ جس طرف سے آنحضرت ﷺ نے نوش فرمایا تھا وہاں بھی منہ لگ جائے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اور عورتوں کو بھی دو' لیکن سب نے جواب دیا کہ

---

[1] ان واقعات کے لیے دیکھئے مسند ج ۶ ص ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۶۰، ۴۶۱۔

Marfat.com

ہم کو اس وقت خواہش نہیں ہے ارشاد ہوا ''بھوک کے ساتھ جھوٹ بھی؟''[1]

۱۵ھ میں یرموک کا واقعہ پیش آیا' اس میں حضرت اسماءؓ نے اپنے خیمہ کی چوب سے ۹ رومیوں کو قتل کیا[2]

وفات:

یرموک کے بعد مدت تک زندہ رہیں اور پھر وفات پائی' وفات کا سال معلوم نہیں ہے۔

فضل وکمال:

حضرت اسماءؓ نے آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں' جن کے راوی اصحاب ذیل ہیں' محمود بن عمرو انصاری' مہاجر بن ابی مسلم' شہر بن حوشب' مجاہد' اسحاق بن راشد لیکن ان میں سب سے زیادہ شہر بن حوشب نے روایتیں کی ہیں۔

اخلاق:

استیعاب میں ہے:

كانت من ذوات العقل والدين.

''یعنی وہ عقل اور دین میں دونوں سے سے متصف تھیں''۔

آنحضرت ﷺ کی خدمت کرتی تھیں'[3] ایک مرتبہ ناقہ غضباء کی مہار تھامے تھیں کہ آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوئی' ان کا بیان ہے کہ وحی کا اتنا بار تھا کہ مجھے خوف ہوا کہ کہیں اونٹنی کے ہاتھ پاؤں نہ ٹوٹ جائیں[4]

حضرت اسماءؓ اکثر اوقات کاشانۂ نبوت میں حاضر ہوتیں' ایک مرتبہ بیٹھی تھیں کہ آنحضرت ﷺ نے دجال کا ذکر فرمایا' گھر میں کہرام مچ گیا' آنحضرت ﷺ دوبارہ واپس آئے تو وہی حالت قائم تھی' فرمایا کیوں روتی ہو؟ حضرت اسماءؓ نے کہا ہماری حالت یہ ہے

---

[1] مسند ج ۶ ص ۴۵۸۔ [2] اصابہ ج ۸ ص ۱۳۔
[3] مسند ج ۶ ص ۴۵۹۔ [4] ایضاً ص ۴۵۵ و ۴۵۸۔

Marfat.com

کہ لونڈی آٹا گوندھنے بیٹھی ہے' ہم کو سخت بھوک ہوتی ہے وہ پکا کر فارغ نہیں ہوتی کہ ہم بھوک سے بے تاب ہو جاتے ہیں پھر دجال کے زمانہ میں جب قحط پڑے گا۔ اس پر کیونکر صبر کر سکیں گے (یعنی فوراً اس کے دام میں پھنس جائیں گے) آنحضرت ﷺ نے۔ فرمایا اس دن تسبیح اور تکبیر بھوک سے بچائے گی' پھر کہا رونے کی ضرورت نہیں' اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو میں خود سینہ سپر ہوں گا' ورنہ میرے بعد خدا ہر مسلمان کی حفاظت کرے گا۔[1]

مہمان نواز تھیں ایک بار حضرت شہر بن حوشب آئے تو (انہوں نے) ان کے سامنے کھانا رکھا حضرت شہر بن حوشب نے انکار کیا تو آنحضرت ﷺ کا ایک واقعہ بیان کیا (جس سے یہ اشارہ مقصود تھا کہ انکار مناسب نہیں ہے' انہوں نے کہا اب دوبارہ ایسی غلطی نہ کروں گا[2])

---

[1] مسند ج ۶ ص ۴۵۳، ۴۵۴۔

[2] ایضاً ص ۴۵۸۔

Marfat.com

(۳۵) حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

ام الدرداء دو تھیں، اور دونوں حضرت ابودرداءؓ کے عقد نکاح میں آئیں لیکن جو بڑی تھیں وہ صحابیہ ہیں۔ امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کے قول کے مطابق ان کا نام خیرہ تھا اور ابوحدرد اسلمی کی صاحبزادی تھیں۔

وفات:

حضرت ابودرداءؓ سے دو سال قبل شام میں وفات پائی یہ خلافت عثمان کا زمانہ تھا۔

فضل وکمال:

حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

کانت من فضلی النساء وعقلائهن و ذوات الرای فیهن[1]

''وہ بڑی عاقلہ اور فاضلہ اور صاحب الرائے تھیں''۔

آنحضرت ﷺ اور حضرت ابودرداءؓ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں ان کے شاگرد میمون بن مہران ہیں، جن کی سماعت پر جمہور کا اتفاق ہے، حافظ ابن عبدالبر نے بعض اور راویوں کے نام بھی لکھے ہیں، لیکن یہ سخت غلطی ہے کیونکہ ان میں سے کسی نے ام الدرداء کا زمانہ نہیں پایا۔

اخلاق:

نہایت عابدہ اور زاہدہ تھیں[2]

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۷۳۔

[2] ایضاً۔

Marfat.com

(۳۶) حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

قریش کے خاندان مخزوم سے تھیں، باپ کا نام حارث بن ہشام بن المغیرہ اور ماں کا نام فاطمہ بنت الولید تھا۔ فاطمہ حضرت خالد بن الولید کی ہمشیرہ تھیں۔

نکاح:

عکرمہ بن ابوجہل سے (جو ان کے ابن عم تھے) شادی ہوئی۔

حالات:

غزوہ احد میں کفار کے ساتھ شریک تھیں۔ لیکن جب ۸ھ میں مکہ فتح ہوا تو پھر اسلام سے چارہ نہ تھا، ان کا خسر (ابوجہل) مکہ میں اسلام کا سب سے بڑا دشمن اور کفر کا سرغنہ رہ چکا تھا، شوہر (عکرمہ) کی رگوں میں بھی اس کا خون دوڑتا تھا۔ ماموں (خالد) بھی مدت سے اسلام سے برسر پیکار رہ چکے تھے لیکن بایں ہمہ ام حکیمؓ نے اپنی فطری سلامت روی کی بنا پر فتح مکہ میں اسلام قبول کرنے میں بہت عجلت کی، ان کے شوہر جان بچا کر یمن بھاگ گئے تھے۔ ام حکیمؓ نے ان کے لیے امن کی درخواست کی تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن عفو نہایت کشادہ تھا۔ غرض یمن جا کر ان کو واپس لائیں، اور عکرمہ نے صدق دل سے اسلام قبول کیا، حضرت عکرمہؓ نے مسلمان ہو کر اپنے تمام گناہوں کا کفارہ ادا کیا۔

نہایت جوش سے غزوات میں شرکت کی اور بڑی پامردی اور جانبازی سے لڑے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں رومیوں سے جنگ چھڑی، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ ام حکیم رضی اللہ عنہا کو لے کر شام گئے اجنادین کے معرکہ میں داد شجاعت دے کر شہادت حاصل کی۔ حضرت ام حکیمؓ نے عدت کے بعد خالدؓ بن سعید بن العاص سے نکاح کیا، ۴۰۰ دینار

Marfat.com

مہر باندھا اور رسم عروسی ادا کرنے کی تیاریاں ہوئیں۔ چونکہ نکاح مرج الصفر میں ہوا تھا جو دمشق کے قریب ہے اور ہر وقت رومیوں کے حملہ کا اندیشہ تھا' حضرت ام حکیمؓ نے خالدؓ سے کہا کہ ''ابھی توقف کرو''۔ لیکن خالدؓ نے کہا کہ مجھے اسی معرکہ میں اپنی شہادت کا یقین ہے غرض ایک پل کے پاس جواب قنطرہ ام حکیم کہلاتا ہے رسم عروسی ادا ہوئی' دعوت ولیمہ سے لوگ فارغ نہیں ہوئے تھے کہ رومی آپہنچے اور لڑائی شروع ہوگئی' خالد میدان جنگ میں گئے اور شہادت حاصل کی' حضرت ام حکیمؓ اگرچہ عروس تھیں' تاہم اٹھیں' کپڑوں کو باندھا اور خیمہ کی چوب اکھاڑ کر کفار پر حملہ کیا' لوگوں کا بیان ہے کہ انہوں نے اس چوب سے کافروں کو قتل کیا تھا[1]

وفات:

حضرت ام حکیم کی وفات کا زمانہ معلوم نہیں اولاد کا بھی یہی حال ہے۔

[1] اصابہ ج ۸ ص ۲۲۵۔

Marfat.com

(۳۷) حضرت خنساء رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

تماضر نام، خنساء لقب، قبیلہ قیس کے خاندان سلیم سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے: خنساء بنت عمرو بن الشرید بن رباح بن یقظہ بن عصیہ بن خفاف بن امراء القیس بن بہثہ ابن سلیم بن منصور بن عکرمہ بن حفصہ بن قیس عیلان بن مضر، نجد کی رہنے والی تھیں۔

نکاح:

پہلا نکاح قبیلہ سلیم کے ایک شخص رواحہ بن عبدالعزیز سے ہوا، اس کے انتقال کے بعد مرداس بن ابو عامر کے عقد نکاح میں آئیں[1]

اسلام:

پیری کا زمانہ تھا کہ مکہ کے افق سے ماہتاب رسالت طلوع ہوا۔ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی، تو اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ مدینہ آئیں اور مشرف باسلام ہوئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک ان کے اشعار سنتے اور تعجب کرتے رہے، یہ ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے۔

عام حالات:

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں جب قادسیہ (عراق) میں جنگ ہوئی تو حضرت خنساءؓ اپنے چار بیٹوں کو لے کر میدان میں آئیں اور ان کو مخاطب کر کے یہ نصیحت کی، پیارے بیٹو! تم نے اسلام اور ہجرت اپنی مرضی سے اختیار کی ہے ورنہ تم اپنے ملک کو بھاری نہ تھے اور نہ تمہارے یہاں قحط پڑا تھا، باوجود اس کے تم اپنی بوڑھی ماں کو یہاں

---

[1] طبقات الشعراء لابن قتیبہ ص ۱۹۷ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۴۱)

Marfat.com

لائے اور فارس کے آگے ڈال دیا' خدا کی قسم! تم ایک ماں اور باپ کی اولاد ہو میں نے نہ تمہارے باپ سے خیانت کی اور نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا' تم جانتے ہو کہ دنیا فانی ہے اور کفار سے جہاد کرنے میں بڑا ثواب ہے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ یایھا الذین امنوا اصبرو وصابروا ورابطوا ﴾

اس بنا پر صبح اٹھ کر لڑنے کی تیاری کرو اور آخر وقت تک لڑو"[1] چنانچہ بیٹوں نے ایک ساتھ باگیں اٹھائیں' اور نہایت جوش میں رجز پڑھتے ہوئے بڑھے' اور شہید ہوئے' حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی تو خدا کا شکر ادا کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے لڑکوں کو ۲۰۰ درہم سالانہ وظیفہ عطا کرتے تھے۔ ان کی شہادت کے بعد یہ رقم حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کو ملتی رہی[2]

وفات:

اس واقعہ کے دس برس کے بعد حضرت خنساء رضی اللہ عنہا نے وفات پائی' سال وفات ۲۴ھ ہے۔

اولاد:

چار لڑکے تھے جو قادسیہ میں شہید ہوئے' ان کے نام یہ ہیں' عبداللہ' ابوشجرہ (پہلے شوہر سے تھے) زید' معاویہ (دوسرے شوہر سے)

فضل و کمال:

اقسام سخن میں سے مرثیہ میں حضرت خنساء رضی اللہ عنہا اپنا جواب نہیں رکھتی تھی صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں[3]

اجمع اھل العلم بالشعرانہ لم تکن امرء ۃ قبلھا ولا بعدھا اشعرمنھا.

"یعنی ناقدین سخن کا فیصلہ ہے کہ خنساءؓ کے برابر کوئی عورت شاعر پیدا نہیں ہوئی"۔

لیلائے اخیلیہ کو شعراء نے تمام شاعر عورتوں کا سرتاج تسلیم کیا ہے' تاہم اس میں

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۴۲۔ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً ص ۴۴۱۔

Marfat.com

بھی حضرت خنساء رضی اللہ عنہا مستثنیٰ رکھی گئی ہیں[1] بازار عکاظ میں جو شعرائے عرب کا سب سے بڑا مرکز تھا حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ ان کے خیمے کے دروازہ پر ایک علم نصب ہوتا تھا جس پر یہ الفاظ لکھے تھے ارثی العرب یعنی عرب میں سب سے بڑی مرثیہ گو' نابغہ جو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا شاعر تھا اس کو حضرت خنساء رضی اللہ عنہا نے اپنا کلام سنایا تو بولا کہ اگر میں ابوبصیر (اعشیٰ) کا کلام نہ سن لیتا تو تجھ کو تمام عالم میں سب سے بڑا شاعر تسلیم کرتا[2]

حضرت خنساءؓ ابتداء ایک دو شعر کہتی تھیں۔ لیکن صخر کے مرنے سے ان کو جو صدمہ پہنچا اس نے ان کی طبیعت میں ایک ہیجان پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ کثرت سے مرثیے لکھے ہیں' یہ شعر خاص طور پر مشہور ہے:

وان صخرلنأ تم الهدراة به كأنه فى راسه نار

صخر کے بڑے بڑے لوگ اقتدا کرتے ہیں گویا وہ ایک پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر آگ روشن ہے

حضرت خنساء کا دیوان بہت ضخیم ہے' ۱۸۸۸ء میں بیروت میں مع شرح کے چھاپا گیا ہے اس میں حضرت خنساءؓ کے ساتھ ۶۰ عورتوں کے اور بھی مرثیے شامل ہیں۔ ۱۸۸۹ء میں اس کا فرنچ زبان میں ترجمہ ہوا اور دوبارہ طبع کیا گیا۔

---

1. طبقات الشعراء ص ۱۷۲۔
2. طبقات الشعراء ص ۱۹۸۔

Marfat.com

(۳۸) حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

نام معلوم نہیں، ام حرام کنیت تھی، قبیلہ خزرج کے خاندان بونجار سے تھیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے، ام حرام بنت ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جند بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار، والدہ کا نام ملیکہ تھا۔ جو مالک بن عدی بن زید مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار کی دختر تھیں، اس بنا پر ام حرام حضرت ام سلیم کی بہن اور حضرت انس کی خالہ ہوتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ان کا یہی رشتہ تھا۔

نکاح:

عمرو بن قیس انصاریؓ سے نکاح ہوا[1] لیکن جب انہوں نے احد میں شہادت پائی تو حضرت عبادۃ بن صامت کے عقد نکاح میں آئی۔ جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے۔

عام حالات اور وفات:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی قبا کی طرف تشریف لے جاتے تو حضرت ام حرامؓ کے گھر آتے اور کھانا نوش فرماتے تھے۔ حجۃ الوداع کے بعد ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور کھانا[2] کھا کر آرام فرمایا تو حضرت ام حرامؓ نے جوئیں دیکھنا شروع کیا آپ آپ کو نیند آ گئی لیکن تھوڑی دیر کے بعد مسکراتے ہوئے اٹھے اور فرمایا میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور وہ یہ کہ ''میری امت کے کچھ لوگ سمندر میں غزوہ کے ارادہ سے سوار ہیں''۔ حضرت ام حرامؓ نے کہا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیجیے کہ میں بھی ان میں شامل ہوں''۔ آپ نے دعا کی اور پھر آرام فرمایا، کچھ دیر کے بعد پھر مسکراتے ہوئے اٹھے اور

---

[1] تہذیب ج ۱۲ ص ۴۶۲۔ [2] زرقانی ج ۲ ص ۶۶ و اصابہ ج ۸ ص ۲۲۲ و ۲۲۳۔

Marfat.com

اسی خواب کا اعادہ کیا' حضرت ام حرامؓ نے پھر اپنی شرکت کے لیے دعا کی درخواست کی فرمایا تم پہلی جماعت کے ساتھ ہو'اس خواب کی تعبیر ۲۸ھ میں پوری ہوئی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کے حاکم تھے' انہوں نے متعدد بار جزائر پر حملہ کرنے کی خواہش ظاہر کی' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت نہیں دی' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں انہوں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو اجازت ملی' انہوں نے جزیرہ قبرس (سائپرس) پر حملہ کرنے کے لیے ایک بیڑا تیار کی' اس حملہ میں بہت سے صحابہ شریک تھے' حضرت ابوذرؓ، حضرت ابودرداءؓ، حضرت عبادہؓ بن صامت' حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا بھی ان ہی میں داخل تھیں'[1] بیڑا حمص[2] کے ساحل سے روانہ ہوا اور قبرس فتح ہوگیا۔ واپسی میں حضرت ام حرامؓ سواری پر چڑھ رہی تھیں کہ نیچے گریں اور جاں بحق تسلیم ہوئیں' لوگوں نے وہیں ان کو دفن کر دیا[3]

اولاد:

حضرت ام حرامؓ سے ۳ لڑکے پیدا ہوئے' پہلے شوہر سے قیس اور عبداللہ اور حضرت عبادہؓ سے محمد۔

فضل وکمال:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند حدیثیں روایت کیں' راویوں میں حضرت عبادہؓ، حضرت انسؓ، عمرو بن اسود، عطاء بن یسار اور یعلی بن شداد بن اوس ہیں۔

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۷۵۔ [2] زرقانی ج ؟ ص ۶۱۔

[3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲۹۔

Marfat.com

(۳۹) حضرت ام ورقہ بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

نام معلوم نہیں، ام ورقہ کنیت اور انصار کے کسی قبیلہ سے تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے: ام ورقہ بنت عبداللہ بن حارث بن عویمر بن نوفل۔

اسلام:

ہجرت کے بعد مسلمان ہوئیں۔

غزوات:

غزوۂ بدر پیش آیا تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شرکت کی اجازت مانگی کہ مریضوں کی تیمارداری کروں گی ممکن ہے کہ اس سلسلہ میں شہادت نصیب ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم گھر میں رہو تو خدا تم کو وہیں شہادت عطا فرمائے گا''۔

شہادت:

چونکہ قرآن پڑھی ہوئی تھیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عورتوں کا امام بنایا تھا۔ اس لیے درخواست کی کہ ایک مؤذن بھی مقرر فرمایئے، چنانچہ موذن اذان دیتا اور عورتوں کی امامت کرتی تھیں،[1] راتوں کو قرآن پڑھا کرتیں انہوں نے ایک لونڈی اور ایک غلام کو مدبر بنایا یعنی اس شرط پر آزادی کا وعدہ کیا تھا کہ میرے بعد تم آزاد ہو، ان بدبختوں نے اس وعدے سے (ناجائز) فائدہ اٹھانا چاہا اور رات کو ایک چادر ڈال کر ان کا کام تمام کر دیا، یہ خلافت فاروقی کا واقعہ ہے، صبح کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا، آج خالہ کے قرآن پڑھنے کی آواز نہیں آئی، معلوم نہیں کیسی ہیں؟ مکان میں گئے تو دیکھا

---

[1] عورتوں کی امامت کے متعلق دیباچہ کے صفحہ ۸ پر ایک نوٹ ہے۔ وہ ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

کہ ایک چادر میں لپٹی پڑی ہوئی ہیں نہایت افسوس ہوا اور فرمایا خدا اور رسول نے سچ کہا تھا' آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ''شہیدہ کے گھر چلو'' اس کے بعد منبر پر چڑھے اور کہا غلام اور لونڈی دونوں گرفتار کیے جائیں' چنانچہ وہ گرفتار ہو کر آئے' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو سولی پر لٹکا دیا (یہ دونوں وہ پہلے مجرم ہیں) جن کو مدینہ منورہ میں سولی دی گئی[1]

[1] اصابہ ج ۸ ص ۲۸۹۔

Marfat.com

(۴۰) حضرت ہند رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

ہند نام' قبیلہ قریش سے تھیں' سلسلۂ نسب یہ ہے:

ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبدشمس ابن عبدمناف' ہند کا باپ قریش کا سب سے معزز رئیس تھا۔

نکاح:

فاکہ بن مغیرہ مخزومی سے نکاح ہوا۔ لیکن پھر کسی وجہ سے جھگڑا ہوگیا تو ابوسفیان ابن حرب کے عقد میں آئیں جو قبیلہ امیہ کے مشہور سردار تھے۔

عام حالات:

عتبہ' ابوسفیان اور ہند تینوں کو اسلام سے سخت عداوت تھی اور وہ اسلام کی غیر معمولی ترقی کو نہایت رشک سے دیکھتے تھے۔ اور حتی الامکان اس کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتے تھے۔ ابوجہل ان سب کا سردار تھا۔ لیکن جب بدر کے معرکہ میں جو اسلام اور کفر کا پہلا معرکہ تھا قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ابوجہل اور عتبہ وغیرہ بھی قتل ہوگئے تو ابوسفیان بن حرب نے جو عتبہ کے داماد تھے اس کی جگہ لی اور ابوجہل کی طرح مکہ میں ان کی سیادت مسلم ہوگئی۔

چنانچہ بدر کے بعد سے جس قدر معرکے پیش آئے' ابوسفیان سب میں پیش پیش تھے' غزوہ احد انہی کے جوش انتقام کا نتیجہ تھا۔ اس موقعہ پر ان کے ساتھ ان کی بیوی ہند بھی آئی تھیں جنہوں نے اپنے باپ کے انتقال میں سنگ دلی اور خونخواری کا ایسا خوفناک منظر پیش کیا جس کے تخیل سے جسم لرز اٹھتا ہے۔ حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ کے چچا تھے۔ انہوں نے عتبہ کو قتل کیا تھا۔ ہند ان کی فکر میں تھیں' چنانچہ انہوں نے وحشی کو جو جبیر بن مطعم

Marfat.com

کے غلام اور حربہ اندازی میں کمال رکھتے تھے حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کیا تھا (یہ حضرت وحشیؓ کے قبل از اسلام کا واقعہ ہے) اور یہ اقرار ہوا کہ اس کارگزاری کے صلہ میں آزاد کر دیئے جائیں گے' چنانچہ حضرت حمزہ جب ان کے برابر آئے تو وحشی نے حربہ پھینک کر مارا جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا' حضرت حمزہ نے ان پر حملہ کرنا چاہا' لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح پرواز کر گئی۔

خاتونانِ قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا تھا۔ ان کے ناک کان کاٹ لیے' ہند نے ان پھولوں کا ہار بنایا' اور اپنے گلے میں ڈالا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر گئیں اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئیں لیکن گلے سے اتر نہ سکا' اس لیے اگل دینا پڑا (حضرت ابوسفیانؓ اور ہند کے یہ سب واقعات اسلام قبول کرنے سے پہلے کے ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فعل سے جس قدر صدمہ ہوا تھا' اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ لیکن ایک اور چیز تھی جو ایسے نازک موقعوں پر بھی جبین رحمت کو شکن آلود نہیں ہونے دیتی تھی۔

اسلام:

چنانچہ جب مکہ فتح ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے بیعت لینے کے لیے بیٹھے تو مستورات میں ہند بھی آئیں' شریف عورتیں عموماً نقاب پہنتی تھیں' ہند بھی نقاب پہن کر آئیں' جس سے اس وقت یہ غرض بھی تھی کہ کوئی ان کو پہچاننے نہ پائے' بیعت کے وقت انہوں نے نہایت دلیری سے باتیں کیں جو حسب ذیل ہیں

ہند: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہم سے کن باتوں کا اقرار لیتے ہیں؟

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم): خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

ہند: یہ اقرار آپ نے مردوں سے تو نہیں لیا' لیکن بہر حال ہم کو منظور ہے۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم): چوری نہ کرنا۔

ہند: میں اپنے شوہر کے مال سے کبھی کچھ لے لیا کرتی ہوں معلوم نہیں یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟

Marfat.com

رسول اللہ (ﷺ): اولاد کو قتل نہ کرنا۔

ہند: ربینا ھم صغار او قتلتھم کبار افانت وھم اعلم ہم نے تو اپنے بچوں کو پالا تھا۔ بڑے ہوئے تو جنگ بدر میں آپ نے ان کو مار ڈالا' اب آپ اور وہ باہم سمجھ لیں۔

(اس دیدہ دلیری کے باوجود) آنحضرت ﷺ نے ہند سے درگزر فرمایا (ہند کے قلب پر اس کا بہت اثر ہوا) اور ان کے دل نے اندر سے گواہی دی کہ آپ سچے پیغمبر ہیں' انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اس سے پہلے آپ کے خیمہ سے زیادہ میرے نزدیک کوئی مبغوض خیمہ نہ تھا۔ لیکن اب آپ کے خیمہ سے زیادہ کوئی محبوب خیمہ میرے نزدیک نہیں ہے[1]

حضرت ہند رضی اللہ عنہا مسلمان ہو کر گھر گئیں تو اب وہ ہند نہ تھیں' ابن سعد نے لکھا ہے کہ انہوں نے گھر جا کر بت توڑ ڈالا' اور کہا ہم تیری طرف سے دھوکے میں تھے[2]

(اسد الغابہ میں ان کے حسن اسلام کے متعلق لکھا ہے کہ اسلمت یوم الفتح وحسن اسلامھا۔[3]

غزوات:

فتح مکہ کے بعد اگرچہ اسلام کو غلبہ حاصل ہو گیا تھا' اور اس لیے عورتوں کو غزوات میں شریک ہونے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی' تاہم جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں روم و فارس کی مہم پیش آئی تو بعض مقامات میں اس شدت کارن پڑا کہ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی تیغ و خنجر سے کام لینا پڑا۔ چنانچہ شام کی لڑائیوں میں جنگ یرموک ایک یادگار جنگ تھی' اس میں حضرت ہند اور ان کے شوہر حضرت ابوسفیانؓ دونوں نے شرکت کی اور فوج میں رومیوں کے مقابلہ کا جوش پیدا کیا۔

وفات:

حضرت ہندؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں انتقال کیا۔ اسی دن حضرت ابوبکرؓ کے والد ابوقحافہ نے بھی وفات پائی تھی ابن سعد کی روایت ہے کہ ان کی وفات حضرت عمرؓ

---

[1] صحیح بخاری۔ [2] اصابہ ج ۸ ص ۲۰۶۔ [3] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۶۲۔

Marfat.com

کے زمانہ میں نہیں بلکہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ہوئی' کتاب الامثال سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ اس میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابوسفیانؓ نے وفات پائی (ابوسفیانؓ نے حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں وفات پائی) تو کسی نے حضرت امیر معاویہؓ سے کہا کہ مجھ سے ہند کا نکاح کردو۔ انہوں نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ اب ان کو نکاح کی ضرورت نہیں [1]

اولاد:

اولاد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ زیادہ مشہور ہیں۔

اخلاق:

حضرت ہندؓ میں وہ تمام اوصاف موجود تھے جو ایک عرب عورت کے مابہ الامتیاز ہوسکتے ہیں' صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے:

کانت امرءۃ لھا نفس وانفتہ ورائ وعقل [2]

''ان میں عزت نفس' غیرت رائے وتدبیر اور دانش مندی پائی جاتی تھی''۔

فیاض تھیں' حضرت ابوسفیانؓ ان کو ان کے حوصلہ کے مطابق خرچ نہیں دیتے تھے اسلام لانے کے وقت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عہد لیا کہ چوری نہ کریں تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیانؓ مجھے خرچ نہیں دیتے اگر ان سے چھپا کر لوں تو جائز ہے؟ آپ نے اجازت دی [3]

[1] اصابہ ج ۸ ص ۲۰۶۔ [2] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۶۳۔ [3] صحیح بخاری۔

Marfat.com

(۴۱) حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب اور اسلام:

ام کلثوم کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے، ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط ابن ابی عمرو بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف، والدہ کا نام اروی بنت کریز تھا۔ اس بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اخیافی بھائی بہن ہیں۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا باپ عقبہ بن ابی معیط قبیلہ امیہ کا ایک ممتاز شخص تھا۔ اس کو اسلام سے سخت عداوت تھی، لیکن خدا کی قدرت دیکھو! اس نے اسی ظلمت کدہ میں ایمان کا چراغ روشن کیا، یعنی اس کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا مشرف بہ اسلام ہوئیں۔

ہجرت:

۷ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے مدینہ کی طرف ہجرت کی خزاعہ کے ایک شخص کے ہمراہ مکہ سے پاپیادہ روانہ ہوئیں، چونکہ بھاگ کر نکلیں تھیں، اس لیے ان کے بھائی پیچھے سے آئے، مدینہ پہنچیں تو دوسرے دن وہ بھی پہنچ گئے، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے فریاد کی کہ مجھ کو اپنے ایمان کا خوف ہے، میں عورت ہوں اور عورتیں کمزور ہوتی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ میں یہ شرط کی تھی کہ قریش کا کوئی آدمی مدینہ آئے گا تو واپس کردیا جائے گا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر ہوئی، لیکن چونکہ ان میں عورتیں داخل نہ تھیں اس لیے ان کے متعلق خاص یہ آیت اتری۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ﴾

''مسلمانو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کرکے آئیں تو ان کو جانچ لو خدا ان کے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے اب اگر تم کو معلوم ہو کہ وہ مسلمان

Marfat.com

ہیں تو ان کو کافروں کے ہاں واپس بھیجو"۔

نکاح:

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اب تک کنواری تھیں اس لیے حضرت زید بن حارثہؓ سے کہ بڑے رتبہ کے صحابی تھے ان کا نکاح کیا گیا' لیکن جب زیدؓ نے غزوہ موتہ میں شہادت پائی تو حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے عقد نکاح میں آئیں' لیکن انہوں نے طلاق دے دی اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے نکاح ہوا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص سے نکاح پڑھایا اور یہ آخری نکاح تھا۔

وفات:

ایک مہینہ کے بعد وفات پائی' اس زمانہ میں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ والی مصر تھے۔

اولاد:

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کوئی اولاد نہیں پیدا ہوئی' لیکن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے زینب اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے ابراہیم' حمید' محمد اور اسماعیل پیدا ہوئے۔

فضل وکمال:

حمید اور ابراہیم نے ان سے کچھ حدیثیں روایت کی ہیں۔

Marfat.com

(۴۲) حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

زینب قبیلہ مخزوم سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے، زینب بنت ابی سلمہ بن عبداللہ بن عبدالاسد بن عمرو بن مخزوم حبشہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئیں، اور ان ہی کے ساتھ کچھ زمانہ کے بعد مدینہ کو ہجرت کی، حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ نے دودھ پلایا۔[1] پہلے برہ نام تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب نام رکھا۔[2]

عام حالات:

۴ھ میں ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی، تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آئیں، اس وقت زینب رضی اللہ عنہا شیر خوار تھیں، والدہ ماجدہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آغوش تربیت میں آئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے محبت تھی پیروں چلنے لگیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں، آپ غسل فرماتے تو ان کے منہ پر پانی چھڑکتے تھے، لوگوں کا بیان ہے کہ اس کی یہ برکت تھی کہ بڑھاپے تک ان کے چہرے پر شباب کا آب ورنگ باقی رہا۔

حضرت عبداللہ بن زمعہ بن اسود اسدی سے شادی ہوئی، دو لڑکے پیدا ہوئے، جن میں ایک کا نام ابوعبیدہ تھا۔ ۶۳ھ میں حرہ کی لڑائی میں دونوں کام آئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے سامنے ان کی لاشیں لا کر رکھی گئیں، انہوں نے انا للہ پڑھا اور کہا کہ ''مجھ پر بہت بڑی مصیبت پڑی، ایک تو میدان میں لڑ کر قتل ہوا، لیکن دوسرا تو خانہ نشین تھا لوگوں نے اس کو گھر میں گھس کر مارا''۔

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۹۶ بحوالہ ابن سعد۔

[2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۳۱ باب استحباب تعبیر الاسم القبیح الی حسن۔

Marfat.com

وفات:

بیٹوں کے قتل ہونے کے بعد دس برس زندہ رہیں اور ۷۳ھ میں انتقال فرمایا یہ طارق کی حکومت کا زمانہ تھا[1] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جنازہ میں تشریف لائے۔

فضل وکمال:

حضرت زینب رضی اللہ عنہا فضل و کمال میں شہرہ آفاق تھیں اور اس وصف میں کوئی عورت ان سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھیں' اسد الغابہ میں ہے:

كانت من افقه نسأ زمانها[2]

''وہ اپنے عصر کی فقیہ بیوی تھیں''۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ حدیثیں روایت کیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت ام سلمہؓ' حضرت عائشہؓ' حضرت ام حبیبہؓ اور حضرت زینب بنت جحش سے بھی چند حدیثیں سنیں جن لوگوں نے ان سے حدیث روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں:

امام زین العابدین، ابوعبیدہ' محمد بن عطاء' عراک بن مالک' حمید ابن نافع' عروہ' ابوسلمہ' کلیب بن وائل' ابوقلابہ جرمی۔

---

[1] تہذیب جلد ۲ ص ۴۲۱۔ ([2] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۴۶۹۔)

Marfat.com

(۴۳) حضرت ام ابی ہریرہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

امیمہ نام تھا' باپ کا نام صبیح یا صفیح بن الحارث تھا۔

اسلام:

اگرچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو ان کے صاجزادے تھے' مسلمان ہو چکے تھے' تاہم وہ مشرک تھیں۔ایک دن انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو سخت ناگوار ہوا۔روتے ہوئے خدمت اقدس میں پہنچے اور کہا ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم! اب میری ماں کے مسلمان ہونے کے لیے دعا فرمایئے'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی' ادھر ان کی حالت میں دفعتہً انقلاب پیدا ہوگیا' غسل کر کے کپڑے بدلے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے سامنے کلمہ پڑھا' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرط مسرت سے آبدیدہ ہوگئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا شکر ادا کیا[1]

وفات:

وفات کی تاریخ معلوم نہیں۔

اولاد:

اولاد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ زیادہ مشہور ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۷ (باب فضائل ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

Marfat.com

(۴۴) حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

خولہ نام' ام شریک کنیت' قبیلہ سلیم سے تھیں' آنحضرت ﷺ کی خالہ ہوتی ہیں[1]
نسب نامہ یہ ہے: خولہ بنت حکیم بن امیہ بن حارثہ بن الاوقص بن مرہ بن ہلال بن فالج بن ذکوان بن ثعلبہ بن بہثہ بن سلیم۔

نکاح:

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے' نکاح ہوا۔

عام حالات:

مسلمان ہو کر مدینہ کو ہجرت کی ۲ھ میں غزوہ بدر کے بعد حضرت عثمانؓ بن مظعون نے وفات پائی تو حضرت خولہؓ نے دوسرا نکاح کیا' اکثر پریشان رہتی تھیں صحیح بخاری میں روایت آئی ہے کہ انہوں نے اپنے کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا[2]

فضل وکمال:

آنحضرت ﷺ سے پندرہ حدیثیں روایت کیں' راویان حدیث میں حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ' سعید بن مسیب' بشیر بن سعید' عروہ اور ربیع بن مالک داخل ہیں۔

اخلاق:

اسد الغابہ میں ہے کانت امرأۃ صالحۃ' وہ ایک نیک بی بی تھیں'' مسند میں ہے تصوم النھار و تقوم اللیل ''یعنی دن کو روزہ رکھتی اور رات کو عبادت کرتی تھیں''۔

---

[1] مسند ج ۶ ص ۴۰۹۔

[2] بخاری ج ۲ ص ۷۶۷ (باب ھل للمرأۃ یھب نفسھا لاعد) و (تہذیب ج ۲ ص ۲۱۵)

Marfat.com

ابتداءً زیور کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ اگر طائف فتح ہو تو آپ ﷺ مجھ کو فلاں عورت کا زیور دیجیے گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا' اگر خدا اس کی اجازت نہ دے تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں[1]

[1] اصابہ ج ۸ ص ۷۰۔

Marfat.com

(۴۵) حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

حمنہ نام' حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ ہیں' سلسلہ نسب اوپر گزر چکا ہے۔

نکاح:

حضرت مصعبؓ بن عمیر سے نکاح ہوا۔

عام حالات:

مدینہ کی ہجرت کا شرف حاصل کیا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کی عورتوں سے بیعت لی تو اس میں یہ بھی شامل ہوئیں' مسند ابن حنبل اور ابن سعد وغیرہ میں اکثر عورتوں کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ کانت من المبایعات' اس سے یہی بیعت مراد ہے' چنانچہ حضرت اسماء بنت یزید کے حالات میں ہم اس کا ذکر کر آئے ہیں۔

غزوات میں سے احد میں نہایت نمایاں شرکت کی' وہ پانی پلاتیں اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں' ان کے علاوہ اور عورتیں بھی یہ خدمت انجام دے رہی تھیں' چنانچہ رفیدہؓ اور ام کبشہؓ وغیرہ کی نسبت بھی اسی قسم کی تصریحات موجود ہیں۔

اس واقعہ میں حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی' جن کے بعد انہوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے کہ عشرہ مبشرہ میں تھے' نکاح کیا۔

افک کے واقعہ میں منافقین کے ساتھ غلطی سے جو مسلمان شریک ہو گئے تھے' ان میں حضرت حسان اور حضرت مسطح رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں' چنانچہ صحیح بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے[1]

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹۶۔

Marfat.com

وطفقت اختها حمنة تحارب لها فهلكت فيمن هلك من اصحاب الافك.

''یعنی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بہن حمنہ رضی اللہ عنہا برابر میرے خلاف رہیں' یہاں تک کہ اور اصحاب افک کی طرح برباد ہوئیں''۔

فتح الباری میں ہے کہ حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کے شریک ہونے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں سے گرا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا (اپنی بہن) کو بلند کریں[1] لیکن تعجب ہے کہ خود حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا' چنانچہ اس کا تذکرہ ان کے حالات میں آچکا ہے۔

وفات:

وفات کا سنہ معلوم نہیں' اتنا علم ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات تک زندہ تھیں' حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ۲۰ھ میں وفات پائی ہے۔

اولاد:

حضرت طلحہؓ سے حضرت حمنہ کے دو لڑکے پیدا ہوئے' محمد اور عمران' محمد کو سجاد کے لقب سے شہرت تھی۔

---

۱ فتح الباری ج ۸ ص ۳۶۷۔

Marfat.com

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ

سیر صحابہؓ

(جلد ششم، حصہ دوم)

اُسوۂ صحابیات

جس میں خاص طور پر عورتوں اور لڑکیوں کے درس، ہدایت اور مطالعہ کے لیے ازواج مطہرات، بنات طیبات اور اکابر صحابیاتؓ کی زندگی کے مذہبی اخلاقی معاشرتی واقعات اور مذہبی اخلاقی اور علمی خدمات کی تفصیل مستند حوالوں سے لی گئی ہے

از

مولانا عبدالسلام ندوی

ناشر

اسلامی کتب خانہ

فضل الٰہی مارکیٹ

چوک اُردو بازار، لاہور

فون : 042 - 7223506

Marfat.com

فہرست موضوعات

اُسوۂ صحابیات رضی اللہ عنہن

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
دیباچہ	4	ابواب الصوم	14	تسبیح وتہلیل	20
قبول اسلام	6	صائم الدہر رہنا	14	مقدمات مقدسہ کی زیارت	20
اعلان اسلام	7	نفل کے روزے رکھنا	14	فرائض مذہبی کے ادا	
تحمل شدائد	7	مردوں کی جانب سے		کرنے میں جسمانی	
قطع علائق	8	روزہ رکھنا	14	تکلیفیں اٹھانا	21
عقائد	9	اعتکاف	15	پابندی قسم	21
توحید	9	ابواب الحج	15	تعجیل الرسول ﷺ	22
شرک سے علیحدگی	9	حج	15	برکت اندوزی	22
رسول اللہ کی نبوت پر ایمان	10	ماں باپ کی طرف سے		محافظت یادگار رسولؐ	22
عبادات	11	حج	16	ادب رسول ﷺ	23
ابواب الصلوٰۃ	11	عمرہ ادا کرنا۔	16	حمایت رسول ﷺ	24
پابندی جماعت	11	ابواب الجہاد	17	خدمت رسول ﷺ	24
نماز جمعہ	11	شوق شہادت	17	ہیبت رسول ﷺ	24
نماز اشراق	11	عمل بالقرآن	17	نعت رسول ﷺ	24
تہجد ونماز شبانہ	12	منہیات شرعیہ سے اجتناب	19	پابندی احکام رسول ﷺ	25
ابواب الزکوٰۃ والصدقات	12	مزامیر سے اجتناب	19	رضامندی رسول ﷺ	26
اعزہ واقارب پر صدقہ کرنا	13	مشتبہات سے اجتناب	19	تفویض الی الرسول ﷺ	27
محتاج کی حسب حاجت		مذہبی زندگی کے مظاہر		ضیافت رسول ﷺ	27
امداد	13	مختلفہ	20	محبت رسول ﷺ	28

Marfat.com

مضمون	صفحہ
شوق صحبت رسول ﷺ	28
فضائل اخلاق	29
استعفاف	29
ایثار	29
فیاضی	30
مخالف سے انتقام نہ لینا	30
مہمان نوازی	31
عزت نفس	32
صبر وثبات	32
شجاعت	33
زہد تقشف	33
زندہ دلی	34
رازداری	34
عفت وعصمت	34
حسن معاشرت	35
مصالحت وصفائی	35
صلۂ رحمی	35
ہدیہ دینا	36
خادموں کے ساتھ سلوک	37
باہمی اعانت	37
عیادت	38
تیمارداری	38
عزاداری	38
محبت اولاد	39
بھائی بہن سے محبت	39
حمایت والدین	40
پرورش یتامی	40
اموال یتامی کی نگہداشت	41
بچوں کی پرورش	41
شوہر کے مال واسباب کی حفاظت	42
شوہر کی رضاجوئی	43
شوہر کی محبت	43
طرز معاشرت	46
غربت وافلاس	46
لباس	46
مکان	47
اثاث البیت	47
زیورات	47
سامان آرائش	47
اپنا کام خود کرنا	47
پردہ	48
معاملات	49
ادائے قرض کا خیال	49
قرض کا ایک حصہ معاف کردینا	50
تقسیم وراثت میں دیانت	50
خدمات	50
مذہبی خدمات	50
اشاعت اسلام	50
نومسلموں کا تکفل	51
خدمت مجاہدین	52
خدمت مساجد	53
بدعات کا استیصال	53
احتساب	54
اخلاقی خدمات	55
نردبازی کی روک ٹوک	55
شراب خواری کی روک ٹوک	55
مصنوعی بال لگانے کی ممانعت	56
علمی خدمات	56
علم تفسیر	56
علم اسرار الدین	62
علم حدیث	70
فن درایت	70
علم فقہ	73
خاتمہ: مناقب صحابیات	75

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

عورتوں کی تعلیم و تربیت کے مسئلہ سے اصولاً کسی کو اختلاف نہیں‘ گفتگو جو کچھ ہے یہ ہے موجودہ دور کی تعلیم و تربیت سے متمتع ہو کر ایک مسلمان عورت‘ مذہب‘ اخلاق اور معاشرت کے قدیم اصول کو قائم رکھ سکے گی یا نہیں؟ یا دوسرے الفاظ میں قدیم اسلامی روایات کا تحفظ کر سکے گی یا نہیں؟ جن لوگوں کو مسئلہ تعلیم نسواں سے اختلاف ہے‘ وہ اس شبہہ کو اپنی دلیل قرار دیتے ہیں اور موجودہ دور میں تعلیم یافتہ مردوں نے جو مذہبی‘ اخلاقی اور معاشرتی نمونے قائم کیے ہیں ان سے بھی اس شبہہ کی تائید ہوتی ہے اور غیر قوموں کی تعلیم یافتہ عورتوں نے بھی ہماری خواتین کے لیے کوئی عمدہ نمونہ قائم نہیں کیا ہے لیکن اسلام کی قدیم تاریخ ہمارے سامنے عورت کا بہترین اور اصلی نمونہ پیش کرتی ہے اور آج جب کہ زمانہ بدل رہا ہے‘ یورپین تمدن اور طرز معاشرت سے ہمارے جدید تعلیم یافتہ لوگ بھی بیزاری ظاہر کر رہے ہیں اگر ہماری عورتوں کے سامنے اسلام کی ممتاز اور برگزیدہ خواتین کا نمونہ پیش کر دیا جائے تو ان کی فطرتی لچک اس سے اور بھی زیادہ متاثر ہو سکے گی اور موجودہ دور کے مؤثرات سے بیزار ہو کر خالص اسلامی اخلاق‘ اسلامی معاشرت اور اسلامی تمدن کا نمونہ بن جائے گی۔

اسلام کے ہر دور میں اگرچہ عورتوں نے مختلف حیثیتوں سے امتیاز حاصل کیا ہے لیکن ازواج مطہرات‘ بنات طیبات اور اکابر صحابیات رضی اللہ عنہن ان تمام حیثیات کی جامع ہیں

Marfat.com

اور ہماری عورتوں کے لیے انہی کے مذہبی' اخلاقی' معاشرتی اور علمی کارنامے اسوۂ حسنہ بن سکتے ہیں اور موجودہ دور کے تمام معاشرتی اور تمدنی خطرات سے ان کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

میں نے اسوۂ صحابہ کی دونوں جلدوں میں عہد صحابہؓ کے جو مذہبی' اخلاقی' معاشرتی اور علمی واقعات جمع کیے ہیں ان میں اگرچہ صحابیات رضی اللہ عنہن کے یہ تمام کارنامے بھی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں لیکن ان کی اہمیت' ان کی عظمت اور ان کی اسلامی خدمات کے لحاظ سے میں نے ان واقعات کو جو اس کتاب کی دونوں جلدوں میں متفرق طور پر موجود تھے' متعدد واقعات کے اضافہ کے ساتھ مختصر سے رسالہ میں الگ جمع کر دیا ہے جس سے ایک طرف تو یہ فائدہ ہوگا کہ صحابیات رضی اللہ عنہن کی مذہبی اخلاقی' معاشرتی اور علمی زندگی ایک مستقل حیثیت اختیار کر لے گی' دوسری طرف ہماری عورتوں اور لڑکیوں کے درس ہدایت اور مطالعہ کے لیے مستند اور مؤثر واقعات کا ایک مجموعہ مرتب ہو جائے گا' جس پر عمل کر کے وہ خالص اسلامی تعلیمات کا بہترین نمونہ بن جائیں گی' اور ان کی تعلیم و تربیت کے متعلق جو شبہات ظاہر کیے جا رہے ہیں ان کی عملی تردید کر سکیں گی' وَمَا تَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللّٰهِ .

عبدالسلام ندوی

شبلی منزل' اعظم گڑھ

۱۳ دسمبر ۱۹۲۲ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قبول اسلام

لطافت طبع رقت قلب اور اثر پذیری ایک نیک سرشت انسان کا اصلی جوہر ہیں اوران ہی کے ذریعہ سے وہ ہر قسم کی پندوموعظت، تعلیم وتربیت اور ارشادو ہدایت کو قبول کرسکتا ہے، پھولوں کی پنکھڑیاں نسیم صبح کی خاموش حرکت سے ہل جاتی ہیں لیکن تناور درخت کو بادصرصر کے جھونکے بھی نہیں ہلا سکتے، شعاع نگاہ آئینہ کے اندر سے گزر جاتی ہے لیکن پتھروں پر فولادی تیر بھی اثر نہیں کرتے، بعینہ یہی حال انسان کا بھی ہے، لطیف الطبع اور رقیق القلب آدمی ہر دعوت حق کو آسانی سے قبول کرلیتا ہے لیکن سنگ دل اور غلیظ القلب لوگوں پر بڑے بڑے معجزے بھی اثر نہیں کرتے اس فرق مراتب کی جزئی مثالیں ہر جگہ مل سکتی ہیں لیکن اشاعت اسلام کی تاریخ تمام تر اسی قسم کی مثالوں سے لبریز ہے کفار میں ہم کو بہت سے اشقیاء کا نام معلوم ہے جنہوں نے ہزاروں کوششوں کے بعد بھی خدائے ذوالجلال کے آگے سر نہیں جھکایا لیکن صحابہ کرامؓ میں سینکڑوں بزرگ ہیں جو توحید کی آواز سننے کے ساتھ ہی اسلام کے حلقے میں داخل ہو گئے صحابہ کے ساتھ صحابیات بھی اس فضیلت میں شریک ہیں اور نہ صرف شریک ہیں بلکہ ان سے اسبق واقدم ہیں چنانچہ سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بغیر کسی قسم کی کدو کاوش اور جبرو اکراہ کے اسلام قبول کرنے کے ساتھ ہی اپنے خدا کے آگے سر جھکایا، تاریخ ابن الخمیس[1] میں حضرت رافعؓ سے مروی ہے:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثت یوم الاثنین وصلت خدیجۃ آخر یوم الاثنین وصلی علی یوم الثلاثاء من الغد ثم زید بن حارثہ ثم ابوبکر.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دوشنبہ کے دن مبعوث ہوا اور خدیجہؓ نے اس دن کے آخری حصہ میں نماز پڑھی اور علی نے دوسرے دن منگل کو نماز پڑھی اس

[1] ص ۲۸۶۔

Marfat.com

کے بعد زید بن حارثہ اور ابوبکر شریک نماز ہوئے''۔

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آفتاب رسالت سے پہلے دن جو شعاع افق عالم پر چمکی وہ ایک رقیق القلب مقدس خاتون کے سینۂ پرنور سے چھن کر نکلی۔

اعلان اسلام:

ابتدائے اسلام میں اسلام قبول کرنے سے زیادہ اظہار اسلام کے لیے ہمت' شجاعت اور جسارت کی ضرورت تھی لیکن باوجود کفار کی روک ٹوک اور جور وستم کے صحابہؓ کے ساتھ صحابیات نے بھی نہایت جرأت و بے باکی کے ساتھ اپنے اسلام کا اظہار کیا چنانچہ ابتدا میں جن سات بزرگوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا ان میں چھ آدمی یعنی خود رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت بلالؓ، حضرت خبابؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت عمارؓ مرد تھے اور ساتویں ایک غریب صحابیہ یعنی حضرت عمار کی والدہ حضرت سمیہ تھیں[1]

صحابیات نے اپنی نیک طینتی سے صرف آسانی کے ساتھ اسلام ہی کو قبول نہیں کیا' بلکہ انہوں نے نہایت آسانی کے ساتھ اسلام کی اشاعت بھی کی' چنانچہ صحیح بخاری کتاب التیمم میں ہے کہ صحابہ کرام نے ایک سفر میں ایک عورت کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اس کے پاس پانی کے مشکیزے تھے اور صحابہ نے پانی ہی کی ضرورت سے اس کو پکڑا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کا پانی لیا تو اس کی قیمت ادا فرمائی اس کو آپ کی اس دیانت سے اسی وقت آپ کی نبوت کا یقین آ گیا' اور اس کے اثر سے اس کا تمام قبیلہ بھی مسلمان ہو گیا۔

تحمل شدائد:

صحابہ کرام کے ساتھ صحابیات نے بھی اسلام کے لیے ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کیں اور ان کے ایمان میں ذرہ برابر بھی تزلزل واقع نہیں ہوا۔ حضرت سمیہؓ نے اسلام قبول کیا تو ان کو کفار نے طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کیں سب سے سخت اذیت یہ تھی کہ ان مکہ کو تپتی ریت میں لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیتے تھے لیکن بایں ہمہ

---

[1] تاریخ خمیس ص ۲۵۷۔

Marfat.com

وہ اسلام پر ثابت قدم رہتی تھیں ایک دن کفار نے حسب معمول ان کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں زمین پر لٹا دیا تھا اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا تو فرمایا ''صبر کرو تمہارا ٹھکانہ جنت میں ہے'' لیکن کفار کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی اور ابوجہل نے ان کی ران میں برچھی مار کر ان کو شہید کر دیا چنانچہ اسلام میں سب سے پہلے شرف شہادت ان ہی کو نصیب ہوا[1] اور صحابیات کی یہ سب سے بڑی فضیلت ہے کہ سب سے پہلے ایک صحابیہ نے اسلام قبول کیا اور سب سے پہلے ایک صحابیہ نے شرف شہادت حاصل کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن جب اسلام لائیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا حال معلوم تو اس قدر مارا کہ بدن لہولہان ہو گیا لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ جو کچھ کرنا ہو کرو میں تو اسلام لا چکی[2] لبینہ رضی اللہ عنہا کو بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ میں نے رحم کی بنا پر نہیں بلکہ تم کو اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ تھک گیا ہوں''۔ اسی طرح وہ زنیرہ رضی اللہ عنہا کو بھی جو ان کے گھرانے کی کنیز تھیں' نہایت اذیت دیتے تھے۔

قطع علائق:

صحابہ کرام ایمان لائے تو ان کے تمام رشتے ناتے منقطع ہو گئے لیکن اس سے ان کی قوت ایمانی میں کوئی تزلزل واقع نہیں ہوا' صحابیات کی حالت اس معاملہ میں صحابہ کرام سے بھی زیادہ نازک تھی انسان اگرچہ اپنے تمام اعزہ واقارب کی اعانت کا محتاج ہو جاتا ہے لیکن عورت کی زندگی کا تمام تر دارومدار شوہر کی اعانت و امداد پر ہوتا ہے اور وہ کسی حالت میں بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتی' باپ بیٹے سے' بیٹا باپ سے قطع تعلق کر کے زندگی بسر کر سکتا ہے لیکن عورت شوہر سے جدا ہو کر بالکل بے کس و بیچارہ ہو جاتی ہے لیکن بایں ہمہ صحابیات رضی اللہ عنہن نے اسلام کے لیے اس نازک رشتے کو بھی منقطع کیا اور اپنے کافر شوہروں سے ہمیشہ کے لیے علیحدہ ہو گئیں چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ولا تمسکوا بعصم الکوافر﴾

''کافرہ عورتوں سے تعلق نہ رکھو''۔

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا۔ [2] ایضاً تذکرہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔

Marfat.com

تو جس طرح صحابہ کرام نے اپنی کافرہ عورتوں کو طلاق دے دی' اسی طرح بہت سی صحابیات رضی اللہ عنہن بھی کافر شوہروں کو چھوڑ کر ہجرت کر آئیں اور ان میں سے ایک بھی اپنے شوہر کے پاس واپس نہ گئی چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

مانعلم ان احداً من المهاجرات ارتدت بعد ایمانها[1]

''ہم کو کسی ایسی مہاجرہ عورت کا حال معلوم نہیں جو ایمان لا کر مرتد ہوئی ہو''۔

عقائد

توحید:

کفار نے صحابیات رضی اللہ عنہن کو طرح طرح کی اذیتیں دیں' لیکن ان کی زبان سے کلمہ توحید کے سوا کلمہ شرک نہیں نکلا' حضرت ام شریک ایمان لائیں تو ان کے اعزہ و اقارب نے ان کو دھوپ میں لے جا کر کھڑا کر دیا اس حالت میں جب وہ دھوپ میں جل رہی تھیں روٹی کے ساتھ شہد جیسی گرم چیز کھلاتے اور پانی پلاتے تھے جب اس مصیبت میں تین دن گزر گئے تو ظالموں نے کہا کہ ''جس مذہب پر تم ہو اب اس کو چھوڑ دو'' وہ اس قدر بدحواس ہو گئی تھیں کہ ان جملوں کا مطلب نہ سمجھ سکیں اب ظالموں نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بتایا تو سمجھیں کہ توحید الٰہی کا انکار مقصود ہے' بولیں خدا کی قسم میں تو اب تک اس پر قائم ہوں[2]

شرک سے علیحدگی:

عورتیں قدیم رسم و رواج اور عقائد کی پابند ہوتی ہیں اور عرب میں مشرکانہ عقائد ایک مدت سے پھیل کر قلوب میں راسخ ہو گئے تھے لیکن صحابیات نے اسلام لانے کے ساتھ ہی شدت کے ساتھ ان عقائد کا انکار کیا' عرب کا خیال تھا کہ جو لوگ بتوں کی برائی بیان کرتے ہیں' وہ مختلف امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں اس لیے حضرت زنیرہؓ اسلام لانے کے بعد اندھی ہو گئیں تھیں تو کفار نے کہنا شروع کیا ان کو لات اور عزیٰ نے

---

[1] بخاری کتاب الشروط ذکر صلح حدیبیہ۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام شریکؓ۔

Marfat.com

اندھا کر دیا' لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ لات وعزیٰ کو اپنے پوجنے والوں کی کیا خبر یہ خدا کی طرف سے ہے[1]

جاہلیت کے زمانہ میں بچوں کے بچھونوں تلے نیچے استرا رکھ دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس طرح بچے آسیب سے محفوظ رہتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک بار کسی بچے کے سرہانے استرا دیکھا تو منع فرمایا اور کہا ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹوٹکے سخت ناپسند فرماتے تھے[2]

عرب میں شرک کا اصلی مرکز بت تھے جو گھر گھر میں نصب تھے لیکن صحابیاتؓ نے ہر موقع پر ان سے تبری ظاہر کی' چنانچہ حضرت ہند بنت عتبہ جب ایمان لائیں تو گھر میں بت نصب تھے اس کو توڑ پھوڑ ڈالا اور کہا کہ ''ہم تیری نسبت بڑے دھوکے میں مبتلا تھے'' [3]

حضرت ابوطلحہؓ نے جب ام سلیم سے نکاح کی خواہش کی تو انہوں نے کہا ''ابوطلحہؓ کیا تم کو یہ خبر نہیں کہ جس خدا کو پوجتے ہو وہ ایک درخت ہے (یعنی لکڑی کا بت) جو زمین سے اگا ہے' اس کو فلاں حبشی نے گڑھ کر تیار کیا ہے'' بولے ''مجھے معلوم ہے'' بولیں کیا تمہیں اس کی عبادت سے شرم نہیں آتی چنانچہ جب تک انہوں نے بت پرستی سے توبہ کر کے کلمہ توحید نہیں پڑھا' انہوں نے ان سے نکاح کرنا پسند نہیں کیا[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اعتقاد نہ صرف صحابیات کے لوح دل پر کالنقش فی الحجر تھا بلکہ ان کی چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کے دلوں پر بھی یہ عقیدہ نہایت شدت سے راسخ ہو گیا تھا ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکی کو بددعا دے دی کہ ''تیرا سن زیادہ نہ ہو'' اس نے شدت اعتقاد کی بنا پر اس کا یقین کر لیا اور حضرت ام سلیمؓ کے پاس روتی ہوئی آئی اور کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ بددعا دی ہے اب میرا سن نہ بڑھے گا وہ بدحواس آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا آپ نے میری یتیمہ کو یہ بددعا دے دی'' آپ ہنس پڑے اور فرمایا میں بھی آدمی ہوں اور آدمیوں کی طرح خوش اور رنجیدہ ہوتا ہوں پس جس کو ایسی

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت زنیرہؓ۔ [2] ادب المفرد باب الطیرۃ من الجن۔
[3] طبقات ابن سعد تذکرہ ہند بنت عتبہؓ۔ [4] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام سلیمؓ۔

Marfat.com

بددعا دوں جس کا وہ مستحق نہیں ہے تو یہ اس کے لیے پاکی تزکیہ اور نیکی ہوگی [1]

عبادات

ابواب الصلوٰۃ

پابندی جماعت:

اگرچہ عورتوں پر جماعت کی پابندی فرض نہیں ہے اور اس بنا بعض غیور صحابہ جماعت میں اپنی عورتوں کی شرکت کو پسند بھی نہیں کرتے تھے تاہم بعض صحابیات پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا تھا اور وہ مناسب اوقات میں نماز باجماعت ادا فرماتی تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بی بی برابر عشاء اور فجر کی نماز میں شریک جماعت ہوتی تھیں، ایک بار ان سے لوگوں نے کہا تمہیں معلوم ہے کہ عمر اس کو پسند نہیں کرتے پھر کیوں ایسا کرتی ہو، بولیں تو پھر روک کیوں نہیں دیتے [2]

نماز جمعہ:

عورتوں پر اگرچہ جمعہ فرض نہیں ہے تاہم صحابیات اس دن کی بہت عزت کرتی تھیں اور اس کی برکتوں میں عمدہ طریقوں سے شریک ہوتی تھیں ایک صحابیہ تھیں جو اپنے کھیتوں میں چقندر بودیا کرتی تھیں جب جمعہ کا دن آتا تو اس کو پکا کر نماز جمعہ کے بعد تمام صحابہ کو کھلاتی تھیں [3]

نماز اشراق:

نماز اشراق اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے تمام عمر میں صرف ایک بار پڑھی تھی لیکن بعض صحابیات رضی اللہ عنہن نے اس کا التزام کرلیا تھا

---

[1] مسلم کتاب البر والصلۃ الآداب باب من لعنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وسبہ ودعا علیہ۔

[2] بخاری باب ھل علیٰ من لا یشھد الجمعۃ غسل من النساء والصبیان وغیرھم۔

[3] بخاری کتاب الجمعۃ فی قول اللہ عزوجل فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغو من فضل اللہ۔

Marfat.com

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی نماز اشراق پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن میں خود پڑھتی ہوں کیونکہ آپ بہت سی چیزوں کو پسند فرماتے تھے لیکن اس پر عمل نہیں کرتے تھے کہ امت پر فرض نہ ہو جائیں"۔[1]

تہجد و نماز شبانہ:

صحابہ کرام تہجد پڑھتے تھے تو اس میں صحابیات بھی شریک ہوتی تھیں چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کو تہجد کے لیے اپنے اہل و عیال کو جگاتے تھے تو یہ آیت پڑھتے تھے وَامُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى[2] حضرت ابو ہریرہؓ نے رات کے تین حصے کر دیئے تھے ایک میں خود دوسرے میں ان کی بیوی اور تیسرے میں ان کا خادم تہجد پڑھتا تھا' اور ایک دوسرے کو جگاتا تھا۔[3]

ابواب الزکوٰۃ والصدقات

زیور عورتوں کو سب سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں لیکن صحابیات رضی اللہ عنہن کو خدا کی مرضی ان سے بھی زیادہ عزیز تھی ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک صحابیہؓ اپنی لڑکی کو لے کر حاضر ہوئیں لڑکی کے ہاتھ میں سونے کے موٹے موٹے کنگن تھے آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کیا تم اس کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ بولیں نہیں فرمایا "تمہیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ خدا قیامت کے دن اس کے بدلے میں اس کے ہاتھ میں آگ کے کنگن پہنائے انہوں نے یہ سنا تو فوراً کنگن آپ کے سامنے ڈال دیئے کہ یہ خدا اور خدا کے رسول کے ہیں۔[4]

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے خطبہ عید میں صدقہ و خیرات کی ترغیب دی صحابیاتؓ کا مجمع تھا حضرت بلال رضی اللہ عنہ دامن پھیلائے ہوئے تھے اور صحابیاتؓ اپنے کان کی بالیاں' گلے کے ہار اور انگلیوں کے چھلے تک پھینکتی جاتی تھیں'[5] حضرت اسماءؓ کے پاس صرف ایک

---

[1] مسلم کتاب الصلوٰۃ باب استحباب الصلوٰۃ الضحیٰ۔ [2] موطا کتاب الصلوٰۃ باب فی صلوٰۃ اللیل۔

[3] بخاری کتاب الاطعمہ باب الحشف۔ [4] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب الکنز ما ھو و زکوٰۃ الحلی۔

[5] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الخطبہ و باب الصلوٰۃ۔

Marfat.com

لونڈی تھی انہوں نے اس کو فروخت کیا اور روپیہ گود میں لے کر بیٹھیں اسی حالت میں ان کے شوہر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آئے اور کہا کہ روپیہ مجھے دے دو بولیں میں نے تو اس کو صدقہ کر دیا"[1]

اعزہ واقارب پر صدقہ کرنا:

ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعود کی بی بی حضرت زینبؓ نے ان سے کہا کہ تم نادار ہو، رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اگر آپ اجازت دیں تو میں صدقہ کرنا چاہتی ہوں تمہیں کو دوں، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ تمہیں جاؤ، وہ آئیں تو آستان مبارک پر اسی غرض سے ایک دوسری صحابیہ بھی موجود تھیں دونوں نے حضرت بلالؓ کے ذریعہ سے پوچھوایا کہ دو عورتیں اپنے شوہروں اور چند یتیموں پر جو ان کی کفالت میں ہیں صدقہ کرنا چاہتی ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ آپ نے فرمایا ان کو دو دو ثواب ملیں گے۔ ایک قرابت کا دوسرا صدقہ کا۔

ایک بار حضرت ام سلمہؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ اگر میں ابوسلمہؓ کے لڑکوں پر صدقہ کروں تو مجھ کو ثواب ملے گا میں ان کو چھوڑ نہیں سکتی کیونکہ وہ میرے لڑکے ہیں آپ نے فرمایا ہاں تمہیں ثواب ملے گا۔

ایک صحابیہؓ نے اپنی ماں کو ایک لونڈی صدقۃً دی تھی ماں کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ سے اس کی نسبت دریافت کیا آپ نے فرمایا صدقے کا ثواب تمہیں مل چکا اور اب وہ لونڈی تمہاری وراثت میں داخل ہو گئی[2]

محتاج کی حسب حاجت امداد:

صحابیات موت و حیات دونوں حالتوں میں اہل حاجت کی اعانت و امداد فرماتی تھیں غزوہ احد میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آئیں اور اپنے بھائی حضرت حمزہ سید الشہداؓ کے کفن کے لیے دو کپڑے لائیں لیکن ان کی لاش کے پاس ایک انصاری کی لاش تھی اسی طرح برہنہ نظر آئی دل میں شرمائیں کہ حمزہ دو کپڑوں میں کفنائے جائیں اور انصاری

[1] مسلم کتاب الآداب جواز ارواف المراۃ الاجنبیۃ۔ [2] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب من تصدق بصدقۃ ثم ورثہا۔

Marfat.com

کے لیے ایک کپڑا بھی نہ ہو نا پا تو ایک کا قد بڑا نکلا مجبوراً کپڑے پر قرعہ ڈالا گیا اور ج
کپڑا جس کے حصے میں پڑا وہ اسی میں کفنایا گیا[1]

ابواب الصوم

صائم الدہر رہنا:

آج ہماری عورتیں صوم مفروضہ سے بھی لیت ولعل کرتی ہیں لیکن بعض صحابیات صائم الدھر رہتی تھیں یعنی ہمیشہ روزہ رکھتی تھیں حضرت ابوامامہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے بار بار دعائے شہادت کی درخواست کی' لیکن آپ نے سلامتی کی دعا فرمائی' اخیر میں عرض کی کہ کسی ایسے عمل کی ہدایت فرمایئے کہ خدا مجھے نفع دے آپ نے روزہ کا حکم دیا اور انہوں نے متصل روزہ رکھنے کا التزام کرلیا' ان کے ساتھ ان کے خادم اور بی بی نے بھی اس عمل صالح میں شرکت کی اور روزہ ان کے گھر کی امتیاری علامت ہوگئی' اگر کسی دن ان کے گھر میں دھواں اٹھتا تو لوگ سمجھتے کہ آج ان کے گھر میں کوئی مہمان آیا ہے ورنہ اس گھر میں دن کا کھانا کیونکر پک سکتا ہے[2]

نفل کے روزے:

بعض صحابیہ نفل کے روزے رکھتی تھیں' جس سے ان کے شوہر کو تکلیف ہوتی تھی' انہوں نے روکا تو سخت ناگوار ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا کر شکایت کی لیکن آپؐ نے حکم دیا کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر نفل کا روزہ نہیں رکھ سکتی[3]

مردوں کی جانب سے روزہ رکھنا:

صحابیات نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اپنے مردوں کی جانب سے بھی روزے رکھتی تھیں' ایک صحابیہ نے رسول اللہؐ سے کہا کہ میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے اور اس پر

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ا ص ۱۵۶۔ [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۵۵۔

[3] ابوداؤد کتاب الصیام باب المراۃ تصوم بغیر اذن زوجہا۔

Marfat.com

روزے فرض تھے کیا میں ان کو پورا کر دوں؟ آپ نے ان کو اجازت دے دی[1]

اعتکاف:

صحابیات کو اعتکاف کا اس قدر شوق تھا کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کے لیے خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا خیمہ الگ نصب کروایا ان کی دیکھا دیکھی تمام ازواج نے بھی خیمے نصب کروائے[2]

ابواب الحج

حج:

فرائض اسلام میں اگرچہ حج صرف ایک بار فرض ہے لیکن صحابیات کو ایک بار کے حج سے کیا تسکین ہو سکتی تھی اس لیے تقریباً ہر سال فریضہ حج ادا کرتی تھیں ایک بار حضرت عائشہؓ نے رسول اللہؐ سے جہاد کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا' بہترین جہاد حج مبرور ہے' اس کے بعد ان کا کوئی سال سے حج سے خالی نہ گیا[3]

صحابیات جس ذوق وشوق سے حج ادا کرتی تھیں اس کا موثر منظر حجۃ الوداع میں دنیا کو نظر آیا رسول اللہؐ نے اعلان حج کیا تو حضرت اسماء بنت عمیسؓ اگرچہ حاملہ تھیں لیکن وہ بھی روانہ ہوئیں۔ بہت سے صحابہؓ حجۃ الوداع کی شرکت کے لیے جارہے تھے راستے میں رسولؐ سے ملاقات ہوئی تو ایک صحابیہ جھپٹ کے آپ کے پاس آئیں اور ہودج سے اپنے بچے کو نکال کر پوچھا کیا اس کا حج بھی ہو سکتا ہے؟ فرمایا ہاں تمہیں اس کا ثواب ملے گا[4]

صحابیات فریضہ حج کے ادا کرنے میں طرح طرح کا التزام مالایلتزم کرتی تھیں ایک صحابیہ نے خانہ کعبہ تک پاپیادہ جانے کی نذر مانی' رسول اللہؐ سے دریافت کیا تو آپ

---

[1] بخاری کتاب الصوم باب من مات وعلیہ صوم۔ [2] ابوداؤد کتاب الصیام باب فی الاعتکاف۔

[3] بخاری کتاب الحج باب حج النساء۔ [4] ابوداؤد کتاب المناسک باب فی الصبی الحج۔

Marfat.com

نے فرمایا' پا پیادہ بھی چلو[1] اور سوار بھی ہولو' اگر کسی مجبوری سے حج فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو جاتا تو صحابیات کو سخت صدمہ ہوتا تھا حجۃ الوداع میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ضرورت نسوانی سے معذوری ہوگئی رسول اللہؐ کا گزر ہوا دیکھا کہ رو رہی ہیں فرمایا کیا ماجرا ہے؟ بولیں کہ میں نے اب تک حج نہیں کیا تھا' فرمایا سبحان اللہ یہ تو فطری چیز ہے' تمام مناسک حج ادا کرلو صرف خانہ کعبہ کا طواف نہ کرو[2]

ماں باپ کی طرف سے حج ادا کرنا:

صحابیات نہ صرف خود بلکہ اپنے ماں باپ کی جانب سے بھی حج ادا کرتی تھیں حجۃ الوداع کے زمانہ میں ایک صحابیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ میرے باپ پر حج فرض ہوگیا تھا لیکن وہ بڑھاپے کی وجہ سے سواری پر بیٹھ نہیں سکتے' کیا میں ان کی جانب سے حج ادا کر دوں''؟ آپ ان کو اس کی اجازت دی'[3] ایک صحابیہ کی ماں کا انتقال ہو چکا تھا' وہ آپ کی خدمت میں آئیں اور کہا کہ میری ماں نے حج نہیں کیا کیا میں اس کی جانب سے یہ فرض ادا کروں''؟ آپ نے ان کو بھی اجازت دی[4]

عمرہ ادا کرنا:

عمرہ فرض ہو یا نہ ہو لیکن صحابیات اس کو نہایت پابندی سے ادا کرتی تھیں اور جب وہ فوت ہو جاتا تھا تو ان کو سخت قلق ہوتا تھا حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جن لوگوں کے پاس ہدی نہ ہو وہ عمرہ ادا کر سکتے ہیں تو خیمے میں آ کر دیکھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رو رہی ہیں' وجہ پوچھی تو بولیں کہ میں ضرورت نسوانی سے مجبور ہوں لیکن لوگ دو دو فرض (حج و عمرہ) کا ثواب لے کر جاتے ہیں اور میں صرف ایک کا' فرمایا کوئی حرج نہیں خدا تم کو عمرہ کا بھی ثواب عطا فرمائے گا' چنانچہ آپ نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو ساتھ کر دیا اور مقام تنعیم میں انہوں نے جا کر عمرہ کا احرام باندھا اور آدھی رات کو فارغ ہو کر آئیں[5]

---

[1] بخاری کتاب الحج باب وجوب الحج وفضلہ۔ [2] ابوداؤد کتاب المناسک باب فی افراد الحج۔
[3] بخاری کتاب الحج باب وجوب الحج وفضلہ۔ [4] مسلم کتاب الصوم باب قضاء الصیام عن المیت۔
[5] بخاری ابواب العمرۃ کتاب الحج۔

Marfat.com

ابواب الجہاد

شوق شہادت:

عہد نبوت میں شہادت ایک ابدی زندگی خیال کی جاتی تھی اس لیے ہر شخص اس آب حیات کا پیاسا رہتا تھا حضرت ام ورقہؓ بنت نوفل ایک صحابیہ تھیں، جب غزوہ بدر پیش آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھ کو شریک جہاد ہونے کی اجازت عطا فرمائی جائے میں مریضوں کی تمارداری کروں گی شاید مجھے درجہ شہادت حاصل ہو جائے آپ نے فرمایا گھر ہی میں رہو خدا تمہیں اسی میں شہادت دے گا یہ معجزانہ پیش گوئی کیونکر غلط ہو سکتی تھی، انہوں نے دو غلام مدبر کیے تھے[1] دونوں نے ان کو شہید کر دیا کہ جلد آزاد ہو جائیں[2]

عمل بالقرآن

صحابیاتؓ پر قرآن کا شدت سے اثر پڑتا تھا ایک بار حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ قرآن مجید کی یہ آیت:

﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾

''جو شخص کوئی بھی برائی کرے گا اس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا''۔

نہایت سخت ارشاد ہوا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا تم کو خبر نہیں کہ مسلمان کے پاؤں میں اگر کانٹا بھی چبھ جاتا ہے تو وہ اس کے اعمال بد کا معاوضہ ہو جاتا ہے، بولیں لیکن خدا تو کہتا ہے:

﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا﴾

---

[1] مدبران غلاموں کو کہتے ہیں جن سے آقا کہہ دیتا ہے کہ وہ ان کی موت کے بعد آزاد ہو جائیں گے اس لیے قدرتی طور پر یہ لوگ آقا کی موت کے متمنی ہوتے ہیں۔ [2] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب امامۃ النساء۔

Marfat.com

''خدا ذرا ذرا سی برائی کا بھی حساب لے گا''۔

فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر عمل خدا کی بارگاہ میں پیش ہوگا' عذاب اسی کو دیا جائے گا جس کے حساب میں ردوقدح[1] ہوگی''۔ اس اثر پذیری کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابیات نہایت سرعت کے ساتھ قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنے کو تیار ہو جاتی تھیں حضرت ابوحذیفہؓ بن عتبہ نے حضرت سالم کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا اس لیے زمانہ جاہلیت کے رسم و رواج کے مطابق ان کو حقیقی بیٹے کے حقوق حاصل ہو گئے تھے' لیکن جب قرآن مجید کی یہ آیت:

﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ﴾ ''ان کو ان کے حقیقی باپوں کے بیٹے کہہ کر پکارا کرو''۔

نازل ہوئی تو ان کی بی بی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ سالم پہلے ہمارے ساتھ گھر میں رہتے تھے اور ان سے کوئی پردہ نہ تھا' اب آپ کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ دودھ پلا دو' وہ تمہارے رضاعی بیٹے ہو جائیں گے''۔[2]

زمانہ جاہلیت میں عرب کی عورتیں نہایت بے پروائی کے ساتھ دوپٹہ اوڑھتی تھیں اس لیے سینہ اور سر وغیرہ کھلا رہتا تھا' اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ﴾

''عورتوں کو چاہیے کہ اپنے دوپٹوں کو اپنے سینوں پر ڈال لیں''۔

اس کا یہ اثر ہوا کہ عورتوں نے اپنے تہ بند اور متفرق کپڑوں کو پھاڑ کر دوپٹے بنائے اور اپنے آپ کو سیاہ چادروں میں اس طرح ڈھانپ لیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے مطابق یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے سروں کے آشیانے بن گئے ہیں۔[3]

---

[1] ابوداؤد کتاب الجنائز باب الامراض المکفرۃ الذنوب۔ [2] ابوداؤد کتاب النکاح باب من حرم بہ۔
[3] ابوداؤد کتاب اللباس باب فی قول اللہ تعالیٰ ولیضربن بخمرھن۔

Marfat.com

منہیات شرعیہ سے اجتناب

مزامیر سے اجتناب:

راگ باجا تو بڑی چیز ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ حال تھا کہ اونٹ کی گھنٹی کی آواز سننا بھی پسند نہیں کرتی تھیں اگر سامنے سے گھنٹی کی آواز آتی تو ساربان سے کہتیں کہ ٹھہر جاؤ تاکہ یہ آواز سننے میں نہ آئے اگر سن لیتیں تو کہتیں کہ تیزی کے ساتھ چلو تاکہ میں اس آواز کو نہ سن سکوں [1]

ایک بار ایک لڑکی ان کے گھر میں گھنگرو پہنے داخل ہوئی گھنگرو کی آواز سننے کے ساتھ ہی بولیں کہ گھنگرو پہنے ہوئے وہ میرے پاس نہ آنے پائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس گھر میں اس قسم کی آوازیں آتی ہیں اس میں فرشتے نہیں آتے [2]

مشتبہات سے اجتناب:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو چیز مشتبہ ہے اس کو چھوڑ کر وہ چیز اختیار کرو جو چیز مشتبہ نہیں ہے' حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی لیکن ان کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں پس جو شخص مشتبہ گناہوں کو چھوڑ دے گا وہ کھلے ہوئے گناہوں کا سب سے زیادہ چھوڑنے والا ہوگا اور جو شخص مشتبہ گناہوں کا مرتکب ہوگا بہت ممکن ہے کہ کھلے ہوئے گناہوں کا مرتکب ہو جائے گناہ خدا کی چراگاہ ہے اور جو شخص چراگاہ کے آس پاس چرائے گا ممکن ہے کہ اس کے مویشی اس میں پڑ جائیں'' صحابیات اس حدیث پر نہایت شدت سے عامل تھیں ایک صحابیہ نے اپنی لونڈی کو اپنی ماں پر صدقہ کر دیا تھا وہ مرگئیں تو اس لونڈی کی حالت مشتبہ ہوگئی صدقہ کر چکی تھیں اور صدقہ کا مال واپس لینا جائز نہیں ماں اس کی مالکہ ہوگئی تھیں اور اس کے مرنے کے بعد یہ اس کی وارث ہوگئی تھیں اس لیے وہ ان کو

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۱۵۲۔ [2] ایضاً ص ۲۴۲۔

Marfat.com

وراثت میں مل سکتی تھی اس اشتباہ کے رفع کرنے کے لیے وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور واقعہ بیان کیا آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں صدقہ کا ثواب مل چکا اور اب وہ تمہاری وراثت میں آ گئی[1]

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی ماں قتیلہ کافرہ تھیں اور حضرت ابوبکرؓ نے زمانہ جاہلیت ہی میں ان کو طلاق دے دی تھی' ایک بار وہ حضرت اسماءؓ کے پاس متعدد چیزیں ہدیہ لے کر آئیں چونکہ یہ کافرہ کا ہدیہ تھا اس لیے حضرت اسماءؓ نے ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ سے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کروایا آپ نے اس کے قبول کرنے کی اجازت دے دی[2]

مذہبی زندگی کے مظاہر مختلفہ

تسبیح وتہلیل:

تسبیح وتہلیل پاک مذہبی زندگی کی مخصوص علامات ہیں اور صحابیات میں یہ علامت پائی جاتی ہے' ایک صحابیہؓ سامنے کنکری یا گٹھلی رکھ کر تسبیح پڑھ رہی تھیں رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا اس کی کیا ضرورت ہے؟ میں اس سے آسان ترکیب بتاتا ہوں' اس کے بعد ایک دعا بتا دی۔[3]

مقامات مقدسہ کی زیارت:

حصول برکت کا شوق صحابیات کو مقامات مقدسہ کی طرف کھینچ کر لے جاتا تھا ایک بار ایک صحابیہ بیمار ہوئیں اور یہ نذر مانی کہ اگر خدا شفا دے گا تو بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھوں گی' صحت یاب ہوئیں تو سامان سفر کیا اور رخصت ہونے کے لیے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ انہوں نے کہا مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھ لو' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کی ہزاروں نمازوں سے بہتر ہے[4]

[1] ابوداؤد کتاب الوصایا باب ماجاء فی الرجل یہب ابہتہ ثم یوحی لہ۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت اسماءؓ۔
[3] ابوداؤد کتاب ابواب قصر لیع شہر رمضان باب التسبیح بالحصی ۔ [4] مسلم باب الصلوٰۃ مسجد المدینہ ومکہ۔

Marfat.com

ایک صحابیہؓ نے مسجد قبا تک پاپیادہ جانے کی نذر مانی تھی، ابھی پوری کرنے بھی نہیں پائی تھیں کہ انتقال ہو گیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فتویٰ دیا کہ ان کی صاحبزادی نذر پوری کریں[1]

فرائض مذہبی ادا کرنے میں جسمانی تکلیفیں اٹھانا:

شوق عبادت ہر قسم کی جسمانی تکلیفوں کو آسان کر دیتا ہے اور صحابیات میں یہ شوق موجود تھا اس لیے وہ ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرتی تھی اور فرائض اسلام کو بخوشی ادا کرتی تھیں حضرت حمنہ بنت جحشؓ ایک صحابیہ تھیں ان کا معمول تھا کہ برابر مصروف نماز رہتی تھیں جب تھک جاتی تھیں تو ستون مسجد میں ایک رسی باندھ رکھی تھی اس سے لٹک جاتی تھیں رسول اللہ ﷺ نے اس رسی کو دیکھا تو فرمایا، ان کو صرف اسی قدر نماز پڑھنی چاہیے جو ان کی طاقت میں ہو اگر تھک جائیں تو بیٹھ جانا چاہیے چنانچہ وہ رسی کھلوا کر پھینک دی[2]

پابندی قسم:

ہم لوگ بات بات پر قسم کھایا کرتے ہیں اور ہم کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہ کس قدر ذمہ داری کا کام ہے لیکن صحابیات بہت کم قسم کھاتی تھیں اور جس بات پر قسم کھا لیتی تھیں اس کو پورا کرتی تھیں ایک بار حضرت عائشہؓ عبداللہ بن زبیرؓ سے ناراض ہو گئیں اور قسم کھالی کہ اب ان سے بات چیت نہ کریں گی لیکن جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے معافی مانگ لی اور دوسرے صحابہؓ نے بھی سفارش کی تو رو کر کہنے لگیں:

انی نذرت والنذر شدید "میں نے نذر مان لی ہے اور نذر کا معاملہ نہایت سخت ہے"۔

بالآخر اصرار و سفارش سے ان کا قصور معاف کر دیا تو اس کفارۂ قسم میں ۴۰ غلام آزاد کیے[3]

---

[1] موطائے امام محمد باب الرجل یحلف بالمشی الی بیت اللہ۔

[2] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب النعاس فی الصلوۃ۔

[3] بخاری کتاب الادب باب الہجرۃ۔

Marfat.com

تبجیل رسول صلی اللہ علیہ وسلم

برکت اندوزی:

صحابیات ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے برکت اندوز ہوتی رہتی تھیں اس لیے جو بچہ پیدا ہوتا' صحابیات سب سے پہلے اس کو آپ کی خدمت میں حاضر کرتیں آپ بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتے' اپنے منہ میں کھجور ڈال کر اس کے منہ میں ڈالتے اور اس کے لیے برکت کی دعا فرماتے[1]

محافظت یادگار رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

صحابیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگاروں کو جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں' حضرت عائشہؓ کے پاس ایک جبہ محفوظ تھا' جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت اسماءؓ نے اس کو لے لیا اور محفوظ رکھا چنانچہ جب کوئی شخص آپ کے خاندان میں بیمار ہوتا تھا تو شفا حاصل کرنے کے لیے اس کو دھو کر اس کا پانی پلاتیں تھیں[2]

جن کپڑوں میں آپ کا وصال ہوا تھا حضرت عائشہؓ نے ان کو محفوظ رکھا تھا' چنانچہ ایک دن انہوں نے ایک صحابی کو ایک یمنی تہ بند اور ایک کمبل دکھا کر کہا کہ خدا کی قسم آپ نے انہی کپڑوں میں داعی اجل کو لبیک کہا تھا[3]

ایک بار ایک صحابیہ نے آپ کی دعوت کی آپ نے کھانے کے بعد جس مشکیزہ سے پانی پیا اس کو انہوں نے محفوظ رکھا جب کوئی شخص بیمار ہوتا یا برکت حاصل کرنے کا موقع آتا تو وہ اس سے پانی پیتی اور پلاتی تھیں[4]

جب آپ حضرت انسؓ کے گھر تشریف لاتے تھے تو ان کی والدہ آپ کے پسینے کو نچوڑ کر

[1] مسلم کتاب الفضائل باب فی قرب النبی من الناس وتبرکم۔ [2] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۳۴۸۔
[3] ابوداؤد کتاب اللباس فی باب لبس الصوف والشعر۔
[4] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام نیار رضی اللہ عنہا۔

Marfat.com

ایک شیشی میں بھر لیتی تھیں اور اس کو محفوظ رکھتی تھیں[1]

غزوۂ خیبر میں آپ نے ایک صحابیہ کو خود دست مبارک سے ایک ہار پہنایا تھا' وہ اس کی اس قدر قدر کرتی تھیں کہ عمر بھر اس کو گلے سے جدا نہیں کیا اور جب انتقال کرنے لگیں تو وصیت کی کہ ان کے ساتھ وہ بھی دفن کر دیا جائے[2]

ایک دن آپ ام سلیمؓ کے مکان پر تشریف لائے گھر میں ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا آپ نے اس کا دہانہ اپنے منہ سے لگایا اور پانی پیا' حضرت ام سلیمؓ نے مشکیزے کے دہانے کو کاٹ کر اپنے پاس بطور یادگار رکھ لیا[3]

آپ حضرت شفاء بنت عبداللہ کے یہاں کبھی کبھی قیلولہ فرماتے تھے اس غرض سے انہوں نے آپ کے لیے ایک بستر اور ایک خاص تہ بند بنوالیا تھا جس کو پہن کر آپ استراحت فرماتے تھے اور یہ یادگاریں ایک مدت تک آپ کے خاندان میں محفوظ رہیں آخیر میں مروان نے ان سے لے لیا[4]

ادب رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

صحابیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو دربار نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و عظمت کے لحاظ سے تمام کپڑے زیب تن کر لیتیں' ایک صحابیہ فرماتی ہیں:

جمعت علی ثیابی فاتیت[5] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.

''میں نے تمام کپڑے پہن لیے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی''۔

اگر ناواستگی کی حالت میں بھی کوئی کلمہ آپ کی شان کے خلاف منہ سے نکل جاتا تو اس کی معافی چاہتیں ایک صحابیہ کا بچہ مر گیا اور وہ اس پر رو رہی تھی آپ کا گزر ہوا تو فرمایا ''خدا سے ڈرو اور صبر کرو'' بولیں تمہیں میری مصیبت کی کیا پرواہ ہے؟ آپ چلے گئے تو لوگوں نے کہا

---

[1] بخاری کتاب الاستیذان باب من زار قوما فقال عندھم۔ [2] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۳۸۰۔

[3] ابوداؤد کتاب اللباس باب فی لبس الصوف والشعر۔ [4] طبقات ابن سعد تذکرہ ام سلیم۔

[5] ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی عدۃ الحامل' اسد الغابہ تذکرہ حضرت شفاءؓ بنت عبداللہ۔

Marfat.com

یہ رسول اللہ ﷺ تھے، دوڑی ہوئی آئیں اور عرض کی کہ میں نے حضور ﷺ کو نہیں پہچانا۔[1]

حمایت رسول ﷺ:

صحابیات اپنے دلوں میں نہایت شدت کے ساتھ آپ کی حمایت کی آرزو رکھتی تھیں حضرت طلیب بن عمیرؓ اسلام لائے، اور اپنی ماں اروی بنت عبدالمطلب کو اس کی خبر دی تو بولیں کہ تم نے جس شخص کی حمایت کی وہ اس کا سب سے بڑا مستحق تھا اگر مردوں کی طرح ہم بھی استطاعت رکھتیں تو آپ کی حفاظت کرتے اور آپ کی خاطر لڑتیں۔''[2]

خدمت رسول ﷺ:

صحابیات رسول اللہ ﷺ کی خدمت کو اپنا سب سے بڑا اشرف خیال کرتی تھیں حضرت سلمیٰؓ ایک صحابیہ تھیں انہوں نے اس استقلال کے ساتھ آپ کی خدمت کی کہ ان کو خادمۂ رسول کا لقب حاصل ہوا۔[3]

سفینہ حضرت سلمہؓ کی والدہ کی لونڈی تھی☆ انہوں نے اس کو اس شرط پر آزاد کرنا چاہا کہ وہ اپنی عمر آپ ﷺ کی خدمت گزاری میں صرف کرے اس نے کہا ''اگر آپ یہ شرط نہ بھی کرتیں تب بھی میں تا نفس واپسیں آپ کی خدمت سے علیحدہ نہ ہوتی۔[4]

ہیبت رسول ﷺ:

رسول اللہ ﷺ کی پر عظمت روحانیت سے صحابیات اس قدر مرعوب ہو جاتی تھیں کہ جسم پر رعشہ پڑ جاتا تھا ایک بار حضرت خدیجہؓ نے آپ کو مسجد میں اکڑو بیٹھے ہوئے دیکھا ان پر آپ کے اس خشوع و خضوع کی حالت کا یہ اثر پڑا کہ کانپ اٹھیں۔[5]

نعت رسول ﷺ:

صحابیات کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں تک آپ کی مدح میں رطب اللسان رہتی تھیں آپ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو لڑکیاں دف بجا بجا یہ شعر گاتی پھرتی تھیں:

---

[1] ابوداؤد کتاب الجنائز باب الصبر عند الصدمہ۔ [2] استعیاب تذکرہ حضرت خطیب بن عمرؓ۔ [3] ابوداؤد کتاب الطب باب الحجامۃ۔ [4] کتاب العتق باب فی العتق علی الشرط۔ [5] شمائل ترمذی ماجاء فی حلیۃ رسول اللہ ﷺ۔ ☆ یہ مصنف کا سہو ہے۔ سفینہ صحابیہ نہیں بلکہ صحابی تھے۔ (محمد عرفان الحسن)

Marfat.com

نحن جوار من بنی النجار یا حبذا محمدا من جار

''ہم خاندان بنونجار کی لڑکیاں ہیں محمد ﷺ کتنے اچھے پڑوسی ہیں''

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

''ثنیۃ الوداع کی گھاٹیوں سے ہم پر چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا ہے''

پردہ نشین عورتیں یہ اشعار پڑھتی تھیں:

وجب الشکر علینا مادعی للہ داعی

''جب تک دعا کرنے والے دعا کریں ہم پر خدا کا شکر واجب ہے''

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رخصت ہو کر آئیں تو چھوکریاں دف بجا بجا کر واقعات بدر کے متعلق اشعار گاتی تھیں ان میں ایک یہ مصرعہ گایا:

وفینا نبی یعلم ما فی غد

''ہم میں ایک پیغمبر ہے جو کل کی بات جانتا ہے''

تو آپ نے روک دیا اور کہا کہ وہی گاؤ جو پہلے گا رہی تھیں [1]

پابندی احکام رسول ﷺ:

صحابیات رسول اللہ ﷺ کے احکام کی نہایت شدت کے ساتھ پابندی کرتی تھیں آپ نے شوہر کے علاوہ اور اعزہ کے ماتم کے لیے صرف تین دن مقرر فرمائے تھے صحابیات نے اس کی اس شدت کے ساتھ پابندی کی کہ جب حضرت زینبؓ بنت جحش کے بھائی کا انتقال ہوا تو چوتھے دن کچھ عورتیں ان سے ملنے آئیں تو انہوں نے ان سب کے سامنے خوشبو لگائی اور کہا کہ مجھے خوشبو کی ضرورت نہ تھی، لیکن میں نے آپ سے سنا ہے کہ کسی مسلمان عورت کو شوہر کے سوا تین دن سے زیادہ کسی کا ماتم کرنا جائز نہیں'' اس لیے یہ اسی حکم کی تعمیل تھی۔

جب حضرت ام حبیبہؓ کے والد نے انتقال کیا، تو انہوں نے تین روزہ کے بعد تیل لگایا خوشبو ملی اور کہا مجھے اس کی ضرورت نہ تھی، صرف آپ کے حکم کی تعمیل مقصود تھی [2]

---

[1] بخاری کتاب النکاح باب ضرب الدف فی النکاح۔ [2] ابوداؤد کتاب الطلاق باب احداد المتوفی عنہا زوجہا۔

Marfat.com

ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک سائل آیا' انہوں نے روٹی کا ایک ٹکڑا دے دیا پھر اس کے بعد ایک خوش لباس شخص آیا تو انہوں نے اس کو بٹھا کر خوب کھانا کھلایا لوگوں نے اس تفریق وامتیاز پر اعتراض کیا' تو بولیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

انزلو الناس علی قدر منازلھم. "لوگوں کو ان کے درجہ پر رکھو"۔

ایک بار آپ مسجد سے نکل رہے تھے دیکھا کہ راستے میں مرد عورت مل جل کر چل رہے ہیں عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا پیچھے رہو تم وسط راہ سے نہیں گزر سکتیں"۔ اس کے بعد عورتوں کا یہ حال ہو گیا کہ گلی کے کنارے سے اس طرح لگ کر چلتی تھیں کہ ان کے کپڑے دیواروں سے الجھ جاتے تھے[1]

رضامندی رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

صحابیات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی کی ہمیشہ فکر رہتی تھی اس لیے اگر آپ کبھی ناراض ہو جاتے تھے تو ہر ممکن تدبیر سے آپ کے رضامند کرنے کی کوشش کرتی تھیں آپ جب حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے تو تمام بی بیاں ساتھ تھیں سوء اتفاق سے راستہ میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ تھک کر بیٹھ گیا وہ رونے لگیں آپ کو خبر ہوئی تو خود تشریف لائے اور دست مبارک سے ان کے آنسو پونچھے آپ جس قدر ان کو رونے سے منع فرماتے تھے اسی قدر وہ اور زیادہ روتی تھیں جب کسی طرح چپ نہ ہوئیں تو آپ نے ان کی سرزنش فرمائی اور تمام لوگوں کو منزل کا حکم دیا اور خود بھی اپنا خیمہ نصب کروایا' اب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو خیال ہوا کہ آپ ان سے ناراض ہو گئے اس لیے آپ کی رضامندی کی تدبیریں اختیار کیں اس غرض سے عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنی باری کا دن کسی چیز کے معاوضہ میں نہیں دے سکتی لیکن اگر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے راضی کر دیں تو میں اپنی باری کا دن آپ کو دیتی ہوں' حضرت عائشہؓ نے آمادگی ظاہر کی اور ایک دوپٹہ اوڑھا جو زعفرانی رنگ میں رنگا ہوا تھا پھر اس پر پانی کے

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب فی مشی النساء فی الطریق۔

Marfat.com

چھینٹے دیئے کہ خوشبو خوب پھیلے' اس کے بعد آپ کی خدمت میں گئیں اور خیمہ کا پردہ اٹھایا تو آپ نے فرمایا عائشہ یہ تمہاری باری کا دن نہیں ہے' بولیں:

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء[1] ''یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے''۔

تفویض الی الرسول:

عورت کے لیے نکاح کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے لیکن صحابیات نے اپنے آپ کو بالکل رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں دے دیا تھا' اس لیے آپ جس سے چاہتے تھے ان کا نکاح کر دیتے تھے اور وہ بخوشی اس کو قبول کر لیتی تھیں حضرت فاطمہ بنت قیس ایک صحابیہ تھیں جن سے ایک طرف تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف جو نہایت دولت مند صحابی تھے نکاح کرنا چاہتے تھے دوسری طرف آپ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کے متعلق ان سے گفتگو کی تھی لیکن حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نے آپ کو اپنی قسمت کا مالک بنا دیا اور کہا کہ میرا معاملہ آپ کے ہاتھ میں ہے جس سے چاہے نکاح کر دیجیے[2]

حبیبؓ ایک ظریف الطبع صحابی تھے جو راستوں میں بھی ظرافت اور مذاق کی باتیں کرتے تھے اس لیے صحابہ ان کو عموماً ناپسند کرتے تھے ایک بار آپ نے ان کے لیے ایک انصاری لڑکی سے پیغام نکاح دیا انہوں نے کہا اس کی ماں سے مشورہ کر لوں' ماں نے حبیب کا نام سنا تو انکار کیا لیکن لڑکی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی بات نامنظور نہیں کی جا سکتی مجھے آپ کے حوالے کر دو خدا مجھے ضائع نہ کرے گا''۔[3]

ضیافت رسول:

اگر خوش قسمتی سے صحابیات کو کبھی رسول اللہ ﷺ کی ضیافت کا موقع ملتا تو نہایت عزت' محبت اور ادب کے ساتھ اس فرض کو بجا لاتیں ایک بار آپ حضرت ام حرامؓ کے مکان پر تشریف لے گئے تو انہوں نے دعوت کی آپ نے قبول فرمائی اور وہیں قیلولہ فرمایا[4]

ایک بار ایک صحابی نے آپ کی دعوت کی دعوت کھا کر آپ روانہ ہوئے تو ان

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۳۴۸۔ [2] نسائی کتاب النکاح' الخطبہ فی النکاح۔

[3] مسند جلد ۴ ص ۴۲۲۔ [4] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی رکوب البحر فی الغزو۔

Marfat.com

کی بی بی نے پردے سے سر نکال کر کہا کہ ''یارسول اللہ ﷺ مجھ پر اور میرے شوہر پر درود بھیجتے جایئے'' آپ نے فرمایا ''خدا تم پر اور تمہارے شوہر پر رحمت نازل فرمائے''[1]

بعض صحابیات خود کوئی نئی چیز پکا کر آپ کی خدمت میں پیش کرتی تھیں ایک بار حضرت ام ایمنؓ نے آٹا چھانا اور اس کی روٹیاں تیار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیں آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ بولیں ہمارے ملک میں اس کا رواج ہے میں نے چاہا کہ آپ کے لیے بھی اس قسم کی روٹیاں تیار کروں لیکن آپ نے کمال زہد و تقشف سے فرمایا ''آٹے میں چوکر ملا کر پھر گوندھو''[2]

محبت رسول ﷺ:

صحابیات کے دل آپ کی محبت سے لبریز تھے اور وہ اس کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتی تھیں حضرت ام عطیہؓ ایک صحابیہ تھیں وہ جب آپ کا ذکر کرتیں تو فرط محبت سے کہتیں بابا یعنی میں آپ پر قربان[3]

آپ جب کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو صحابیات فرط محبت سے آپ کی واپسی اور سلامتی کے لیے نذریں مانتی تھیں' ایک بار آپ کسی غزوہ سے واپس آئے تو ایک صحابیہ نے کہا یارسول اللہ ﷺ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر خدا آپ کو صحیح و سالم واپس لائے گا تو میں آپ کے سامنے دف بجا بجا کر گیت گاؤں گی[4]

شوق صحبت رسول ﷺ:

صحابیات کے دل میں آپ کی صحبت سے مستفیض ہونے کا نہایت شوق رہتا تھا حضرت قیلہؓ بیوہ ہوگئیں تو بچوں کو ان کے چچا نے لے لیا' اب وہ تمام دنیوی جھگڑوں سے آزاد تھیں اس لیے ایک صحابی کے ساتھ خدمت مبارک میں حاضر ہوئیں اور آپ کی تعلیمات و تلقینات سے عمر بھر فائدہ اٹھایا[5]

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۳۹۸۔ [2] سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ۔ [3] نسائی کتاب الحیض باب شہود الحیض العیدین و دعوت المسلمین۔ [4] ترمذی کتاب المناقب مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب۔

[5] طبقات ابن سعد تذکرۂ حضرت قیلہؓ۔

Marfat.com

فضائل اخلاق

استعفاف:

فیض تربیت نبویؐ نے صحابیات کے ایک ایک فرد کو غیرت، خودداری اور عزت نفس کا مجسمہ بنا دیا تھا اس لیے وہ کسی کے سامنے دست سوال نہیں پھیلاتی تھیں ماں باپ سے مانگتے ہوئے کسی کو شرم نہیں آتی لیکن صحابیات کی غیرت اس کو بھی گوارا نہیں کرتی تھی کہ ماں باپ سے بھری محفل میں سوال کیا جائے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کے کام کاج سے تنگ آ گئیں تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ لونڈی غلام آئے، حاضر خدمت ہوئیں کہ آپ سے ایک غلام مانگیں، دیکھا کہ آپ سے کچھ لوگ باتیں کر رہے ہیں شرم کے مارے واپس آئیں [1]

ایثار:

فیاضی ایک اخلاقی وصف ہے لیکن ایثار فیاضی کی اعلیٰ ترین قسم ہے اور وہ صحابیات میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی، حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں اپنی قبر کے لیے جگہ مخصوص کر رکھی تھی لیکن جب حضرت عمرؓ نے درخواست کی تو انہوں نے یہ تختۂ جنت ان کو دے دیا اور فرمایا:

کنت اریده لنفسی ولا وثرن به الیوم علیٰ نفسی۔[2]

''میں نے خود اپنے لیے اس کو محفوظ رکھا تھا لیکن آج اپنے اوپر آپ کو ترجیح دیتی ہوں''۔

ایک دن وہ روزہ سے تھیں گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا ایک مسکین عورت آئی انہوں نے لونڈی سے کہا کہ روٹی اس کو دے دو اس نے کہا افطار کس چیز سے کیجیے گا، بولیں دے تو دو شام ہوئی تو کسی نے بکری کا گوشت بھجوا دیا، لونڈی کو بلا کر کہا ''یہ تیری روٹی سے بہتر ہے''۔[3]

---

[1] ابوداؤد کتاب الآداب باب فی التسبیح۔ [2] بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ۔

[3] موطا امام مالک کتاب الجامع باب الترغیب فی الصدقہ۔

Marfat.com

فیاضی:

صحابہ کی طرح اسلام کو صحابیات کی فیاضی سے بھی بہت کچھ ثبات و استحکام حاصل ہوا' حضرت ام سلیمؓ نے اپنا نخلستان خاص رسول اللہ ﷺ کے لیے وقف کر دیا تھا۔[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس قدر فیاض تھیں کہ جو کچھ ہاتھ آ جاتا اس کو صدقہ کر دیتی تھیں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ان کو اس فیاضی سے روکنا چاہا تو اس قدر برہم ہوئیں کہ ان سے بات چیت نہ کرنے کی قسم کھالی[2] حضرت اسماءؓ اس سے بھی فیاض تھیں حضرت عائشہؓ کا معمول یہ تھا کہ جمع کرتی جاتی تھیں جب معتد بہ سرمایہ جمع ہو جاتا تھا تو اس کو تقسیم کر دیتی تھیں لیکن حضرت اسماء کل لیے کچھ نہیں رکھتیں تھیں روز خرچ کر دیا کرتی تھیں[3]

ایک بار حضرت منکدر بن عبداللہ حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے بولیں کہ تمہارے کوئی لڑکا ہے انہوں نے کہا "نہیں" فرمایا اگر میرے پاس دس ہزار درہم ہوتے تو میں تم کو دے دیتی حسن اتفاق سے شام ہی کو حضرت امیر معاویہؓ نے ان کے پاس روپے بھیجے بولیں کس قدر جلد میری آزمائش ہوئی' فوراً آدمی بھیج کر ان کو بلوایا اور دس ہزار درہم دے دیئے انہوں نے اس رقم سے ایک لونڈی خرید لی' اور اس سے ان کے متعدد بچے پیدا ہوئے[4]

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں حضرت زینبؓ بنت جحش نہایت فیاض تھیں' وہ اپنے ہاتھ سے چمڑے کی دباغت کرتی تھیں اور جو کچھ آمدنی ان سے ہوتی تھی' مساکین کو دے دیتی تھیں ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا وہ مجھے سب سے پہلے ملے گا اس بنا پر ازواج مطہراتؓ اپنے ہاتھوں کو ناپتی تھیں' حضرت زینبؓ کے ہاتھ سب سے چھوٹے تھے' لیکن جب سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا تو ازواج مطہراتؓ کو معلوم ہوا کہ لمبے ہاتھ سے فیاضی مراد تھی[5]

مخالف سے انتقام نہ لینا:

اگر مخالف کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو انتقام لینے کا اس سے بہتر کوئی موقع

---

[1] صحیح بخاری۔ [2] بخاری کتاب المناقب باب مناقب قریش۔ [3] ادب المفرد باب السخاوۃ۔
[4] طبقات ابن سعد تذکرۂ منکدر بن عبداللہ۔ [5] اصابہ تذکرہ حضرت زینبؓ بنت جحش۔

Marfat.com

نہیں مل سکتا لیکن صحابیاتؓ کے دل میں خدااور رسول کی محبت نے بغض وانتقام کی جگہ کب چھوڑی تھی؟ حضرت عائشہؓ اور حضرت زینبؓ میں باہم نوک جھونک رہی تھی لیکن جب حضرت عائشہؓ پر اتہام لگایا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے ان کی اخلاقی حالت دریافت فرمائی تو بجائے اس کے کہ وہ انتقام لیتیں' بولیں کہ میں اپنے کان اور اپنی آنکھ کی پوری حفاظت کرتی ہوں' مجھے ان کی نسبت بھلائی کے سوا کچھ معلوم نہیں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خود اعتراف ہے:

وھی اللتی تسامینی فعصمھا اللہ بالورع [1]

''وہ اگرچہ میری حریف تھیں' لیکن خدا نے تورع کی وجہ سے ان کو بچالیا''

انتقام تو بڑی چیز ہے' صحابیاتؓ اپنے مخالفوں سے بغض رکھنا بھی پسند نہیں کرتی تھیں' حضرت معاویہؓ بن خدیج نے حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکر کو قتل کر دیا تھا ایک بار وہ کسی فوج کے سپہ سالار تھے' حضرت عائشہؓ نے ایک شخص سے پوچھا کہ اس غزوہ میں معاویہ کا سلوک کیسا رہا؟ اس نے کہا ''ان میں کوئی عیب نہ تھا سب لوگ ان کے مداح رہے' اگر کوئی اونٹ ضائع ہو جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا اونٹ دے دیتے تھے اگر کوئی گھوڑا مر جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا گھوڑا دے دیتے تھے اگر کوئی غلام بھاگ جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا غلام دے دیتے تھے حضرت عائشہؓ نے یہ سن کر کہا استغفر اللہ اگر میں ان سے اس بنا پر بغض کروں کہ انہوں نے میرے بھائی کو قتل کیا' میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا کہ خدا! اس کو جو شخص میری امت کے ساتھ ملاطفت کرے' تو بھی اس کے ساتھ ملاطفت کر' اور جو شخص اس پر سختی کرے تو بھی اس پر سختی کر'' [2]

مہمان نوازی:

حضرت ام شریکؓ نہایت دولت مند اور فیاض صحابیہ تھیں انہوں نے اپنے مکان کو گویا مہمان خانہ بنا دیا تھا' اس لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں باہر سے جو مہمان

---

[1] بخاری کتاب الشہادات باب تعدیل النساء بعضھن بعضا۔ [2] اسد الغابہ تذکرۂ حضرت معاویہ بن خدیج۔

Marfat.com

آتے تھے وہ اکثر انہی کے مکان پر ٹھہرتے تھے[1]

عزت نفس:

صحابیاتؓ عزت نفس کا مجموعہ تھیں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جس دن شہید ہوئے اس روز اپنی والدہ حضرت اسماءؓ کے پاس تشریف لے گئے انہوں نے ان کو دیکھا تو بولیں ''بیٹا قتل کے خوف سے ہرگز کوئی ایسی شرط نہ قبول کر لینا جس پر تم کو ذلت برداشت کرنی پڑے خدا کی قسم عزت کے ساتھ تلوار کھا کر مر جانا اس سے بہتر ہے کہ ذلت کے ساتھ کوڑے کی مار برداشت کر لی جائے''۔

صبر وثبات:

مردوں پر نوحہ کرنا' بال نوچنا' کپڑے پھاڑ ڈالنا' مدتوں مرثیہ خوانی کرنا عرب کا قومی شعار تھا لیکن فیضِ تربیت نبویؐ نے صحابیات کو صبر کا اس قدر خوگر بنا دیا تھا کہ حضرت ابوطلحہؓ انصاری کا لڑکا بیمار ہوا وہ صبح کے وقت اس کو بیمار چھوڑ کر کام کاج کے لیے باہر چلے گئے ان کی عدم موجودگی میں یہاں لڑکا جاں بحق تسلیم ہو گیا لیکن ان کی بی بی نے لوگوں سے کہہ دیا کہ ابوطلحہ سے نہ کہنا وہ شام کو پلٹے تو بی بی سے پوچھا کہ بچہ کیسا ہے؟ بولیں پہلے سے زیادہ سکون کی حالت میں ہے یہ کہہ کر کھانا لائیں اور انہوں نے کھانا کھایا' صبح ہوئی تو کہا کہ اگر ایک قوم کسی کو کوئی چیز عاریۃً دے اور پھر اس کا مطالبہ کرے تو کیا اس کو اس کے روک رکھنے کا حق حاصل ہے؟ بولے ''نہیں'' بولیں تو پھر اپنے بیٹے کو بھی صبر کرو''[2]

رسول اللہ ﷺ غزوۂ احد سے واپس آئے تو تمام صحابیات اپنے اپنے اعزہ و اقارب کا حال پوچھنے آئیں' انہی میں حضرت حمنہ بنت جحش بھی تھیں وہ آئیں آپ نے فرمایا کہ حمنہ! اپنے بھائی عبداللہ بن جحش کو صبر کرو' انہوں نے انا للہ پڑھا اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی' آپ نے پھر فرمایا ماموں حمزہؓ ابن عبدالمطلب پر بھی صبر کرو''۔ انہوں نے اس پر بھی انا للہ پڑھا اور دعائے مغفرت کر کے خاموش ہو رہیں[3]

---

[1] نسائی کتاب النکاح باب الخطبہ فی النکاح۔ [2] مسلم کتاب الادب باب استحباب تحنیک المولود عند ولادتہ الخ۔ [3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت حمنہ بنت جحش۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جب حجاج سے معرکہ آراء ہوئے تو ان کی والدہ حضرت اسماءؓ بیمار تھیں وہ ان کے پاس آئے اور مزاج پرسی کے بعد بولے کہ مرنے میں آرام ہے' بولیں شاید تم کو میرے مرنے کی آرزو ہے لیکن جب تک دو باتوں میں سے ایک نہ ہو جائے میں مرنا پسند نہ کروں گی' یا تم شہید ہو جاؤ اور میں تم کو صبر کرلوں' یا فتح وظفر حاصل کرو کہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں"۔ چنانچہ جب وہ شہید ہو چکے تو حجاج نے ان کو سولی پر لٹکا دیا' حضرت اسماءؓ باوجود پیرانہ سالی کے یہ عبرتناک منظر دیکھنے کے لیے آئیں اور بجائے اس کے کہ روتی پیٹتیں' حجاج کی طرف مخاطب ہو کر کہا اس سوار کے لیے ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ گھوڑے سے نیچے اترے [1]

شجاعت:

غزوات میں صحابہ کرام نے جس طرح داد شجاعت دی' صحابیاتؓ کے بہادرانہ کارنامے اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہیں غزوہ حنین میں کفار نے اس زور شور سے حملہ کیا تھا کہ میدان جنگ لرز اٹھا تھا لیکن حضرت ام سلیمؓ کی شجاعت کا یہ حال تھا کہ ہاتھ میں خنجر لیے ہوئے منتظر تھیں کہ کوئی کافر سامنے آئے تو اس کا کام تمام کردیں چنانچہ حضرت ابوطلحہؓ نے ان کے ہاتھ میں خنجر دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ بولیں چاہتی ہوں کہ کوئی کافر قریب آئے تو پیٹ میں بھونک دوں [2]

غزوہ خندق میں رسول اللہ ﷺ نے تمام عورتوں کو ایک قلعہ میں کر دیا تھا' ایک یہودی آیا اور قلعہ کے گرد چکر لگانے لگا' حضرت صفیہؓ نے دیکھا تو حضرت حسان بن ثابتؓ سے کہا کہ یہ جاسوس معلوم ہوتا ہے اس کو قتل کردو' بولے تمہیں تو معلوم ہے کہ میں اس میدان کا مرد نہیں' اب حضرت صفیہ خود اتریں اور خیمہ کی ایک میخ اکھاڑ کر اس زور سے مارا کہ وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا [3]

زہد و تقشف:

صحابیات نہایت زاہدانہ اور متقشفانہ زندگی بسر کرتی تھیں ایک بار ایک شخص حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا بولیں' ذرا ٹھہر جاؤں میں اپنی نقاب سی لوں" اس

---

[1] استیعاب تذکرۂ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ۔ [2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی السلب یعطی القاتل۔
[3] اسد الغابہ تذکرۂ حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب۔

Marfat.com

نے کہا ''اگر میں لوگوں کو اس کی خبر کردوں تو لوگ آپ کو بخیل سمجھیں گے' بولیں '' جو لوگ پرانا دھرانا کپڑا نہیں پہنتے ان کو آخرت میں نیا کپڑا نصیب نہ ہوگا[1]

زندہ دلی:

صحابیات کے جذبات کو اسلام نے تروتازہ اور شگفتہ کردیا تھا اس لیے ان میں زندہ دلی پائی جاتی تھی' عید کے دن معمولاً لڑکے اور لڑکیاں رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہوکر باجے بجاتے تھے اور مسرت سے ترانے گاتے تھے[2]

رازداری:

صحابیات کا سینہ راز کا مدفن تھا' جس سے وہ قیامت تک باہر نہیں نکل سکتا تھا' ایک دن آپ کی خدمت میں تمام ازواج مطہراتؓ جمع تھیں حضرت فاطمہ بھی اسی حالت میں آگئیں آپ نے ان کو مرحبا کہا اور اپنے دائیں جانب بٹھالیا اور آہستہ سے ان کے کان میں ایک بات کہی وہ چیخ مار کر رو پڑیں پھر آپ نے آہستہ سے ایک بات کہی جس سے وہ ہنس پڑیں آپ چلے گئے تو تمام بی بیوں نے اس کی وجہ پوچھی' بولیں آپ کی زندگی میں آپ کا راز فاش نہیں کرسکتی[3]

عفت وعصمت:

اسلام نے پاکیزہ اخلاق کی جو تعلیم دی ہے' اس نے صحابیات کو عصمت وعفت کا مجسمہ بنادیا' ایک صحابیہ کو جن کی اخلاقی حالت زمانۂ جاہلیت میں اچھی نہ تھی' ایک شخص نے اپنی طرف مائل کرنا چاہا تو بولیں ہٹو اب وہ زمانہ گیا اور اسلام آیا'[4] اسلام کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ لونڈیاں تک بدکاری سے ابا کرنے لگیں' مسیکہ ایک لونڈی تھی جس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر شکایت کی کہ میرا آقا مجھ کو بدکاری پر مجبور کرتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

---

[1] ادب المفرد باب الرفق فی المعیشہ۔ [2] بخاری کتاب العیدین باب سنۃ العیدین لاہل الاسلام۔
[3] مسلم کتاب الفضائل مناقب فاطمہؓ۔ [4] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۱۸۷۔

Marfat.com

﴿لَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ﴾[1]

''اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو''۔

اس جرم کا ارتکاب تو صحابیات سے بہت بعید تھا وہ اس کو بھی گوارا نہیں کرتی تھیں کہ کسی نامحرم کی نگاہ بھی ان پر پڑے' ایک بار حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے نکاح کرنا چاہا اور رسول اللہ ﷺ سے مشورہ طلب کیا آپ نے فرمایا کہ پہلے عورت کو جا کر دیکھ لو' وہ اس غرض سے اس کے گھر گئے' عورت نے پردہ سے کہا ''اگر رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے' تو خیر' ورنہ تمہیں خدا کی قسم''[2]

اس معصیت کا ارتکاب تو بڑی چیز ہے اگر خدانخواستہ صحابیات پر کبھی اس قسم کا اتہام بھی لگ جاتا تھا تو ان کے خرمن عقل و ہوش پر بجلی گر پڑتی تھی' حضرت عائشہؓ کے کانوں میں جب واقعۂ افک کی بھنک پڑی تو بے ہوش ہو کر گر پڑیں' لرزہ بخار آ گیا اور آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی''[3]

حسن معاشرت

مصالحت اور صفائی:

اگر بہ مقتضائے فطرت انسانی صحابیات کسی سے ناراض ہو جاتی تھیں تو ان کو اس چند روزہ ناگواری پر نہایت افسوس ہوتا تھا' ایک معاملہ میں حضرت عائشہؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے ناراض ہو گئیں' اور بات چیت نہ کرنے کی قسم کھالی' لیکن عفو تقصیر کے بعد جب ان کو یہ قسم یاد آتی تھی تو اس قدر روتی تھیں کہ دوپٹہ تر ہو جاتا تھا[4]

صلہ رحم:

حضرت زینبؓ اپنے اعزہ اقارب کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کرتی تھی' حضرت

---

[1] ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی تعظیم الزنا۔ [2] سنن ابن ماجہ کتاب النکاح' باب النظر الی المراۃ اذا اراد ان۔
[3] بخاری کتاب بدء الخلق قول اللہ عزوجل لقد کان فی یوسف واخوانہ آیات للسائلین۔
[4] بخاری کتاب الادب باب الہجرۃ۔

Marfat.com

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ولم ار امرأة قط خيرا في الدين من زينب واتقى الله واصدق حديثا واوصل للرحم[1]

"میں نے زینبؓ سے زیادہ دیندار، زیادہ پرہیز گار، زیادہ سچی اور زیادہ صلۂ رحمی کرنے والی عورت نہیں دیکھی"۔

حضرت اسماءؓ نے ایک جائیداد وراثۃً پائی تھی اوران کو ایک لاکھ رقم حضرت امیر معاویہؓ نے دی تھی، لیکن انہوں نے اس مال و جائیداد کو حضرت قاسم بن محمد اور حضرت ابن ابی عتیق پر جوان کے قرابت دار تھے ہبہ کر دیا[2]

صحابیات کی صلہ رحمی صرف مسلمان اعزہ کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ وہ کافر قرابت داروں کی قرابت کا بھی لحاظ رکھتی تھیں، حضرت اسماءؓ ہجرت کر کے مدینہ آئیں تو ان کی والدہ جو کافرہ تھیں ان کے پاس آئیں اور مالی مدد مانگی، حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ کیا وہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کرسکتی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں،[3] چنانچہ انہوں نے ان کو مدد دی حضرت صفیہؓ نے اپنے ایک یہودی قرابت دار کے لیے ایک جائیداد کی وصیت کی تھی[4]

ہدیہ دینا:

حدیث شریف میں آیا کہ ہدیہ ازدیاد محبت کا ذریعہ ہے اس لیے صحابیات ایک دوسرے کے پاس عموماً ہدیہ بھیجا کرتی تھیں۔

حضرت نسیبہ انصاریہ اس قدر مفلس تھیں کہ ان پر صدقہ کا مال حلال تھا تاہم اس حالت میں بھی وہ ازواج مطہرات کی خدمت میں ہدیہ بھیجتی تھیں، ایک بار ان کے پاس صدقہ کی بکری آئی تو انہوں نے اس کا گوشت حضرت عائشہؓ کے پاس ہدیۃً بھیجا،[5]

---

[1] مسلم کتاب الفضائل باب فضائل عائشہؓ۔ [2] بخاری کتاب الہبۃ باب ہبۃ الواحد للجماعۃ۔
[3] مسلم کتاب الزکوۃ باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین۔ [4] مسند دارمی کتاب الوصایا باب الوصیۃ لاہل الذمہ۔ [5] بخاری کتاب الزکوۃ باب قدر کم یعطی من الزکوۃ والصدقۃ ومن اعطی شاۃ۔

Marfat.com

حضرت بریرہؓ کے پاس بھی جو صدقہ آتا تھا وہ ازواج مطہرات کو ہدیۃً دے دیا کرتی تھیں[1]

خادموں کے ساتھ سلوک:

صحابیات خادموں کے ساتھ جیسا سلوک کرتی تھیں، اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ ایک بار رات کو عبدالملک اٹھا اور اپنے خادم کو آواز دی، اس نے آنے میں دیر کردی تو اس نے اس پر لعنت بھیجی حضرت ام الدرداءؓ اس کے محل میں تھیں، صبح ہوئی تو کہا کہ تم نے رات اپنے خادم پر لعنت بھیجی حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ لعنت بھیجنے والے قیامت کے دن شفعاء یا شہدا نہ ہوں گے[2]

باہمی اعانت:

صحابیات مصیبت میں دوسروں کی اعانت فرماتی تھیں اور ہمسایہ صحابیات اپنی پڑوسنوں کو ہر قسم کی مدد دیتی تھیں، حضرت اسماء کو روٹی پکانا نہیں آتی تھی، لیکن ان کی پڑوسنیں ان کی روٹی پکایا کرتی تھیں[3]

اگر عورتوں کو اپنے شوہروں سے شکایت پیدا ہوتی تو وہ حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا دکھ درد کہتی تھیں، وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نہایت پرزور طریقہ سے ان کی سفارش کرتی تھیں، ایک بار ان کی خدمت میں ایک عورت سبز دوپٹہ اوڑھ کر آئی اور جسم کھول کر دکھایا کہ شوہر نے اس قدر مارا ہے کہ بدن پر نیل پڑ گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ مسلمان عورتیں جو مصیبتیں برداشت کر رہی ہیں ہم نے ایسی مصیبت نہیں دیکھی دیکھئے اس کا چمڑا اس کے دوپٹے سے زیادہ سبز ہو گیا ہے بخاری کی اس روایت کے آخر میں عموماً عورتوں کی نسبت یہ الفاظ ہیں:

والنسآء ینصر بعضھن بعضاً۔

''عورتوں کی یہ فطرت ہے کہ ایک دوسرے کی اعانت کرتی ہیں''[4]

---

[1] مسلم کتاب الزکوٰۃ، باب اباحۃ الہدیہ للنبی ﷺ ولبنی ہاشم ولبنی عبدالمطلب وان کان المہدی ملکہا بطریق الصدقۃ۔ [2] مسلم کتاب البر والصلہ والآداب باب النہی عن لعن الدوات وغیرہا۔ [3] مسلم کتاب الآداب باب ارداف المراۃ الاجنبیۃ اذا اعیت فی الطریق۔ [4] بخاری کتاب اللباس باب الثیاب الخضر۔

Marfat.com

ایک شخص کی بی بی بیمار تھیں وہ حضرت ام الدرداءؓ کے پاس آئے' انہوں نے حال پوچھا تو انہوں نے کہا کہ بی بی بیمار ہے اب انہوں نے ان کو بٹھا کر کھانا کھلایا اور جب تک ان کی بی بی بیمار رہیں حال پوچھتی اور کھانا کھلاتی رہیں[1]

عیادت:

صحابیات ہر ممکن طریقہ سے مریضوں کی عیادت کرتی تھیں' ایک بار اہل صفہ میں سے ایک صحابی بیمار تھے حضرت ام الدرداءؓ اونٹ پر سوار ہو کر آئیں اور ان کی عیادت کی[2]

تیمارداری:

صحابیات نہایت دل سوزی سے مریضوں کی تیمارداری کرتی تھیں حضرت عبداللہ بن مظعونؓ بیمار ہوئے تو حضرت ام الحسلاءؓ اور ان کے تمام خاندان نے ان کی تیمارداری کی ان کا انتقال ہو گیا تو کفن پہنانے کے بعد حضرت ام الحسلاءؓ نے محبت کے لہجے میں کہا ''تم پر خدا کی رحمت ہو' میں شہادت دیتی ہوں کہ خدا نے تمہاری عزت کی[3]

حضرت زینبؓ مرض الموت میں بیمار ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے ازواج مطہرات سے پچھوایا کہ کون ان کی تیمارداری کرے گا؟ تمام بیبیوں نے کہا ''ہم'' ان کا انتقال ہوا تو پھر دریافت کیا کہ کون ان کو غسل و کفن دے گا؟ تمام بی بیوں نے کہا ''ہم''[4]

عزاداری:

صحابیات عزاداری کو اپنا فرض خیال کرتی تھیں ایک بار رسول اللہ ﷺ ایک صحابی کو دفن کر کے آ رہے تھے' راہ میں دیکھا کہ حضرت فاطمہؓ جا رہی ہیں' پوچھا گھر سے کیوں نکلیں؟ بولیں اس گھر میں عزاداری کے لیے گئی تھی[5]

عرب جاہلیت میں عزاداری کا طریقہ یہ تھا کہ عورتیں برادری میں جا کر باہم مردوں پر نوحہ کرتی تھیں لیکن اسلام نے جاہلیت کی اس رسم کو مٹا دیا' چنانچہ جب عورتیں اسلام

---

[1] ادب الفرد باب عیادۃ الصبیان۔ [2] ایضاً باب عیادۃ النساء الرجل المریض۔ [3] بخاری کتاب الشہادات باب القرعۃ فی المشکلات۔ [4] طبقات ابن سعد تذکرۂ حضرت زینبؓ۔
[5] ابوداؤد کتاب الجنائز باب فی التعزیہ۔

Marfat.com

لاتی تھیں تو ان سے اس رسم کے چھوڑنے کا معاہدہ لیا جاتا تھا' ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام عطیہؓ سے یہ معاہدہ لینا چاہا تو بولیں' فلاں خاندان نے زمانہ جاہلیت میں ہمارے مردے پر نوحہ کیا ہے مجھے اس کا معاوضہ ادا کرنا ضروری ہے' چنانچہ آپ نے ان کو اجازت دے دی ہے[1]

محبت اولاد:

صحابیات بچوں سے نہایت محبت رکھتی تھیں' ایک بار ایک صحابی نے بی بی کو طلاق دی اور بچے کو اس سے لینا چاہا وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ "میرا پیٹ اس کا ظرف' میری چھاتی اس کا مشکیزہ اور میری گود اس کا گہوارہ تھا اور اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی اور اس کو مجھ سے چھینا چاہتا ہے آپ نے فرمایا جب تک تم دوسرا نکاح نہ کرلو تم بچے کی سب سے زیادہ مستحق ہو[2] اگرچہ یہ وصف عموماً تمام صحابیات میں پایا جاتا تھا لیکن اس باب میں قریش کی عورتیں خاص طور پر ممتاز تھیں' چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس خصوصیت کی مدح فرمائی:

نعم النساء نساء قریش احناھن علی الولد وارعاھن علی الزوج.[3]

"قریش کی عورتیں کس قدر اچھی ہیں بچوں سے محبت رکھتی ہیں اور شوہروں کے مال واسباب کی نگرانی کرتی ہیں"۔

بھائی بہن سے محبت:

صحابیات اپنے بھائی بہنوں سے نہایت محبت رکھتی تھیں' حضرت عبداللہ ابن ابی بکر کا مقام حبش میں انتقال ہوا اور لاش مکہ میں دفن ہوئی تو حضرت عائشہ فرط محبت سے ان کی قبر تک آئیں اور ایک مشہور مرثیہ کے چند اشعار پڑھے:

وکنا کندمانی جذیمة حقبة   من الدھر حتی قیل لن یتصدعا

"اور ہم دونوں ایک مدت تک جذیمہ کے ہم نشینوں کی طرح ساتھ رہے یہاں تک کہ لوگوں

---

[1] مسلم کتاب الجنائز باب التشدید فی النیاحۃ۔ [2] ابوداؤد کتاب الطلاق باب من احق بالولد۔
[3] بخاری کتاب النکاح۔

Marfat.com

نے کہا ان میں کبھی جدائی نہ ہوگی''۔

فلما تفرقنا کان و مالکاً بطول اجتماع لم بنت لیلة معا[1]

''لیکن جب جدائی ہوئی تو ایسی کہ گویا ہم نے اور مالک نے باوجود ملاقات کے، ایک رات بھی ساتھ بسر نہیں کی تھی''

حضرت حمزہؓ غزوہ احد میں شریک ہوئے' تو ان کی بہن صفیہ آئیں کہ مقتل میں ان کا پتہ لگائیں لیکن لوگوں نے ان کی پریشانی کے خیال سے نہیں بتایا' بالآخر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں تو آپ کو خوف پیدا ہوا کہ اس واقعہ سے کہیں ان کی عقل نہ جاتی رہے اس لیے ان کے سینہ پر ہاتھ رکھا تو انہوں نے انا للہ پڑھا اور رونے لگیں[2]

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو تمام عورتیں رونے لگیں حضرت فاطمہؓ ان کی قبر کے پاس روتی تھیں تو رسول اللہ ﷺ ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھتے تھے[3]

حمایت والدین:

صحابیات والدین کی حمایت سے سخت موقعوں پر بھی اغماض نہیں کرتی تھیں ایک بار کفار نے حالت نماز میں رسول اللہ ﷺ کی گردن میں اونٹ کی اوجھ ڈال دی' حضرت فاطمہؓ دوڑ کے آئیں اس کو آپ کی گردن سے نکال کر پھینک دیا اور کفار کو برا بھلا کہا[4]

پروش یتامیٰ:

یتیموں کی پرورش بڑی نیکی کا کام ہے' حدیث شریف میں آیا ہے:

انا و کافل الیتیم کھاتین فی الجنة.

''ہم اور یتیموں کی پرورش کرنے والے جنت میں اس قدر قریب ہوں گے جس قدر یہ دونوں انگلیاں قریب قریب ہیں''۔

اس لیے صحابیات یتیموں کی پروش اپنا فرض سمجھتی تھیں حضرت زینبؓ متعدد یتیموں کی پرورش کرتی تھیں ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور پوچھا کہ

---

[1] ترمذی کتاب الجنائز' باب ما جاء فی الزیارة للقبور للنساء۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرۂ حضرت حمزہؓ۔ [3] مسند ابوداؤد طیالسی صفحہ ۳۵۱۔ [4] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب المراۃ تطرح عن المصلی شیئا من الاذی۔

Marfat.com

میں اپنے شوہر اور ان یتیموں پر صدقہ کروں تو جائز ہے؟ دوسری صحابیہ بھی اس غرض سے در دولت پر کھڑی تھیں حضرت بلالؓ نے اطلاع کی تو آپ نے فرمایا کہ اس کا دوہرا ثواب ملے گا ایک قرابت کا اور دوسرا صدقہ کا''[1]

حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکر کے بچے یتیم ہو گئے تو حضرت عائشہؓ ان کی پرورش فرماتی تھیں[2]

یتیموں کے مال کی نگہداشت:

خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں یتیموں کے مال کی حفاظت و نگہداشت کے متعلق ایک نہایت مفصل آیت نازل فرمائی ہے وابتلوا الیتمی حتی اذا بلغوالنکاح الخ اس بنا پر صحابیات نہ صرف ان کے مال کی حفاظت کرتی تھیں بلکہ اس کو ترقی دیتی تھیں حضرت عائشہ یتیموں کے مال لوگوں کو دیتی تھیں کہ تجارت کے ذریعہ سے اس کو ترقی دیں[3]

بچوں کی پرورش:

صحابیات بچوں کی پرورش میں اپنے عیش و آرام کو بھی فراموش کر دیتی تھیں حضرت ام سلیمؓ بیوہ ہوئیں تو حضرت انس بن مالکؓ بچے تھے اس لیے انہوں نے یہ عزم بالجزم کر لیا کہ جب تک ان کی نشونما کامل طور پر نہ ہو جائے گی وہ دوسرا نکاح نہ کریں گی چنانچہ حضرت انس خود سپاس گزارانہ لہجے میں اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ میری ماں کو جزائے خیر دے کہ اس نے میری ولایت کا حق ادا کیا[4]

رسول اللہ ﷺ صحابیات کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب تھے لیکن بایں ہمہ جب آپ نے حضرت ام ہانی سے نکاح کا پیغام دیا' تو انہوں نے معذرت کی کہ یارسول اللہ ﷺ آپ مجھے میری آنکھوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں' لیکن شوہر کا حق بہت زیادہ ہے اس لیے مجھے خوف ہے کہ میں شوہر کا حق ادا کروں گی' تو بچوں کی طرف سے بے پروائی

---

[1] بخاری کتاب الزکوۃ باب الزکوۃ علی الزوج والایتام فی الحجر۔ [2] موطائے امام مالک کتاب الزکوۃ باب الزکوۃ فیہ من الحلی والتبر والعنبر۔ [3] موطائے امام مالک کتاب الزکوۃ باب اموال الیتامی والتجارۃ فیھا۔ [4] طبقات ابن سعد تذکرۂ حضرت ام سلیمؓ۔

Marfat.com

کرنا پڑے گی اور اگر بچوں کی پرورش میں مصروف رہوں گی تو شوہر (یعنی آپ کا اگر نکاح کرلوں گی) کا حق ادا نہ کرسکوں گی۔[1]

شوہر کے مال واسباب کی حفاظت:

زن وشوہر کے معاشرتی تعلقات پر اس کا نہایت عمدہ اثر پڑتا ہے کہ بیوی نہایت دیانت کے ساتھ شوہر کے مال واسباب اور گھربار کی حفاظت کرے اور صحابیات میں یہ دیانت پائی جاتی تھی حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر کی شادی حضرت زبیرؓ سے ہوئی تھی وہ گھر میں تھیں کہ ایک غریب سوداگر آیا اور کہا کہ اپنے سایہ دیوار کے نیچے مجھے سودا بیچنے کی اجازت دیجیے وہ عجیب کشمکش میں مبتلا ہوئیں فیاضی اور کشادہ دلی سے اجازت دینا چاہتی تھی لیکن شوہر کی اجازت کے بغیر اجازت نہیں دے سکتی تھیں، بولیں ''اگر میں اجازت دے دوں اور زبیرؓ انکار کردیں تو مشکل پڑے گی، زبیر کی موجودگی میں آؤ اور مجھ سے سوال کرو'' وہ اسی حالت میں آیا اور کہا ''یا ام عبداللہ! میں محتاج آدمی ہوں آپ کی دیوار کے سایہ میں کچھ سودا بیچنا چاہتا ہوں بولیں تم کو مدینہ میں میرا ہی گھر ملتا تھا'' حضرت زبیر نے کہا تمہارا کیا بگڑتا ہے جو ایک محتاج کو بیع وشراء سے روکتی ہو؟

وہ تو چاہتی ہی تھیں، اجازت دے دی۔[2] وہ نہایت فیاض تھیں اس لیے صدقہ و خیرات کرنا بہت پسند کرتی تھیں لیکن شوہر کے مال کے سوا ان کے پاس اور کچھ نہ تھا اور شوہر کے مال میں بلا اجازت تصرف نہیں کرسکتی تھیں، مجبوراً رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ میں زبیر کی آمدنی میں سے کچھ صدقہ کروں تو کیا کوئی گناہ کی بات ہے؟ ارشاد ہوا جو کچھ ہوسکے دو۔[3]

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے بیعت لی تو ان میں سے ایک خاتون اٹھیں اور کہا ہم اپنے بیٹے اور شوہر کے محتاج ہیں ان کے مال میں سے ہمارے لیے کس قدر لینا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا اس قدر کہ کھا پی لو اور ہدیہ دو''۔[4]

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرۂ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا۔ [2] مسلم کتاب الآداب باب جواز ارداف المراۃ الاجنبیہ اذا اعیت فی الطریق۔ [3] مسلم کتاب الزکوۃ باب الحث فی الصدقۃ ولو بالقلیل۔
[4] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب المراۃ تصدق من بیت زوجہا۔

Marfat.com

اگرچہ یہ وصف عموماً تمام صحابیات میں پایا جاتا تھا لیکن اس باب میں قریش کی عورتیں خاص طور پر ممتاز تھیں' چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے ان کی اس خصوصیت کو ان الفاظ میں نمایاں کیا۔

نعم النساء نساء قریش احناهن علی الولد وارعاهن علی الزوج.

''قریش کی عورتیں کس قدر اچھی ہیں' بچوں سے محبت رکھتی ہیں اور شوہر کے مال واسباب کی نگرانی کرتی ہیں''۔

شوہر کی رضا جوئی:

صحابیات اپنے شوہروں کی رضا مندی اور خوشنودی کا نہایت خیال رکھتی تھیں' حضرت حولاؓ عطر فروش تھیں ایک بار حضرت عائشہ کی خدمت میں آئیں اور کہا کہ میں رات کو خوشبو لگاتی ہوں' بناؤ سنگار کر کے دلہن بن جاتی ہوں اور خالصۃً لوجہ اللہ اپنے شوہر کے پاس جا کر سو رہتی ہوں لیکن اس پر بھی وہ متوجہ نہیں ہوتے اور منہ پھیر لیتے ہیں' پھر ان کو متوجہ کرتی ہوں اور وہ اعراض کرتے ہیں' رسول اللہ ﷺ آئے تو آپ سے بھی اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا ''جاؤ اور اپنے شوہر کی اطاعت کرتی رہو''۔[1]

ایک روز آپ نے حضرت عائشہؓ کے ہاتھ میں چاندی کے چھلے دیکھے تو فرمایا عائشہؓ یہ کیا ہے؟ بولیں میں نے اس کو اس لیے بنایا ہے کہ آپ کے لیے سنگار کروں[2]

ایک صحابیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں ان کے ہاتھ میں سونے کے کنگن تھے' آپؐ نے ان کو پہننے سے منع فرمایا' بولیں ''اگر عورت شوہر کے لیے بناؤ سنگار نہ کرے تو اس کی نگاہ سے گر جائے گی''۔[3]

شوہر کی محبت:

صحابیات اپنے شوہروں سے نہایت محبت رکھتی تھیں حضرت زینبؓ کی شادی ابوالعاص سے ہوئی تھی وہ حالت کفر میں تھے کہ بدر کا معرکہ پیش آ گیا اور وہ گرفتار ہو گئے

---

[1] اسد الغابہ تذکرۂ حضرت حولاؓ۔ [2] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب الکنز ماھو وزکوۃ الحلی۔

[3] نسائی کتاب الزینۃ۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے اسیران جنگ کو فدیہ لے کر رہا کرنا چاہا تو حضرت زینبؓ نے اپنا ایک یادگار ہار، جس کو حضرت خدیجہؓ نے ان کو رخصتی کے وقت دیا تھا' ابو العاص کے فدیہ میں بھیج دیا۔[1]

حضرت حمنہؓ بنت جحش کو اپنے شوہر کی شہادت کا حال معلوم ہوا تو فرط محبت سے چیخ اٹھیں[2] حضرت عمر کو اہل وعیال کے ساتھ بہت زیادہ شغف نہ تھا' تاہم ان کی بی بی حضرت عاتکہ روزے کے دنوں میں بھی فرط محبت سے ان کے سر کا بوسہ لیتی تھیں[3]

حضرت عاتکہ کو اپنے پہلے شوہر حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ سے نہایت محبت تھی چنانچہ جب وہ طائف میں شہید ہوئے تو حضرت عاتکہؓ نے ایک پر درد مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے:

فـآليـت تـنـفـك عيـن حزينة عـليك ولا ينـفك جـلدي اغبـرا

میں نے قسم کھائی ہے کہ تیرے غم میں میری آنکھ ہمیشہ پرنم اور جسم ہمیشہ غبار آلود رہے گا۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ان سے شادی کی' دعوت ولیمہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی شریک تھے انہوں نے عاتکہ یہ شعر یاد دلایا تو رو پڑیں' حضرت عمرؓ کی شہادت ہوئی تو ان کا بھی نہایت پر درد مرثیہ لکھا اس کے بعد ان سے حضرت زبیرؓ نے شادی کی اور وہ بھی شہید ہوئے تو عاتکہ نے ان کا بھی مرثیہ لکھا[4]

شوہر کی خدمت:

صحابیات شوہر کی خدمت نہایت دل سوزی سے کرتی تھیں رسول اللہ ﷺ کمال طہارت کی وجہ سے مسواک کو بار بار دھلوایا کرتے تھے اور اس پاک خدمت کو حضرت عائشہؓ ادا فرماتی تھیں،[5] ایک بار آپ کمبل اوڑھ کر مسجد میں آئے ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس پر دھبہ نظر آتا ہے' آپ نے اس کو غلام کے ہاتھ حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد فداء الاسیر بالمال۔ [2] سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی البکاء علی المیت۔
[3] موطا کتاب الصیام باب ماجاء فی الرخصۃ فی القبلۃ للصیام۔ [4] اسد الغابہ تذکرۂ عاتکہؓ بنت زید۔
[5] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب غسل المسواک۔

Marfat.com

دیا، حضرت عائشہؓ نے کٹورے میں پانی منگوایا خود اپنے ہاتھ سے دھویا اور خشک کیا اور اس کے بعد آپ کے پاس بھیج دیا۔[1] جب رسول اللہ ﷺ احرام باندھتے یا احرام کھولتے تو حضرت عائشہ جسم مبارک میں خوشبو لگاتی تھیں۔[2]

جب آپ ﷺ خانہ کعبہ میں ہدی بھیجتے تھے تو وہ ان کے گلے کا قلادہ بٹتی تھیں۔[3]

صحابہ کرام جب تمام دنیا کی خدمت و اعانت سے محروم ہو جاتے تو اس بے کسی کی حالت میں صرف ان کی بیویاں ان کا ساتھ دیتی تھیں، رسول اللہ ﷺ تخلف غزوۂ تبوک کی بناء پر حضرت ہلال بن امیہؓ سے ناراض ہوئے اور اخیر میں تمام مسلمانوں کی طرح ان کی بی بی کو بھی تعلقات کے منقطع کر لینے کا حکم دیا تو وہ حاضر خدمت ہوئیں اور کہا کہ وہ بوڑھے آدمی ہیں، ان کے پاس نوکر چاکر نہیں اگر میں ان کی خدمت کروں تو آپ ناپسند فرمائیں گے ارشاد ہوا ''نہیں''۔[4]

عورت کتنی ہی اطاعت گزار اور فرماں بردار ہو لیکن اگر اس سے تعلقات منقطع کر لیے جائیں تو وہ شوہر کی طرف مائل نہیں ہو سکتی، لیکن صحابیات نے اس فطرتی اصول کو بھی توڑ دیا تھا ایک صحابی نے اپنی بی بی سے ظہار کیا یعنی ایک مدت معینہ کے لیے ان کو اپنے اوپر حرام کر لیا تاہم اس حالت میں بھی وہ ان کی خدمت گزاری میں مصروف رہتی تھیں۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الاعادہ من النجاسۃ یکون فی الثواب۔ [2] ابوداؤد کتاب المناسک باب الطیب عند الاحرام۔ [3] ایضاً باب من بعث بہدیہ۔ [4] بخاری کتاب المغازی باب غزوہ تبوک۔

Marfat.com

طرز معاشرت

غربت وافلاس:

ابتدائے اسلام میں صحابیات نہایت فقر وفاقہ اور غربت و افلاس کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھیں جس کا اثر ان کے لباس، مکان، اثاث البیت اور سامان آرائش غرض ہر چیز سے ظاہر ہوتا تھا۔

لباس:

صحابیات کو کپڑوں کی نہایت تکلیف تھی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جگر گوشۂ رسول کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ ایک بار انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ادب وحیا سے جسم کے ہر حصہ کو چھپانا چاہا لیکن ناکامیابی ہوئی، سر ڈھکتی تھیں تو پاؤں کھل جاتے تھے، پاؤں ڈھکتی تھیں تو سر کھل جاتا تھا[1]

بعض صحابیات کو تو چادر بھی میسر نہ تھی، رسول اللہؐ نے صحابیات کو عیدگاہ میں جانے کی اجازت دی تو ایک صحابیہ نے کہا کہ اگر کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ ارشاد ہوا کہ اس کو دوسری عورت اپنی چادر اوڑھا لے[2]

شادی بیاہ میں دلہن کے لیے غریب سے غریب آدمی بھی اچھا جوڑا بنواتا ہے لیکن صحابیات کو معمولی جوڑا بھی میسر نہ تھا حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ میرے پاس گاڑھے کی ایک کرتی تھی، شادی بیاہ میں جب کوئی عورت سنواری جاتی تھی تو وہ مجھ سے اس کو مستعار منگوا لیتی تھی[3]

---

1. ابوداؤد کتاب اللباس باب فی العبد ینظر الی شعر مولاتہ۔
2. سنن ابن ماجہ کتاب الصلوۃ باب ماجاء فی خروج النساء فی العیدین۔
3. بخاری کتاب الہبہ باب الاستعارۃ للعروس عند البناء۔

Marfat.com

مکان:

غربت وافلاس کی وجہ سے صحابیات کے مکان نہایت مختصر، پست اور کم حیثیت ہوتے تھے گھروں میں جائے ضرورت تک نہ تھی[1] اس لیے راتوں کو صحرا میں جانا پڑتا تھا دروازوں پر پردے نہ تھے[2] راتوں کو جلانے کے لیے چراغ تک میسر نہ تھے[3]

اثاث البیت:

صحابیات کے گھروں میں نہایت مختصر سامان تھے یہاں تک کہ میاں بی بی دونوں کے لیے صرف ایک بچھونا ہوتا تھا[4] اور وہ بھی کھجور کے پتوں سے بنایا جاتا تھا۔

زیورات:

صحابیات نہایت معمولی اور سادہ زیور استعمال کرتی تھیں احادیث کی کتابوں کے تتبع واستقراء سے بازو بند، کڑے، بالی، ہار انگوٹھی اور چھلے کا پتہ چلتا ہے لونگ کا ہار بھی پہنتی تھیں جن کو عربی میں سخاب کہتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک ہار جو سفر میں گم ہو گیا تھا وہ مہرۂ یمانی کا تھا۔[5]

سامان آرائش:

صحابیات سرمہ اور مہندی کا استعمال بھی کرتی تھیں، زچہ خانہ سے نکلتی تھیں تو منہ پر ورس (ایک قسم کی سرخ گھاس کا نام ہے) کا غازہ ملتی تھیں کہ چہرہ سے داغ دھبے مٹ جائیں،[6] خوشبو میں زعفران عطر اور سک کا استعمال کرتی تھیں، سک ایک قسم کی خوشبو ہے جو ماتھے پر لگائی جاتی ہے۔

اپنا کام خود کرنا:

صحابیات خانہ داری کے کاموں کو خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں اور اس میں سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کرتی تھیں حضرت فاطمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین

---

[1] بخاری قصۃ الافک۔ [2] ابوداؤد کتاب الادب باب الاستیذان فی العورات الثلاث۔ [3] صحیح بخاری۔
[4] ابوداؤد کتاب الطہارت باب فی الرجل یصیب منہا مادون الجماع۔ [5] ایضاً باب فی الیتیم۔
[6] ایضاً باب ماجاء فی وقت النفساء۔

Marfat.com

صاحبزادی تھیں لیکن چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے' مشکیزے میں پانی لاتے لاتے سینہ داغدار ہو گیا تھا' جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو گئے تھے[1]

ازواج مطہراتؓ باری باری گھر کا کام دھندھا خود کرتی تھیں' ایک دن حضرت عائشہ کی باری تھی' جو پیسے اور اس کی روٹی پکائی اور رسول اللہ ﷺ کا انتظار شروع کیا آپ کے آنے میں دیر ہوگئی تو سو گئیں' آپ آئے تو جگایا[2] حضرت اسماءؓ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں اور ان کی شادی حضرت زبیرؓ سے ہوئی تھی وہ اس قدر مفلس تھے کہ ایک گھوڑے کے سوا گھر میں کچھ نہ تھا حضرت اسماءؓ خود باغوں میں جا جا کر گھوڑے کے لیے گھاس لاتی تھیں حضرت ابوبکرؓ نے سائیسی کے لیے ایک غلام بھیجا تو انہوں نے اس خدمت سے نجات پائی رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر کو ایک قطعہ زمین بطور جاگیر کے دیا تھا' جو مدینہ سے تین فرسخ دور تھا' حضرت اسماءؓ روز وہاں جاتیں اور وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں اپنے سر پر لاتیں اور ان کو کوٹ کر ان کی پانی کھینچنے والی اونٹنی کو کھلاتیں۔

گھر کے معمولی کاروبار ان کے علاوہ تھے خود پانی لاتیں' مشک پھٹ جاتی تو اس کو سیتیں' آٹا گوندھتیں' روٹی پکاتیں'[3] گھر کے کام دھندے کے علاوہ صحابیات بعض صنعتی کام بھی کرتی تھیں۔ حضرت سودہؓ طائف کی ادھوڑی بناتی تھیں' جس کی وجہ سے ان کی مالی حالت تمام ازواج مطہرات سے بہتر تھی'[4] بعض صحابیہ کپڑے بنتی تھیں[5]

پردہ:

عہد نبوت میں اگرچہ اس زمانہ کا سا سخت پردہ رائج نہ تھا' تاہم عورتیں بالکل بے پردہ اور آزاد بھی نہ تھیں۔ محفہ میں سفر کرتی تھیں'[6] نقاب پوش رہتی تھیں'[7] اور غیر محرم سے پردہ کرتی تھیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حجۃ الوداع کے زمانہ میں جب لوگ

---

[1] کتاب الخروج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس وسہم ذی القربیٰ۔ [2] ادب المفرد باب لا یوذی جارہ۔
[3] مسلم کتاب الآداب باب جواز ارداف المرأۃ الاجنبیۃ اذا اعیت فی الطریق و بخاری کتاب النکاح۔
[4] اسد الغابہ تذکرہ فلیسہ۔ [5] بخاری کتاب البیوع باب النساء۔ [6] ابوداؤد کتاب المناسک باب فی الصبی ایحج۔ [7] ابوداؤد کتاب المناسک باب لبس المحرم۔

Marfat.com

ہمارے سامنے سے گزرتے تھے تو ہم چہرے پر چادر ڈال لیتے تھے' لوگ گزر جاتے تھے تو پھر منہ کھول دیتے تھے[1]

ایک بار حضرت افلح بن ابی القیس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ملاقات کو آئے وہ پردہ میں چھپ گئیں بولے "تم مجھ سے پردہ کرتی ہو میں تو تمہارا چچا ہوں"۔ بولیں کیونکر؟ بولے میرے بھائی کی بی بی نے تم کو دودھ پلایا ہے' بولیں "مرد نے تو دودھ نہیں پلایا"[2]

ایک صحابیہ کا بیٹا شہید ہوا۔ وہ نقاب پہن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں صحابہ کرام نے ان کو دیکھ کر کہا بیٹے کی شہادت کا حال پوچھنے آئی ہو اور نقاب پوش ہو کر؟ بولیں میں نے اپنے بیٹے کو کھودیا ہے' شرم وحیا کو تو نہیں کھویا[3]

ہمارے زمانہ میں پردہ ایک رسمی چیز ہے' مثلاً ایک عورت کسی محرم سے رسماً پردہ کرتی ہے تو اس سے لازمی طور پر وہ ہمیشہ پردہ کرے گی' لیکن دو چار بار کسی نامحرم کے سامنے آنے کا اتفاق ہو گیا تو پھر اس کے لیے پردہ کے تمام قیود ٹوٹ جائیں گے لیکن صحابیات رسمی پردے کی پابند نہ تھیں' ان کا پردہ بالکل شرعی تھا' اگر شریعت اجازت دیتی تھی' تو وہ کسی کے سامنے آتی تھیں اور جب شرعی موانع پیدا ہو جاتے تھے' تو اس سے پردہ کرنے لگتی تھیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذہب ہے کہ غلاموں سے پردہ ضروری نہیں' اس لیے وہ حضرت ابوعبداللہ سالمؓ کے سامنے جو نہایت متدین غلام تھے آتی تھیں اور ان سے بے تکلف باتیں کرتی تھیں ایک دن وہ آئے اور کہا کہ "خدا نے آج مجھے آزاد کر دیا چونکہ اب وہ غلام باقی نہیں رہے تھے' اس لیے حضرت عائشہؓ نے پردہ گرا دیا اور عمر بھر ان کے سامنے نہ ہوئیں[4]

معاملات

ادائے قرض کا خیال:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اکثر قرض لیا کرتی تھیں' ان سے پوچھا گیا کہ آپ قرض کیوں

[1] ابوداؤد کتاب المناسک باب فی المحرم تغطی وجہا۔ [2] ابوداؤد کتاب النکاح باب فی لبن الفحل۔
[3] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فضل قتال الروم علی غیرہم من الامم۔ [4] نسائی کتاب الطہارۃ باب مسح المرأۃ راسہا۔

Marfat.com

لیتی ہیں؟ بولیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ قرض کے ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے خدا اپنی جانب سے اس کے لیے مددگار مقرر کر دیتا ہے تو میں اسی مددگار کی جستجو کرتی ہوں[1]

قرض کا ایک حصہ معاف کر دینا:

حضرت ام سلمہؓ نے ایک غلام کو مکاتب بنایا' اس نے جب بدل کتاب ادا کرنا چاہا تو کہا کہ اس میں کچھ کمی کر دیجیے' انہوں نے کم کر دیا[2]

تقسیم وراثت میں دیانت:

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ پر چند کھجور کے درخت ہبہ کیے تھے لیکن اب تک انؓ کا قبضہ نہیں ہوا تھا اس لیے ہبہ نامکمل تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہونے لگا تو کہا کہ میں نے تم پر جو درخت ہبہ کیے تھے' اگر تمہارا ان پر قبضہ ہو جاتا' تو وہ تمہاری ملک ہو جاتے لیکن آج وہ میرے ترکہ میں داخل ہیں جس کے وارث تمہارے بھائی اور بہنیں ہیں اس لیے کتاب اللہ کے موافق باہم تقسیم کر لو' حضرت عائشہؓ بولیں کہ اگر اس سے بھی زیادہ مال ہوتا تو میں چھوڑ دیتی[3]

خدمات

سیاسی خدمات میں صحابیات کی کوئی قابل الذکر خدمت نہیں ہے صرف اصابہ میں تذکرہ شفاءؓ بنت عدویہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ ان کی رائے کو مقدم سمجھتے تھے ان کی عزت کرتے تھے اور بازار کی بعض خدمتیں بھی ان سے متعلق تھیں' لیکن سیاسی خدمات کے علاوہ صحابیات نے اسلام کی ہر ممکن خدمت کی ہے جس کی تفصیل ذیل کے عنوانات سے معلوم ہوگی۔

مذہبی خدمات

اشاعت اسلام:

مذہبی خدمات میں اشاعت اسلام سب سے اہم ہے اور اس میں ابتدائے اسلام

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۹۹۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرۂ مصباح بن سرحس۔
[3] موطائے امام مالک کتاب الاقضیہ باب مالا یجوز من النحل۔

Marfat.com

ہی سے صحابیات کی مساعی جمیلہ کا کافی حصہ شامل ہے چنانچہ حضرت ام شریکؓ ایک صحابیہ تھیں جو آغاز اسلام میں مخفی طور پر قریش کی عورتوں کو اسلام کی دعوت دیا کرتی تھیں قریش کو ان کی مخفی کوششوں کا حال معلوم ہوا تو ان کو مکہ سے نکال دیا[1]

ایک غزوہ میں صحابہ کرام پیاس سے بے تاب ہو کر پانی کی تلاش میں نکلے تو حسن اتفاق سے ایک عورت مل گئی جس کے ساتھ پانی کا ایک مشکیزہ تھا' صحابہ اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور آپ کی اجازت سے پانی کو استعمال کیا اگرچہ آپ نے اسی وقت اس کو پانی کی قیمت دلوادی تاہم صحابہ پر اس کے احسان کا یہ اثر تھا کہ جب عورت کے گاؤں کے آس پاس حملہ کرتے تو خاص اس کے گھرانے کو چھوڑ دیتے تھے' اس پر صحابہ کرام کی اس منت پذیری کا یہ اثر ہوا کہ اس نے اپنے تمام خاندان کو قبول اسلام پر آمادہ کیا اور سب کے سب مسلمان ہو گئے[2]

حضرت ام حکیم بنت الحارث کی شادی عکرمہ بن ابی جہل سے ہوئی تھی وہ خود تو فتح مکہ کے دن اسلام لائیں لیکن ان کے شوہر بھاگ کر یمن چلے گئے' حضرت ام حکیمؓ نے یمن کا سفر کیا اور ان کو دعوت اسلام دی وہ مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑے[3]

حضرت ابوطلحہؓ نے حالت کفر میں حضرت ام سلیمؓ سے نکاح کرنا چاہا لیکن انہوں نے کہا تم کافر ہو اور میں مسلمان' نکاح کیونکر ہو سکتا ہے؟ اگر اسلام قبول کر لو تو وہی میرا مہر ہوگا اس کے سوا تم سے کچھ نہ مانگوں گی؟ چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے اور اسلام ہی ان کا مہر قرار پایا[4]

نومسلموں کا تکفل:

ابتدائے اسلام میں جو لوگ اسلام لاتے تھے ان کو مجبوراً اپنے گھربار' اہل وعیال اور مال و جائیداد سے کناہ کش ہونا پڑتا تھا اس بنا پر اس وقت اشاعت اسلام کے ساتھ

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت ام شریکؓ۔ [2] بخاری کتاب الغسل باب الصعید الطیب وضوء المسلم۔
[3] موطائے امام مالک کتاب النکاح باب نکاح المشرک اذا اسلمت زوجتہ قبلہ۔
[4] اسد الغابہ تذکرہ حضرت زید بن سہل بن اسود۔

Marfat.com

اسلام کی سب سے بڑی خدمت یہ تھی کہ نومسلموں کی کفالت کی جائے اور صحابیات اس میں نمایاں حصہ لیتی تھیں چنانچہ حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا کا گھر ان نومسلموں کے لیے گویا مہمان خانہ بن گیا تھا' یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ بنت قیس کو ان کے یہاں صرف اس بنا پر عدت بسر کرنے کی اجازت نہیں دی[1] کہ ان کے گھر مہمانوں کی کثرت سے پردہ کا انتظام نہیں ہوسکتا تھا' حضرت درہؓ بنت ابی لہب بھی نہایت فیاض تھیں اور مسلمانوں کو کھانا کھلایا کرتی تھیں[2]

خدمت مجاہدین:

جس طرح صحابہ کرامؓ بہ شوق غزوات میں شریک ہوتے تھے اسی طرح صحابیات رضی اللہ عنہن بھی خدا کی راہ میں ان سے پیچھے نہیں رہنا چاہتی تھیں ان کے لیے سب سے زیادہ موزوں کام زخمیوں کی مرہم پٹی اور مجاہدین کے آرام و آسائش کا سامان بہم پہنچانا تھا اور وہ اس خدمت کو نہایت خلوص اور دل سوزی سے انجام دیتی تھیں غزوہ خیبر میں متعدد صحابیات شریک جہاد ہوئیں رسول اللہ ﷺ کو ان کا حال معلوم ہوا تو ناراضی کے لہجے میں پوچھا تم کس کے ساتھ اور کس کی اجازت سے آئی ہو؟ بولیں یا رسول اللہ! ہم اون کاتتی ہیں اور اس سے خدا کی راہ میں اعانت کرتی ہیں ہمارے ساتھ زخمیوں کے دوا علاج کا سامان ہے لوگوں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتی ہیں اور ستو گھول گھول کر پلاتی ہیں[3]

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات لڑائیوں میں شریک ہوئیں وہ مجاہدین کے اسباب کی نگرانی کرتی تھیں کھانا پکاتی تھیں' مریضوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں[4] غزوہ احد میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا شریک تھیں اور وہ اور حضرت ام سلیمؓ اپنی پیٹھ پر مشک لاد کر لاتی تھیں اور لوگوں کو پانی پلاتی تھیں[5]

---

1 مسلم کتاب الطلاق باب المطلقہ ثلاثہ نفقہ لہا و کتاب الفتن واشراط الساعۃ باب خروج فی الدجال۔
2 اصابہ تذکرہ درہ۔ 3 ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی المراۃ والعبد یحذیان من الغنیمۃ۔
4 مسلم کتاب الجہاد باب النساء الغازیات یرضخ لہن ولا یسہم والنہی عن قتل صبیان اہل الحرب۔
5 ایضاً باب غزوۃ النساء مع الرجال

Marfat.com

حضرت ربیع بنت مسعود کا بیان ہے کہ ہم سب غزوات میں شریک ہوئی تھیں' پانی پلاتی تھیں' مجاہدین کی خدمت کرتی تھیں اور مدینہ تک زخمیوں اور لاشوں کو اٹھا کر لاتی تھیں[1] حضرت رفیدہؓ نے مسجد نبویؐ میں خیمہ کھڑا کر رکھا تھا جو لوگ زخمی ہو کر آتے تھے وہ اسی خیمے میں ان کا علاج کرتی تھیں چنانچہ حضرت سعد بن معاذؓ خندق میں زخمی ہوئے تو ان کا علاج اسی خیمہ میں کیا گیا[2]

صحابیات کی یہ خدمات خود صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں نہایت قابل قدر خیال کی جاتی تھیں اور خود خلفاء بھی ان کا لحاظ رکھتے تھے' چنانچہ ایک بار حضرت عمرؓ نے مدینہ کی عورتوں میں چادر تقسیم فرمائی' ایک عمدہ چادر رہ گئی تو کسی نے کہا اپنی بی بی ام کلثوم کو دے دیجیے بولے ام سلیطؓ اس کی زیادہ مستحق ہیں کیونکہ وہ غزوہ احد میں مشک بھر بھر کر پانی لاتی تھیں اور ہم کو پلاتی تھیں[3]

خدمات مساجد:

صحابیاتؓ مساجد کی صفائی میں نہایت اہتمام کرتی تھیں ایک بار کسی نے مسجد نبویؐ میں تھوک دیا تھا' رسول اللہؐ نے دیکھا تو اس قدر برہم ہوئے کہ چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا ایک صحابیہ اٹھیں اور اس کو مٹا دیا اور اس جگہ خوشبو لگائی آپ نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ خوب کام کیا[4]

ایک صحابیہ تھیں جو ہمیشہ مسجد نبویؐ میں جھاڑو دیا کرتی تھیں یہ ایک ایسا نیک کام تھا کہ رسول اللہؐ نے اس کی نہایت قدر فرمائی' چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو صحابہ کرامؓ نے انہیں راتوں رات دفن کر دیا اور آپ کو اس کی اطلاع نہ دی' آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ مجھے کیوں نہیں خبر کی بولے حضورؐ استراحت فرما رہے تھے' ہم نے تکلیف دینا گوارا نہیں کیا[5]

بدعات کا استیصال:

بدعت مذہب کے لیے بمنزلہ گھن کے ہے' اس لیے باثر صحابیات ہمیشہ اس بات

---

[1] بخاری کتاب الجہاد باب رد النساء والقتلہ۔ [2] اصابہ تذکرہ رفیدہؓ۔ [3] بخاری کتاب الجہاد باب حمل النساء القرب الی الناس فی الغزو۔ [4] نسائی کتاب الصلوۃ باب تخلیق الی المسجد۔

[5] سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی الصلوۃ علی القبر۔

Marfat.com

کی کوشش کرتی تھیں کہ نخل اسلام میں گھن نہ لگنے پائے مثلاً مسلمانوں میں غلاف کعبہ کی ج
عزت وحرمت قائم ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب غلاف چڑھایا جاتا تو پرانا غلاف چرا چھ
کر خادموں کو کچھ دے دلا کر لے لیتے ہیں اس کو تبرک سمجھ کر لے آتے ہیں اور مکانو
میں رکھتے ہیں دوستوں کو بطور سوغات کے تقسیم کرتے ہیں قرآن ان میں رکھتے ہیں' مسجدو
میں لٹکاتے ہیں اور مریض کو اس سے ہوا دیتے ہیں لیکن قرن اول میں یہ حالت نہ تھی متو
کعبہ صرف یہ کرتا تھا کہ غلاف کو زمین میں دفن کر دیتا تھا کہ وہ ناپاک انسانوں کے کام
نہ رہے شیبہ بن عثمانؓ نے جو اس زمانہ میں کعبہ کے کلید بردار تھے حضرت عائشہؓ سے اس
واقعہ کو بیان کیا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ تعظیم غیر شرعی ہے' خدا اور رسول نے اس کا حکم نہیں
دیا اور ممکن ہے کہ آئندہ اس سے سؤ اعتقاد اور بدعات کا سرچشمہ پھوٹے اس لیے شیبہ
سے کہا کہ ''یہ تو اچھی بات نہیں تم برا کرتے ہو' جب غلاف کعبہ سے اتر گیا اور کسی نے اس
کو ناپاکی کی حالت میں استعمال بھی کر لیا تو کوئی مضائقہ نہیں' تم کو چاہیے کہ اس کو بیچ ڈالا
کرو اور اس کی قیمت غریبوں اور مسافروں کو دے دیا کرو[1]

احتساب:

جو چیز مذہب واخلاق کو صحیح اصول پر قائم رکھتی ہے شریعت کی اصطلاح میں اس کا نام احتساب ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تین درجے مقرر فرما دیئے ہیں:

من رای منکم منکر افلیغیر بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذالک اضعف الایمان. (مسلم)

''تم سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دے اگر اس میں اس کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے اس کا انکار کرے اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو دل سے اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے''۔

اور باا ثر صحابیات نے پہلے دونوں طریقوں سے اس مذہبی خدمت کو انجام دیا ہے
ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک گھر میں مہمان اتریں' میزبان کی دو لڑکیوں کو جو جوان

[1] عین الاصابہ بحوالہ سنن بیہقی۔

Marfat.com

ہو چلی تھیں دیکھا کہ بے چادر اوڑھے نماز پڑھ رہی ہیں' تاکید کی کہ آئندہ کوئی لڑکی بے چادر اوڑھے ہوئے نماز نہ پڑھے رسول اللہ ﷺ نے یہی فرمایا ہے[1]

ایک دفعہ ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ ان کے پاس آئے اور معمولی طور پر جھٹ پٹ وضو کر کے چلے' حضرت عائشہؓ نے ٹوکا کہ عبدالرحمٰن وضو اچھی طرح کیا کرو' رسول اللہ ﷺ کو میں نے کہتے ہوئے سنا ہے کہ وضو میں جو عضو نہ بھیگے اس پر جہنم کی پھٹکار ہو[2]

ایک بار انہوں نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کی چادر میں صلیب کے نقش و نگار بنے ہوئے ہیں دیکھنے کے ساتھ ڈانٹا کہ یہ چادر اتار دو' رسول اللہ ﷺ ایسے کپڑوں کو دیکھتے تھے تو پھاڑ ڈالتے تھے[3]

ایک بار ان کی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمٰن نہایت باریک دوپٹہ اوڑھ کر سامنے آئیں دیکھنے کے ساتھ ہی غصہ سے دوپٹہ کو چاک کر دیا' پھر فرمایا' تم نہیں جانتیں کہ سورہ نور میں خدا نے کیا احکام نازل فرمائی ہیں اس کے بعد گاڑھے کا دوپٹہ منگوا کر اوڑھایا[4]

اخلاقی خدمات

نرد بازی کی روک ٹوک:

فتوحات عجم کے بعد عرب میں نرد بازی' شطرنج اور مرغ بازی وغیرہ کا رواج ہوا' تو صحابیات نے اس پر شدت کے ساتھ دار و گیر کی چنانچہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں کچھ کرایہ دار رہتے تھے ان کی نسبت ان کو معلوم ہوا کہ وہ نرد کھیلتے ہیں تو سخت برافروختہ ہوئیں اور کہلا بھیجا کہ اگر نرد کی گوٹیوں کو میرے گھر سے باہر نہ پھینک دو گے' تو میں اپنے گھر سے نکلوا دوں گی[5]

شراب خواری کی روک ٹوک:

فتح عجم کے بعد اہل عرب شراب کے جدید اقسام و نام سے آشنا ہوئے جن میں ایک باذق تھا (یعنی بادہ) چونکہ عربی میں شراب کو خمر کہتے ہیں اور اس کا اطلاق صرف

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۹۶۔ [2] ایضاً ص ۳۸۵۔ [3] مسند جلد ۶ ص ۱۴۰۔ [4] موطا امام مالک کتاب اللباس۔
[5] ادب المفرد باب الادب واخراج الذین یلعبون بالنرد۔

Marfat.com

انگوری شراب پر ہوتا ہے اس بنا پر لوگوں کو شبہ تھا کہ ان شرابوں کا کیا حکم ہے؟ لیکن حضرت عائشہؓ نے اپنی مجلس میں بالاعلان کہہ دیا کہ شراب کے برتنوں میں چھوہارے تک بھگوئے جائیں پھر عورتوں کی طرف خطاب کر کے کہا اگر تمہارے مٹکوں کے پانی سے بھی نشہ آئے تو وہ بھی حرام ہے رسول اللہ ﷺ نے ہر نشی چیز سے منع فرمایا ہے[1]

مصنوعی بال لگانے کی ممانعت:

قدیم زمانہ میں یہودیہ عورتوں میں جو بداخلاقیاں پھیل گئی تھیں ان میں ایک یہ تھی کہ جن عورتوں کے بال جھڑ جاتے تھے وہ مصنوعی بال لگا دیتی تھیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے مسلمان عورتوں کو اس کی ممانعت فرما دی تھی آپ کے بعد جب مسلمان عورتوں نے بھی یہی روش اختیار کی تو صحابیات نے اس پر شدت سے روک ٹوک کی' چنانچہ ایک دفعہ کسی عورت نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ ''میری بیٹی دلہن بنی ہے لیکن بیماری سے اس کے بال جھڑ گئے ہیں' کیا مصنوعی بال جوڑ دوں''؟ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے[2]

علمی خدمات

علم تفسیر:

قرآن مجید ایک ایسی مقدس اور بزرگ ترین کتاب ہے کہ اگر اس کی ایک آیت بھی کسی کی شان میں نازل ہو جائے تو وہ اس کے شرف کے لیے کافی ہے چنانچہ حضرت زینبؓ کے نکاح کے متعلق قرآن مجید کی جو آیت نازل ہوئی تھی اس پر وہ فخر کیا کرتی تھیں۔

ایک سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک ہار گم ہو گیا تھا رسول اللہؐ نے اس کی تلاش میں چند صحابہ کو بھیجا' وہ اس کی تلاش میں نکلے تو راستے میں نماز کا وقت ہو گیا اور لوگوں نے بغیر وضو کے نماز پڑھی واپس آئے تو آپ سے اس کی شکایت کی' اس پر آیت تیمّم نازل ہوئی' حضرت اسید بن حضیرؓ نے اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بڑی فضیلت سمجھا اور ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

[1] سنن نسائی کتاب الخمر۔ [2] مسند جلد ٦ ص ١١١۔ [3] کتاب النکاح باب استعارہ الثیاب للعروس وغیرہا۔

Marfat.com

جزاک اللہ خیرا فواللہ مانزل بک امر قط الا جعل اللہ لک منہ مخرجاً وجعل المسلمین فیہ برکتہ.

''خدا تم کو جزائے خیر دے تم کو کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آیا جس سے خدا نے تمہارے نکلنے کا راستہ نہیں بتایا اور مسلمانوں کے لیے وہ ایک برکت بن گیا''۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ کی بی بی حضرت خولہؓ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی:

﴿ قد سمع اللہ قول التی تجادلک ﴾

''خدا نے اس عورت کی بات سن لی جو تم سے جھگڑتی تھی''۔

اور اس نے ان کے رتبے کو اس قدر بلند کر دیا تھا کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد سے آ رہے تھے راہ میں ان سے ملاقات ہوگئی اور انہوں نے ان کو سلام کیا بولیں ''اے عمرؓ میں نے تمہارا وہ زمانہ دیکھا ہے جب تم کو لوگ بازار عکاظ میں عمر کہتے تھے اور اب تو تمہارا لقب امیر المومنین ہے' پس رعایا کے معاملے میں خدا سے ڈرو اور یقین کرو کہ جو شخص عذاب الٰہی سے ڈرے گا اس پر بعید قریب ہو جائے گا اور جو موت سے ڈرے گا اس کو فوت ہو جانے کا خوف لگا رہے گا'' ایک شخص جو ساتھ میں تھے بولے بی بی تم نے تو امیر المومنین کو بہت کچھ کہہ ڈالا لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا' جانے دو یہ خولہؓ بنت حکیم ہیں اور عبادہ بن صامتؓ کی بی بی ہیں اللہ تعالیٰ نے آسمان کے اوپر سے ان کی بات سن لی تھی' پھر عمر رضی اللہ عنہ کو تو اور سننا چاہیے''۔[1]

لیکن جس کتاب کی ایک آیت بھی انسانی شرف وعزت کے لیے کافی ہے اس کا ایک خاص حصہ صحابیات کے متعلق نازل ہوا یعنی ایک مستقل سورہ (نساء) خاص طور صحابیاتؓ کے احکام و معاملات کے متعلق نازل ہوئی ہے سورۂ نور کی متعدد آیتیں بھی انہی کے ساتھ مخصوص ہیں' ان کے علاوہ اور بھی متعدد آیتیں ان کی شان میں نازل ہوئی ہیں اس بنا پر ان آیتوں اور ان سورتوں کے شان نزول اور ان کی تفسیر سے اکثر صحابیات کو تعلق ہے تاہم عام طور پر تفسیر کے جو معنی سمجھے جاتے ہیں اور جس معنی کی رو سے ایک شخص مفسر کہا جا سکتا ہے اس کے لحاظ سے تمام صحابیات میں صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علم تفسیر میں اکابر صحابہ

[1] اصابہ تذکرۂ خولہ۔

Marfat.com

کی ہمسر ہیں اور انہوں نے نہایت دقیق آیتوں کی تفسیریں کی ہیں[1] ان سے احادیث کی کتابوں میں جو تفسیری روایتیں مذکور ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ آیتیں ہیں جن کے متعلق ان کے دل میں کوئی بات کھٹکی ہے اور انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ سے استفسار فرمایا ہے اور آپ نے ان کی تفسیر کی ہے مثلاً ایک دفعہ آپ نے بیان نے فرمایا کہ من حوسب عذب قیامت میں جس کا حساب ہوا' اس پر عذاب ہو گیا' حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ خدا تو فرماتا ہے:

﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيْرًا﴾ ''اور اس سے آسان حساب لیا جائے گا''۔

آپ نے فرمایا ''یہ اعمال کی پیش ہے' لیکن جس کے اعمال میں جرح قدح شروع ہوئی' وہ برباد ہی ہوا۔ ایک دفعہ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہؐ خدا فرماتا ہے:

﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾

''جس دن زمین سے دوسری زمین بدل دی جائے گی' اور آسمان بھی بدل دیا جائے گا اور تمام مخلوق خدائے واحد قہار کے روبرو ہو جائے گی''۔

ایک دوسری آیت یہ پڑھی:

﴿وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُه يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِه﴾

''تمام زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے''۔

لیکن جب زمین و آسمان میں کچھ نہ ہوگا تو لوگ کہاں ہوں گے آپ نے فرمایا' صراط پر۔ قرآن مجید کی ایک آیت ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رَاجِعُوْنَ﴾

''جو لوگ کام کرتے ہیں خوف زدہ دل سے کرتے ہیں' وہ اپنے خدا کی طرف رجوع کریں گے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو شک تھا کہ جو چور ہے' بدکار ہے' شرابی ہے لیکن خدا سے ڈرتا ہے' کیا وہ بھی اس سے مراد ہے' آپ نے فرمایا نہیں عائشہؓ' اس سے وہ مراد ہے جو نمازی ہے' روزہ دار ہے زکوٰۃ دیتا ہے اور پھر خدا سے ڈرتا ہے دوسری آیتیں جن کے متعلق

---

[1] ماخوذ از سیرت عائشہؓ' سیرت عائشہؓ میں ان تفسیروں کے حوالے بھی مذکور ہیں۔

Marfat.com

دوسروں کے دل میں کوئی شبہہ پیدا ہوا اور انہوں نے حضرت عائشہؓ سے ان کے متعلق سوال کیا ہے جس کا انہوں نے نہایت خوبی کے ساتھ ازالہ کیا ہے مثلاً:

1. اعمال حج میں سے ایک وہ صفا ومروہ کے درمیان دوڑنا بھی ہے قرآن مجید میں اس کے متعلق حسب ذیل الفاظ ہیں:

﴿ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ﴾ (بقرہ)

''صفا اور مروہ کی پہاڑیاں شعائر الٰہی میں سے ہیں' پس جو خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے کچھ مضائقہ نہیں اگر وہ ان کا بھی طواف کرے''۔

عروہ نے کہا خالہ جان! اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ اگر کوئی طواف نہ کرے تو بھی کچھ حرج نہیں فرمایا بھانجے تم نے ٹھیک نہیں کہا اگر آیت کا مطلب وہ ہوتا جو تم سمجھے ہو تو خدا یوں فرماتا: ''لا جناح علیہ ان لا یطوف بھما'' اگر ان کا طواف نہ کرو تو کچھ ہرج نہیں' اصل میں یہ آیت انصار کی شان میں نازل ہوئی ہے اوس وخزرج اسلام سے پہلے منات کی جے پکارا کرتے تھے منات مشلل میں نصب تھا اس لیے صفا اور مروہ کے طواف کو وہ برا جانتے تھے اسلام لائے تو آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم لوگ پہلے ایسا کرتے تھے' اب کیا حکم ہے' اس پر خدا نے ارشاد فرمایا کہ صفا اور مروہ کا طواف کرو اس میں کوئی مضائقہ کی بات نہیں۔

ابوبکر بن عبدالرحمٰن ایک محدث تھے ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ تقریر معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا علم اس کو کہتے ہیں''۔

2. قرآن مجید کی ایک آیت ہے:

﴿ حَتّٰى اِذَا اسْتَايْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ﴾

''یہاں تک کہ جب پیغمبر ناامید ہوگئے اور ان کو خیال ہوا کہ وہ جھوٹ بولے گئے تو ہماری مدد آ گئی''۔

عروہ نے پوچھا و کذبوا (جھوٹ بولے گئے یعنی اس سے جھوٹ وعدہ کیا گیا) یا کذّبوا (وہ جھٹلائے گئے) فرمایا کذّبوا (جھٹلائے گئے) عروہ نے کہا اس کا تو ان کو یقین

Marfat.com

ہی تھا کہ وہ جھٹلائے گئے اور ان کی قوم نے ان کی نبوت کی تکذیب کی' یہ ظن اور خیال تو نہ تھا اس لیے کذبوا (ان سے جھوٹ وعدہ کیا گیا) صحیح ہے بولیں معاذ اللہ پیغمبران الٰہی خدا کی نسبت یہ گمان نہیں کر سکتے کہ اس نے ان سے امداد و نصرت کا جھوٹ وعدہ کیا' عروہ نے پوچھا پھر آیت کا مطلب کیا ہے' فرمایا کہ یہ پیغمبروں کے پیروؤں کے متعلق ہے کہ جب انہوں نے ایمان قبول کیا اور نبوت کی تصدیق کی اور ان کی قوم نے ان کو ستایا اور امداد الٰہی میں ان کو تاخیر نظر آئی یہاں تک کہ پیغمبر اپنی قوم کے منکرین ایمان سے ناامید ہو گئے تو ان کو خیال ہوا کہ شاید اس تاخیر کے سبب سے مومنین بھی ہماری تکذیب نہ کر دیں کہ دفعتہً خدا کی مدد آ گئی۔

❸ جس آیت پاک میں چار بیویوں تک کی اجازت دی گئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتَامٰی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ﴾ (نساء)

''اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیموں کے بارے میں تم انصاف نہ کر سکو گے تو عورتوں میں سے دو دو تین تین چار چار سے نکاح کر لو''۔

بظاہر آیت کے پہلے اور پچھلے ٹکڑوں میں ربط معلوم نہیں ہوتا' یتیموں کے حقوق میں عدم انصاف اور چار نکاح کی اجازت میں باہم کیا تعلق ہے' چنانچہ ایک شاگرد نے حضرت عائشہؓ کے سامنے اس اشکال کو پیش کیا تو فرمایا کہ آیت کا شان نزول یہ ہے کہ بعض لوگ یتیم لڑکیوں کے ولی ہو جاتے ہیں' ان سے موروثی رشتہ داری ہوتی ہے وہ اپنی ولایت کے زور سے چاہتے ہیں کہ ان سے نکاح کر کے ان کی جائیداد پر قبضہ کر لیں اور چونکہ ان کی طرف سے کوئی بولنے والا نہیں ہوتا اس لیے مجبور پا کر اس کو ہر طرح دباتے ہیں' خدائے پاک انہیں لوگوں کو خطاب کرتا ہے کہ اگر تم ان یتیم لڑکیوں کے معاملہ میں انصاف سے پیش نہ آ سکو تو ان کے علاوہ اور عورتوں سے دو' تین' چار نکاح کر لو مگر ان کو نکاح کر کے اپنے قابو میں نہ لے آؤ۔

﴿ یَسْتَفْتُوْنَكَ فِی النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِیْهِنَّ وَمَا یُتْلٰی عَلَیْكُمْ فِی الْكِتٰبِ فِیْ یَتٰمَی النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ ﴾

Marfat.com

''ان لڑکیوں کی نسبت لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہہ دے کہ خدا ان کے حق میں فیصلہ کرتا ہے اس کتاب میں (قرآن) جو کچھ تم لوگوں کو پڑھ کر سنایا گیا ہے ان یتیم لڑکیوں کی نسبت جن کو نہ تو تم ان کے مقررہ حقوق دیتے ہو اور نہ خود ان سے نکاح کرنا چاہتے ہو''۔ (نساء)

اسی سائل نے اس کے بعد اس آیت کا مطلب دریافت فرمایا کہ اس آیت میں یہ جو ارشاد ہوا ہے کہ قرآن میں پہلے جو کچھ ان کے بارے میں پڑھ کر سنایا گیا ہے اس سے وہی آیت مراد ہے یہ حکم ان اولیا سے متعلق ہے جو یتیم لڑکیوں کو نہ خود اپنے نکاح میں لاتے ہیں کہ وہ حسن سے محروم ہیں اور نہ دوسروں سے ان کا نکاح کر دینا پسند کرتے ہیں کہ جائیداد مشترکہ کے ہاتھ سے نکل جانے کا خوف ہے:

- 5 اس آیت کے مطلب میں لوگوں کا اختلاف ہے:

﴿مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾

''جو تونگر ہو اس کو اس سے بچنا چاہیے اور جو تنگ دست ہو وہ قاعدے کے مطابق اس سے لے لے''۔

یہ آیت اولیائے یتامی کی شان میں ہے کہ اگر محتاج ہوں تو یتیموں کے مال سے لے کر کھا سکتے ہیں لیکن حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت حسب ذیل آیت سے منسوخ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا﴾

''جو لوگ ظلم کر کے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کھاتے ہیں''۔

لیکن اس آیت میں تو یہ سزا ان لوگوں کے لیے بیان کی گئی ہے جو ظلم کر کے یتیموں کا مال کھاتے ہیں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جس آیت میں کھانے کی اجازت ہے وہ ان لوگوں کے لیے ہے جو یتیموں کی جائیداد کی دیکھ بھال کرتے ہیں ان کا کاروبار سنبھالتے ہیں اگر ولی صاحب استطاعت ہے تو اس کو اس خدمت کا معاوضہ نہ لینا چاہیے اور اگر وہ مفلس اور تنگ دست ہے تو قاعدے کے مطابق حسب حیثیت لے سکتا ہے اس

Marfat.com

تفسیر کی بنا پر دونوں آیتوں میں کوئی تخالف نہیں ہے:

❻ عورت کو اگر اپنے شوہر سے شکایت ہو تو اس موقع کی آیت ہے:

﴿ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَّالصُّلْحُ خَيْرٌ ﴾ (نساء)

''اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے ناراضامندی اور اعراض کا خوف ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ دونوں آپس میں صلح کر لیں اور صلح تو بہر حال بہتر ہے''۔

لیکن دفع ناراضی کے لیے صلح کرنا تو ایک عام بات ہے اس لیے خدائے پاک کو اس حکم کے نازل کرنے کی کیا حاجت تھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت اس عورت کی شان میں ہے جس کا شوہر پاس زیادہ آتا جاتا نہیں یا بیوی سن سے اتر گئی ہے اور شوہر کی خدمت گزاری کے قابل نہیں رہی ہے زن وشوئی کے باہمی فرائض انجام دینا ایک فرض دینی ہے لیکن اس خاص حالت میں اگر بیوی طلاق لینا پسند نہ کرے اور اپنے عام حقوق سے شوہر کو سبکدوش کر دے تو یہ باہمی مصالحت بری نہیں' بلکہ قطعی علیحدگی سے بہتر ہے۔

ان آیات کے علاوہ حضرت عائشہؓ سے اور آیتوں کی تفسیریں بھی مروی ہیں لیکن ہم نے جن آیتوں کی تفسیریں درج کی ہیں ان سے دقت نظری کے علاوہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جو آیتیں عورتوں کے نکاح وطلاق کے معاملات سے تعلق رکھتی ہیں ان کا مطلب انہوں نے کس قدر صحیح سمجھا ہے اور کس طرح ان کو یاد رکھا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اگر عورتیں اپنے حقوق کا تحفظ کرنا چاہتی ہیں تو ان کو قرآن وحدیث کی صحیح تعلیم کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ کرنی چاہیے۔

علم اسرار الدین:

علم اسرار الدین اس علم کو کہتے ہیں جس میں احکام شریعت کے علل واسباب اور ان کے حکم ومصالح بیان کیے جاتے ہیں اور یہ علم اس قدر دقیقہ سنجی پر مبنی ہے کہ صرف چند فقہائے صحابہ یعنی حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ نے اس کے اصول وقواعد ممہد کیے ہیں باقی اس فن میں اور صحابیہ کی مساعی جمیلہ کا حصہ

Marfat.com

بہت کم شامل ہے بالخصوص اس میں صحابیات کے کارنامے تو بالکل نظر نہیں آتے لیکن تنہا حضرت عائشہؓ نے شریعت کے جن رموز واسرار کی گرہ کشائی کردی ہے وہ صحابیات کی اس کمی کو پورا کر دیتی ہے بلکہ اس فن میں خود صحابہ سے بھی ان کا پلہ بھاری نظر آتا ہے اور صحابہ سے اس علم کے متفرق مسائل احادیث کی کتابوں میں مذکور ہیں لیکن حضرت عائشہؓ کے مسائل کی تعداد ان سے کئی گنا زیادہ ہے اور انہوں نے مذکورہ بالا صحابہ سے بہت زیادہ شریعت کے اسرار ومصالح کی پردہ کشائی کی ہے اور بہ کثرت مسائل کے علل واسباب بیان کیے ہیں[1] مثلاً عہد نبوت میں عورتوں کی اخلاقی حالت چونکہ قابل اعتماد تھی اس لیے ان کو حضور صلوٰۃ اور شرکت جماعت کی اجازت تھی لیکن جب اخیر زمانہ میں عورتوں کے نظام اخلاق میں انحطاط پیدا ہو گیا تو حضرت عائشہؓ نے صاف صاف کہہ دیا:

لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعھن المساجد کما منع نساء بنی اسرائیل[2]

''عورتوں نے اپنی حالت میں جو تغیرات پیدا کر لیے ہیں اگر رسول اللہ ﷺ ان کو دیکھتے تو ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے جیسا کہ بنو اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں''۔

قرآن مجید کی مکی اور مدنی سورتوں میں متعدد فروق وامتیازات ہیں' مثلاً جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں ان میں زیادہ تر عقائد اور وقائع اخروی کا ذکر ہے اور مدنی سورتوں میں بتدریج اوامر ونواہی کا مطالبہ کیا گیا ہے کیونکہ اسلام ایک جاہل قوم میں آیا اس لیے اس کو پہلے خطیبانہ اور واعظانہ طریقہ سے جنت اور دوزخ کا حال سنایا گیا جب اس سے لوگ متاثر ہو چکے تھے تو اسلام کے احکام وقوانین اور اوامر ونواہی نازل ہوئے اگر زنا وشراب خوری وغیرہ سے اجتناب کا پہلے ہی دن مطالبہ کیا جاتا تو دفعتہً کون اس نامانوس آواز کو سنتا؟ اس قسم کے امتیازات وفروق کے دریافت کرنے پر یورپ کے علمائے مستشرقین کو بڑا ناز ہے' لیکن حضرت عائشہؓ نے پہلے ہی دن اس راز کو فاش کر دیا تھا' صحیح بخاری میں ان سے مروی ہے:

---

[1] ماخوذ سیرت عائشہؓ۔ [2] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد والتشدید فی ذالک۔

Marfat.com

انما نزل اول ما انزل منه سورة من المفصل فيها ذكر الجنة والنار حتى اذا ثاب الناس الى الاسلام ثم نزل الحرام والحلال لو نزل اول شئى لا تشربوا الخمر لقالوا لا ندع الخمرا بداً ولو نزل لا تزنوا لقالوا لا ندع الزنا ابداً لقد نزل بمكه وانا جارية العب بل الساعة موعدهم والساعة ادهى وامر ومانزلت سورة البقرة والنساء الا وانا عنده (باب تاليف القرآن).

''قرآن کی سب سے پہلی سورہ جو نازل ہوئی وہ مفصل کی سورہ ہے جس میں جنت و دوزخ کا ذکر ہے یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تو پھر حلال وحرام اترا' اگر پہلے یہ اترتا کہ شراب مت پیو تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز شراب نہ چھوڑیں گے اور اگر یہ اترتا کہ زنا نہ کرو تو کہتے کہ ہم ہرگز زنا نہ چھوڑیں گے مکہ میں جب میں کھیلتی تھی تو یہ اترا کہ ان کے وعدہ کا دن قیامت ہے اور قیامت نہایت سخت اور نہایت تلخ چیز ہے سورہ بقرہ اور سورہ نساء جب اتریں تو میں آپ کی خدمات میں تھی''۔

اسلام کے ظہور سے پہلے مدینہ میں قبائل باہم خانہ جنگیوں میں مصروف تھے' جن میں ان کے اکثر ارباب ادعا جو اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیئے ہر نئی تحریک کی کامیابی میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں' قتل ہوگئے انصار ان لڑائیوں سے اس قدر چور ہوگئے تھے کہ اسلام آیا تو سب نے اس کو اپنے لیے رحمت سمجھا چونکہ ارباب ادعاء کا طبقہ مفقود ہو چکا تھا' اس لیے ان کی راہ میں کسی نے موانع نہیں پیدا کیے اس طریقہ سے خدائے پاک نے ہجرت سے پہلے ہی مدینہ میں اسلام کی ترقی کے راستے صاف کردیئے' یورپ کے فلسفۂ تاریخ نے آج اس نکتہ کو حل کیا ہے لیکن حضرت عائشہؓ نے ان سے پہلے ہم کو بتا دیا تھا:

كان يوم بعاث يوماً قدمه الله لرسولهٗ فقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد افترق علوهم وقتلت سرواتهم وجوجوافقدمه الله لرسول في دخولهم الاسلام. (بخاری کتاب القسامه فی الجاهلية)

Marfat.com

''جنگ بعاث وہ واقعہ تھا جس کو خدا نے اپنے رسول کے لیے پہلے ہی سے پیدا کر دیا تھا رسول اللہ ﷺ مدینہ مین آئے تو انصار کی جمعیت منتشر ہوگئی تھی اوران کے سردار مارے جاچکے تھے اس لیے خدا نے اپنے رسول کے لیے ان کے حلقہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے یہ واقعہ پہلے ہی سے مہیا کر دیا ہے''۔

جن نمازوں میں چار رکعتیں ہوتی ہیں' قصر کی حالت میں ان کی صرف دو رکعتیں ہوتی ہیں' بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ چار میں سے دو سہولت کی خاطر ساقط کر دی گئی ہیں لیکن حضرت عائشہؓ اس کی وجہ یہ بتاتی ہیں:

فرضت الصلوٰۃ رکعتین ثم هاجر النبی صلی الله علیه وسلم وفرضت اربعاً وترکت صلوة السفر علی الاول. (بخاری باب هجرت)

''مکہ میں دو رکعتیں نماز کی فرض تھیں جب آپ نے ہجرت فرمائی تو چار فرض کی گئیں اور سفر کی نماز اپنی قدیم حالت پر چھوڑ دی گئیں''

عبادت کا تو خدا نے ہر وقت حکم دیا ہے لیکن احادیث میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ نماز عصر اور نماز فجر کے بعد کوئی نماز یعنی نفل و سنت بھی جائز نہیں اس لیے بظاہر اس کی ممانعت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی' لیکن حضرت عائشہؓ اس کی وجہ بیان فرماتی ہیں:

وهم عمر انما نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن الصلوٰۃ ان یتحری طلوع الشمس وغروبها. (مسند احمد جلد ٦ ص ١٤٤)

''عمر کو وہم ہوا آپ نے صرف اس طرح نماز سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص آفتاب کے طلوع یا غروب کے وقت کو تاک کر نماز نہ پڑھے''۔

یعنی آفتاب پرستی کا شبہ نہ ہو آفتاب پرستوں کے ساتھ عبادت میں تشابہ نہ ہو۔

احادیث میں ہے کہ رسول اللہؐ بیٹھ کر نفل پڑھتے تھے اس بنا پر لوگ بغیر کسی عذر کے بھی بیٹھ کر نفل نماز پڑھنا مستحب سمجھتے ہیں ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ کیا آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے؟ جواب دیا:

حین حطمه الناس. (ابوداؤد باب صلوٰۃ القاعد)

Marfat.com

''یہ اس وقت تھا جب لوگوں نے آپ کو توڑ دیا' یعنی آپ کمزور ہو گئے''۔

ابوداؤد اور مسلم میں ان سے اس قسم کی اور روایتیں بھی مروی ہیں' جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کبرسنی اور ضعف کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔

ہجرت کے بعد جب نمازوں میں دو رکعتوں کی بجائے چار رکعتیں ہو گئیں تو مغرب میں یہ اضافہ کیوں نہیں کیا گیا؟ حضرت عائشہؓ اس کا یہ جواب دیتی ہیں:

فانها وتر النهار (مسند جلد ۶ ص ۲۴۱)

''مغرب میں اضافہ نہ ہوا کیونکہ وہ دن کی وتر ہے''۔

یعنی جس طرح رات کی نمازوں میں تین رکعتیں وتر کی ہیں اسی طرح دن کی نمازوں میں وتر کی یہ تین رکعتیں ہیں۔ نماز فجر میں تو اطمینان زیادہ ہوتا ہے اس لیے اس میں رکعتیں اور زیادہ ہونی چاہئیں لیکن اور نمازوں سے کم ہیں' حضرت عائشہؓ اس کی وجہ یہ بیان فرماتی ہیں:

وصلوٰة الفجر لطول قراتها. (مسند جلد ۶ ص ۲۴۱)

''نماز فجر میں رکعات کا اضافہ اس لیے نہیں ہوا کہ دونوں رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھی جاتی ہیں''۔

یعنی رکعتوں کی کمی کو طول قرأت نے پورا کر دیا۔

اہل جاہلیت عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے' اور وہ فرضیت صوم سے پہلے اسلام میں بھی واجب رہا' حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اسی قسم کی روایت احادیث میں مذکور ہے لیکن وہ یہ نہیں بیان کرتے کہ جاہلیت میں اس دن کیوں روزہ رکھا جاتا تھا لیکن حضرت عائشہؓ اس کا سبب یہ بیان فرماتی ہیں:

كانوا يصومون يوم عاشوراء قبل ان يفرض رمضان و كان يوم تسترفيه الكعبة. (مسند احمد جلد ۶ ص ۲۴۴)

''اہل عرب رمضان کی فرضیت سے پہلے عاشوراء کے دن کا روزہ رکھتے تھے کیونکہ اس روز کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا''۔

Marfat.com

باوجود یہ کہ آپ ہمیشہ تہجد پڑھتے تھے، لیکن رمضان کے پورے مہینے میں آپ نے تراویح نہیں پڑھی، حضرت عائشہؓ اس کی وجہ بیان فرماتی ہیں کہ پہلے دن جب آپ نے مسجد میں نماز تراویح ادا فرمائی تو کچھ اور لوگ بھی شریک ہو گئے، دوسرے دن اور زیادہ مجمع ہوا، تیسرے دن اور بھی لوگ جمع ہوئے چوتھے دن اتنا مجمع ہوا کہ مسجد میں جگہ نہ رہی لیکن آپ باہر تشریف نہ لائے اور لوگ مایوس ہو کر چلے گئے، صبح کو آپ نے لوگوں سے فرمایا:

اما بعد فانه لم يخف على شانكم الليلة ولكني خشيت ان تفرض عليكم صلوٰة الليل فتعجزوا.

"رات تمہاری حالت مجھ سے پوشیدہ نہ تھی لیکن مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تم پر تراویح فرض نہ ہو جائے اور تم اس کے ادا کرنے سے قاصر رہو"۔

حج کے بعض ارکان مثلاً طواف کرنا، بعض مقامات پر دوڑنا، کہیں کھڑا ہونا، کہیں کنکری پھینکنا بظاہر فعل عبث معلوم ہوتے ہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

- **انما جعل الطواف بالبيت بالصفا والمروة ورمى الجمار لا قامة ذكر الله عزوجل.** (مسند احمد جلد ۶ ص ۶۴)

"خانۂ کعبہ صفا اور مروہ کا طواف کنکریاں پھینکنا تو صرف خدا کی یاد کرنے کے لیے ہے"۔

قرآن مجید کے ارشادات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں یہ بھی ایک طرز عبادت تھا، چونکہ حج یادگار ابراہیم ہے اس لیے وہی طرز عبادت قائم رکھا گیا۔ مکہ معظمہ کے پاس محصب نام ایک وادی ہے جس میں رسول اللہؐ نے ایام حج میں قیام فرمایا تھا اور آپ کے بعد خلفائے راشدین بھی اس میں قیام فرماتے رہے، اس بناء پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس کو سنن حج میں شمار کرتے تھے، لیکن حضرت عائشہؓ اس کو سنت نہیں سمجھتی تھیں اور آپ کے قیام کی وجہ بیان فرماتی تھیں:

انما نزله رسول الله صلى الله عليه وسلم لانه كان منزلا اسمح لخروجه.

"آپ نے یہاں صرف اس لیے قیام کیا تھا کہ یہاں سے چلنے میں آسانی ہوتی ہے"۔

Marfat.com

حضرت ابن عباسؓ اور ابورافعؓ بھی اس مسئلہ میں حضرت عائشہؓ کے ہم زبان ہیں[1]

ایک دفعہ آپ نے حکم دیا تھا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھا جائے، بہت سے صحابہؓ اس حکم کو دائمی سمجھتے تھے لیکن متعدد صحابہ کے نزدیک یہ حکم وقتی تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ان ہی لوگوں میں ہے اور اس وقتی حکم کا سبب بتاتی ہیں:

لا ولکن لم یکن یضحی منهم الا قلیلا ففعل ذالک لیطعم من ضحی من لم یضح. (مسند جلد ۶ ص ۱۰۲)

''یہ نہیں کہ قربانی کا گوشت تین دن کے بعد حرام ہو جاتا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں کم لوگ قربانی کر سکتے تھے اس لیے آپ نے حکم دیا کہ جو لوگ قربانی کریں وہ ان لوگوں کو کھلائیں جنہوں نے قربانی نہیں کی''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہی حدیث امام مسلم نے ایک خبر کی صورت میں بیان کی ہے یعنی یہ کہ ایک سال مدینہ کے آس پاس دیہاتوں میں قحط پڑا اس سال آپ نے یہ حکم دیا اور دوسرے سال جب قحط نہیں رہا تو اس کو منسوخ فرما دیا، حضرت سلمہؓ بن اکوع سے بھی اس قسم کی روایت ہے[2]

کعبہ کے ایک طرف کی دیوار کے بعد کچھ جگہ چھوٹی ہوئی تھی جس کو حطیم کہتے ہیں اور طواف میں اس کو بھی اندر داخل کر لیتے ہیں لیکن ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جو حصہ کعبہ کے اندر داخل نہیں اس کو طواف میں کیوں شامل کرتے ہیں؟ حضرت عائشہؓ کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا، اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ! یہ دیواریں بھی خانۂ کعبہ میں داخل ہیں؟ ارشاد ہوا ''ہاں'' عرض کی کہ پھر بناتے وقت لوگوں نے ان کو اندر کیوں نہیں کر لیا؟ فرمایا تیری قوم کے پاس سرمایہ نہ تھا اس لیے اتنا کم کر دیا، پھر عرض کی کہ اس کا دروازہ اتنا بلند کیوں رکھا؟ فرمایا یہ اس لیے تاکہ وہ جس کو چاہیں اندر جانے دیں جس کو چاہیں روک دیں''۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ اگر عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت صحیح ہے تو معلوم ہوتا ہے

---

[1] مسلم استحباب النزول بالمحصب و مسند جلد ۶ ص ۱۶۰۔ [2] مسلم کتاب الذبائح۔

Marfat.com

کہ آپ نے اسی لیے ادھر کے دونوں رکنوں کا بوسہ نہیں دیا لیکن سوال یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو یہ معلوم ہوا کہ خانہ کعبہ اپنے اصلی اساس پر قائم نہیں ہے تو شریعت ابراہیم کے مجدد کی حیثیت سے آپ کا فرض تھا کہ اس کو ڈھا کر نئے سرے سے تعمیر کرتے لیکن آپ نے حضرت عائشہؓ سے خود اس کی وجہ یہ بیان فرما دی ہے کہ ''عائشہؓ تیری قوم اگر کفر کے زمانہ سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کو ڈھا کر اساس ابراہیمی[1] پر تعمیر کراتا''۔

آج کل ہجرت کے یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ گھر بار چھوڑ کر مدینہ جا کر آباد ہو جانا خواہ وہ جہاں آباد تھے' کیسے ہی امن و امان کا مالک ہو لیکن حضرت عائشہؓ نے ہجرت کی حقیقت یہ بتائی ہے:

لا ھجرۃ الیوم کان المومنون یفر احد ھم بدینہ الی اللہ والی رسولہ مخافۃ ان یفتن علیہ فاما الیوم فقد اظھر اللہ الاسلام والیوم یعبد ربہ حیث شاء ولکن جھاد و نیۃ۔ (بخاری باب الھجرۃ)

''اب ہجرت نہیں ہے' ہجرت اس وقت تھی جب مسلمان اپنے مذہب کو لے کر خدا اور اس کے رسول کے پاس ڈر سے دوڑا آتا تھا کہ اس کو تبدیل مذہب کی بنا پر ستایا نہ جائے لیکن اب خدا نے اسلام کو غالب کر دیا' اب مسلمان جہاں چاہے اپنے خدا کو پوج سکتا ہے' ہاں جہاد اور نیت کا ثواب باقی ہے''۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہؓ میں اختلاف پیدا ہوا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے' ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ پیغمبر جہاں مرتے ہیں وہی دفن ہوتے ہیں لیکن اس کا اصلی سبب حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ الذی لم یقم منہ لعن اللہ الیھود والنصاری اتخذو قبور انبیائھم مساجد لولا ذالک ابرز قبرہ غیرانہ خشی ان یتخذ مسجداً۔

''آپ نے مرض الموت میں فرمایا کہ خدا یہود و نصاریٰ پر لعنت بھیجے کہ انہوں

---

[1] مسلم باب نقض الکعبہ۔

Marfat.com

نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں) کہ اگر یہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر کھلے میدان میں ہوتی لیکن چونکہ اس کا خوف تھا کہ وہ بھی سجدہ گاہ نہ بن جائے اس لیے آپ حجرے ہی کے اندر مدفون ہوئے''۔

(بخاری آخر کتاب الجنائز و مسند احمد جلد ۶ ص ۱۲۱)

علم حدیث:

محدثین نے روایت حدیث کے لحاظ سے صحابہ کے پانچ طبقے قرار دیئے ہیں اور تقریباً ہر طبقے میں صحابہ کے ساتھ صحابیات بھی شامل ہیں۔

1. اول طبقہ' یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا شمار اسی طبقے سے ہیں۔
2. دوسرا طبقہ' یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں پانچ سو یا پانچ سو سے زیادہ ہیں اس میں کوئی صحابیہ شامل نہیں۔
3. تیسرا طبقہ' یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں سو یا سو سے زیادہ ہیں مگر پانچ سو سے کم ہیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اسی میں محسوب ہیں۔
4. چوتھا طبقہ' یعنی وہ صحابہ جن کی تعداد روایت چالیس سے سو تک ہے اس طبقہ میں بکثرت صحابیات شامل ہیں مثلاً ام المومنین ام حبیبہؓ' ام المومنین میمونہؓ' ام عطیہؓ انصاریہ' ام المومنین حفصہؓ' اسماء بنت ابی بکرؓ' ام ہانی رضی اللہ عنہا۔
5. پانچواں طبقہ' یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں چالیس یا چالیس سے کم ہیں' اس طبقے میں بھی بکثرت صحابیات شامل ہیں' مثلاً حضرت ام قیسؓ' حضرت فاطمہؓ بنت قیس' حضرت ربیع بنت مسعودؓ' حضرت سبرہ بنت صفوانؓ' حضرت کلثوم بنت حصین غفاریؓ' حضرت جداء بنت وہبؓ وغیرہ۔

فن درایت:

روایت کے علاوہ حدیث کے متعلق درایت کی ابتدا صحابیات سے ہوئی۔ یعنی حضرت عائشہؓ نے بعض روایتوں پر درایۃً تنقید کی' اور اس نے درایت کے

Marfat.com

خاص خاص اصول قائم ہوئے مثلاً ان کے سامنے جب یہ روایت کی گئی[1]، کہ مردے پر اس کے اہل وعیال کے رونے سے عذاب ہوتا ہے تو انہوں نے درایۃً اس روایت کے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا خود قرآن مجید میں ہے:

﴿لا تذر وازرة وزر اخرى﴾ "ایک کے گناہ کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھا سکتا"۔

رونا اہل وعیال کا گناہ ہے اس کا عذاب مردے پر کیوں ہوگا؟ اس سے یہ اصول قائم ہوا کہ جو روایت نصوص قرآنیہ کے خلاف ہو وہ قبول نہیں کی جا سکتی' چنانچہ اس اصول کی رو سے انہوں نے متعدد روایتوں کی تنقید کی ہے' مثلاً صحابہ کرام کے دور میں یہ خیال پھیل گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج میں خدا کو دیکھا تھا' لیکن حضرت عائشہؓ کے سامنے اس کا ذکر آیا تو بولیں جو شخص یہ روایت کرے وہ دروغ گو ہے اس کے بعد یہ آیت پڑھی:

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾

"خدا کو کوئی نگاہ پا نہیں سکتی' اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے' وہ لطیف اور خبیر ہے"۔

ان کے سامنے جب یہ روایت کی گئی کہ نحوست عورت' گھوڑے اور گھر میں ہے' تو انہوں نے اس کا انکار کیا' اور یہ آیت پڑھی:

﴿مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا﴾

"زمین میں یا تمہارے اندر جو تمہیں مصیبتیں پہنچتی ہیں' وہ پہلے سے لکھی ہوتی ہیں"۔

غزوہ بدر میں جو کفار مارے گئے تھے' رسول اللہ ﷺ نے ان کے مدفن پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا:

﴿هَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا﴾ "خدا نے جو تم سے وعدہ کیا تھا اس کو پایا"

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کی یارسول اللہ! آپ مردوں کو پکارتے ہیں' آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

---

[1] یہ روایتیں بہ ترتیب عین الاصابہ فیما استدرکتہ السیدۃ عائشہؓ علی الصحابہ صفحہ ۸ و ۱۷، ۲۱ میں موجود ہیں' اخیر روایت کے علاوہ اور روایتیں بخاری میں بھی ہیں۔

Marfat.com

ما انتم باسمع منهم ولکن لا یجیبون

''تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے''

حضرت عائشہؓ کے سامنے جب یہ روایت کی گئی تو انہوں نے کہا کہ آپ نے یہ نہیں بلکہ یہ ارشاد فرمایا تھا:

انهم لیعلمون الا ان ما کنت اقول لهم حق

''وہ اس وقت یقینی طور پر جانتے ہیں کہ میں ان سے جو کچھ کہتا تھا وہ سچ تھا''۔

اس کے بعد انہوں نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:

﴿ اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی وَمَا اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ ﴾

''اے پیغمبر ﷺ! تو مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتا اور نہ ان کو جو قبر میں ہیں''۔

مطلب یہ ہے کہ اس آیت کی رو سے کفار آپ کی بات سن ہی نہیں سکتے تھے[1]

عام طور پر لوگ متعہ کی حرمت میں احادیث پیش کرتے ہیں لیکن حضرت عائشہؓ کے ایک شاگرد نے جواز متعہ کی روایت کی نسبت ان سے پوچھا تو انہوں نے اس کا جواب حدیث سے نہیں دیا بلکہ فرمایا میرے تمہارے درمیان خدا کی کتاب ہے، پھر یہ آیت پڑھی:

﴿ وَالَّذِیۡنَ هُمۡ لِفُرُوۡجِهِمۡ حَافِظُوۡنَ اِلَّا عَلٰۤی اَزۡوَاجِهِمۡ اَوۡمَامَلَکَتۡ اَیۡمَانُهُمۡ فَاِنَّهُمۡ غَیۡرُ مَلُوۡمِیۡنَ ﴾

''جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں بجز اپنی بی بیوں یا لونڈیوں کے ان پر کوئی ملامت نہیں''۔

اس لیے ان دو صورتوں کے علاوہ اور کوئی صورت جائز نہیں[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ حرامی لڑکا تینوں میں (ماں، باپ، بچہ) بدتر ہے حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا یہ صحیح نہیں ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک منافق تھا جو رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہا کرتا تھا، لوگوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہؐ! اس کے علاوہ وہ ولد الزنا بھی ہے آپ نے فرمایا کہ وہ تینوں میں بدتر ہے'' یعنی اپنے ماں باپ سے زیادہ

[1] بخاری غزوہ بدر۔ [2] اصابہ سیوطی بحوالۂ حاکم۔

Marfat.com

برا ہے' یہ ایک خاص واقعہ تھا عام نہ تھا' خدا خود فرماتا ہے:

﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴾ ''کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھاتا''

یعنی قصور تو ماں کا ہے بچہ کا کیا گناہ ہے[1] جس کی بنا پر وہ ان سے برا قرار دیا جائے۔

علم فقہ:

عہد نبوت میں علم فقہ کوئی مدون و مرتب علم نہ تھا کہ صحابہ باقاعدہ اس کی تعلیم حاصل کرتے سوال و استفسار کے ذریعہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے مسائل دریافت کیے جاسکتے ہیں لیکن صحابہ کرام کچھ تو فرط ادب سے اور کچھ اس لیے کہ قرآن مجید نے سوال کی ممانعت کردی تھی آپ سے بہت کم مسائل دریافت کرتے تھے' مسند دارمی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے رسول اللہؐ سے تیرہ مسائل دریافت کیے جو کل کے کل قرآن مجید میں مذکور ہیں[2]

اس بنا پر آپ سے فقہی تعلیم حاصل کرنے کا صرف یہ طریقہ تھا کہ صحابہ کرام آپ کے تمام اعمال مثلاً وضو' نماز' روزہ' حج اور زکوۃ کا بغور مطالعہ کرتے تھے اور قرائن وامارت سے ان اعمال کے مشروط ارکان کو مباح' واجب اور منسوخ وغیرہ قرار دیتے تھے[3] لیکن صحابیات کو اس طرح سے فائدہ اٹھانے کا بہت کم موقع ملتا تھا اس کے ساتھ جو فقہی مسائل عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں وہ عام طور پر بیان نہیں کیے جاسکتے تھے' اس لیے صحابیات کو زیادہ تر آپ سے سوال واستفسار کی ضرورت پیش آتی تھی' چنانچہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

نعم النساء نساء الانصار لم یکن یمنعھن الحیاء ان یتفقھن فی الدین[4]

''انصار یہ عورتیں کس قدر اچھی ہیں کہ تفقہ فی الدین سے ان کو حیا باز نہیں رکھ سکتی تھیں''۔

غرض اس طریقہ تعلیم سے صحابہ وصحابیات کو مختلف فوائد پہنچے اور اس طرح ان

---

[1] اصابہ سیوطی بحوالہ حاکم۔ [2] مسند دارمی ص ۲۹۔ [3] حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مطبوعہ مصر ص ۱۱۲۔
[4] مسلم کتاب الطہارت باب استحباب استعمال المغتسلہ من الحیض فرصۃ من مسک فی موضع الدم۔

Marfat.com

کے تین طبقے قرار پائے:

❶ مکثرین یعنی وہ لوگ جن سے بکثرت مسائل منقول ہیں۔

❷ مقلیین یعنی وہ لوگ جن سے بہت کم مسائل مروی ہیں۔

❸ متوسطین یعنی وہ لوگ جو ان دونوں طبقوں کے بین بین ہیں۔

اوران تینوں طبقوں میں صحابہ کے ساتھ جو صحابیات شامل ہیں ان کے نام حسب ذیل ہیں:

مکثرین میں جن کے متعلق علامہ ابن حزم نے لکھا ہے کہ اگر ان کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ہر ایک کے فتاویٰ سے ضخیم جلدیں تیار ہوسکتی ہیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا داخل ہیں۔

متوسطین میں جن کے فتاویٰ رسالوں کی صورت میں جمع ہو سکتے ہیں' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا شامل ہیں۔

مقلیین جن سے صرف چند مسائل منقول ہیں' ان میں بکثرت صحابیات شامل ہیں' مثلاً حضرت ام عطیہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، یعلی بنت قالف، حضرت اسماءؓ، حضرت ام شریکؓ، حضرت خولاؓ، حضرت عاتکہ بنت یزیدؓ، حضرت سہلہؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت فاطمہ بنت قیسؓ وغیرہ۔

Marfat.com

(خاتمہ)

مناقب صحابیات رضی اللہ عنہن

یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سب سے افضل کون ہے؟ عام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ خلفاء راشدینؓ تمام صحابہؓ میں افضل ہیں اور خود خلفاء میں فضیلت کے مدارج ترتیب خلافت کی رو سے قائم ہوئے ہیں لیکن علامہ ابن حزم ظاہری کے نزدیک ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تمام صحابہ میں افضل ہیں اور اس مسئلہ کو انہوں نے اپنی بات کتاب ''الملل والنحل'' میں نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور اسی سلسلہ میں ان آیات واحادیث کے جوابات بھی دیئے ہیں' جس سے بظاہر ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کا درجہ عموماً مردوں سے کم ہے لیکن اس وقت ہم ان مباحث میں پڑنا نہیں چاہتے' بلکہ مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے جو وجوہ فضیلت قائم ہوسکتی ہیں ان کو پیش نظر رکھ کر صحابیاتؓ کے مناقب میں صحیح حدیثیں نقل کردیتے ہیں جس سے ثابت ہوگا کہ جن وجوہ کی بنا پر صحابہ کرامؓ کے فضائل کی بنیاد قائم ہوئی ہے ان میں ان کے ساتھ صحابیات رضی اللہ عنہن بھی شامل ہیں۔

اسلام میں سب سے بڑی فضیلت تقدم فی الاسلام ہے اور حضرت ابوبکرؓ صدیق کے پاس فضائل میں یہ فضیلت سب سے نمایاں ہے لیکن اس فضیلت میں ان کے ساتھ دو عورتیں بھی شامل ہیں' یعنی حضرت خدیجہؓ اور سمیہؓ یا ام ایمنؓ۔ چنانچہ بخاری مناقب ابوبکرؓ میں حضرت عمارؓ سے روایت ہے:

راءیت رسول اللہ ﷺ وما معہ الا خمسۃ اعبد وامرتان وابوبکر.

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ آپؐ کے ساتھ صرف پانچ غلام اور دو عورتیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے''۔

تقدم فی الاسلام کے بعد سب سے بڑی فضیلت تقدم فی الہجرت ہے اور اس

Marfat.com

فضیلت میں تمام مہاجرات اولات صحابہ کی شریک ہیں' چنانچہ علامہ ابن حزم ظاہری ''الملل والنحل'' میں لکھتے ہیں:

فلیسانشک ان المھاجرات الاولات من نساء صحابة رضی الله عنهم یشار کن الصحابة فی الفضل ففاضلة ومفضولة وفاضل ومفضول ففیهن من یفضل کثیرا من الرجال وفی الرجال من یفضل کثیراً منهن وما ذکر الله تعالیٰ منزلة من الفضل الا وترون النساء مع الرجال فیها کقوله تعالیٰ ''ان المسلمین والمسلمات''.[1]

''ہم کو اس میں شک نہیں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بیبیوں میں مہاجرات اولات فضیلت میں صحابہ کی شریک ہیں۔ ان میں کسی عورت کو کسی عورت پر اور کسی مرد کو کسی مرد پر فضیلت حاصل ہے۔ عورتوں میں بعض عورتیں بہت سے مردوں پر فضیلت رکھتی ہیں اور اسی طرح مردوں میں بعض مرد بہت سی عورتوں پر فضیلت رکھتے ہیں' خدا نے فضیلت کا کوئی درجہ ایسا نہیں بیان کیا جس میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو نہ شامل کیا ہو' مثلاً خدا کا یہ قول کہ ''مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں''۔

اسلام میں سب سے پہلی ہجرت حبشہ کی ہجرت ہے' اور اس ہجرت میں ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کو ایک ایسا شرف حاصل ہوا جس پر تمام مہاجرین حبشہ کو ناز تھا چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ جب ہم کو مدینہ کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا حال معلوم ہوا تو ہم نے بھی اپنی قوم کے ۵۳ یا ۵۲ آدمیوں کے ساتھ ہجرت کا ارادہ کیا اور اس غرض سے کشتی پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے' سو اتفاق سے کشتی حبش میں جا پڑی اور ان لوگوں کی ملاقات حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور ان کے رفقاء سے ہوگئی' چنانچہ حضرت جعفرؓ نے ان لوگوں سے کہا کہ ہم کو رسول اللہؐ نے یہاں بھیجا ہے اور یہیں اقامت کا حکم دیا ہے تم لوگ بھی ہمارے ساتھ اقامت کرو' ان لوگوں نے وہاں اقامت اختیار کی' یہاں تک کہ جب خیبر فتح ہوا تو سب کے سب ایک ساتھ آئے اور خیبر ہی میں

[1] الملل والنحل جلد ۴ ص ۱۲۶۔

Marfat.com

رسول اللہ ؐ سے ملے' اس موقعہ پر ان کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ جو لوگ غزوۂ خیبر میں شریک نہ تھے ان میں ان کے سوا رسول اللہ ؐ نے کسی کو مال غنیمت میں حصہ نہیں دیا۔ ان لوگوں سے بعض صحابہؓ نے کہا کہ ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے۔ حضرت اسماء بنت عمیس بھی ان ہی لوگوں کے ساتھ حبشہ سے آئی تھیں وہ ایک روز حضرت حفصہؓ کی ملاقات کو گئیں تو حضرت عمر بھی آ گئے اور ان کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ حضرت حفصہؓ نے جواب دیا کہ اسماء بنت عمیس' ان کا نام سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا حبشہ ہے۔ یہ بحریہ (یعنی سمندر کی رہنے والی) ہے' حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے کہا کہ ہاں ہم ہیں' اب حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے ہم تم سے زیادہ رسول اللہؐ کے مستحق ہیں' یہ سن کر حضرت اسماءؓ برہم ہوئیں اور کہا کہ عمر تم غلط کہتے ہو۔ خدا کی قسم تم رسول اللہؐ کے ساتھ رہتے تھے اور آپ تمہارے بھوکے کو کھانا کھلاتے تھے اور تمہارے جاہل کو نصیحت کرتے تھے اور ہم حبش کی دور ترین مبغوض زمین میں پڑے ہوئے تھے' ہم کو ایذا دی جاتی تھی ہم خائف رہتے تھے اور یہ سب کچھ صرف خدا اور رسول کی ذات کے لیے تھا' خدا کی قسم تم نے جو کچھ کہا ہے جب تک اس کا ذکر رسول اللہؐ سے نہ کروں گی نہ کھانا کھاؤں گی' نہ پانی پیوں گی' خدا کی قسم کسی قسم کا جھوٹ نہ بولوں گی' کجروی اختیار نہ کروں گی اور اس واقعہ میں کوئی اضافہ نہ کروں گی۔ چنانچہ جب آپ تشریف لائے تو انہوں نے اس واقعہ کو بیان کیا اور آپؐ نے اس کو سن کر فرمایا وہ تم سے زیادہ میرے' مستحق نہیں ہیں' عمرؓ اور ان کے اصحاب کی صرف ایک ہجرت ہے اور تم اہل کشتی کی دو ہجرتیں ہیں' حضرت اسماء کا بیان ہے کہ ابو موسیٰ اور دوسرے کشتی والے جوق در جوق میرے پاس آتے تھے اور اس حدیث کو پوچھتے تھے ان کے لیے دنیا کی کوئی چیز اس سے زیادہ مسرت خیز اور باعظمت نہ تھی' حضرت ابو موسیٰ بار بار مجھ سے اس حدیث کو پوچھتے تھے[1] فضیلت کی ایک بڑی وجہ محبت رسولؐ ہے اور اس محبت کی وجہ سے بعض صحابیات کو وہ درجہ تقرب رسولؐ حاصل ہوا' جو صرف مخصوص صحابہ کو حاصل تھا' صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہؐ ازواج مطہرات کے سوا بجز حضرت ام سلیمؓ (حضرت انس کی ماں) کے کسی عورت کے پاس تشریف نہیں لے جاتے تھے۔

---

[1] مسلم باب فضائل جعفر بن ابی طالبؓ و اسماء بنت عمیسؓ و اہل سفینتہم۔

Marfat.com

چنانچہ آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا مجھے ان پر رحم آتا ہے کیونکہ ان کے بھائی میرے ساتھ شہید ہوئے تھے[1] جس لطف و محبت کے ساتھ آپ ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے اسی لطف و محبت کے ساتھ وہ آپ کی خدمت گزاری بھی کرتی تھیں، بخاری ''کتاب الاستیذان'' میں ہے کہ جب آپ ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے تو وہ آپ کے لیے بچھونا بچھا دیتیں، آپ آرام فرماتے۔ جب سو کر اٹھتے تو وہ آپ کا پسینہ ایک شیشی میں جمع کر لیتیں، مرتے وقت وصیت کی کہ کفن میں حنوط کے ساتھ عرق مبارک بھی شامل کیا جائے حضرت انس بن مالک کی خالہ ام حرام رضی اللہ عنہا کو بھی اکثر یہ شرف حاصل ہوتا تھا، چنانچہ معمول تھا کہ جب آپ قبا تشریف لے جاتے تو ان کے پاس ضرور جاتے، وہ اکثر کھانا لا کر پیش کرتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نوش فرماتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو جاتے تو وہ آپ کے بالوں سے جوئیں نکالتیں۔[2]

مخصوص صحابیات کے علاوہ قومی حیثیت سے بھی بعض صحابیات کو بعض معاشرتی فضائل حاصل ہیں اور ان فضائل میں اس قبیلے کی تمام صحابیات شامل ہیں۔ مثلاً ایک بار رسول اللہؐ نے حضرت ام ہانی سے نکاح کی خواہش کی، تو انہوں نے یہ معذرت کی کہ میرا سن زیادہ ہو گیا ہے اور میرے لڑکے ہیں (جن کی پرورش میرے لیے ضروری ہے) اس موقع پر آپ نے عموماً قریشی عورتوں کی یہ فضیلت بیان کی:

خیر نساء رکبن الابل نساء قریش احناه علی یتیم فی صغره و رعاه علی زوج فی ذات یده.[3]

''شتر سوار عورتوں میں سب سے بہتر قریش کی عورتیں ہیں۔ بچپن میں اپنے یتیم بچے سے محبت رکھتی ہیں، اور اپنے شوہر کے مال کی بہت حفاظت کرتی ہیں''۔

انصار کا قبیلہ اسلام میں ایک خاص درجہ فضیلت رکھتا ہے اور اس قبیلہ کے مرد اور عورت دونوں رسول اللہ کو یکساں محبوب تھے۔ چنانچہ حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ ایک بار انصار کی عورتیں اور انصار کے لڑکے ایک شادی کی تقریب سے واپس آ رہے تھے، آپ نے ان

---

[1] صحیح مسلم باب من فضائل ام انس ابن مالک و بلال۔ [2] بخاری کتاب الجہاد ص ۱۱۔
[3] مسلم باب من فضائل نسب قریش۔

Marfat.com

کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور تین بار فرمایا کہ ”تم لوگ میرے نزدیک زیادہ محبوب ہو“۔ دوسری روایت میں ہے کہ ایک انصاریہ صحابیہؓ اپنے بچے کو لے کر آئیں اور آپؐ نے ان سے گفتگو فرمائی اور اس سلسلہ میں دوبارہ فرمایا کہ ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم تمام لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو“۔[1]

ان فضائل کی بنیاد پر رسول اللہؐ کے وصال کے بعد خلفائے راشدینؓ نے بھی صحابیات کی قدر و منزلت کو قائم رکھا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہؐ ام ایمن کی ملاقات کو تشریف لے جایا کرتے تھے آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ آؤ چلیں۔ جس طرح رسول اللہؐ ان سے ملاقات کو جایا کرتے تھے اسی طرح ہم بھی ان کی ملاقات کر آئیں۔ چنانچہ جب ان کے پاس پہنچے تو رو پڑیں، ان لوگوں نے کہا کیوں روتی ہو؟ خدا کے پاس رسولؐ کا جو درجہ ہے وہ نہایت معتبر ہے، بولیں میں اس لیے نہیں روتی کہ میں اس سے ناواقف ہوں بلکہ اس لیے روتی ہوں کہ وحی کا آسمانی سلسلہ ٹوٹ گیا۔ اس پر دونوں بزرگ بھی رو پڑے۔[2]

عام صحابیاتؓ کے علاوہ ازواج مطہرات کو جو عزت حاصل تھی عورتوں کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی، جب رسول اللہ کی ایک حرم محترم نے انتقال کیا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سجدے میں گر پڑے، لوگوں نے کہا آپ اس وقت سجدہ کرتے ہیں؟ بولے ”جب قیامت کی کوئی نشانی دیکھو تو سجدہ کر لیا کرو، پھر ازواج مطہرات کی موت سے بڑھ کر قیامت کی کون سی نشانی ہوگی؟“[3] مقام سرف میں میں حضرت میمونہؓ نے وفات پائی، تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی ساتھ تھے بولے کہ ”یہ میمونہ ہیں، ان کا جنازہ اٹھاؤ تو مطلق حرکت و جنبش نہ دو“۔[4]

بعض صحابہ عزت و محبت کی وجہ سے ازواج مطہرات پر اپنی جائیدادیں وقف کرتے تھے چنانچہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے ازواج مطہراتؓ کے لیے ایک باغ کی وصیت کی تھی جو چار ہزار میں فروخت کیا گیا۔[5]

---

[1] مسلم، بخاری، کتاب المناقب باب قول النبی ﷺ للانصار ”انتم احب الناس الی“ [2] مسلم باب فضائل ام ایمن۔
[3] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب السجود عند الایات۔ [4] نسائی کتاب النکاح۔ ذکر امر رسول ﷺ فی النکاح وازواجہ وما اباح اللہ عزوجل لنبیہ ﷺ۔ [5] ترمذی۔ کتاب المناقب، مناقب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔

Marfat.com

خلفاء ازواج مطہرات کا نہایت ادب و احترام کرتے تھے حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں ازواج مطہرات کی تعداد کے لحاظ سے نو پیالے تیار کرائے تھے' جب ان کے پاس کوئی میوہ اور کھانے کی عمدہ چیز آتی' تو ان پیالوں میں کر کے تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی خدمت میں بھیجتے تھے[1]

۲۳ھ میں جب حضرت عمرؓ امیر الحاج بن کر گئے تو ازواج مطہرات کو بھی نہایت عزت کے ساتھ ہمراہ لے گئے' حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو سواریوں کے ساتھ کر دیا تھا' یہ لوگ آگے پیچھے چلتے تھے اور کسی کو سواریوں کے قریب آنے نہیں دیتے تھے۔ ازواج مطہراتؓ منزل پر اترتی تھیں اور حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کسی کو قیام کے متصل آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے[2]

عام مسلمان ازواج مطہرات کے ساتھ جو حسن عقیدت رکھتے تھے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ لوگ عام طور پر حضرت عائشہ کی خدمت میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو لاتے تھے اور وہ ان کے لیے دعائے برکت فرماتی تھیں[3] حضرت عائشہ بنت طلحہ نے حضرت عائشہؓ کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی' ان کا بیان ہے کہ لوگ دور دور سے میرے پاس آتے تھے' اور چونکہ مجھ کو حضرت عائشہؓ سے تقرب حاصل تھا اس لیے بوڑھے بوڑھے لوگ میرے پاس آتے تھے' جوان لوگ مجھ سے بھائی چارہ کرتے تھے' اور مجھ کو ہدیہ دیتے تھے اور اطراف ملک سے خطوط بھیجتے تھے[4]

غرض ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے عورت اور مرد دونوں کا درجہ یکساں بلند کیا' اور خلفائے راشدینؓ اور عام مسلمانوں نے اس درجہ کو قائم رکھا لیکن صحابیات کو یہ درجہ صرف مذہب' اخلاق اور حسن معاشرت کی بنا پر حاصل ہوا تھا' اور آج بھی انہی چیزوں سے عورتیں اپنے درجے بلند کر سکتی ہیں۔

---

[1] موطاء امام مالک کتاب الزکوۃ باب حرمۃ اہل الکتاب والمجوس۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔ [4] ادب المفرد باب الطیرۃ من الجن۔
[5] ادب المفرد باب الکتاب الی النساء وجوابھن۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلمان عورتوں کی بہادری

از

علامہ سید سلیمان ندوی

یورپ کے گولڈن ڈیڈس میں سب سے زریں کارنامہ ایک بہادر عورت کا واقعہ ہے جس نے موقع جنگ پر نپولین کے مقابلہ میں ایک سپاہی کا کام انجام دیا تھا' ۱۸۰۸ء میں جب نپولین بونا پارٹ پرتگال کی مہم سر کر چکا' تو اپنے بھائی جوزف کو یہاں اپنا قائم مقام چھوڑ کر اسپین کی طرف بڑھا' دار السلطنت آرگان کے شہر زرگوزا (سرقوسہ) میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا' اسپین نے جنگی طاقت کے علاوہ قومی جوش سے بھی اس فتنہ کو فرو کرنا چاہا' تمام ملک میں وطن اور قوم کی جے پکاری جانے لگی' اور ہر شخص اپنے ملک پر جان فدا کرنے پر مستعد ہو گیا' اس موقع پر جنس انسانی کے ایک کمزور اور نازک طبقہ نے بھی حتی الامکان وطن کے لیے جان فروشی کی۔

عورتوں اور ضعیف بچوں کی سرفروشی اور کیا ہو سکتی تھی؟ انہوں نے مجروح سپاہیوں کی خدمت کی' کونٹسٹ بیوریٹا نے عورتوں اور بچوں کی ایک جماعت ترتیب دی' جن کے متعلق یہ خدمت سپرد کی کہ موقع جنگ پر سپاہیوں کو کھانا پہنچائیں' زخمی سپاہیوں کو میدان کارزار سے اٹھالائیں' اور ان کی تیمارداری کریں اور ان کی مرہم پٹی کریں' اسی جنگی تاریخ کا ایک پرفخر واقعہ یہ ہے کہ اگسٹینا زرالوزا ایک دن ایک سپاہی کا کھانا لے جاتی تھی' کہ اثنائے راہ میں ایک خوفناک سین اس کو نظر آیا' عین معرکہ میں ایک گولہ انداز سپاہی کو گولی لگی اور وہ گر گیا' دوسرے سپاہی کھڑے ہیں' اور ہمت کرتے ہیں کہ مقتول سپاہی کی جگہ کھڑے ہو کر دشمن کو ادھر آنے سے رکیں' مگر بندوق کی گولیاں اس زوروں سے برس رہی تھیں' کہ آگے بڑھتے ہوئے لوگوں کے قدم ڈگمگا رہے تھے' بہادر اگسٹینا دوڑ کر مقتول سپاہی کی جگہ پہنچی' اور اس توپ میں جس کو مقتول سپاہی نے ٹھیک دشمنوں کے نشانے پر رکھا

Marfat.com

تھا' دیا سلائی لگادی اور اخیر معرکہ تک اس کا دست ہمت شل نہ ہوا' اور وہ برابر کام کرتی رہی۔

اختتام جنگ پر اگسٹینا کو معلوم ہوا کہ اس نے اپنے شوہر کی طرف سے یہ خدمت ادا کی' جس کی مردہ لاش توپ کے پیچھے پڑی تھی' ملک وقوم نے اگسٹینا کی اس خدمت کو اس عزت سے دیکھا کہ جب تک وہ زندہ رہی' سلطنت سے اس کو وظیفہ ملتا رہا' یورپین ارباب قلم نے گولڈن ڈیڈس کے سب سے قیمتی اور قابل عزت سلسلۂ واقعات میں اس کا ذکر کیا۔

جان آف آرک یورپ کی ایک بہادر عورت تھی' جس نے مردانہ لباس پہن کر بطور سپہ سالار کے ۱۴۲۸ء میں آرلینس کا محاصرہ کیا' پیٹے کی لڑائی میں انگریزوں کو شکست دی' اور چارلس ہفتم کو تخت پر بٹھایا' ۱۴۳۱ء میں اس جرم پر کہ اس میں یہ مافوق الفطرت قوت بزور سحر ہے' جلادی گئی' جان کے کارناموں کی انتہائی شہرت یہ ہے کہ اسکول کا بچہ بچہ اس سے واقف ہے' اور اب ۱۹۲۰ء میں یورپ نے اس کے ولیہ ہونے کو تسلیم کرلیا۔

اس کے مقابلہ میں ہماری قومی تاریخوں اس قسم کے بیسیوں واقعات ہیں' لیکن افسوس ہے کہ ہمارے کان ان سے آشنا نہیں ہیں' اور افسوس ہے کہ نہیں ہیں' اسلام سے پہلے بھی عرب میں یہ دستور تھا' کہ معرکہ میں عورتیں بھی مردوں کے ساتھ شریک رہتی تھیں' عورتوں اور بچوں کی جماعت صف جنگ سے پیچھے رہتی تھی' ان کا کام یہ ہوتا تھا کہ مجروح سپاہیوں کی تیمارداری کریں' گھوڑوں کی خدمت کریں' اپنے بہادر شوہروں کو آرام پہنچائیں' اسلاف کے تاریخی کارناموں کے رجز سے یہ جوش پیدا کریں' غنیم کے مقتول سپاہیوں کے ہتھیار کھول لیں یا بھاگتوں کو گرفتار کریں اور قیدیوں کی حفاظت کریں۔

عرب کا مشہور شاعر عمرو بن کلثوم فخر کے لہجہ میں کہتا ہے:

علی اثارنا بیض حسان　　نحاذر ان تقسم اوتھونا

ہماری صف کے پیچھے حسین گوری عورتیں ہیں ہم کو برابر ڈر رہتا ہے کہ ان کی اہانت نہ ہو

اخذن علی بعولتھن عھدا　　اذالاقوا کتائب معلمینا

اور دشمن ان پر قبضہ نہ پائیں' ان عورتوں نے میدان قتال میں جانبازی کا اپنے شوہروں سے

لکی یسلبن افراساً وبیضاً　　واسری فی الحبال مقرنینا

Marfat.com

عہد لے لیا ہے' وہ ہمارے ساتھ اس لیے رہتی ہیں تا کہ دشمنوں کے گھوڑے اور ہتھیار لے لیں اور

ضعائن من بنی جشم بن بکر خلطن بمیسم حسبا و دینا

دشمنوں کو گرفتار کر لیں' یہ جشم بن بکر کے خاندان کی عورتیں ہیں جن میں حسن کے ساتھ خاندانی عزت اور

یقتن جیادنا و یقلن لستم بعولتنا اذا لم تمنعونا

مذہب بھی ہے ہمارے گھوڑوں کی خدمت کرتی ہیں اور ان کا قول ہے کہ اگر تم ہمیں دشمنوں سے نہ بچا سکو تو تم ہمارے شوہر نہیں۔

اسلام میں بھی یہ قدیم دستور قائم رہا' جہاد میں برابر مردوں کے ساتھ ان کی عورتیں شریک رہتی تھیں' بخاری میں ہے کہ غزوۂ احد میں ام المومنین حضرت عائشہؓ اپنے ہاتھ سے مشک بھر بھر کر زخمی سپاہیوں کو پانی پلاتی تھیں۔

محدث ابونعیم نے روایت کی ہے کہ جنگ خیبر میں فوج کے ساتھ چھ عورتیں بھی مدینہ سے چلی تھیں' رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر نہ تھی' جب معلوم ہوا تو رسول اللہؐ نے غضب ونفرت کے لہجے میں ان سے فرمایا کہ تم کو کس نے فوج کے ساتھ آنے کی اجازت دی؟ ان عورتوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہؐ! ہمارے ساتھ دوائیں ہیں' ہم زخمیوں کو مرہم لگائیں گی' بدن سے تیر نکالیں گی' کھانے کا انتظام کریں گی' آپؐ نے فرمایا خیر ٹھہرو! جب خیبر فتح ہوا تو اور سپاہیوں کے ساتھ ان عورتوں کو بھی رسول اللہؐ نے مال غنیمت سے حصہ دیا[1]

ام سلیمؓ اور انصار کی عورتیں انہی خدمات کے لیے اکثر غزووں میں شریک رہی ہیں[2] ربیع بنت معوذ اور دوسری عورتوں نے شہداء اور مجروحین کو احد کے میدان جنگ سے اٹھا کر مدینہ لانے کی خدمت انجام دی تھی[3] ام رفیدہؓ صحابیہ کا ایک خیمہ تھا جس میں وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں[4]

ام زیاد اشجعیہؓ اور دوسری پانچ عورتوں نے غزوۂ خیبر میں چرخہ کات کر مسلمانوں

---

[1] ابوداؤد فتح خیبر۔ [2] ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۲۵۲۔ [3] بخاری کتاب الطب۔ [4] ابوداؤد کتاب ج ۱ ص ۲۷۰۔

Marfat.com

کو مدد دی تھی، وہ میدان سے تیر اٹھا کر لاتی تھیں، اور سپاہیوں کو ستو پلاتی تھیں [1]

حضرت ام عطیہؓ نے سات غزوات میں صحابہ کے لیے کھانا پکایا تھا [2]

ابن جریر طبری ایک موقع پر لکھتا ہے، کہ مسلمانوں نے اپنے مقتولین کو ایک جگہ جمع کر کے صف کے پیچھے ڈال دیا، اور جو لوگ مقتولین کی تجہیز و تکفین کے لیے متعین تھے، وہ مجروحوں کو عورتوں کے سپرد کرتے، اور جو شہداء ہوتے، ان کو دفن کر دیتے، اغواث اور ارماث کی لڑائیوں میں جو فتح قادسیہ کے سلسلے میں لڑی گئی تھیں، عورتیں اور بچے قبر کھودتے تھے [3]

قادسیہ کی لڑائی کا واقعہ ایک عورت جو موقع جنگ پر موجود تھی، اس طرح بیان کرتی ہے کہ جب لڑائی کا خاتمہ ہو چکا تو ہم اپنے کپڑے کس کس کر رزم گاہ کی طرف چلے، ہمارے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں، میدان میں جہاں کہیں کوئی مسلمان مجروح سپاہی نظر آیا اس کو اٹھا لیا [4]

مذکورہ بالا واقعات سے مذہبی ولولہ، قومی ہمدردی، غیرت اور بہادری کے علاوہ ان خدمات کی بھی تفصیل معلوم ہوتی ہے جو لڑائیوں میں عورتوں کے متعلق تھی:

❶ زخمیوں کو پانی پلانا۔ ❷ فوج کے کھانے کا انتظام۔ ❸ قبر کھودنا۔

❹ مجروح سپاہیوں کو معرکہ جنگ سے اٹھا لانا۔ ❺ زخمی سپاہیوں کی تیمارداری کرنا۔

❻ ضرورت کے وقت فوج کو ہمت دلانا، اور ان کی مدد کرنا۔

قرن اول کی تمام لڑائیوں کا مرقع ایک ایک کر کے تم اپنے سامنے رکھو، عموماً صف جنگ کے پیچھے تم عورتوں کو اپنے ادائے فرض میں مشغول پاؤ گے، مسلمان عورتوں کی سب سے آخری خدمت کے متعلق تفصیلی واقعات کی ضرورت ہے جس سے یہ معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کا یہ کمزور طبقہ اس نازک خدمت کو کس خوبی سے انجام دیتا تھا۔

حضرت انسؓ بن مالک خادم رسول کی والدہ ام سلیم عموماً غزوات میں آنحضرتؐ کے ساتھ رہا کرتی تھیں [5] حضرت طلیب بن عمیر جب اسلام لائے اور اپنی ماں اروی

---

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۵: مصر۔ [2] طبری مطبوعہ یورپ جلد ۶ ص ۳۲۱۷۔ [3] ایضاً ج ۶ ص ۳۲۳۲۔
[4] طبری مطبوعہ یورپ ج ۶ ص ۲۶۳۔ [5] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۵۹۱۔

Marfat.com

بنت عبدالمطلب کو اس کی خبر دی تو بولیں کہ تم نے جس شخص کی نصرت کی وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق تھا' اگر مردوں کی طرح مجھ میں بھی استطاعت ہوتی' تو میں آپ ﷺ کی حفاظت کرتی' اور آپ ﷺ کی طرف سے لڑتی۔[1]

غزوہ خندق میں رسول اللہؐ اور تمام صحابہؓ یہودیوں سے لڑ رہے تھے کہ بنو قریظہ لڑتے لڑتے اس مقام کے قریب پہنچ گئے جہاں مسلمان عورتیں اور بچے چھپے تھے' بنو قریظہ اور مسلمان عورتوں کے درمیان کوئی ایسی فوج نہ تھی' جو عورتوں کی حفاظت کر سکے' اسی اثنا میں ایک یہودی ان عورتوں کی طرف نکل آیا' خوف یہ تھا کہ اگر یہودی بنو قریظہ سے کہہ آیا کہ ادھر عورتیں ہیں' تو میدان خالی پا کر وہ عورتوں پر حملہ کر دیں گے' حضرت صفیہؓ نے جو رسول اللہ کی پھوپھی اور حضرت زبیر کی والدہ تھیں' حضرت حسانؓ بن ثابت سے کہا کہ اس یہودی کو قتل کر دو' حضرت حسانؓ نے عذر کیا' آخر حضرت صفیہؓ خیمہ کا ایک ستون لے کر خود اتریں' اور اس یہودی کو اسی ستون سے وہیں مار کر گرا دیا' مورخ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ یہ پہلی بہادری تھی جو ایک مسلمان عورت سے ظاہر ہوئی۔[2]

ام عمارہؓ ایک مشہور صحابیہ تھیں' قبل از ہجرت مقام عقبہ میں جب مدینہ کے مسلمانوں نے کفار قریش سے چھپ کر رسول اللہ کی امداد اور اسلام کی اشاعت کے لیے رسول اللہؐ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی' تو اس مختصر جماعت میں جو اسلام کی سب سے پہلی جماعت تھی' ام عمارہؓ بھی شریک تھیں' اسلامی تاریخ میں اسی واقعہ کو بیعت عقبہ کہتے ہیں۔

۶ھ میں جب رسول اللہؐ نے حج کی نیت سے مکہ معظّمہ کا ارادہ کیا' اور مکہ میں داخل ہونے کے لیے قریش سے آپؐ نے اجازت مانگی اور حضرت عثمانؓ مسلمانوں کی طرف سے سفیر بن کر مکہ گئے' تو یہ خبر مشہور ہوئی کہ قریش نے حضرت عثمانؓ کو قتل کر ڈالا' اس وقت تمام صحابہؓ سے رسول اللہؐ نے کفار قریش سے لڑنے اور مرنے پر بیعت لی' جو تاریخ اسلام میں بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے' ام عمارہ اس بیعت رضوان میں بھی شریک تھیں' مسلمانوں کی طرف سے اپنے شوہر زید بن عاصم کے ساتھ جنگ احد میں بھی

---

[1] استیعاب تذکرۂ حضرت طلیب بن عمیرؓ۔ [2] اسد الغابہ تذکرۂ حضرت صفیہؓ۔

Marfat.com

موجود تھیں، بلکہ عین اس وقت جب احد میں عام مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے، اور آنحضرت ﷺ پر کفار بڑھ بڑھ کر وار کر رہے تھے، اور جان نثار آگے آکر اپنی جانیں قربان کر رہے تھے، یہ بہادر خاتون بھی تیغ بدست حملہ آوروں کو مار مار کر پیچھے ہٹا رہی تھیں، اس دن کئی زخم ان کے دست و بازو میں آئے تھے، اسی طرح دیگر غزوات میں بھی ان سے بے مثال بہادری کے کارنامے ظہور میں آئے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں مسیلمہ کذاب نے ادعائے نبوت کیا، اور مقام یمامہ میں ایک خون ریز لڑائی کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا، اس جنگ میں جو جنگ یمامہ کے نام سے مشہور ہے، ام عمارہؓ بھی شریک تھیں، اور جب تک ان کا ہاتھ زخمی نہ ہوا، دشمنوں سے لڑتی رہیں۔ اس دن ام عمارہ کو بارہ زخم لگے تھے[1]

حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں اسلام کو جزیرہ نمائے عرب سے باہر قدم رکھنے کے لیے مشرق کی ان دو پرزور طاقتوں سے مقابلہ کرنا پڑا جو دنیا میں روم اور ایران کے مہیب ناموں سے مشہور ہیں، رومیوں کا وہ سب سے خونریز معرکہ جس پر ان کی قسمت کا آخری فیصلہ ہوا، جنگ یرموک ہے، اور ایرانیوں کی وہ سب سے آخری پرزور کوشش جس سے زیادہ زور وقوت صرف کرنا تخت کیانی کے امکان میں نہ تھا، جنگ قادسیہ ہے، یہ دونوں معرکے تاریخ اسلام کے بہترین کارنامے ہیں جنہوں نے دنیا میں پھیلنے کے لیے اسلام کا راستہ صاف کر دیا۔

لیکن ان دونوں واقعوں میں مسلمانوں کی فتح یابی مخدرات اسلام کے زور بازو اور آتش بیانی کی ممنون ہے، محرم ۱۴ھ میں مسلمانوں اور ایرانیوں میں مقام قادسیہ پر مقابلہ ہوا، ایرانیوں کی جمعیت ایک لاکھ سے زیادہ تھی، اور مسلمان کچھ اوپر تیس ہزار تھے، اس معرکہ میں کئی ہزار مسلمان شہید اور زخمی ہوئے، عورتوں اور بچوں نے شہداء کی قبریں کھودیں، اور مجروحوں کو میدان جنگ سے اٹھا لائے اور ان کی تیمارداری کی۔

قادسیہ کی لڑائی میں عورتوں کو کس قدر جوش تھا، اس کا اظہار ذیل کی تقریر سے ہوگا، جو قبیلہ نخع کی ایک بوڑھی عورت نے اپنے بیٹوں کو میدان جنگ میں بھیجتے وقت کی تھی:

[1] فتوحات اسلامیہ سید دحلان ص ۶۴۔

Marfat.com

انکم اسلمتم فلم تبدلوا وھاجرتم فلم تثربوا ولم تنب بکم البلاد ولم تقحمکم السنۃ ثم جئتم بامکم عجوز کبیرۃ فوضعتموھا بین ایدی اھل فارس واللہ انکم بنو رجل واحد کما انکم بنو امرۃ واحدۃ ماخنت اباکم ولا فضحت خالکم انطلقوا واشھدوا اول القتال واخرہ۔[1]

''پیارے بیٹو! تم اسلام لائے پھر پھرے نہیں' تم نے ہجرت کی تو تم کو کسی نے ملامت نہ کی' تمہارا وطن تمہارے ناموافق تھا نہ تم پر قحط پڑا تھا' تم نے اپنی بوڑھی ماں کو اپنے ساتھ لاکر اہل فارس کے سامنے ڈال دیا' خدا کی قسم! تم ایک باپ کی اولاد ہو' جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو' نہ میں نے تمہارے باپ سے خیانت کی' اور نہ میں نے تمہارے ماموں کی فضیحت کی' جاؤ اور شروع سے اخیر تک لڑو''۔

بیٹوں نے ایک ساتھ دشمنوں پر حملہ کیا' اور بڑی بہادری سے لڑے' جب نظروں سے غائب ہو گئے تو اس بوڑھی عورت نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا کہ خدایا! میرے بچوں کو بچانا' اختتام جنگ پر بہادر بیٹے صحیح و سالم اپنی ماں کے پاس آئے' اور غنیمت کا مال ماں کے آگے ڈال دیا۔

جنگ قادسیہ میں عرب کی مشہور شاعرہ خنساء بھی شریک تھی۔ خنساء کے ساتھ اس کے چاروں بیٹے بھی شریک تھے' شب کے ابتدائی حصہ میں جب ہر سپاہی صبح کے ہولناک منظر پر غور کر رہا تھا' آتش بیاں شاعرہ نے اپنے بیٹوں کو یوں جوش دلانا شروع کیا۔[2]

---

[1] طبری جلد ۶ ص ۲۳۰۷۔ [2] یہ دونوں واقعے جنگ' تعداد اولاد اور بعض الفاظ کے اتحاد سے ایک ہی معلوم ہوتے ہیں' لیکن بعض اختلافات ایسے بھی ہیں جو ایک واقعہ نہیں ہونے دیتے۔ پہلی عورت نخع کی ہے' خنساء قبیلہ سلیم کی ہے پہلی عورت کی مختصر اور سادہ تقریر ہے' دوسری عورت کی تقریر طویل اور فصاحت اور جوش سے لبریز ہے' جو خنساء کے شایان شان ہے' طبری نے پہلی عورت کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے بیٹے مال غنیمت لے کر صحیح و سالم واپس آ گئے' ابن اثیر نے دوسری عورت کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے بیٹے شہید ہوئے اور ان کی تنخواہ حضرت عمرؓ ان کی ماں کو دیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

Marfat.com

یابنی انکم اسلمتم وھاجرتم مختارین وو اللہ الذی لا الہ غیرہ انکم بنورجل واحد کما انکم بنو امرأۃ واحدۃ ماخنت اباکم ولا فضحت خالکم ولا ھجنت حسبکم ولا غیرت نسبکم وقد تعلمون ما اعداللہ للمسلمین من الثواب الجزیل فی الحرب الکافرین واعلموا ان الدار الباقیۃ خیر من الدارا لفانیۃ یقول اللہ عزوجل "یاایھا الذین امنوا صبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون" فاذا اصبحتم غداًان شاء اللہ سالمین فاغدوا الی قتال عدوکم مستبصرین وباللہ علی اعدائہ مستضرین واذا رائیتم الحرب قد شمرت عن ساقھا واصطرمت لظی علی ساقھا وحللت نارا علی رواقھا فتیمموا وطیسھا وجالد وارئیسھا عند احتدام خمسیھا تظفر وابالغنم والکرامۃ فی دارالخلد والمقامۃ. (اسد الغابہ. ابن اثیر جزری جلد ۵ ص ۴۴۲)

''پیارے بیٹو! تم اپنی خواہش سے مسلمان ہوئے اور تم نے ہجرت کی' وحدہ لا شریک کی قسم! کہ تم جس طرح ایک ماں کے بیٹے ہو' ایک باپ کے بھی بیٹے ہو' میں نے تمہارے باپ سے بددیانتی نہیں کی' اور نہ تمہارے ماموں کو ذلیل کیا' اور نہ تمہارے حسب ونسب میں داغ لگایا' جو ثواب عظیم خدا نے کافروں سے لڑنے میں مسلمانوں کے لیے رکھا ہو' تم اس کو خود جانتے ہو' خوب سمجھ لو کہ آخرت جو ہمیشہ رہنے والی ہے اس دار فانی سے بہتر ہے' خدائے پاک فرماتا ہے ''مسلمانو! صبر کرو اور استقلال سے کام لو' خدا سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو''۔ کل جب خیرت سے تم انشاء اللہ صبح کرو' تو تجربہ کاری کے ساتھ اور خدا سے نصرت کی دعا مانگتے ہوئے دشمنوں پر جھپٹ پڑنا' اور جب دیکھنا کہ لڑائی زوروں پر ہے اور ہر طرف اس کے شعلے بھڑک رہے ہیں تو خاص آتش دان جنگ کی طرف رخ کرنا' اور جب دیکھنا کہ فوج غصہ سے آگ ہو رہی ہے' تو غنیم کے سپہ سالار پر ٹوٹ پڑنا' خدا کرے کہ تم دنیا میں مال غنیمت اور عقبیٰ میں عزت پاؤ''۔

Marfat.com

صبح جنگ چھڑتے ہی خنساء کے چاروں بیٹے یکبارگی دشمنوں پر جھپٹ پڑے اور آخر کو بڑی بہادری سے چاروں لڑ کر شہید ہوئے' خنساء کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا خدا کا شکر ہے جس نے بیٹوں کی شہادت کا مجھے شرف بخشا حضرت عمر آٹھ سو دینار خنساء کو اس کے چاروں بیٹوں کی تنخواہ دیا کرتے تھے۔

واقعہ جسر کے بعد جس میں مسلمانوں کو ایرانیوں کے مقابلہ میں سخت ہزیمت اٹھانا پڑی تھی' ایک دوسرا ہولناک معرکہ ہوا' جو جنگ بویب کے نام سے مشہور ہے جنگ بویب میں جس کو قادسیہ کی تمہید سمجھنا چاہیے' مسلمانوں کو ایرانیوں کا بہت سا سامان رسد ہاتھ آ گیا' مسلمان عورتوں کو رزمگاہ سے بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے' کھانے کا انتظام چونکہ عورتوں ہی سے متعلق تھا' اس لیے مثنیٰ نے جو فوج کا سپہ سالار تھا' یہ سارا سامان فوج کے ایک رسالہ کی حفاظت میں عورتوں کے پاس بھیج دیا' یہ رسالہ گھوڑے دوڑاتا ہوا عورتوں کی فرودگاہ کی طرف چلا' عورتیں سمجھیں کہ دشمن چڑھ آئے ہیں' عورتوں کے خیموں میں اسلحہ کہاں سے آتا' بچوں کو پیچھے کھڑا کیا' اور خود پتھر اور خیمہ کی چوبیں لے کر حملہ کے لیے کھڑی ہوگئیں' عمرو بن عبدالمسیح جو اس رسالہ کا افسر تھا' پکارا اسلامی فوج کی عورتوں کو بے شک ایسا ہی بہادر ہونا چاہیے' یہ کہہ کر اس نے عورتوں کو مسلمانوں کی فتح کی خوشخبری سنائی' اور چیزیں ان کے سپرد کیں[1]

بیسان کی لڑائی میں اس سے بھی ایک عجیب بہادری عورتوں سے ظاہر ہوئی۔

دریائے دجلہ کے قریب اہل میسان اور مسلمانوں کا آمنا سامنا ہوا' مغیرہ جو اس وقت فوج کے سپہ سالار تھے' میدان جنگ سے عورتوں کو بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے' دونوں فوجوں میں گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی ازدہ بنت حارث نے جو طبیب العرب کلدہ کی پوتی تھیں' عورتوں سے کہا کہ اگر ہم مسلمانوں کی مدد کریں تو نہایت مناسب ہوتا' یہ کہہ کر انہوں نے اپنے دوپٹے کا ایک بڑا علم بنایا' اور عورتوں نے بھی اپنے اپنے دوپٹوں کی جھنڈیاں بنائی' دونوں طرف کے بہادر دل توڑ حملے کر رہے تھے' کہ اس سامان کے ساتھ عورتیں پرچم اڑاتی ہوئی فوج کے قریب پہنچ گئیں' یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں کی امداد کو ایک تازہ فوج اور پہنچ

[1] تاریخ طبری جلد ۵ ص ۲۱۹۔

Marfat.com

گئی، غنیم کے بازو ست پڑ گئے، اور آن کی آن میں یہ سیاہ بادل چھٹ گیا۔[1]

عہد صدیقی میں اول ۱۳ھ میں مسلمانوں نے دمشق پر لشکرکشی کی چند معرکوں کے بعد اہل دمشق قلعہ بند ہو گئے، مسلمان دمشق کا محاصرہ کیے ہوئے پڑے تھے، کہ معلوم ہوا کہ نوے ہزار رومی بڑے سروسامان کے ساتھ اجنادین میں جمع ہو رہے ہیں، مسلمانوں کی فوج منتشر طور سے تمام ملک شام میں پھیلی ہوئی تھی، حضرت ابوعبیدہؓ اور خالد بن ولید کی جو عراق کو پامال کر کے دمشق میں آ کر مل گئے تھے، یہ رائے قرار پائی کہ کل اسلامی فوج کو سمیٹ کر ایک جگہ جمع ہونا چاہیے، ان فوجوں کی مجموعی تعداد چوبیس ہزار تھی کل افسران اسلام جہاں جہاں تھے، اپنی فوجیں لیے ہوئے اجنادین کی طرف بڑھے۔

حضرت ابوعبیدہؓ اور خالد بن ولید نے بھی دمشق کا محاصرہ چھوڑ کر اجنادین کی طرف باگ اٹھائی، حضرت خالد فوج کے آگے آگے جا رہے تھے، اور حضرت ابوعبیدہؓ تھوڑی فوج کے ساتھ عورتوں اور بچوں کے لیے مع خیمے اور سامان رسد کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے، اہل دمشق نے دیکھا کہ مسلمان ڈیرے خیمے اٹھائے لدے پھندے جا رہے ہیں، ان کو انتقام کا موقع نہایت مناسب معلوم ہوا، قلعہ کے پھاٹک کھول کر فوراً پیچھے سے حملہ کر دیا، قیصر روم نے دمشق کے لیے کچھ امدادی فوجیں بھیجی تھیں اتفاق سے عین وقت پر وہ بھی آ پہنچیں، اور آتے ہی مسلمانوں کا آگا روک لیا، اس وقت مسلمانوں میں جس انتہا کی بدحواسی پیدا ہونی چاہیے تھی، وہ ظاہر ہے، مگر اس کے برخلاف انہوں نے پامردی اور استقلال کے ساتھ دونوں طرف کے حملے روکے لیکن زیادہ تر ان کی توجہ سامنے کی فوج کی طرف منعطف تھی، اتنا موقع بھی اہل دمشق کو غنیمت معلوم ہوا، اور مسلمان عورتوں کو اپنی حراست میں لے کر قلعہ دمشق کی طرف رخ کیا۔

عورتوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، خولہ بنت ازور نے کہا ''بہنو! کیا تمہاری غیرت یہ گوارا کر سکتی ہے کہ مشرکین دمشق کے قبضہ میں آ جاؤ؟ کیا تم عرب کی شجاعت و حمیت کے دامن میں داغ لگانا چاہتی ہو؟ میرے نزدیک تو مرجانا اس ذلت سے کہیں بہتر ہے، ان چند فقروں نے ایک آگ سی لگا دی، خیموں کی چوبیں لے لے کر

---

[1] تاریخ طبری ص ٦ ص ٢٣٤۔

Marfat.com

باقاعدہ ہاتھ باندھ کر آگے بڑھیں' سب سے آگے خولہ بنت ازور ضرار کی بہن تھیں' اور ان کے پیچھے عفیرہ بنت عفار' ام ابان بنت عتبہ' سلمہ بنت نعمان بن مقرن وغیرہ تھیں کچھ دیر کے لیے تو حیرت نے دمشقیوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور اتنی دیر میں عورتوں نے تیس لاشیں گرادیں' اور آخر کو پھر انہوں نے بھی حملہ کر دیا' دمشقیوں کے قدم اکھڑنے کو تھے کہ مسلمان بھی ادھر سے فارغ ہو کر آ گئے دمشقی فوج میں جو رمق جان باقی تھی وہ بھی ان حملوں سے نکل گئی' باقی فوج بھاگ کر دمشق میں قلعہ بند ہو گئی اور اسلامی فوج کی عنان عزیمت پھر اجنادین کی طرف مڑی۔

اڈورڈ گبن صاحب نے اپنی تاریخ میں اس واقعہ کو نقل کر کے مسلمان عورتوں کی عفت' عصمت' دلیری و بہادری کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''یہ وہ عورتیں ہیں جو شمشیر زنی' نیزہ بازی' تیر اندازی میں نہایت ماہر تھیں' یہی وجہ ہے کہ نازک سے نازک موقع بھی یہ اپنے دامن عفت کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوتی تھیں''۔

جنگ یرموک مسلمانوں کی سب سے پہلی باقاعدہ جنگ تھی' اس معرکہ میں مسلمان کل چالیس ہزار تھے' مگر جو تھے عرب میں انتخاب تھے' رومیوں کی جمعیت دو لاکھ سے زائد تھی' اور یہ آدمیوں کا طوفان اس جوش و خروش کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا کہ گمان تھا کہ ایک ٹکر میں یہ مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ دے گا۔ یرموک میں ان دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا مسلمان اور عیسائیوں کی تعداد میں چوگنے کا فرق تھا' ان کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار رومیوں نے پاؤں میں بیڑیاں ڈال لی تھیں' کہ ہٹنا چاہیں تو نہ ہٹ سکیں۔

دو لاکھ کا ٹڈی دل اس زور شور سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا' کہ اسلامی فوج کا داہنا بازو ہٹتے ہٹتے عورتوں کے خیمہ گاہ تک آ گیا' لخم و جذام کے قبیلے ایک مدت تک ان عیسائیوں کے ماتحت رہے تھے اور اب مسلمان ہو گئے تھے' میسرہ (بایاں حصہ) میں زیادہ تر یہی لوگ تھے' رومیوں نے ان کی طرف رخ کیا' تو یہ مرعوب ہو کر نہایت بے ترتیبی سے بھاگ کھڑے ہوئے' رومی تعاقب کرتے ہوئے خیموں تک پہنچ گئے' عورتوں کے غصہ کی انتہاء نہ رہی' فوراً خیموں سے باہر نکل آئیں اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کا سیلاب جو نہایت سرعت سے آگے بڑھ رہا تھا' دفعتہً پیچھے ہٹ گیا' اب خواتین نے بھاگتوں کو

Marfat.com

روک کر پھر آگے بڑھایا' فوج کی پشت پر آ کر مسلمانوں کو غیرت دلا دلا کر جوش پیدا کرنے لگیں عورتوں کی ان کوششوں کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں پھر سنبھل گئے' قریش کی عورتیں تلواریں گھسیٹ گھسیٹ کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑیں' اور حملہ کرتے ہوئے مردوں سے آگے نکل گئیں [1] حضرت معاویہ کی بہن جویریہ عورتوں کا ایک دستہ لے کر آگے بڑھیں' اور نہایت دلیری سے لڑ کر زخمی ہوئیں [2] حضرت معاویہ کی ماں ہند بنت عتبہ مردوں کو مخاطب کر کے یہ کہتی تھیں [3]

یامعشر العرب عضدوا الغلفان بسیوفکم. ''عربو! نامرد بن جاؤ نامرد''۔

ضرار بن ازور کی بہن خولہ یہ شعر پڑھ کر مسلمانوں کو غیرت دلاتی تھیں:

یا هارباً عن نسوة تقیات — رمیت بالسهم والمنیات

''اے پاک دامن عورتوں کو چھوڑ کر بھاگنے والو! م موت اور تیر کے نشانہ نہ بنو''

مؤرخ طبری نے اس جنگ میں ام حکیم بنت حارث کا نام خصوصیت سے لیا ہے' ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل کی پھوپھی زاد بہن اسماء بنت یزید نے تنہا نو رومیوں کو مار ڈالا [4] جو عورتیں مردانہ وار جنگ یرموک میں لڑیں' محمد بن عمر واقدی ان میں سے بعض کے نام یہ بتاتا ہے' اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ، عبادہ بن صامت کی بیوی' خولہ بنت ثعلبہ' کعوب بنت مالک' سلمیٰ بنت ہاشم' نعم بنت قناس' عفیرہ بنت عفارہ۔

جنگ یرموک کے بعد پھر مسلمانوں کی فوج رومیوں کے مقابلہ پر جا رہی تھی' ایک روز اس نے دمشق کے قریب مرج الصفر میں قیام کیا' خالد بن سعید نے جنہوں نے حال ہی میں ام حکیم بنت حارث سے نکاح کیا تھا' یہیں مسلمانوں کی دعوت ولیمہ کی' ایک پل کے قریب ام حکیم کا خیمہ نصب ہوا' جو اسی مناسبت سے اب تک ام حکیم کا پل کہلاتا ہے' ابھی لوگ کھانے سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ رومی پہنچ گئے' مسلمانوں نے بھی لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں' اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کو پسپا ہو جانا پڑا' ام حکیم بھی

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۳۴۷۔ [2] طبری ج ۵ ص ۳۲۱۶۔ [3] بلاذری ص ۱۴۱۔ [4] اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۹۸۔

Marfat.com

نہایت دلیری سے لڑیں، رومیوں کے سات آدمی ان کے ہاتھ سے ہلاک ہوئے[1]

جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فوج لے کر حضرت علیؓ کے مقابلہ میں آنا، ہم ایک اجتہادی غلطی سمجھتے ہیں لیکن اس سے عورتوں کے استقلال، دلیری، ثابت قدمی کا اظہار ضرور ہوتا ہے۔

فتوحات واقدی کی روایتیں اگر تسلیم کر لی جائیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ شام کی فتوحات میں عورتوں کا بہت بڑا حصہ ہے، خصوصاً ام حکیم، ہند، ام کثیر، اسماء، ام ابان، ام عمارہ، خولہ، لبنیٰ، عفیرہ، ان عورتوں نے بعض بعض موقعوں پر اس مردانگی سے جنگی خدمات انجام دی ہیں کہ مردوں سے بن نہیں آسکتیں۔

عتبہ بن غزوان حضرت عمرؓ کی طرف سے امیر تھا، ازدہ بنت حارث جو طبیب عرب کلدہ کی پوتی تھی، عتبہ کی بیوی تھی، عتبہ جب اہل مدینۃ الفرات سے سرگرم تھا، تو اس کی بیوی ازدہ اپنی تقریر سے لوگوں کو ابھارتی تھی اور جوش دلاتی تھی[2]

دمشق کے حملہ میں جب ابان بن سعید، توما حاکم دمشق کے ہاتھ سے شہید ہوئے، تو ان کی بیوی ام ابان بنت عتبہ اپنے مقتول شوہر کے سارے جنگی اسلحے لگا کر قصاص لینے کو نکلیں اور دیر تک دشمنوں کا مقابلہ کرتی رہیں، اہل دمشق گو محصور تھے، لیکن شہر پناہ کے برجوں سے برابر مسلمانوں کا جواب دیتے تھے، سب کے آگے ایک مقدس شخص ہاتھ میں طلائی صلیب لیے ہوئے ارباب ثلثہ سے دعائے فتح مانگ رہا تھا، ام ابان کو تیراندازی میں بڑی قدرت تھی، ایسا تاک کر تیر مارا کہ صلیب اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر قلعہ کے نیچے گر پڑی، مسلمانوں نے دوڑ کر صلیب اٹھالی، عیسائیوں سے صلیب اعظم کی یہ تذلیل دیکھی نہ گئی، توما غصے سے شہر کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا، اور پھر اس زور کا رن پڑا کہ مسلمان گھبرا اٹھے، رومیوں نے صلیب کی واپسی کے لیے لاکھ لاکھ کوششیں کیں، مگر ایک بھی کارگر نہ ہوئی، جس نے ادھر کا رخ کیا، ام ابان نے اس کو تیروں پر دھر لیا، ''توما'' جو کسی طرح پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیتا تھا، ام ابان نے اس کی آنکھ میں ایسا تیر مارا کہ وہ چیختا ہوا بھاگا، اس

---

[1] اسد الغابہ ص ۵۷۷۔ [2] فتوح البلدان بلاذری ص ۳۴۳، مطبوعہ یورپ۔

Marfat.com

وقت ام ابان رجز کے یہ شعر پڑھ رہی تھیں:

اما ابان فاطلبی ثیارك صولی علیهم صولة المتدارك قد ضج جمع القوم من نبالك

''ام ابان تو اپنا انتقام لے اور ان پر پے در پے حملے کیا جا رومی تیرے تیروں سے چیخ اٹھے''۔

یرموک کی سب سے خوفناک لڑائی یوم التعویر مسلمان عورتوں کی بہادری کا عجیب وغریب نمونہ تھی' مسلمانوں کو ہزیمت ہو جاتی اگر عورتیں تلواریں کھینچ کر رومیوں کے منہ نہ پھیر دیتیں' ہند' خولہ' ام حکیم اور بہت سی قریش کی عورتوں نے مردانہ وار حملے کیے' اسماء بنت ابی بکر گھوڑے پر سوار اپنے شوہر حضرت زبیرؓ کے ساتھ تھیں' اور برابر حضرت زبیرؓ کے دوش بدوش لڑتی جاتی تھیں[1]

صفین میں بہت سی مسلمان عورتیں حضرت علیؓ کی طرف سے شریک جنگ تھیں' لڑتی تھیں' پرزور تقریروں سے فوج کو ابھارتی تھیں' زرقا' عکرشہ' ام الخیر نے میدان کارزار میں وہ تقریریں کی ہیں کہ فوج کی فوج میں ایک آگ لگ گئی[2]

۹۰ھ میں ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت میں مسلمانوں نے بخارا پر فوج کشی کی' قتیبہ کو اس فوج کا سپہ سالار بنا کر بھیجا گیا' عرب میں ازد کا قبیلہ بہادری اور شجاعت میں ضرب المثل تھا' اسلامی فتوحات میں اس کے کارنامے نہایت روشن ہیں' بخارا کے ترک بھی بڑے سروسامان سے مسلمانوں کے مقابلہ کو نکلے' قبیلہ ازد نے کہا پہلے تنہا ہم کو زور آزمائی کرنے دو' قتیبہ نے ان کو آگے بڑھنے کی اجازت دی' ازدی بڑھے اور نہایت بہادری سے حملے کیے' لیکن مقابلہ معمولی لوگوں سے نہ تھا' ترکوں نے اس ثابت قدمی سے جواب دیئے کہ ازدی ہٹتے ہٹتے قیام گاہ تک آ گئے' ترکوں نے بڑھ کر اور زور سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا' عورتوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کو شکست ہوا چاہتی ہے' وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور مار مار کر گھوڑوں کے رخ پھر میدان جنگ کی طرف پھیر دیئے' اور ایک عام شور

---

[1] اس قسم کے اور بہت سے واقعات اس فتوح الشام میں مذکور ہیں جو ابن عمر واقدی کی طرف منسوب ہے مگر چونکہ فتوح الشام ازدی وغیرہ میں ان کا مطلق ذکر نہیں ہے' اس لیے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں۔

[2] عقد الفرید ج ۱ ازص ۱۲۱ تا ۱۲۳۔

Marfat.com

برپا کردیا' مسلمانوں کی ہمت بندھی اور سنبھل گئے' اور پلٹ کر اس زور شور سے حملے کیے کہ ترک پھر نہ جم سکے' گو اس موقع پر عورتوں نے تلواریں نہیں اٹھائیں' لیکن یہ فتح بالکل عورتوں کی کوشش سے ہوئی اگر عورتیں ہمت نہ کرتیں' تو مسلمان میدان جنگ چھوڑ چکے تھے[1]

اسلام میں خوارج کا فرقہ اپنی تاریخی حیثیت سے نہایت شہرت رکھتا ہے۔ جن کے کارنامے بعض اسلامی فرقوں کی طرح صرف خوفناک سازشیں نہیں ہیں' بلکہ بارہا حکومتوں اور جابرانہ شخصیتوں کے مقابلہ میں اس نے تلواریں بلند کی ہیں' گو طلب مساوات' آزادی بیان اور تمنائے حریت کی بنا پر اس کی گردن ہمیشہ تلوار کے نیچے رہی' لیکن اس کی اولوالعزمی اور شجاعت نے اس کو بہت دنوں تک زندہ رکھا' اور اب تک ہے سلطنت کے متعلق اس کے خیالات بالکل آج کل کے نہلسٹ فرقوں کے مشابہ تھے۔

۷۷ھ میں جب عبدالملک شام کا خلیفہ تھا' اور حجاج ثقفی عراق کا گورنر تھا شبیب خارجی نے موصل میں سلطنت کے خلاف سر اٹھایا' غزالہ شبیب کی بیوی اور جیزہ شبیب کی ماں بھی شریک جنگ رہتی تھیں' حجاج نے شبیب کے دبانے کو یکے بعد دیگرے پانچ سردار بھیجے' مگر ایک بھی میدان جنگ سے پھر کر نہ آیا' آخر عبدالملک نے شام سے فوجیں بھیجیں' اور حجاج خود ان کو لے کر نکلا۔

شبیب' موصل سے کوفہ چلا' لیکن حجاج اس سے پہلے کوفہ پہنچ کر ''قصر الامارۃ'' میں اتر چکا تھا' غزالہ نے نذر مانی تھی کہ کوفہ کی جامع مسجد میں دو رکعت نفل پڑھوں گی' کچھ دن چڑھے غزالہ اپنے شوہر کے ساتھ صرف ستر آدمی لے کر جامع مسجد آئی حالانکہ سارا شہر دشمن تھا' اور خود شامی فوجیں کوفہ میں بھری پڑی تھیں' شبیب تلوار کھینچ کر مسجد کے دروازے پر کھڑا ہوگیا' اور غزالہ نے اندر جا کر اطمینان سے دو رکعت نماز پڑھی' پھر معمولی نماز نہیں پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ پڑھی' اور دوسری رکعت میں آل عمران' جن سے بڑی کوئی سورہ قرآن مجید میں نہیں ہے۔ دو' دو اور اڑھائی' اڑھائی پاروں میں تمام ہوتی ہیں' غزالہ نماز سے فارغ ہو کر اپنی فرودگاہ چلی گئی' اور حجاج کی ساری فوج دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی'

---

[1] کامل ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۲۲۔

Marfat.com

جب لڑائی کی نوبت آئی تو حجاج کوفہ بصرہ اور شام کی فوج لے کر نکلا' شبیب کی جمعیت اس کے مقابلہ میں نہایت مختصر تھی' لیکن بہادری سے لڑی' حجاج اپنی فوج کے پیچھے کھڑا ہو کر خود جوش دلا رہا تھا اس کی فوج برابر بڑھتی گئی' یہاں تک کہ حجاج نے خوارج کی مسجد پر قبضہ کر لیا' غزالہ اور جیزہ بھی لڑائی میں مشغول تھیں کہ حجاج نے چپکے سے چند آدمی بھیجے' جنہوں نے پیچھے سے جا کر غزالہ کو مار کر گرا دیا' شبیب اپنے مقتولین کو چھوڑ کر اہواز کی طرف چلا گیا۔

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ جیزہ بھی اس لڑائی میں ماری گئی' لیکن ابن اثیر اور طبری نے لکھا ہے کہ اس کے کچھ دن بعد جب شبیب کا گھوڑا ٹھوکر کھا کر پل سے دریائے دجلہ میں گر پڑا' اور شبیب آہنی زرہ اور ہتھیاروں کے بوجھ سے ڈوب کر مر گیا' تو اس نے کہا یہ ممکن ہے' اس واقعہ سے اس کی ماں کی بہادری کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت تک زندہ تھی۔

بعض لڑائیوں میں حجاج اور غزالہ کا سامنا ہو گیا' حجاج مقابلہ نہ کر سکا اور بھاگ نکلا' حالانکہ یہ وہی حجاج تھا جس سے سارا عراق اور حجاز کانپتا تھا' ایک شاعر اسی واقعہ کو لکھ کر حجاج کو عار دلاتا ہے۔

اسد علی وفی الحروب نعامة　　　فتخاء تصفر من صفیر الصافر

"حجاج مجھ پر تو شیر ہے' لیکن معرکوں میں بزدل اور سست شتر مرغ کی طرح بزدل ہو جاتا ہے"۔

هلا برزت الی غزالة فی الوغی　　　بل کان قلبك فی جناح الطائر

حجاج! تو لڑائی میں غزالہ کے مقابلہ میں کیوں نہ نکلا؟ اور نکلتا کیونکر؟ تیرا دل تو دھڑک رہا تھا۔

۱۳۹ھ میں منصور کے ایام خلافت میں قیصر روم نے ملطیہ پر فوج کشی کر کے اس کو بالکل ویران کر دیا۔ منصور نے قیصر کی تادیب کو فوجیں روانہ کیں' صالح بن علی اور عباس بن محمد سپہ سالار تھے' ان لوگوں نے جا کر پہلے ملطیہ کو از سر نو آباد کیا' اور پھر قسطنطنیہ کی طرف فوجیں بڑھائیں اور قیصر کے بہت سے شہروں پر قبضہ کر لیا' ام عیسیٰ بنت علی اور لبابہ بنت علی' صالح کی بہنیں اور خلیفہ منصور کی پھوپھیاں تھیں' انہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ جب بنو امیہ کی حکومت برباد ہو جائے گی تو ہم جہاد کریں گی' چنانچہ ایفائے نذر کے لیے وہ بھی اس جہاد میں شریک تھیں [2]

[1] ابن خلکان ج ۱ ص ۲۲۳ تفصیل اور تاریخوں سے لی گئی ہے۔ [2] ابن اثیر جلد ۵ ص ۱۹۷۔

Marfat.com

۱۷۸ ہجری میں ہارون الرشید کے زمانہ میں ولید بن طریف خارجی نے خابور اور نصیبین میں علم بغاوت بلند کیا' دربار کا ایک مشہور سردار یزید شیبانی اس بغاوت کے فرو کرنے کو بھیجا گیا' چند مقابلوں کے بعد خوارج نے شکست کھائی اور ولید مارا گیا' ولید کی بہن فارعہ کو جب اپنے بھائی کا حال معلوم ہوا' تو اس نے زرہ پہنی' سارے ہتھیار لگائے اور گھوڑے پر سوار ہو کر شاہی فوج پر حملہ آور ہوئی' یزید دوسروں کو ہٹا کر خود اس کے مقابلہ میں آیا' اور فارعہ کے گھوڑے کو ایک نیزہ مارا' اور فارعہ سے کہا' تم کیوں اپنے خاندان کو بدنام کرتی ہو' جاؤ واپس جاؤ' فارعہ میدان سے پھری لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے' اور اس کی زبان پر خود اس کی تصنیف کے یہ دردناک اشعار تھے۔

فیا شجر الخابور مالك مورقا   كانك لم تجزع علی بن طريف

''اے خابور (نام مقام) کے درخت! تم کیوں سرسبز ہو؟ گویا تم ولید کی موت پر بے قرار ہی نہ ہوئے۔''

فتى لا يحب الزاد الا من التقى   ولا المال الا من قنا و سيوف

''ولید ایک ایسا جوان تھا جو صرف زادتقویٰ اور تیغ و نیزہ کی دولت پسند کرتا''۔

فقد ناك فقدان الشباب وليتنا   قد يناك من فتياننا بالوف

''اے ولید! ہم نے تجھ کو اس طرح کھو دیا ہے جس طرح جوانی کو کوئی کھودے' کاش ہم اپنے ہزار جوان تیری ایک ذات پر فدا کرتے''

عليه سلام الله وقفا فانني   ارى الموت وقاعاً بكل شريف

''ولید پر خدا کی رحمت ہو' موت ایک دن ہر شریف کو آنے والی ہے''

یہ پورا مرثیہ اس قدر بلند اور پر درد ہے کہ اکثر علمائے ادب اس کو چشم ادب سے دیکھتے ہیں' ابوعلی قالی نے اپنی امالی میں اس کو نقل کیا ہے' ابن خلکان نے لکھا ہے کہ فارعہ کے مراثی خنساء کے ہم پلہ ہیں' اس مرثیہ کا پہلا شعر اس قدر مقبول ہے کہ عموماً علمائے بدیع اس کو تجاہل عارفانہ کی مثال میں پیش کرتے ہیں۔

ولید کی اس بہن کا نام ابن خلکان نے فارعہ اور فاطمہ لکھا ہے' لیکن ابن اثیر نے

Marfat.com

اس کا نام لیلیٰ بتایا ہے' ابن خلدون نے اس واقعہ کو تو ذکر کیا ہے لیکن اس کا کچھ نام نہیں لک
ہے' بہر حال ہم کو کام سے غرض ہے' نام کچھ بھی ہو۔

قرون وسطیٰ میں صلیبی جنگ کا نہ صرف عیسائی مردوں پر نشہ چھایا تھا' بلکہ عیسائی عورتیں تک جوش میں بھری ہوئی تھیں' اور بقول عماد کاتب بیسیوں عیسائی عورتیں میدان جنگ میں شریک تھیں' عام مسلمانوں میں صلیبی جنگ کے مقابلہ کے لیے جو جوش پھیلا تھا عورتیں بھی اس سے بے اثر نہ تھیں' اسامہ ایک مسلمان امیر تھا' جب وہ صلیبی جنگ میں شریک ہونے کو آیا تھا تو اس کی ماں اور بہنیں بھی اس کے ساتھ تھیں' دونوں برابر ہتھیار لگا کر اسامہ کے ساتھ رہتی تھیں' اور عیسائیوں پر حملہ کرنے میں اس کو مدد دیتی تھیں[1]

مسلمان ماؤں کے اسی مذہبی جوش کا اثر تھا کہ بچہ بچہ تک اس سے متاثر تھا' عیسائی ایک مدت سے عکا کا محاصرہ کیے پڑے تھے' جب وہ تھک گئے' اور ایک زمانے کی معیت کی وجہ سے مسلمانوں سے راہ و رسم پیدا ہوگئی تو انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ عیسائی اور مسلمان بچوں میں آپس میں مقابلہ ہونا چاہیے۔ کچھ عیسائی بچے ادھر اور کچھ مسلمان بچے ادھر سے نکلے' دیر تک مقابلہ رہا' آخر اسلام کے ننھے ننھے ہاتھوں نے مسیحی بھیڑوں کے میمنوں کو رسیوں میں جکڑ کر باندھ دیا[2]

اسلام کے تاریخی محاسن کے ذکر میں عموماً ہندوستان کا نام نہیں آتا' لیکن اس خاص مضمون میں ایک جگہ نہیں بیسیوں جگہ ہندوستان کا نام آئے گا' ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں اکثر مسلمان عورتوں کے نام نظر آتے ہیں' جن کی بہادری' شجاعت' اور اولوالعزمی مردوں کے مقابلہ میں کسی قدر مرجح ثابت ہوتی ہے۔

سلطان التمش کی بیٹی رضیہ سلطانہ جس نے اسلامی خواتین میں گو کم سلطنت کی مگر سب سے بہتر کی' ابن بطوطہ جو محمد تغلق کے زمانہ میں ہندوستان آیا تھا' لکھا ہے کہ ''رضیہ مردانہ لباس میں تمام ہتھیار لگا کر گھوڑے پر سوار باہر نکلتی تھی۔'' شاہان ہند کا معمول تھا کہ جب وہ شکار کو جاتے تھے' تو کل بیگمات اور کنیزیں بھی ساتھ ہوتی تھیں' ایک مرتبہ التمش

---

[1] یہ واقعہ احمد بک آجائف ردسی کی کتاب حقوق المراۃ والاسلام سے لیا گیا ہے۔ [2] الفتح القسی فی الفتح القدسی۔

Marfat.com

شیر کے شکار کو گیا تھا، بیگمات پیچھے تھیں، ایک شیر نکل کر بادشاہ پر جھپٹا، اگر رضیہ نہ پہنچ گئی ہوتی تو بادشاہ بری طرح زخمی ہو گیا ہوتا، لیکن شیر دل رضیہ نے جھپٹ کر تلوار کے ایسے تابڑ توڑ وار کیے کہ شیر نیم جان ہو کر گر پڑا۔

تخت حکومت پر بیٹھ کر رضیہ نے ایسا رعب و داب قائم کیا کہ اعیان دولت کانپتے تھے، بعض امراء نے یہ دکھ کر کہ اب ان کا کوئی زور نہیں چلتا، مخالفت پر آمادہ ہو گئے، اور صرف لفظی مخالفت نہیں، بلکہ فوجیں لیے ہوئے دہلی کے باہر پڑے ہوئے تھے، رضیہ کی مدد کو جو باہر سے آتا تھا، اس کو بھی توڑ کر ملا لیتے تھے، لیکن رضیہ نے تنہا اپنی تدبیر و دلیری سے ان کو ایسا پریشان کیا کہ وہ ادھر ادھر ٹھوکر کھاتے پھرتے تھے، لیکن ان کو پناہ نہیں ملتی تھی، ۶۳۷ھ میں جب حاکم لاہور نے سر اٹھایا تو خود فوج لے کر گئی، اس کے بعد بھٹنڈہ کے گورنر نے جب سرکشی کی تو پھر فوج لے کر نکلی، لیکن اپنے نوکروں کی سازش سے راستہ میں گرفتار ہو گئی، اور اس کی جگہ پر دہلی میں اس کے بھائی معزالدین کو لوگوں نے بادشاہ بنایا، رضیہ قید سے چھوٹی تو نئے سرے سے ایک لشکر کو ترتیب دے کر دو تین مرتبہ تخت دہلی کے لیے لڑی، لیکن چونکہ رضیہ کی فوج بالکل نئی اور بھرتی کی تھی ہمیشہ شکست کھاتی رہی[1]

اس سلسلہ میں سلطان علاؤ الدین کے عہد کا ایک عجیب و غریب واقعہ یہ ہے جس سے اسلامی ہندوستان کی تاریخی عظمت کسی قدر بڑھ جاتی ہے، شاہان ہند کے مرقع میں علاؤ الدین خلجی کی تصویر ایک خاص امتیاز رکھتی ہے، جس کے چہرے سے اولوالعزمی، بلند خیالی، جلالت شان کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، سلطان نے جب سیل تاتار کو روک کر پیچھے ہٹا دیا، جس کو نہ بغداد و خوارزم کے مستحکم قلعے ہٹا سکے تھے، اور نہ چین کی بلند دیواریں روک سکی تھیں، اور نہ ایران و روس کی طاقتیں دبا سکی تھیں، تو سلطان کو سکندر اعظم کی عالمگیر حکومت کا خیال پیدا ہوا، اس نے ایک دن بر سبیل تذکرہ کہا کہ اب ہندوستان میں کوئی ایسی ریاست نہیں ہے جو مجھ سے سرکشی کر سکے، قلعہ جالور کا راجہ نیر دیو دربار میں حاضر تھا، اس نے نہایت بد دماغی سے متکبرانہ لہجہ میں کہا کہ جالور کا قلعہ کبھی مطیع نہیں ہو سکتا۔

---

[1] تاریخ اکبری قلمی، از نظام الدین ہروی، ذکر سلطنت رضیہ۔

Marfat.com

سلطان برہم تو ہوا لیکن اس وقت اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا' دو تین دن کے بعد راجہ کو دہلی سے رخصت کر دیا' اور مہلت دی کہ قلعہ جالور کو جس قدر محفوظ کر سکتا ہے کر لے' اور دو تین مہینے کے بعد سلطان نے اپنی ایک لونڈی کو جس کا نام گل بہشت تھا' سپہ سالار بنا کر جالور کی مہم پر روانہ کیا' گل بہشت اپنی فوج لیے ہوئے برق و باد کی طرح جالور پہنچی' راجہ مقابلہ نہ کر سکا اور قلعہ بند ہو گیا' گل بہشت نے راجہ کو محصور کر لیا' اور اس بہادری اور دلیری سے اس نے قلعہ پر حملہ کرنا شروع کیا کہ راجہ کو اس کا گمان تک نہ تھا' قلعہ فتح ہونے میں کچھ ہی دیر تھی کہ یک بیک گل بہشت بیمار پڑی اور ایسی شدید بیمار پڑی کہ پھر نہ اٹھی' گل بہشت سب کچھ کر سکتی تھی' لیکن موت کا حملہ نہیں روک سکتی تھی۔

گل بہشت کے مرنے پر راجہ شیر ہو گیا' اور قلعہ کھول کر شاہی فوج کو اس نے بہت پیچھے ہٹا دیا' گل بہشت کا لخت جگر شاہین' راجہ کے ہاتھ سے مارا گیا' آخر دہلی سے ایک نئے سپہ سالار کمال الدین نے پہنچ کر جالور فتح کر لیا[1]

ساتویں صدی کے اختتام اور آٹھویں صدی کی ابتداء میں دنیا میں ایک عجیب و غریب انقلاب برپا ہوا' امیر تیمور کیا تھا ترکستان کی حدود سے ایک آندھی اٹھی تھی' جس سے ترکوں کی مضبوط سلطنت ہل گئی' دمشق و عرب متزلزل ہو گیا' تغلق خاندان کی شمع حیات بجھ گئی' اور مغل اعظم کی اس عظیم الشان سلطنت کی بنیاد قائم ہوئی' جس سے بہتر کوئی حکومت ہندوستان میں قائم نہیں ہوئی' گو اس فتح کا ثمرہ خود تیموری نسل کو پورے سوا سو برس کے بعد حاصل ہوا' لیکن دراصل اس مدت میں سیدوں اور لودھیوں کا دور حکومت اس تیموری تاریخ کی تمہید تھا' جس کا سرنامہ ظہیر الدین شاہ بابر کے طغرے مزین ہے۔

لیکن کیا ان فتوحات میں عورتوں کی کوئی کوشش شامل نہ تھی؟ امیر تیمور کے کشورستان لشکر میں بہت سی عورتیں تھیں جو میدانوں میں لڑتی تھیں' اور معرکوں میں گھستی تھیں' بہادروں سے مقابلہ کرتی تھیں' تلواریں چلاتی تھیں' نیزے لگاتی تھی' تیر مارتی تھیں' غرض کسی بات میں وہ مردوں سے کم نہ تھیں' کیا تیموری کارناموں میں ان عورتوں کو کوئی حصہ نہ ملے گا؟[2]

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۲۸۔ [2] عجائب المقدور ابن عرب شاہ ص ۲۳۳۔

Marfat.com

تیموری نسل کا ہر ایک شاہزادہ شجاعت مجسم تھا لیکن کیا یہ ناانصافی کر سکتے ہو کہ تیموری شاہزادیوں کو ان کی وراثت سے الگ کردو؟ بابر نامہ' ہمایوں نامہ' تزک جہانگیری دیکھو ہر جگہ نظر آئے گا کہ تیموری خواتین برابر ہتھیار لگاتی تھیں' گھوڑوں پر سوار ہوتی تھیں' شکار کھیلتی تھیں' شیر مارتی تھیں' چوگان کھیلتی تھیں' تیر چلاتی تھیں' غرض فن سپہ گری سے خوف واقف تھیں' تزک بابری کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بابر کو جو فتوحات کابل' سمرقند' فرغانہ وغیرہ میں حاصل ہوئیں ان میں عورتوں کو بھی دخل تھا۔

نور جہاں' تیمور و بابر کی بیٹی نہ تھی لیکن بہو تھی' اکثر نور جہاں ہاتھی پر سوار ہو کر سیر و شکار کو جنگل کو جاتی تھی' اور ایک ایک گولی میں شیر کو ٹھنڈا کر دیتی تھی' جہانگیر تزک جہانگیری میں نور جہاں کے شکاروں کا بڑی مسرت سے تذکرہ کرتا ہے' ایک جگہ لکھتا ہے:

ایک مرتبہ میں شکار کو نکلا' ایک ہاتھی پر رستم خان اور میں تھا' اور دوسرے ہاتھی پر نور جہاں تھی' سامنے جھاڑی میں شیر تھا' ہاتھی شیر کی بو پا کر کانپنے لگتا ہے' اس اضطراب و جنبش میں نشانہ ٹھیک لگنا' اور پھر عماری میں بیٹھ کر' نہایت مشکل ہے' قدراندازی میں میرے بعد رستم خاں کا کوئی ثانی نہیں' مگر ہاتھی پر بیٹھ کر اکثر اس کے تین تین اور چار چار نشانے خطا کر جاتے ہیں' لیکن نور جہاں نے عماری میں بیٹھے بیٹھے پہلی ہی آواز میں شیر کو ٹھنڈا کر دیا[1]

ایک مرتبہ نور جہاں جہانگیر کے ساتھ شکار کھیلنے گئی' ہاتھی پر سوار تھی' سامنے سے چار شیر نکلے' لیکن نور جہاں کی پیشانی پر بل تک نہ آیا' اس نے نہایت اطمینان سے بندوق چلائی' اور دو شیروں کو ایک ایک گولی میں اور دو کو دو دو گولیوں میں ٹھنڈا کر دیا' جہانگیر نہایت خوش ہوا' اور چند بیش قیمت زیور نور جہاں کو انعام دیئے' اس موقع پر ایک شاعر نے برجستہ یہ شعر پڑھا۔

نور جہاں گرچہ بصورت زن است　　　در صف مرداں ''زن شیر افگن'' است

نور جہاں چونکہ پہلے علی قلی خاں شیر افگن کی بیوی تھی' اس لیے ''زن شیر افگن'' کی ترکیب نے اس شعر کو بامزہ کر دیا ہے۔

جہانگیر کے اخیر عہد میں نور جہاں کے بھائی آصف خاں کے سبب سے نور جہاں

---

[1] تزک جہانگیری۔

Marfat.com

اور جہانگیر دونوں کے دل مہابت خاں کی طرف سے صاف نہ تھے' آصف خاں کی کوشش تھی کہ مہابت خاں ذلیل ہو' جہانگیر دریائے بھٹ کے قریب خیمہ زن تھا' آصف خاں ایک دن پہلے ہی فوج سمیت دریا کے اس پار چلا گیا تھا' مہابت خاں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور جہانگیر کو گرفتار کرلیا' نور جہاں کو موقع ملا تو وہ دریا سے اس پار جا کر فوج سے مل گئی' اور وہاں اس نے ان امراء و اعیان دولت کو بلا کر سخت ملامت کی کہ صرف تمہاری بے احتیاطی سے بادشاہ گرفتار ہو گیا' انہوں نے بالاتفاق کہا مناسب یہ ہے کہ کل حضور کی رکاب میں کل فوج شاہی دریا کے اس پار جا کر جس طرح ہو' بادشاہ کی قدم بوسی کرے۔

صبح کو کل فوج تیار ہوئی' مہابت خاں نے پل تو پہلے ہی جلا دیا تھا' سواروں نے اپنے اپنے گھوڑے اور ہاتھی دریا میں ڈال دیئے' نور جہاں بھی ایک ہاتھی پر سوار تھی' نور جہاں کے ساتھ شہزادہ شہریار کی بہن اور شاہنواز خاں کی بیٹی بھی تھی' ابھی فوج دریا ہی میں تھی کہ مہابت خاں نے حملہ کر دیا' ایک تو فوج دریا میں منتشر تھی ہی اور منتشر ہو گئی' عجیب ابتری پھیل گئی' نور جہاں نے خواجہ ابوالحسن اور معتمد خاں کو کہلا بھیجا کہ دیکھتے کیا ہو؟ تم بھی جواب دو' اتنے میں مہابت خاں کے سواروں نے آ کر نور جہاں کے ہاتھی کو گھیر لیا' نور جہاں کی عماری تیروں کا نشانہ بن گئی' یہاں تک کہ ایک تیر عماری کے اندر بھی چلا آیا' اور شہزادی کے بازو میں آ کر لگا' تمام کپڑے خون میں تر بہ تر ہو گئے' نور جہاں نے اپنے ہاتھ سے تیر نکال کر باہر پھینک دیا' نور جہاں کے ساتھ جو خواجہ سرا تھے' وہ بھی کام آئے' نور جہاں کا ہاتھی زخموں سے چور ہو کر بھاگ نکلا' آخر بڑی مشکل سے وہ اپنے فرودگاہ پہنچ سکی' اگر ہاتھی نہ سنبھلا رہتا تو ممکن تھا کہ نور جہاں لڑنے میں بھی دریغ نہ کرتی۔[1]

مرزا ہادی نے تزک جہانگیری کے خاتمہ میں ایک عورت کی بہادری کا عجیب واقعہ لکھا ہے' گو اس کے اخلاق کی مذمت بھی کی ہے۔

جہانگیر کے زمانہ میں دولت آباد کا قلعہ نظام الملک سے تعلق رکھتا تھا حمید خاں حبشی نظام الملک کے دربار کا وکیل تھا' اور محل میں بالکل حمید خاں کی بیوی کا عمل دخل تھا' گو ایک

[1] تزک جہانگیری ص ۴۰۴، ۴۰۵۔

Marfat.com

معمولی عورت تھی، لیکن رفتہ رفتہ نظام الملک کے دربار میں اس کا اتنا رسوخ بڑھا کہ جب یہ سوار ہو کر نکلتی تھی تو سرداران فوج و امرائے دولت پیادہ اس کے رکاب میں چلتے تھے نظام الملک ان دونوں میاں بیوی کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی تھا۔

اسی زمانہ میں عادل خاں نے ایک بڑی فوج نظام الملک سے لڑنے کو بھیجی، نظام الملک کو فکر ہوئی کہ اس کے مقابلہ میں کس کو بھیجا جائے؟ حمید بیگم نے کہا کہ میں خود جاؤں گی، اگر جیتی جیتی، اور ہاری تو عورتوں کا اعتبار ہی کیا؟ چنانچہ نظام الملک کی رضامندی سے حمید بیگم فوج لے کر روانہ ہوئی، راستہ بھر اپنے سپاہیوں کو انعام و اکرام سے خوش کرتی گئی، جب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، تو حمید بیگم خود ہتھیار سے مسلح ہو کر میدان میں آئی، اور پہاڑ کی طرح عرصہ کارزار میں کھڑی رہی، اور اس بہادری اور دلیری سے اپنی فوج کو لڑاتی رہی کہ تھوڑی ہی دیر میں عادل کا شاہی لشکر اس بے سروسامانی سے بھاگا کہ تمام ہاتھی اور توپ خانے میدان جنگ میں چھوڑ گیا۔

مرزا کے خاص الفاظ:

''نقاب برقامت رعنا افگندہ براسب سواری شد و خنجر و شمشیر مرصع بکمر می بست، بعد از انکہ تلاقی صفین و محاذات فئتین اتفاق افتاد از علو ہمت و علو جرات دلیرانہ بالشکر عادل خوانی مصاف دارہ سپاہ وسرداران رابقتل وحرب وضرب ترغیب وتحریض نمودہ قدم مردانگی رادرآں بحر وغاولجۂ ہیجان چوں کوہ استوار برجاداشت، وآں غنیم ودشمن عظیم راشکست فاش دادہ جمیع فیلان وتوپخانہ درابدست آوردہ سالماوغانما مراجعت برافروخت''۔

مسلمان عورتوں کی ہمت مردانہ کا ایک اور عجیب واقعہ ہے:

عادل شاہی خاندان جس کے دائرہ حکومت کا مرکزی شہر بیجاپور تھا، پونجی خاتون اس کے نسب سے پہلے بادشاہ یوسف عادل شاہ کی بیوی تھی، یوسف عادل شاہ نے ۹۱۶ھ میں وفات پائی، اس کا نابالغ فرزند اسماعیل عادل شاہ تخت پر بیٹھا، کمال خاں دکنی نائب السلطنت مقرر ہوا، گو نام اسماعیل عادل شاہ کا تھا، لیکن سلطنت کمال خاں کرتا تھا، اس کو ایک دن خیال ہوا کہ اس نام کو بھی کیوں نہ مٹا دیا جائے؟

Marfat.com

پونچی خاتون کمال خاں کے اس ارادہ سے غافل نہ تھی' اس نے کمال خاں کے برطرف کرنے کی کوشش شروع کی' لیکن وہ کیا کر سکتی تھی؟ تمام اعیان دربار و سرداران فوج کمال خاں کے قبضہ میں تھے' پونچی خاتون نے اس کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا کہ یا کمال خاں معدوم کر دیا جائے یا عادل شاہی خاندان معدوم ہو' اس نے موقع دیکھ کر یوسف ترک کو جو اسماعیل عادل شاہ کا کوکہ تھا' کل مراتب سمجھا بجھا کر کمال خاں کے پاس بھیجا' یوسف نے چپ چاپ ایک ہی خنجر میں کمال خاں کا کام تمام کر دیا' یوسف گرفتار ہو گیا' اور آخر وہ بھی وہیں ڈھیر ہو گیا۔

کمال خاں کی ماں نے اسی وقت کمال خاں کے بیٹے صفدر خاں کو بلا کر معاملہ سے خبردار کیا اور کہا ابھی اسماعیل عادل شاہ اور پونچی خاتون کو قتل کر کے تخت پر بیٹھ جاؤ' تمام فوج تمہارا ساتھ دے گی' صفدر خاں باپ کی لاش دیکھ کر چاہتا تھا کہ چیخ مارے' ماں نے کہا خبردار کمال کے مرنے کی خبر نہ پھیلے' لوگوں سے جا کر کہہ کہ کمال خاں کہتا ہے کہ اسماعیل عادل شاہ کا سر چاہیے۔

پونچی خاتون پہلے سے سمجھتی تھی کہ یہ آفت آنے والی ہے' قلعہ میں اس وقت کمال خاں کی طرف سے تین سو مغل اور تین سو دکنی اور حبشی سپاہی تھے' پونچی خاتون نے ان کو بلا کر کہا کہ تم جانتے ہو کہ یہ تخت عادل شاہ کا ہے' اسماعیل ابھی بچہ ہے' کمال خاں ہم کو الگ کر کے خود بادشاہ بننا چاہتا ہے' تم میں جو عادل شاہی تخت کا وفادار ہو' وہ ہمارے ساتھ قلعہ میں رہے' اور ہماری مدد کرے' اور جس کو اپنی جان عزیز ہو' وہ قلعہ سے نکل جائے' تم دشمنوں کی کثرت سے نہ ڈرو' کمال خاں کو کفران نعمت کی ضرور سزا ملے گی' ظاہر ہے کہ ایسی مایوسی کی حالت میں کمال خاں کو چھوڑ کر کون پونچی خاتون کا ساتھ دیتا؟ تین سو مغلوں میں سے ڈھائی سو' اور دو تین سو حبشیوں اور دکنیوں میں سے صرف ۷۰ سپاہیوں نے پونچی خاتون کی معیت گوارا کی' اور باقی قلعہ سے نکل کر صفدر خاں سے مل گئے' پونچی خاتون نے یہ بھی بڑی عقل مندی کی کہ غداروں سے پہلے ہی قلعہ پاک کر لیا' عین موقع پر اگر یہ دشمنوں سے مل جاتے تو کیا ہوتا؟

Marfat.com

پونچی خاتون نے پہلے چاروں طرف سے اپنے قلعہ کو بند کر گیا' اور انہی دو تین سو سپاہیوں کو محل کی چھت پر کھڑا کر دیا' اور خود پونچی خاتون' دلشاد آغا' یوسف عادل شاہ کی بہن اور چند عورتیں اسماعیل عادل شاہ کے ساتھ تیر و کمان ہاتھ میں لے کر چھت پر کھڑی ہو گئیں' صفدر خاں ایک بڑی جمعیت سے قلعہ کی طرف آیا' پونچی خاتون' دلشاد آغا اور سپاہیوں نے صفدر خاں کو تیر اور پتھروں پر دھر لیا' اور اتفاق سے اسی وقت مصطفیٰ آقا عادل شاہی خاندان کا ایک قدیم نمک خوار پچاس توپچیوں کو لے کر خاتون کی مدد کو آیا' ان توپچیوں نے اوپر پہنچ کر گولے اڑانے شروع کر دیئے' صفدر خاں اپنی ماں کے حکم سے پھرا کہ بڑی توپیں لگا کر ابھی قلعہ ریزہ ریزہ کر دیا جائے' پونچی خاتون اور عورتوں نے کہا کہ اگر توپیں آ گئیں تو پھر کچھ نہ ہو سکے گا' اس سے پہلے کوئی تدبیر بن جائے تو بن جائے' رائے یہ ہوئی کہ سپاہیوں کو چھپ جانا چاہیے اور تمام عورتیں یہیں کھڑی رہیں دشمن سمجھیں گے کہ سپاہی ان عورتوں کو قلعہ میں چھوڑ کر بھاگ گئے' چنانچہ ایسا ہی کیا' سپاہی ادھر ادھر چھپ گئے اور عورتیں کھڑی رہیں' غنیم جب نظر پڑی تو دیکھا کہ صرف عورتیں ہیں' ان کو ہمت ہوئی اور پلٹ کر انہوں نے دوبارہ حملہ کیا' قلعہ کا دروازہ توڑ ڈالا' عورتوں نے انگلی تک نہ ہلائی اور کھڑی دیکھا کیں' صفدر خاں چاہتا تھا کہ پہلا دروازہ توڑ کر دوسرا دروازہ بھی توڑ ڈالے کہ سپاہیوں نے نکل کر اس زور سے حملہ کیا کہ دشمن پھر نہ تھم سکے[1]

دو تین سو آدمیوں سے فوج کی فوج کا مقابلہ کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے' نظام شاہی خاندان جس نے دکن میں تقریباً سوا سو برس تک نہایت کامیابی سے حکومت کی اور جس کا دارالحکومت شہر احمد نگر تھا' اس کی شہزادی نے جس دلیری اور استقلال کے ساتھ اکبر اعظم کی فوج کا مقابلہ کیا' وہ قابل حیرت امر ہے' چاند خاتون نظام شاہی خاندان کی چشم و چراغ اور عادل شاہی خاندان کی بہو تھی' حسین نظام شاہ بحری (احمد نگری) اس کا باپ تھا' اور علی عادل شاہ بیجاپوری اس کا شوہر تھا علی عادل شاہ کے مرنے پر بیجاپور سے احمد نگر چلی

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد ۲ صفحہ ۱۶ اور ۱۷۔

Marfat.com

آئی تھی اور یہیں رہتی تھی۔

اکبر کو جب ہندوستان کی مہمات سے فرصت ملی تو اس کو تسخیر دکن کی فکر ہوئی، شہزادہ مراد اور خانخاناں اس مہم پر بھیجے گئے، اس وقت تخت احمد نگر پر برہان نظام شاہ جلوہ افروز تھا، نظام شاہ نے صوبہ برار اکبر کو پیش کر دیا، لیکن اس معاملہ کے اختتام سے پہلے برہان شاہ کا انتقال ہو گیا، اور برار پر اکبر کا قبضہ نہ ہو سکا، شہزادہ مراد اور خانخاناں موقع کی تاک میں گجرات میں فوج لیے ہوئے پڑے تھے، اسی اثنا میں برہان کا جانشین ابراہیم شاہ امراء کے ہاتھ سے مارا گیا منجھو خاں وکیل سلطنت اور آہنگ خاں اور اخلاص تینوں میں تخت نشینی کے لیے جھگڑا ہوا، ہر ایک نے اپنا ایک جدا جدا بادشاہ بنالیا، آخر آپس کا نفاق بڑھا، اور خونریزیوں تک نوبت پہنچی، منجھو خاں نے جل کر شہزادہ مراد کو لکھ دیا کہ نظام شاہی قوت فنا ہو چکی ہے، آپ ادھر کا رخ کیجیے، میں بلا تامل احمد نگر کا قلعہ آپ کے حوالہ کر دوں گا، مراد چل کھڑا ہوا، خانخاناں بھی شاہ رخ مرزا والی بدخشاں، شہباز خاں، راجہ جگن ناتھ، راجہ درگا، راجہ رام چندر، اور دیگر امراء کو لے کر روانہ ہوا، جب یہ لوگ احمد نگر کے قریب پہنچ گئے تو منجھو خاں کو اپنی عجلت کاری پر سخت ندامت ہوئی، کیونکہ اس اثنا میں منجھو خاں تمام مخالف قوتوں کو دبا کر خود مختار ہو چکا تھا، ناچار قلعہ چھوڑ کر نکل گیا۔

چاند خاتون نے دیکھا کہ ہماری آبائی حکومت معدوم ہوا چاہتی ہے، اس نے عزم کر لیا کہ جس طرح ہو گا سلطنت کو بچاؤں گی، اس نے خود پہلے اپنے بعض امراء کو قلعہ سے علیحدہ کر دیا، اور بعض کو توڑ جوڑ کر کے ملا لیا، قطب شاہ (گولکنڈہ) اور عادل شاہ (بیجاپور) سے امدادیں طلب کیں، اور قلعہ کو ہر طرف سے مضبوط کر کے شہزادہ مراد اور خانخاناں کی منتظر رہی، شاہزادہ مراد نے ۲۳ ربیع الثانی ۱۰۰۴ھ کو اپنی فوج قلعہ کی طرف بڑھائی، چاند خاتون نے بھی حکم دیا کہ ہماری توپوں کے منہ کھول دیئے جائیں، تمام دن مراد کوشش کرتا رہا کہ قلعہ تک پہنچ جائے، مگر چاند خاتون نے ایک قدم بھی آگے بڑھنے نہ دیا، شام کو تھک کر خود ہٹ گیا، دوسرے دن شاہزادہ مراد، شاہ رخ مرزا، خانخاناں، شہباز خاں، راجہ جگن ناتھ وغیرہ نے مورچہ ڈال کر چاروں طرف سے قلعہ کا محاصرہ کر لیا، بعض نظام

Marfat.com

شاہی امراء نے لڑ بھڑ کر چاند خاتون کی مدد کو قلعہ میں جانا چاہا، مگر خانخاناں نے جانے نہ دیا، شاہزادہ مراد اور خانخاناں مہینوں قلعہ کا محاصرہ کیے پڑے رہے، مگر وہ قلعہ کو ٹھیس بھی نہ لگا سکے۔

ادھر چاند خاتون کی حسب درخواست عادل شاہ نے پچیس ہزار سوار چاند خاتون کی مدد کو بھیجے، قطب شاہ نے پانچ چھ ہزار سوار اور کچھ پیادے روانہ کیے، منجھو خاں، اخلاص خاں، آہنگ خاں، امرائے نظام شاہی بھی اسی فوج کے ساتھ ہو گئے، غرض اس طرح مل ملا کر ایک زبردست فوج تیار ہو گئی، شہزادہ مراد کو اس فوج کا جب حال معلوم ہوا تو گھبرا گیا، تمام فوج میں ایک کھلبلی مچ گئی، آخر رائے یہ قرار پائی کہ اس فوج کے آنے سے پہلے پہلے قلعہ لے لینا چاہیے، یوں لڑ کر قلعہ میں گھس جانا تو ممکن نہ تھا، تین مہینے میں یہاں سے قلعہ کے برج تک پانچ سرنگیں کھودی گئیں، اور ان میں بارود بچھا دی گئی کہ آگ لگا کر اڑا دیا جائے گا۔

چاند خاتون کو ان سرنگوں کی خبر لگ گئی، اس نے اسی وقت بارود نکال کر سرنگوں کو بھرنا شروع کر دیا، شہزادہ مراد کو تو اس کی جلدی تھی کہ اس قلعہ کی فتح میرے نام لکھی جائے، خانخاناں کا اس میں ہاتھ بھی نہ لگنے پائے، دوپہر کو خانخاناں کے سوا تمام امراء اور فوج کو لے کر قلعہ کے رخ پر مستعد کھڑا ہو گیا، کہ ادھر بارود سے قلعہ اڑا اور ادھر پہنچا، چاند خاتون اس وقت تک دو سرنگیں بھروا چکی تھی، اور تیسری کھودی جا رہی تھی کہ شہزادہ نے سرنگوں میں آگ لگانے کا حکم دیا، اس زور کی ایک آواز ہوئی اور ایک دھماکا ہوا کہ لوگ سمجھے کہ آسمان پھٹ پڑا یا بجلی ٹوٹ پڑی، اور قلعہ کی پچاس گز دیوار دھم سے گر پڑی، سامنے شہزادہ اپنے خونخوار راجپوتوں اور مغلوں کے ساتھ کھڑا نظر آیا، قیامت ہو گئی، لوگوں کے دل بیٹھ گئے کام کرنے والوں نے کام چھوڑ دیا، سپاہیوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے فوج کے سردار بھاگ کھڑے ہوئے، غرض سارے قلعہ میں عجیب سراسیمگی اور بدحواسی پھیل گئی۔

چاند خاتون کی ہمت دیکھو اسی وقت گھوڑے پر سوار، مسلح ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے سراپردہ سے باہر نکل آئی، شہزادہ اس فکر میں تھا کہ باقی سرنگیں بھی اڑیں تو حملہ کیا

Marfat.com

جائے، لیکن وہ سرنگیں نہوں بھی، چاند خاتون نے اتنی ہی دیر میں جلدی جلدی کر کے بیسیوں آتش بار توپیں اس شگاف میں کھڑی کر دیں، تمام فوج کو تسکین دے کر پھر لڑنے پر آمادہ کر دیا، مغلوں اور راجپوتوں نے جان توڑ کر حملے کیے، شہزادہ مراد نے سر پٹک پٹک مارا، مگر چاند خاتون نے ایک انچ بھی قلعہ نہ دیا، اور اس ہمت اور دلیری سے فوج کو لڑاتی رہی کہ قلعہ کی خندق شام تک مغلوں اور راجپوتوں کی لاشوں سے پٹ گئی، شام کو شہزادہ ناکام پلٹا، رات بھر میں چاند خاتون نے خود مسلح کھڑی ہو کر پچاس گز قلعہ کی دیوار تین گز بلند کر دی، صبح کو مراد نے دیکھا تو پھر وہی پہلی دیواز حائل تھی، موافق اور مخالف دونوں کے منہ سے چاند خاتون کی اس اولوالعزمی، استقلال اور بہادری پر صدائے آفرین وتحسین بلند ہوگئی، اور اسی وقت سے چاند خاتون کا لقب چاند سلطان ہو گیا۔

اس ناکامیابی سے شہزادہ مراد کا دل چھوٹ گیا، امرائے اکبری میں مقابلہ کی قوت نہ رہی ناچار صلح کرنی چاہی، اول تو چاند سلطان نے انکار کیا، کہ غنیم بے دل ہو چکے ہیں، تھوڑی سی کوشش سے ان کو ہزیمت ہوسکتی ہے، لیکن چونکہ لوگ قلعہ میں بند بند گھبرا گئے تھے، اس لیے چاند سلطان نے بھی آخر صلح منظور کر لی، اور حسب قرارداد برار کا صوبہ شاہزادہ مراد کے حوالہ کر دیا[1]

غور کرو! کیا اس سے بھی زیادہ کسی عورت کی بہادری ہوسکتی ہے؟ سلطنت کی بنیاد کمزور امراء میں نفاق اور خانہ جنگی، قلعہ میں فوج نہیں، سامان رسد نہیں، قلعہ کی دیوار شکستہ اور منہدم، پہلے سے حفاظت قلعہ کا خیال نہیں، اور پھر مقابلہ اکبر اعظم اور خانخاناں سے، ایسی حالت میں غنیم کو ہٹا کر قلعہ کو بچا لینا مسلمان عورتوں کا کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔

ہم نے اپنی داستان جس سرزمین اقدس سے شروع کی تھی، آخر میں ہم پھر اسی کے ایک گوشہ میں آ کر پناہ لیتے ہیں، یہ گوشۂ عرب یمن کے نام سے مشہور ہے، پانچویں صدی ہجری کے وسط میں یہ علاقہ خلافت عباسیہ کے احاطہ اقتدار سے نکل کر، دولت فاطمیہ

---

[1] تاریخ رشید الدین خانی صفحہ ۱۹۹۔

Marfat.com

مصر کے قبضہ میں چلا گیا' اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ یمن میں ایک مقام خزار ہے' وہاں مشہور قدیم قاضیوں کا خاندان تھا' جو آل صلیح کے نام سے مشہور تھا' وہاں فاطمیوں کی طرف سے ایک داعی و مبلغ پہنچا' اس نے اس خاندان کے ایک نوجوان لڑکے میں نجابت اور اولوالعزمی کے غیر معمولی آثار دیکھ اس کو اپنے رنگ میں لانا شروع کیا' اور اسماعیلی مذہب کی اس کو تلقین کی' اس کا نام علی بن محمد صلیحی تھا' علی نے جوان ہو کر حوصلہ مندیوں اور اولوالعزمیوں کے پروبال پیدا کیے' علی کی ایک چچازاد بہن تھی جس کا نام اسماء تھا' یہ لڑکی حسن و جمال' تدبیر و دانش' علم و فضل' مردانگی و شجاعت میں بے مثال تھی' علی کی شادی اسماء سے ہوئی' قدرت الٰہی نے اس طرح گویا دو قوتوں کو باہم منضم کر کے یمن کی آئندہ قسمت کا ہیولیٰ تیار کر دیا' اور ان دونوں کی ہمتوں اور تدبیروں سے پورا ملک یمن ان کے قبضہ اختیار میں آ گیا۔

علی صلیحی کو دشمنوں سے جو معرکے پیش آئے' اس میں اسماء اس کی دست و بازو تھی' ایک دفعہ جب وہ اپنے شوہر کے ساتھ مکہ معظمہ کی طرف کوچ کر رہی تھی کہ دفعتہً دشمنوں نے چھاپا مارا صلیحی کے ساتھ آدمی کم تھے' اس کو شکست ہوئی' اور اسماء دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگئی' اور ایک زمانہ تک ان کے پاس قید رہی' اور بالآخر خود اپنی ہی تدبیروں سے قید و بند کے دروازے کو توڑ کر باہر نکل آئی' اس نے سخت چوکی پہرہ کے باوجود' روٹی کے اندر ایک خط رکھ کر قاصد کو جو ایک سائل کی صورت میں تھا' اپنے بیٹے کے پاس روانہ کیا' وہ ایک فوج گراں لے کر موقع پر آ پہنچا' اور اسماء آزاد تھی' جب تک وہ زندہ رہی یمن کی ملکہ وہی تھی' ۴۷۹ھ میں اس نے وفات پائی۔

اسماء کے آغوش تربیت میں دو اور بہادر خاتونان اسلام پل کر جوان ہوئیں' ایک اس کی لڑکی فاطمہ اور دوسری اس کی بہو سیدہ۔ فاطمہ نے تو اپنے شوہر کی قید سے جس نے دوسری شادی کر لی تھی' مردانہ وار گلوخلاصی حاصل کی' چپکے سے اپنی ماں کو پیغام بھیجا' اور وہاں سے فوج منگوا کر مردانہ بھیس بدل کر چل کھڑی ہوئی۔

سیدہ اپنی ساس اسماء کی وفات کے بعد یمن کی ملکہ ہوئی' اس کا شوہر مکرم عیاش

Marfat.com

اور راحت طلب تھا' سیدہ نے سلطنت کے بار کو نہایت عمدگی سے اٹھایا' بہت سی عمارتیں بنوائیں' شہر آباد کیے' فوج کشیاں کیں' دشمنوں کو تلواروں اور تدبیروں دونوں سے زیر کیا دولت فاطمیہ کی طرف سے جو مراسلے آتے تھے ان میں اس کے لیے بڑے بڑے القاب شاہی استعمال کیے جاتے تھے[1]

ابھی ہم کو بیسیوں اسلامی ممالک اور سینکڑوں اسلامی شاہی خاندانوں کے تاریخی اوراق الٹنے باقی ہیں' ایران وترکستان و روم و افریقہ و مراکش و اندلس کے اسلامی خاندانوں کی بہادر خواتین کے متعلق حالات اس مختصر رسالہ میں نہیں آئے' حالانکہ ان ملکوں اور خاندانوں میں بہادر خواتین اسلام کی کمی نہیں' لیکن افسوس ہے کہ دوسری ضروری کاموں کی مصروفیات کی مزید تفصیل اجازت نہیں دیتی' مگر جاتے جاتے ہم خواتین اسلام کی ایک روحانی شجاعت و بہادری کا ذکر کرنا چاہتے ہیں' جو اس جسمانی شجاعت و بہادری سے بدر جہا بلند برتر ہے' اس سے مراد ان کی اخلاقی و روحانی شجاعت و جرأت ہے۔

آغاز اسلام میں متعدد مسلمان خواتین نے اپنے دین وایمان کی خاطر سخت سے سخت تکلیفیں اٹھائی ہیں مگر کبھی جادۂ حق سے روگردانی نہیں کی' سمیہؓ حضرت عمار بن یاسر مشہور صحابی کی والدہ تھیں' ان کو ابوجہل نے اسلام لانے کے جرم میں ایسی برچھی ماری کہ وہ جانبرنہ ہوسکیں۔

ام فکہیہ رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے اسلام سے پہلے ان کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ ''میں نے رحم کھا کر تجھ کو نہیں چھوڑا ہے' بلکہ اس لیے چھوڑا ہے کہ تھک گیا ہوں'' وہ نہایت استقلال سے جواب دیتیں کہ ''عمر! اگر تم مسلمان نہ ہوگے تو خدا تم سے ان بے رحمیوں کا انتقام لے گا''۔

زنیرہ رضی اللہ عنہا ایک اور صحابیہ تھیں' وہ بھی اسلام کی راہ میں بے حد ستائی گئیں' ابوجہل نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں' نہدیہ رضی اللہ عنہا اور ام عبیس رضی اللہ عنہا یہ دونوں بھی

---

[1] یمن کے یہ تمام واقعات تاریخ عمارۂ یمنی' مطبوعہ انڈیا آفس لندن میں مذکور ہیں۔

Marfat.com

صحابیہ تھیں، یہ بھی اسلام لانے کے جرم میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلتی تھیں[1]

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جب بنو امیہ کے مقابلہ میں حجاز میں اپنی خلافت قائم کی، اور حجاج نے ان پر بڑے سروسامان سے فوج کشی کی، تو ان کے رفقاء نے ان سے علیحدہ ہونا شروع کر دیا، مخلصوں کی ایک بہت چھوٹی سی جماعت ان کے ساتھ رہ گئی، اس وقت حضرت ابن زبیر گھبرا کر اپنی ماں حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر صدیقؓ کے پاس گئے اور اجازت طلب کی کہ اگر مناسب ہو تو ''میں حجاج سے صلح کر لوں؟'' بہادر ماں نے جواب دیا:

فرزند من! اگر تم باطل پر ہو تو آج سے پہلے تم کو صلح کر لینی چاہیے تھی، اور اگر حق پر ہو تو رفقاء کی کمی سے دل برداشتہ نہ ہو، حق کی رفاقت خود کیا کم نصرت ہے؟''

ابن زبیرؓ ماں کے پاس سے واپس آئے اور تمام ہتھیاروں سے سج کر ماں سے رخصت ہونے آئے، ماں نے سینہ سے لگایا تو جسم بہت سخت نظر آیا، پوچھا کیا واقعہ ہے؟ فرمایا میں نے دوہری زرہ پہن لی ہے، بولیں یہ شہدائے حق کا شیوہ نہیں، ابن زبیرؓ نے زرہ اتار ڈالی، پھر کہا مجھے ڈر ہے کہ دشمن میری لاش کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کریں، ماں نے جواب دیا:

''بیٹا! جب بکری ذبح ہو جاتی ہے، تو اس کو کھال کھینچنے کی تکلیف نہیں ہوتی''

اور اس طرح ماں نے بیٹے کو مقتل میں بھیجا، اور حق و صداقت کی قربان گاہ پر اپنے دلبند کو نثار کر دیا۔

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد حجاج نے ان کی لاش کو برسر راہ سولی پر لٹکا دیا، کچھ دنوں کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا جب ادھر سے گزر ہوا تو بیٹے کی لاش سولی پر لٹکی نظر آئی، کون ایسی ماں ہوگی جو اس پر اثر منظر کو دیکھ کر تڑپ نہ جائے گی، لیکن وہ نہایت بے پروائی کے ساتھ ادھر سے گزر گئیں، اور لٹکی لاش کی طرف اشارہ کر کے یہ بلیغ فقرہ کہا:

---

[1] یہ تمام واقعات سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

Marfat.com

''کیا اب تک یہ سوار اپنے گھوڑے سے اترا نہیں؟''[1]

اس روحانی شجاعت' اخلاقی جرأت' اور بے مثال صبر و استقلال کا نمونہ کہاں نظر آ سکتا ہے؟

قارئین سے رخصت ہو کے اس منظر کو ان کے سامنے کرتے جاتے ہیں جب غرناطہ کا آخری سلطان ابو عبداللہ اپنے آخری قلعہ کی کنجیاں عیسائی فاتحوں کے سپرد کر رہا تھا' اور اپنی تھوڑی سی جماعت کے ساتھ اس سرزمین پر جہاں مسلمانوں نے ۸۰۰ برس حکومت کی' آخری نظر ڈالتے ہوئے آنسوؤں کے تار اس کی آنکھوں سے جاری ہو جاتے ہیں' اس وقت سلطان کی والدہ عائشہ آگے بڑھ کر کہتی ہیں کہ:

''فرزند من! جس چیز کو تم مرد بن کر نہ بچا سکے اب اس کے لیے عورتوں کی طرح خوب رو لو''[2]

اس ایک فقرہ میں استقلال و جرأت کی کتنی روح بھری ہے۔

یہ گزشتہ بہادر خواتین اسلام کے کارناموں کا ایک دھندلا سا خاکہ تھا' اب سوال یہ ہے کہ موجودہ خواتین اسلام آئندہ کی تاریخ اسلام کے لیے کیا کارنامہ دنیا میں چھوڑ جانا چاہتی ہیں؟

---

[1] طبری۔ [2] لین پول کی ''مسلمانان اندلس''۔

Marfat.com

وَ اِنَّ مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِمْ

سیر صحابہؓ

(جلد ششم، حصہ سوم)

اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؒ

جس میں ترانوے ایسے صحابہؓ، صحابیاتؓ، تابعینؒ اور تابعاتؒ کے سوانح اور کارنامے درج ہیں، جو مذہباً یہودی یا نصرانی تھے اور مشرف باسلام ہوئے۔ شروع میں ایک مقدمہ ہے، جس میں جزیرۂ عرب میں یہود و نصاریٰ کی قدیم تاریخ، ان کے تمدنی و سیاسی اثرات اور ان کی دینی و اخلاقی حالت کی تفصیل بیان کی گئی ہے

تحریر و ترتیب

مولانا حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین

ناشر

اسلامی کتب خانہ فضل الٰہی مارکیٹ چوک اردو بازار لاہور فون : 042 - 7223506

Marfat.com

Marfat.com

فہرست موضوعات

اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؒ

عنوانات	صفحہ
پیش لفظ:	
مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی	9
دیباچہ	11
وجہ تصنیف	11
مآخذ	13
جن بزرگوں کے اہل کتاب ہونے میں شبہ ہے۔	13
ترتیب اور ناموں کی تعداد	15
مقدمہ	17
یہودیت	18
پہلا دور	18
دوسرا دور	23
یمن میں یہودیت	25
کیا عرب کے یہود ہجرت کر کے نہیں آئے تھے۔	26
کیا عرب کے یہود دنیا سے منقطع ہو چکے تھے۔	28
یہود کے مرکزی مقامات اور مشہور قبائل	30
یثرب	31
بنو قریظہ	31
بنو نضیر	32
بنو قینقاع	32
بنو ہدل	33
بنو زناع	33
یثرب کے دوسرے یہودی قبائل	33
خیبر	34
فدک	35
وادی القریٰ	35
تیماء	37
نجران	37
اذراح اور جربا	39
مقنا	39
بحرین	39

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
مکہ و طائف	40
تبالہ و جرش	42
اسلام سے پہلے عربوں اور یہودیوں کے تعلقات	43
اسلام سے پہلے ایک دوسرے پر تمدنی و معاشرتی اثرات	45
یہود کے پیشے	46
زراعت	47
تجارت	48
تجارتی بازار	49
سامان تجارت	49
صنعت و حرفت	51
عربی ادب میں یہود کا حصہ	52
تحریر کا رواج	54
شعر و شاعری	55
اجتماعی ادارے	57
مذہبی اثرات	57
قبائلی نظام	59
یہود کی دینی اور اخلاقی حالت	59
دینی گمراہیاں	60
اخلاق و معاملات	65
نفاق	66

عنوانات	صفحہ
حرام خوری	67
حرص و طمع	67
خیانت	68
بغض و حسد	68
دروغ گوئی اور بدعہدی	69
یہود اور مسلمانوں کے اجتماعی و سیاسی تعلقات	71
ہجرت کے بعد	77
یہود مدینہ سے معاہدہ	87
نقض معاہدہ	87
یہود کا خاتمہ	87
یہود خیبر	91
نصاریٰ	96
رومیوں اور عربوں کے قدیم تعلقات	97
رومی عیسائیوں سے تعلقات	97
غسانی حکومت کا قیام	98
اہل حبشہ اور عربوں کے تعلقات	100
یمن پر حبشہ کا قبضہ	101
اصحاب فیل	102
نجران	106
غسان	108

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
بنو تغلب	108
بنو کلب	109
قضاعہ	109
ربیعہ	110
قبیلہ عبدالقیس	110
حیرہ	111
حیرہ میں عیسائیت	111
عیسائیوں اور عربوں کے سیاسی تعلقات اور مذہبی اثرات کے نتائج	112
ثقافی وتمدنی اثرات	112
علمی اثرات	113
ادب وشعر	113

Marfat.com

فہرست موضوعات

اسمائے صحابہ رضی اللہ عنہم

عنوانات	صفحہ
(الف)	
حضرت ابرہہؓ	117
حضرت ادریسؓ	120
حضرت اسید بن سعیدؓ	121
حضرت اسد بن عبیدؓ	123
حضرت اسدؓ بن کعب القرظی	124
حضرت اسید بن کعب القرظی	125
حضرت اشرف حبشیؓ	126
(ب)	
حضرت بحیرا الحبشیؓ	127
حضرت بشیرؓ بن معاویہ	129
(ت)	
حضرت تمامؓ	130
حضرت تمیم الحبشیؓ	131
حضرت تمیم داریؓ	132
(ث)	
حضرت ثعلبہؓ بن سعیۃ الہدلی	137
حضرت ثعلبہؓ بن سلام	138
حضرت ثعلبہؓ بن قیس	139
حضرت ثعلبہؓ بن ابی مالک	141
(ج)	
حضرت جارود بن عمرو	143
حضرت جبرؓ	147
حضرت جبلؓ	149
(ح)	
حضرت حیرہ نجرہؓ	150
(د)	
حضرت درید الراہبؓ	151
(ذ)	
حضرت ذو دجنؓ	152
حضرت ذو مخمرؓ	153
حضرت ذو مناحبؓ	155
حضرت ذو مہدمؓ	156
(ر)	
حضرت رافع القرظیؓ	157

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
حضرت رفاعہؓ بن السموال	158
حضرت رفاعۃ القرظیؓ	160
(ز)	
حضرت زیدؓ بن سعنہ	162
(س)	
حضرت سعدؓ بن وہب	164
حضرت سعنہؓ	165
حضرت سعیدؓ بن عامر	166
حضرت سلامؓ	167
حضرت سلمہؓ بن سلام	168
حضرت سلمانؓ فارسی	169
حضرت سمعانؓ بن خالد	186
حضرت میمونہ بلقاویؓ	186
(ش)	
حضرت شمعونؓ	188
(ص)	
حضرت صالح القرظیؓ	191
(ع)	
حضرت عامر الشامیؓ	191
حضرت عبد الحارثؓ بن السنی	192
حضرت عبد اللہؓ بن سلام	194
حضرت عبد الرحمٰنؓ بن زبیر	200

عنوانات	صفحہ
حضرت عداسؓ	201
حضرت عدیؓ بن حاتم	203
حضرت عطیۃ القرظیؓ	211
حضرت علیؓ بن رفاعہ	212
حضرت عمروؓ بن سعدی	213
حضرت عمیرؓ بن امیہ	214
(ک)	
حضرت کثیرؓ بن السائب	215
حضرت کرزؓ بن علقمہ	216
حضرت کعب بن سلیمؓ	217
(م)	
حضرت محربؓ	217
حضرت محمدؓ بن عبد اللہ بن سلام	218
حضرت مخریقؓ	219
حضرت میمونؓ بن یامین	220
حضرت مابورؓ	222
(ن)	
حضرت نافعؓ	223
(ی)	
حضرت یامینؓ بن عمیر	224
حضرت یوسف بن عبد اللہ بن سلام	227

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
(الکنی)	
حضرت ابوسعید بن وہب	229
حضرت ابو مالکؓ	230
بارگاہ رسالت کے ایک یہودی خادم	231
تابعین	232
اویم التغلبیؒ	232
ارمی بن النجاشیؒ	234
اصبغ بن عمروؒ	234
اصحمہ نجاشیؒ شاہ حبشہ	236
بکاء الراہبؒ	239
تمام بن یہوداؒ	240
صبی بن معبدؒ	241
ضغاطر الاسقف الشہیدؒ	242
عمیر بن حسینؒ	243
کعب احبارؒ	244
محمد بن کعبؒ القرظی	248
نعیم الحبرؒ	252
وہب بن منبہؒ	254
صحابیات	260
حضرت تمیمہؓ	260
حضرت خالدہؓ	262
حضرت ریحانہؓ	263
حضرت سفانہؓ	266
حضرت سیرینؓ	268
حضرت صفیہؓ	269
حضرت ماریہ قبطیہؓ	275
حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ	283
تابعات	284
تماضرؒ	284
ام محمد القرظیؒ	285
ضمیمہ	286
فروہ بن عمروؓ	286
ذوالکلاعؓ	287
ذو عمروؓ	287
قبیلہ بنو غسان کے تین نامعلوم الاسم صحابی	287
ایک نامعلوم الاسم تغلبی صحابیؓ	288

Marfat.com

پیش لفظ

(از مولانا عبدالماجد دریا دی)

موضوع کی ندرت یقین ہے کہ ہر پڑھنے والے کے لیے دلکش ثابت ہوگی' کس کو خیال تھا کہ یہ بھی موضوع کسی مستقل کتاب کا بن سکتا ہے؟

فاطر کائنات کے انعامات اور نوازشیں کسی خاص عہد و زمانہ تک محدود نہیں' صدیوں پر صدیاں گزر گئیں' صحابیوں پر بہتر سے بہتر اور کیسی کیسی جامع کتابیں مرتب ہو گئیں' اس پہلو کی طرف کسی کا ذہن بھی منتقل نہ ہوا کہ جو اہل کتاب میں سے صحابہ ہوئے ہیں' مخصوص ان کا تذکرہ یکجا کیا جائے' یہ سعادت چودھویں صدی ہجری کے وسط کے عہد کے ایک فرزند ندوہ کے لیے اٹھ رہی تھی' ذَالِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ.

خیال کو عمل میں لانا آسان نہ تھا' کتنی ہی کتابیں غور و استیعاب کے ساتھ پڑھنی پڑیں' اور پھر بھی حالات و تفصیلات کے خاطر خواہ بہم نہ پہنچ سکے۔ سمندر کے کھنگالنے پر جتنے بھی موتی ہاتھ آ گئے یہی غنیمت ہیں' ۶۳ صحابی ۸ صحابیات ۱۳ تابعی' ۲ تابعات کے نام اور کم و بیش حالات فراہم ہو جانا کچھ تھوڑی بات نہ ہوئی' فرط احتیاط سے مؤلف سلمہ خود ہی کچھ رک گئے' ورنہ چند نام تو اور اس فہرست میں بڑھ سکتے تھے۔

دنیا کس طرف جا رہی ہے' روشن خیال دنیا قلم ہاتھ میں لیے ہوئے' نفس پرستی کے کیسے کیسے عنوانوں کی طرف ہر روز لپک رہی ہے' اور کچھ اللہ کے بندے' اللہ اور رسول کے نام کے دیوانے اب بھی ایسے پڑے ہوئے ہیں کہ دن رات' اللہ والوں اور اللہ والیوں ہی کے حالات کی ادھیڑ بن میں لگے ہوئے ہیں' نفع فوری اور صلہ عاجل حاصل ہو یا نہ ہو۔ ''اجر غیر ممنون کی توقع انہیں .... بنائے رکھنے کے لیے کافی ہے۔

شروع کتاب میں عرب میں یہودیت و نصرانیت کی اجمالی تاریخ اور جغرافی

Marfat.com

نقشے بڑے کام کی چیزیں ہیں .... رسالہ بحیثیت مجموعی ''بہ قامت کہتر'' ہونے کے ساتھ صحیح معنی میں ''بہ قیمت بہتر'' ہے' اور بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس طبع واشاعت کا سامان بھی اسی ادارہ کی طرف سے ہو رہا ہے' جو سیرت صحابہ کے سلسلہ میں خدمات خصوصی کا امتیاز حاصل کیے ہوئے ہے۔

۲۰ اپریل ۱۹۵۱ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

وجہ تصنیف:

ندوہ کی تعلیم کا آخری سال تھا' علامہ زمخشری کی کشاف میں سورۂ آل عمران درس میں تھی' مومنین اہل کتاب کے متعلق جب کوئی آیت سامنے آتی تو اس کے شان نزول کے مصداق کے سلسلہ میں بار بار حضرت عبداللہ بن سلام یا ایک دو اور صحابی کا نام آتا' جب سورہ کی آخری آیت:

﴿ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ ﴾(الاية)

''اہل کتاب میں سے بعض ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور جو کتاب تمہاری طرف نازل کی گئی (قرآن) اور جو کتاب ان کی طرف نازل کی گئی اس پر یقین رکھتے ہیں''۔

تفسیر شروع ہوئی تو حضرت عبداللہ بن سلام کے ساتھ اصحمۃ النجاشی' اور حبشہ اور نجران کے وفود کا ذکر بھی آیا' اس وقت میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ تفسیر کی جتنی کتابیں اب تک نظر سے گزر چکی ہیں' ان سب میں یہ چیز مشترک ہے کہ جب مومنین اہل کتاب کا ذکر آتا ہے تو ارباب تفسیر دو چار مخصوص اہل کتاب صحابہ کے علاوہ کسی اور کے نام کا ذکر نہیں کرتے' آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ میں نے اپنی اس خلش کا اظہار حضرت الاستاذ مولانا شاہ حکیم عطاء صاحب سے کیا۔ انہوں نے مذکورہ ناموں کے علاوہ دو چار اور نام بتائے' اس وقت میں خاموش ہوگیا' اتفاق سے اسی روز یا اس کے دوسرے روز بخاری شریف کے درس میں یہ حدیث:

لوامن بی عشرة من اليهود لامن بی اليهود.

Marfat.com

''اگر دس یہود بھی مجھ پر ایمان لاتے تو ان کی کافی تعداد ایمان لے آتی''

سامنے آئی (حضرت شاہ صاحب کے یہاں بخاری کا درس بھی تھا) میں نے ان سے پھر دریافت کیا کہ کیا دس یہود بھی ایمان نہیں لائے تھے؟ یہ تو اسلام کی بڑی ناکامیابی اور بے اثری کی دلیل ہے کہ اس نے اہل کتاب میں کوئی مقبولیت حاصل نہیں کی جب کہ وہ اس سے بڑی حد تک قریب بھی تھے[1] شاہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ اس سے بہت زیادہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ ایمان لائے تھے۔ اس حدیث میں عام یہود نہیں' بلکہ علماء اور خواص مراد ہیں[2] اس جواب سے گو تھوڑی سی تسکین ضرور ہوگئی لیکن پورے طور پر میری خلش رفع نہیں ہوئی اور بالآخر عہد طالب علمی کی یہی خلش اس کتاب کی تصنیف کا باعث ہوئی۔

ندوہ کی تعلیم کے ختم کرنے کے بعد جب میں دارالمصنفین آیا تو رہ رہ کر یہ خلش مجھے بے چین کرتی تھی' اتفاق سے ایک دن ابن ہشام دیکھ رہا تھا کہ غزوۂ بنی قریظہ اور غزوۂ بنی نضیر کے سلسلہ میں دو چار اہل کتاب صحابہ کے ناموں پر نظر پڑی۔ اس سے مجھے مزید تسکین ہوئی۔ میں نے استاذ الاساتذہ حضرت سید صاحب قبلہ سے دریافت کیا کہ کیا اہل کتاب صحابہ کے حالات کہیں یکجا مل سکتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ یکجا تو نہیں ملیں گے' ہاں ابن ہشام' سہیلی اور دوسری سیر کا مطالعہ کرو تو متفرق طور پر ان کے نام اور حالات مل جائیں گے۔ میں نے تلاش و جستجو شروع کر دی' بہت دنوں تک مغازی و سیر کی کتابوں کی ورق گردانی کرتا رہا۔ لیکن میں نے اپنے ذہن میں جو طویل خاکہ بنایا تھا' اس میں رنگ بھرنے کا خاطر خواہ سامان ان کتابوں سے بہم نہ پہنچ سکا' پھر یہ خیال پیدا ہوا کہ طبقات و رجال

---

[1] بعد میں یہ علم ہوا کہ اسی حدیث کے پیش نظر بعض مستشرقین خصوصیت سے تاریخ الیہود کے مصنف اسرائیل ولفنسون نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہود میں اسلام بہت زیادہ غیر مقبول رہا۔ (ص ۴۷)

[2] یہی جواب عام شراح حدیث' حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے دیا ہے۔ واقعات سے بھی اس کی تائید ہوئی ہے کہ چند سرداران یہود نے عام یہود کے حلقہ بگوش اسلام ہونے میں سد راہ بنے رہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے ان کے نام بھی لکھے ہیں۔

Marfat.com

کی کتابیں دیکھی جائیں' پہلے تو اس بحر زخار میں گوہر مقصود کی تلاش پر طبیعت آمادہ نہیں ہوئی' لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے ہمت عطا فرمائی' اور تحقیق و تلاش شروع کر دی' برسوں کی محنت و جانفشانی کے بعد جو کچھ حاصل ہو سکا وہ پیش کش قارئین ہے:

مآخذ:

سیر کی کتابوں کے بعد رجال کی کتابوں میں سب سے پہلے حافظ ذہبی کی ''تجرید اسماء الصحابہ'' شروع سے آخر تک پڑھی۔ پھر استیعاب اور اسد الغابہ' اور ان سب کے بعد اصابہ کی ورق گردانی کی۔ اس سلسلہ میں قبائل اور مقامات کی تحقیق کی ضرورت پڑی تو اس کے لیے کتاب الانساب سمعانی اور معجم البلدان کی طرف رجوع کیا گیا۔

شروع میں تو یہ کتاب اہل کتاب صحابہ کے حالات تک محدود تھی لیکن جب میں نے اصابہ کا بالاستیعاب مطالعہ شروع کیا تو اس میں بعض اہل کتاب تابعین کے ناموں پر بھی نظر پڑی' جن کو میں جمع کرتا گیا چونکہ یہ تھوڑے تھے اس لیے ان کو بھی اس کتاب کے آخر میں شامل کر دیا گیا۔

جن بزرگوں کے اہل کتاب ہونے میں شبہ ہے:

بعض قبائل کے متعلق تصریح ہے کہ وہ یہودی یا نصرانی تھے' لیکن جب تک اس قبیلہ کے کسی بزرگ کے متعلق مخصوص طور پر معلوم نہیں ہو گیا کہ وہ اہل کتاب میں سے تھے' اس وقت تک ان کو اس فہرست میں نہیں لیا گیا' مثلاً بنو تغلب کے متعلق اسد الغابہ میں تصریح ہے کہ:

لان بنی تغلب کانوا نصری. ''اس لیے کہ بنو تغلب نصاریٰ تھے''۔ (۱۵ص ۵۷)

اسد الغابہ میں دوسری جگہ ہے:

ان کثیرا من العرب قد تنصر کتغلب. (ج۵ص۲۲۲)

''بہت سے عربی قبائل عیسائی ہو گئے تھے مثلاً تغلب''۔

لیکن بہت سے تغلبیوں کو اس فہرست میں اس لیے نہیں لیا گیا ہے کہ خاص طور پر ان کے عیسائی ہونے کی کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

Marfat.com

اسی طرح حضرت تمیمؓ داری شام کے رہنے والے تھے اور شام میں عموماً عیسائی ہی آباد تھے۔ حضرت تمیمؓ جب خدمت نبویؐ میں آئے تو ان کے اہل خاندان کا ایک وفد بھی ان کے ساتھ تھا۔ لیکن ان سب میں صرف حضرت تمیمؓ اور ان کی ایک عزیزہ کو اس فہرست میں لیا گیا اس لیے کہ دوسروں کے عیسائی ہونے کی کوئی تصریح نہیں ملی سکی۔

اسی طرح مصر کے قبطی عام طور پر عیسائی تھے لیکن بہت سے قبطی صحابہ کو اس لیے چھوڑ دیا گیا کہ ان کی قومی نسبت کے علاوہ اور کوئی ثبوت ان کے عیسائی ہونے کا نہیں مل سکا۔

جن بزرگوں کے اہل کتاب ہونے میں شبہہ ہے ان کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) **ابو ہند الداری:** یہ حضرت تمیمؓ داری کے چچا زاد بھائی تھے معلوم نہیں انہوں نے عیسائیت قبول کی تھی یا نہیں۔

(۲) **احمد بن عبداللہ بن سلام:** ان کا تذکرہ ابن ندیم نے کیا ہے۔[1] لیکن رجال کی کتابوں میں حضرت عبداللہ بن سلام کے دو صاحبزادوں حضرت یوسف اور حضرت محمد کا نام تو مذکور ہے جو شرف صحابیت سے بھی بہرہ ور تھے لیکن احمد نام کے کسی صاحبزادے کا تذکرہ نہیں مل سکا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ محمد کی تصحیف ہو، واللہ اعلم۔

(۳) **تبع بن امرۃ کعب الاحبار:** یہ کعب احبار کے ربیب تھے۔

(۴) **ذکوان بن یامین:** ان کے اسلام میں اختلاف ہے۔

(۵) **سلمہ بن سعد:** اصابہ میں ہے کہ یہ حضرت شعیب کی قوم سے تھے۔

(۶) **سلمہ بن عیاض:** ان کے اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اہل کتاب میں سے تھے لیکن تصریح نہیں ملتی۔

(۷) **فیروز الدیلمی:** کسریٰ کے اسیر تھے، ممکن ہے کہ رومی عیسائی ہوں۔

(۸) **ابن التیہان:** ابن ندیم نے ان کو اہل کتاب میں شمار کیا ہے[2] اگر اس سے

---

[1] ابن ندیم ص ۳۳۴۔ [2] ایضاً۔

Marfat.com

مراد ابوالہیثم بن التیہان ہیں تو وہ اہل کتاب میں نہیں بلکہ انصاری تھے اور اگر کوئی اور ابن التیہان ہیں تو کتب رجال میں ان کا تذکرہ نہیں ملتا۔

(۹) ام المہاجر الرومیہ: رومیہ کی نسبت کی وجہ سے ان کے عیسائی ہونے کا امکان ہے۔

(۱۰) ابن جریج تابعی: تذکرۃ الحفاظ وغیرہ میں ان کو رومی بتایا گیا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر صاحب فخر الاسلام نے ان کو نصرانی لکھا ہے[1] لیکن اس قومی نسبت کے علاوہ ان کے عیسائی ہونے کا اور کوئی ثبوت رجال کی کتابوں میں نہیں مل سکا۔ اس لیے ان کا نام اس فہرست میں نہیں لیا گیا ہے۔

(۱۱) انبہ عم صفیہ: ابن سعد نے طبقات میں اور امام محمد نے السیر الکبیر میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ امام محمد نے لکھا ہے کہ غزوۂ خیبر میں حضرت صفیہ اور ان کی ایک چچا زاد بہن گرفتار ہوئیں۔ حضرت صفیہؓ حضرت دحیہ کلبی کے حصہ میں آئی تھیں' مگر بعض اہم مصالح کے تحت آپ ﷺ نے ان کو ان سے واپس لے لیا اور ان کے بجائے ان کی چچا زاد بہن کو انہیں دے دیا چونکہ ان کے اسلام لانے کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے اس لیے ہم نے ان کا ذکر اس فہرست میں نہیں کیا ہے۔

حبشہ کے وفد میں عیسائیوں کی ایک بڑی جماعت خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئی اور مشرف باسلام ہوئی' اس کے علاوہ نعیم الحبر کے ہاتھ پر جن کا تذکرہ آچکا ہے چالیس علمائے یہود نے اسلام قبول کیا تھا لیکن افسوس ہے کہ ان کے حالات تو کیا پورے نام بھی سیر و رجال کی کتابوں میں نہیں ملتے۔

ترتیب اور ناموں کی تعداد:

کتاب میں پہلے صحابہ کے حالات حروف تہجی کے اعتبار سے درج ہیں' پھر اسی ترتیب سے تابعین اور ان کے بعد صحابیات اور پھر تابعات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

---

[1] ج ۱ ص ۲۴۶۔

Marfat.com

پوری کتاب میں تریسٹھ صحابہؓ سات[1] صحابیات اور تیرہ تابعین اور دو تابعات کے حالات درج ہیں جن میں سے صحابہ میں ۳۹ یہودی اور ۲۳ عیسائی اور تابعین میں ۴ یہودی اور ۹ نصرانی اور صحابیات میں ۳ یہودیہ اور ۳ نصرانیہ اور تابعات میں ایک یہودی اور ایک عیسائی ہیں۔

کتاب کے شروع میں ایک مقدمہ ہے جس میں جزیرہ عرب کے یہود و نصاریٰ کی تاریخ اور ان کے سیاسی، تمدنی اور اخلاقی حالات پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ آخر میں ایک نقشہ بھی ہے جس میں ان کے مرکزی مقامات اور قبائل کا جائے وقوع دکھایا گیا ہے۔

خادم: مجیب اللہ ندوی

[1] آٹھ صحابیات کا تذکرہ ہے۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

کتاب میں بہت سے مقامات اور قبائل کے نام اور یہود و نصاریٰ کی تمدنی اور اخلاقی حالت اور ان کے قبول اور عدم قبول اسلام کے سلسلہ میں متعدد واقعات ایسے سامنے آئیں گے جن کے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ جزیرۂ عرب کے یہود و نصاریٰ کی تاریخ پر ایک نظر ڈال لی جائے تاکہ موضوع کا پورا پس منظر سامنے آ جائے اور کتاب کے بعض گوشے جو اس کے بغیر تشنۂ بیان رہ جاتے ہیں وہ واضح ہو جائیں۔ اسی ضرورت کے ماتحت یہاں یہود و نصاریٰ کی تمدنی، مذہبی اور اخلاقی حالت کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا جاتا ہے لیکن چونکہ اس میں قصداً استقصا اور احتواء کے بجائے اختصار سے کام لیا گیا ہے اس لیے ممکن ہے کہ موضوع کے پہلو پورے طور پر سامنے نہ آ سکیں، اس سلسلہ میں اگر کوئی فروگزاشت ہوئی ہو تو اہل علم سے درخواست ہے کہ وہ مجھے اس پر متنبہ فرما کر ممنون کرم فرمائیں وفوق کل ذی علم علیم.

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسلام سے پہلے جزیرۂ عرب کے باشندوں کا دنیا کے دوسرے ملکوں اور قوموں سے کوئی خاص تعلق نہ تھا اور نہ انہوں نے کسی ملک یا قوم کا کوئی اثر قبول کیا تھا۔ لیکن جزیرۂ عرب کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی بلکہ اس کے برعکس یہ پتہ چلتا ہے کہ عربوں کے سیاسی، تمدنی اور تجارتی ہر قسم کے تعلقات ان کے پڑوسی ملکوں اور قوموں سے تھے۔ اور قوموں کے آپس میں اختلاط اور ارتباط اور ان کے باہمی سیاسی اور تمدنی تعلقات کے جو اثرات ایک دوسرے پر پڑتے ہیں وہ سب اہل عرب پر بھی پڑے تھے۔

عربوں اور دوسرے ملکوں اور قوموں میں باہم اختلاط اور تعلقات کے تین

Marfat.com

بڑے ذریعے یہ تھے۔

❶ تجارت

❷ ایران وروم کے ماتحت عربوں کی سرحدی حکومتیں یعنی غسان اور حیرہ وغیرہ۔

❸ یہودیت اور نصرانیت۔

پہلی دونوں شقیں ہمارے موضوع سے خارج ہیں' اس لیے صرف تیسری شق کے متعلق کچھ تفصیل ہم پیش کرتے ہیں اس میں دکھانا ہے کہ جزیرۂ عرب میں ان مذاہب کی ابتدائی کب سے ہوئی اور ان کو یہاں کیا کامیابی حاصل ہوئی۔ کن قبائل نے انہیں قبول کیا اور ان کے مرکزی مقامات کون کون سے تھے اور عہد جاہلیت میں عربوں کی مذہبی اور تمدنی زندگی پر ان قبائل کا کیا اثر پڑا اور پھر اسلام کے بعد مسلمانوں پر ان کے کیا اثرات پڑے اور انہوں نے مسلمانوں سے کیا اثرات قبول کیے' پھر مجملاً یہ بھی ذکر آئے گا کہ ظہور اسلام سے پہلے اور اس کے بعد ان کی اخلاقی حالت اور ذہنی سطح کیا تھی اور قرآن مجید نے اس کے متعلق کیا ارشادات کیے ہیں۔

مؤخر الذکر شق میں سے بھی پہلے ہم یہودیت' اس کے بعد نصرانیت کی تاریخ بیان کریں گے۔

یہودیت:

جزیرۂ عرب میں یہود[1] کی تاریخ دو دوروں پر منقسم ہے۔ پہلا دور ۵۰۰ ق-م

---

[1] اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے کو یہود کہا جاتا تھا۔ لیکن ان کا قدیم اور اصلی نام بنی اسرائیل تھا (یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام جن کا عبرانی نام اسرائیل تھا ان کی اولاد) بنی اسرائیل کے بجائے ان کا نام یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد غالباً حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد کے بعد پڑا حضرت سلیمان کے بعد یہود دو حصوں میں بٹ گئے تھے' ایک گروہ موحد تھا۔ یہ گروہ حضرت سلیمان کے فرزند ولی عہد رجعام کے ماتحت تھا۔ اصل میں یہود ان ہی کا لقب تھا اس لیے یہود کا لفظ ہود سے مشتق ہے جس کے معنی رجوع کے ہیں چونکہ یہ لوگ اللہ کی طرف رجوع ہوئے اس لیے ان کا نام یہود پڑ گیا۔ واللہ اعلم۔ ◄◄

Marfat.com

جسے یہود بائدہ کا دور کہا جاتا ہے اور دوسرا دور ۵۰۰ ق م سے ظہور اسلام تک' پہلے دور میں جو یہود جزیرۂ عرب میں آئے ان کے متعلق قدیم صحیفوں اور عربی تاریخوں میں متعدد روایتیں ملتی ہیں۔ لیکن یہ صحیح طور سے نہیں بتایا جاسکتا کہ کب سے ان کا وجود یہاں ملتا ہے۔ بعض عربی تاریخوں کی روایتوں سے تو پتہ چلتا ہے کہ حجاز میں ان کی آمد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ یعنی ۵۰۰ ق۔م سے ہی شروع ہوگئی تھی۔ یاقوت نے معجم البلدان میں مدینہ کے باشندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

حین اظهره الله تعالیٰ (موسیٰ) علی فرعون فوطی الشام و اهلک من کان بها منهم ثم بعث بعثا آخر الی الحجاز الی العمالیق و امرهم ان لا یستبقوا احداً ممن بلغ الحکم الا من دخل فی دینه فقدموا علیهم فقاتلوهم فاظهرهم الله علیهم فقتلوهم وقتلوا املکهم لارقم و اسروا ابناله شاباً جمیلا کاحسن من رای فی زمانه فضنوابه عن القتل وقالوا نستحیه حتی تقدم به علی موسیٰ فیری فیه رایه فاقبلوا وهو معهم وقبض الله موسیٰ قبل قدرهم فلما قربوا وسمع بنو اسرائیل بذالک تلقوهم و اسئلوهم عن اخبارهم فاخبروهم بما فتح الله علیهم قالوا فما هذا الفتی الذی معلم فاخبروهم بقصة فقالوا ان هذه معصیة منکم لمخالفتکم امر نبیکم والله لا دخلتم علینا بلادنا ابدا فحالوا بینهم وبین الشام فقال ذالک الجیش ما بلد اذا منعتم بلد کم خیرلکم من البلذی فتحتموه وقتلتم اهله فارجعوا الیه فعادوا الیها فاقاموا بها فهذا کان اول سکی الیهود الحجاز والمدینه.

◀◀ دوسرا گروہ مشرک تھا جو () کے تحت تھا' یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا سزا یافتہ اور دشمن تھا۔ لیکن ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پہلے کے بنی اسرائیل سے نہیں بلکہ ان کے امتی اور ماننے والے جو اس وقت یہود کے نام سے مشہور ہیں ان بحث کرنی ہے۔ اس لیے ہم نے ہر جگہ یہود ہی کا لفظ استعمال کیا ہے' اس لیے غلط فہمی نہ ہوئی چاہیے۔ قرآن پاک میں ان کا تذکرہ ان کے قدیم اور جدید دونوں ناموں سے کیا گیا ہے۔

Marfat.com

''جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر غالب کیا تو انہوں نے فرعون کے اعوان وانصار کو ختم کرنے کے بعد ایک فوج عمالیق[1] کی سرکوبی کے لیے بھیجی اور فوج کو حکم دیا کہ ان میں سے جو لوگ دین میں داخل ہو جائیں ان کے علاوہ ہر بالغ کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ فوج حجاز گئی اور اس کو عمالقہ پر غلبہ حاصل ہو گیا اور وہاں کا بادشاہ ارقم قتل کیا گیا۔ اس کا ایک لڑکا گرفتار ہوا۔ چونکہ وہ بہت خوبصورت اور معصوم تھا اس لیے فوج اس کو اپنے ساتھ شام لیتی آئی۔ اس لڑکے کے بارے میں وہ غور کر رہے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لے جایا جائے یا نہیں۔ آخر کار اسے وہ لے کر شام واپس آئے' اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی تھی۔ بنو اسرائیل نے فوج سے حجاز کے حالات دریافت کیے انہوں نے اپنی فتح کا واقعہ ان کے سامنے سنایا۔ پھر اس نوجوان کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے صورت حال بتائی اس پر بنو اسرائیل فوج پر خفا ہوئے کہ تم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کی خلاف ورزی کی اس لیے تم شام میں نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ وہ شام میں داخل نہیں ہو سکے یہ صورت حال دیکھ کر فوج کے سردار نے کہا فوجیو! شام کے بعد تمہارے لیے حجاز ہی کی سرزمین بہتر ہے' تو وہیں واپس چلو چنانچہ وہ حجاز واپس آئے۔ مدینہ اور حجاز میں یہود کی یہ پہلی آبادی تھی جو یہاں آباد ہوئی[2] (ج ۷ ص ۴۲۷)

اس روایت کے متعلق تاریخ الیہود کے مصنف اسرائیل ولفنسون نے لکھا ہے کہ یہ روایت قابل اعتبار نہیں ہے' اس لیے کہ صحف قدیم میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کی تردید کے لیے صرف اتنا ثبوت کافی نہیں ہے کہ ''صحف قدیم میں اس کا

---

[1] حجاز میں اس وقت عمالقہ کی حکومت تھی جن کا ظلم وستم فرعون سے کچھ کم نہ تھا۔

[2] اس روایت کو اغانی نے (ج ۱۱ ص ۹۱) میں اور سمہودی نے وفا الوفاء ص ۱۱۱ میں اور ابن خلدون نے اپنی تاریخ ج ۲ ص ۲۸۷ میں نقل کیا ہے۔

Marfat.com

تذکرہ نہیں ہے'' بہت سے ایسے قدیم تاریخی واقعات ملیں گے جو مسلمات کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں' مگر صحف قدیم ان کے تذکرہ سے خالی ہیں' تو کیا یہ سب نا قابل اعتبار ہیں؟ اور پھر مصنف کو بھی یہ تسلیم ہے کہ ۱۲۰۰ ق۔م سے پہلے حجاز میں یہود کی آمد شروع ہو گئی تھی تو پھر اس روایت کے عدم قبولیت کا سبب اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ اپنی یہودی عصبیت کی بناء پر عربی ماخذ کی روایات کو کمزور کرنا چاہتا ہے' جیسا کہ اس نے کتاب میں متعدد جگہ اس کا اظہار کیا ہے[1]

اس کے بعد جزیرۂ عرب میں یہود کی دوسری آمد بنی شمعون کی ہجرت قرار پا سکتی ہے۔ اس کے متعلق صحف قدیم کا بیان ہے کہ وہ چراگاہ کی تلاش کے لیے طور سینا تک گئے اور وہاں ان سے اور قبائل معان سے جو وہاں کے قدیم باشندے تھے' جنگ ہوئی جس میں بنی شمعون غالب رہے۔ وہ پورا بیان یہ ہے:

''۳۸۔ یہ جن کے نام مذکور ہوئے' اپنے اپنے گھرانے کے سردار تھے اور ان کا آبائی گھرانہ بہت بڑھ گیا۔ ۳۹۔ اور وہ جدور کی درآمد تک اس وادی کے پورب تک اپنے گلوں کے لیے چراگاہ ڈھونڈنے گئے۔ ۴۰۔ وہاں انہوں نے ستھری اور اچھی چراگاہ پائی کہ وہ زمین وسیع اور چکنی اور سکھ کی جگہ تھی۔ آحام کے لوگ قدیم سے اس میں رہتے تھے۔ ۴۱۔ اور وہ جن کے نام لکھے گئے ہیں شاہ یہودا اور حزقیاہ کے دنوں میں چڑھ آئے اور انہوں نے ان کا پڑاؤ مارا اور معونیم[2]

---

[1] اس روایت کو نا قابل اعتبار ٹھہرانے میں مصنف کی غلط فہمی کا سبب شاید یہ ہو کہ اس روایت کا ماٰخذ اس نے صرف اغانی کو سمجھا ہے۔ حالانکہ دوسری مستند کتابوں جن کا تذکرہ اوپر آ چکا ہے ان میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ [2] معونیم یعنی قبائل معان یا معین جو مکہ اور یثرب کے اطراف میں آباد تھے' تاریخ الیہود ص ۵ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل اور قبائل معان میں جو جنگ ہوئی اس میں بنی اسرائیل غالب رہے اور انہوں نے معان کو قتل کر کے اُس سرزمین پر قبضہ کر لیا۔ یہ قبائل عرب کے بہت قدیم قبائل ہیں۔ انہوں نے کئی برس تک جزیرۂ عرب میں حکومت کی۔ تفصیل کے لیے دیکھئے ارض القرآن' جلد اول۔

Marfat.com

جو وہاں ملے قتل کیا ایسا کہ وہ آج کے دن تک نابود ہیں اور ان کے گھروں میں آپ رہے کیونکہ ان کے گلے کے لیے وہاں چرائی تھی۔ ۴۲۔ اور ان میں سے یعنی بنو شمعون کے بیٹوں میں سے پانچ سو مرد شعیر کے پہاڑ پر گئے اور یسعی کے خلطیاہ اور نعرماہ اور رفایاہ اور غریئیل ان کے سردار تھے۔ ۴۳۔ اور ان باقی عمالقیوں کو جو بھاگ نکلے تھے قتل کیا اور آج کے دن تک وہاں بستے ہیں''۔

(تواریخ اباب ۴)

اس ہجرت کی سنہ کی تعیین میں اختلاف ہے۔ ڈوزی (DOZIY) نے اپنی کتاب ''بنی اسرائیل مکہ میں'' میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ ہجرت حضرت داؤد کے زمانہ سے کچھ پہلے یعنی ۱۱۰۰ ق۔م کے قریب ہوئی' لیکن مارگولیتھ (MORGOLOUTH) نے ڈوزی سے اختلاف کیا ہے اور اپنی کتاب ''عربوں اور بنی اسرائیل کے تعلقات'' میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ ہجرت حزقیل کے وقت میں ہوئی جنہوں نے ۶۹۱ سے ۷۱۷ ق۔م تک بلاد یہودا پر حکومت کی ہے۔

خود بائبل کے مترجمین نے اس ہجرت کے سنہ کی جو تعیین کی ہے اس سے بھی مارگولیتھ کے خیال کی تائید ہوتی ہے یعنی انہوں نے اس کو ۷۱۵ ق۔م کا واقعہ قرار دیا ہے۔

تاریخ الیہود کے مصنف کا خیال ہے کہ کم از کم اس ہجرت کا زمانہ ۱۲۰۰ ق۔م ہے۔ لیکن اس نے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا ہے' غالباً اس نے یہ رائے اس لیے قائم کی ہے کہ بائبل میں اس واقعہ کا سنہ تو ۷۱۵ ق۔م درج ہے' لیکن اس واقعہ سے پہلے اور بعد کے جتنے واقعات ہیں وہ سب ۱۳۰۰ ق۔م کے تحت درج ہیں۔ صرف اسی واقعہ کے سامنے ۷۱۵ ق۔م درج ہے۔

بہرحال اس سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ ۵۰۰ ق۔م سے پہلے بنی شمعون عرب میں آباد ہو چکے تھے اسی اختلاف روایات کی بنا پر بعض مستشرقین نے بنی شمعون کے وجود ہی سے انکار کر دیا ہے' لیکن کتاب یوشع بن نون کے دیکھنے سے ان کے خیال کی تردید ہو جاتی ہے۔ اس میں ان کے قبائل نام اور ان کے جائے قیام کے حدود مفصل درج ہیں۔[1]

[1] کتاب یوشع بن نون فصل ۱۹۔ آیت ۱ تا ۹۔

Marfat.com

اس کے علاوہ صحف قدیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب تاجر برابر کنعان اور بنی اسرائیل کے دوسرے شہروں تک سامان تجارت لے کر جایا کرتے تھے۔ اور یہود تجار سبا تک برابر تجارتی سفر کرتے رہتے تھے[1] اوپر یہود اور عمالقہ کی جنگ کا ذکر آ چکا ہے۔ اس کے علاوہ متعدد بار عمالقہ اور عربی قبائل میں لڑائیاں ہوئی ہیں[2] جو یہود کے عرب میں متوطن ہونے کا بڑا سبب ہوئیں۔

غرض ان ہی مذکورہ اسباب کی بنا پر حجاز میں یہود کی آمد و رفت اور بود و باش شروع ہوئی' لیکن اس دور کے یہود کے تاریخی آثار اب باقی نہیں رہ گئے ہیں اس لیے ان کو یہود بائدہ (یعنی مٹ جانے والے) کہا جاتا ہے۔

دوسرا دور:

دوسرے دور میں جو یہود حجاز آئے' وہ زیادہ تر شام و فلسطین کے باشندے تھے۔ وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر انہوں نے اپنے سرسبز و شاداب وطن کو چھوڑ کر جزیرۂ عرب جیسی بے آب و گیاہ سرزمین کا رخ کیا ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ مختصر طور پر ان کی ہجرت کے تین قوی سبب یہ تھے۔

❶ فلسطین میں یہود کی آبادی بہت زیادہ بڑھی تھی' چنانچہ اس وقت ان کی تعداد چالیس لاکھ تک بتائی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ فلسطین جیسی چھوٹی جگہ میں اتنی کثیر آبادی کا فراغت اور خوشحالی کے ساتھ رہنا' اور پھر اس کے ذرائع معاش کا مہیا ہونا دشوار ہوگا۔ اس لیے وہ عرب اور عراق کا رخ کرتے تھے' جہاں کی آبادی ان کے رقبہ کے اعتبار سے بہت کم تھی اور پھر جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے یہود کی آبادیاں متفرق طور سے پورے جزیرۂ عرب میں پھیلی ہوئی تھیں جو یہاں ان کی آمد کا ایک بڑا سبب بن گئیں۔

❷ پہلی صدی ہجری میں رومیوں نے متعدد بار فلسطین پر حملہ کیا یہاں تک کہ یہود کو زمام حکومت ان کے ہاتھ میں دے دینا پڑی' لیکن ظاہر ہے کہ فلسطین یہود کا صرف وطن نہیں تھا

---

[1] حزقیاہ باب ۲۷ آیت ۲۱۔ [2] ملوک ج ا باب ۹ آیت ۲۶۔

Marfat.com

بلکہ وہ ان کی سب سے مقدس عبادت گاہ تھی اس لیے وہ چین سے نہیں بیٹھے اور بغاوت کے فتنے برابر اٹھاتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رومیوں نے ان پر ہر قسم کے ظلم توڑنے شروع کردیئے اب ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ فلسطین چھوڑ کر کہیں ہجرت کر جاتے جس کے لیے ان کو سب سے قریب آزاد سرزمین جزیرۂ عرب ہی کی مل سکتی تھی[1]

❸ اس کے بعد پہلی صدی ہجری یعنی ۷۰ء میں رومیوں اور یہودیوں میں ایک زبردست جنگ ہوئی جس میں پورا فلسطین تہ و بالا ہوگیا۔ یہاں تک کہ بیت المقدس کی مشہور عبادت گاہیں تک برباد کردی گئیں۔ اس جنگ میں یہودیوں کو شکست اٹھانا پڑی' اور اس شکست کے بعد خاص طور سے ان کے قافلے فلسطین سے نکلنے لگے اور ان کو جہاں جائے پناہ ملی' وہاں چلے گئے۔ ان تارکین وطن میں ایک بڑی تعداد نے عرب کا رخ کیا' جہاں ایک کثیر تعداد میں یہود پہلے سے موجود تھے۔ یہود کی اس ہجرت کی پوری تفصیل یہودی مؤرخ یوسف جوان جنگوں میں شریک بھی رہا ہے اس کے بیان سے معلوم ہوتی ہے[2]

رومیوں اور یہودیوں کی جنگ اور یہود کی جزیرۂ عرب کی طرف ہجرت کے متعلق بہت سی مفید باتیں عربی مصادر میں بھی مل جاتی ہیں۔ چنانچہ صاحب اغانی نے بنو قریظہ اور بنو نضیر کی ہجرت کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ:

لما ظهرت الروم على بني اسرائيل جميعا بالشام فوطئوهم وقتلوهم ونكحوا نساء هم خرج بنو نضير وبنو قريظة وبنو هدل هاربين منهم الى من بالحجاز من بني اسرائيل[3]

''جب رومیوں نے شام کے بنو اسرائیل (یہود) پر غلبہ پایا تو ان کو خوب برباد کیا ان کو قتل کیا ان کی عورتوں کو اپنے حبالہ عقد میں لے آئے۔ اس ظلم وستم سے بچنے کے لیے بنو نضیر' بنو قریظہ اور بنو ہدل وغیرہ حجاز میں اپنے دوسرے یہودی بھائیوں کے یہاں چلے آئے''۔

---

[1] ویری یومی یشرئیل بحوالہ الیہود ص ۹۔ [2] ویری یومی یشرئیل بحوالہ تاریخ الیہود ص ۹۔
[3] اغانی جزء ۱۹ ص ۹۵۔

Marfat.com

بہرنوع یہی اسباب تھے جن کی بنا پر یہود حجاز میں آئے۔

جزیرۂ عرب اپنی طبعی تقسیم کی بناء پر تو کئی حصوں پر مشتمل ہے لیکن تمدنی اور سیاسی اعتبار سے دو حصوں پر منقسم ہے' حجاز اور یمن۔ اب تک زیادہ تر بحث حجاز میں یہود کی آمد اور اس سے ان کے قدیم و جدید تعلقات پر تھی' اب ہم عرب کے دوسرے حصہ یمن سے یہود کے تعلقات پر بھی ایک نظر ڈال لینا چاہتے ہیں۔

یمن میں یہودیت:

یمن گو جزیرۂ عرب ہی کا ایک حصہ ہے لیکن سیاسی اور تجارتی اہمیت کے اعتبار سے وہ ہمیشہ ایک مستقل ملک رہا ہے۔ اس اہمیت کی بنا پر اس کا تذکرہ ہم علیحدہ کرتے ہیں۔

اہل یمن سے بھی یہود کے تعلقات قدیم زمانہ سے شروع ہو چکے تھے۔ اوپر آ چکا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وقت یعنی ۱۰۰۰ ق۔م میں اہل عرب اور یہود میں تجارت ہوتی تھی جس کا سب سے بڑا مرکز سبا تھا جو یمن کا دارالسلطنت تھا۔

اس کے علاوہ قرآن پاک میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کا جو واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے اس سے بھی یہود اور اہل یمن کے تعلقات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ معین جو یمن کے بیچ میں واقع تھا اس کا تذکرہ تحریری طور پر ۸۰۰ ق۔م میں ملتا ہے[1]

یمن میں یہودیت کو اصل فروغ حمیری حکومت کے بعد ہوا۔ اس لیے کہ یہودیت حمیری حکومت کا تقریباً سرکاری مذہب ہو گیا تھا۔ اس کے فرمانرواؤں میں ایک ستارہ پرست' ایک دو عیسائی' بقیہ سب یہودی تھے۔ لیکن حمیری حکومت کی ابتداء کب ہوئی' اس کے بارے میں مؤرخین کی بہت مختلف اور متضاد رائیں ہیں۔

حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے ارض القرآن میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ ڈاکٹر ہالوے نے اس کی ابتدا ۱۱۵ ق۔م قرار دی ہے۔ لیکن سید صاحب نے اس پر نقد کیا ہے۔ اور مختلف دلائل سے ثابت کیا ہے کہ حمیری حکومت کی ابتدا

---

[1] تاریخ دوم آیت ۲۶۔۸ یہ تو بڑی ترقی یافتہ حکومت تھی' جدید اثری تحقیقات نے اس کے بارے بہت کچھ معلومات فراہم کر دیئے ہیں۔

Marfat.com

۲۰ ق۔م سے آگے نہیں بڑھتی۔ بہر نوع اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دوسری صدی قبل مسیح یا پہلی صدی کے وسط میں یمن میں یہودیت کو فروغ ہونا شروع ہو گیا تھا اور ۵۵۰ برس تک وہاں اس کو فروغ حاصل رہا۔ لیکن حمیری حکومت کے آخری فرمانروا ذونواس کی موت (۵۲۶ء) کے بعد، یمن میں یہودیت کا زور ٹوٹ گیا، اور اس کی جگہ عیسائیت نے لے لی، جس کا تذکرہ آگے آتا ہے۔

جزیرۂ عرب میں یہودیت کا ذکر کرتے ہوئے یعقوبی نے لکھا ہے کہ:

فاما من تهود منهم فاليمن باسرها[1]

''جزیرۂ عرب میں جو لوگ یہودی ہوئے ان میں یمن بھی ہے، یمن پورا کا پورا یہودی تھا''۔

پھر اس کے بعد یعقوبی نے یمن میں یہودیت کی ابتداء کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ:

كان تبع حمل حبرين من احبار اليهود الى اليمن فابطل الاوثان وتهود من باليمن.[2] (ج ا ص ۲۹۸)

''تبع نے دو یہودی عالموں کو یمن بھیجا انہوں نے وہاں بت پرستی کو مٹایا اور ان کے اثر سے یمن کے باشندوں نے یہودیت قبول کر لی''۔

جدید اثری تحقیقات کے مطالعہ کے مطابق تبابعہ کا زمانہ تیسری صدی عیسوی سے آگے نہیں بڑھتا اس لیے یعقوبی کے بیان کے مطابق یمن میں یہودیت کو پورا فروغ تیسری صدی میں ہوا۔

اوپر یمن میں یہودیت کی جو قدامت دکھائی گئی ہے اس سے یہ بیان کچھ مختلف معلوم ہوتا ہے، مگر اس میں کوئی تضاد نہیں ہے ممکن ہے کہ وہاں یہودیت بہت قدیم زمانے سے موجود ہو مگر اہل یمن کا وہ عام مذہب تیسری صدی میں ہوا ہو۔

کیا عرب کے یہود ہجرت کر کے نہیں آئے تھے:

اوپر ذکر آ چکا ہے کہ مختلف اسباب کی بنا پر شام و فلسطین کی سرسبز و شاداب سرزمین

[1] تاریخ یعقوبی ج ا ص ۲۹۸۔ [2] ایضاً۔

Marfat.com

چھوڑ کر جزیرۂ عرب جیسے بے آب و گیاہ مقام کا رخ کرتے ہیں لیکن بعض مورخین کا خیال ہے کہ عرب کے یہود کہیں باہر سے نہیں آئے تھے بلکہ یہ عرب ہی نسل سے تھے۔ جنہوں نے یہودیت قبول کر لی تھی' یعقوبی کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ بنی نضیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

وھم فخذ من جذام الا انھم تھودا و نزلوا یقال له النضیر فسموا به.

''یہ جذام کی ایک شاخ تھی' مگر یہ یہودی ہو گئے تھے' اور جہاں یہ آباد ہوئے اس مقام کا نام نضیر تھا۔ اسی لیے وہ اس نام سے مشہور ہو گئے''۔

پھر بنو قریظہ کے متعلق لکھتا ہے:

وھی فخذ من جذام اخوۃ النضیر ویقال انھم تھودوا فی ایام عادیا بن سمئویل ثم نزلوا بجبل یقال له قریظة فنسبوا الیه. (ج ۲ ص ۵۴)

''یہ بھی جذام کی ایک شاخ ہے۔ بنو نضیر کے بھائی بند تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عادیا بن سموئیل کے زمانے میں یہودی ہوئے پھر جبل قریظہ کے پاس آباد ہوئے اور اسی نسبت سے ان کا یہ نام پڑ گیا''۔ (ج ۲ ص ۴۹)

جو لوگ اس خیال کے موید ہیں۔ یعقوبی کے بیان کے علاوہ ان کا قیاسی استدلال یہ ہے کہ دنیا کے دوسرے حصوں کے یہود اپنے عادات و اطوار اور اپنے تمدنی اثرات کے اعتبار سے وہاں کے باشندوں سے ہمیشہ ممتاز رہے' لیکن عرب کے یہود کسی حیثیت سے بھی عربوں میں ممتاز نہیں تھے اور نہ انہوں نے کوئی تمدنی یا علمی یادگار چھوڑی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی ہی جنس سے تھے' صرف انہوں نے کسی وجہ سے اپنا مذہب تبدیل کر لیا تھا۔

لیکن صرف یعقوبی کے بیان اور فرضی قیاسات پر یہ فیصلہ کر لینا کہ عرب کے تمام کے تمام یہود عربی النسل تھے' صحیح نہیں ہے۔

اوپر جن واقعات کا تذکرہ آ چکا ہے' ان ہی سے اس کی پوری تردید ہو جاتی ہے لیکن اس سلسلہ میں دو تین باتیں قابل لحاظ ہیں۔

Marfat.com

1. یعقوبی نے بنی قریظہ اور بنو نضیر کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے' انشاء اللہ ان قبائل کے تذکرے کے وقت اس کے دلائل ہم پیش کریں گے۔

2. یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ عرب کے یہود دنیا کے دوسرے حصوں کے یہود سے ممتاز نہیں تھے' یا ان کا کوئی تمدنی امتیاز نہیں تھا۔ اس گوشہ پر ''یہود کے تمدنی اثرات'' کے تحت آئندہ ہم مفصل بحث کریں گے لیکن یہاں دو ایک باتیں سرسری طور سے کہی جاتی ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہود کو دنیا کے کسی گوشہ میں کوئی امتیاز کبھی بھی حاصل نہیں تھا اس لیے کہ ان کے پاس وہ اسباب و ذرائع (خصوصیت سے حکومت) موجود ہی نہیں تھے جن کی بنا پر قومیں امتیاز حاصل کرتی ہیں۔ اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ کہیں بھی ممتاز تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عرب کے یہود کو شاید سب سے زیادہ امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ اس لیے کہ قرآن نے زیادہ تر ان ہی کے عقائد اور اخلاق و معاملات سے بحث کی ہے اس خیال کی زیادہ تر تائید غالباً یہودی مستشرقین نے بھی کی ہے۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کے ان بیانات کی اہمیت گھٹائی جائے' جن کا تعلق یہود سے ہے لیکن یہ خیال تاریخی حیثیت سے صحیح نہیں ہے۔

یہ بات کہ یہود باہر سے نہیں آئے' پورے جزیرہ کے متعلق تو یہ کہنا صحیح نہیں ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ جزیرۂ عرب کے باشندوں کی ایک بڑی آبادی نے یہودیت قبول کرلی تھی' خصوصیت کے ساتھ یمن کے یہود تو اکثر و بیشتر عرب ہی تھے۔ اس لیے اس سلسلہ میں صحیح مسلک یہ ہے کہ یہود باہر سے بھی آئے اور خود عربوں کے بعض قبائل اور افراد نے بھی اسے قبول کیا جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔ خصوصیت سے شمالی حجاز کے یہود زیادہ تر باہر سے آئے تھے۔

کیا عرب کے یہود دنیا سے منقطع ہو چکے تھے؟

تاریخ الیہود کے مصنف اسرائیل ولفنسون نے لکھا ہے کہ عراق' مصر' یونان اور اس کے علاوہ جہاں بھی یہودیوں کی آبادی تھی وہاں کے یہود کی تاریخ کا پتہ چلتا ہے' یہی نہیں بلکہ انہوں نے تاریخ میں اپنے سیاسی و تمدنی آثار کے گہرے نقوش چھوڑے ہیں اور

Marfat.com

دنیا کی دوسری قوموں سے ان کے گوناگوں تعلقات تھے لیکن جزیرۂ عرب کے یہود دنیا سے بالکل منقطع ہو گئے تھے اور عربوں میں اس طرح گھل مل گئے تھے کہ دونوں کی تہذیب و معاشرت میں کوئی نمایاں فرق باقی نہیں تھا اور نہ دوسرے ممالک کے یہود کی طرح ان کے کوئی قابل ذکر تمدنی اور علمی آثار موجود تھے' لیکن واقعات کی روشنی میں یہ خیال صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

❶ یہ بات کہ وہ عربوں میں بالکل گھل مل گئے تھے' اور دونوں میں کوئی نمایاں فرق نہیں تھا' بالکلیہ صحیح نہیں ہے' جزیرۂ عرب میں جہاں یہود منتشر طور پر موجود تھے' وہاں واقعی ان کی کوئی نمایاں حیثیت نہیں تھی لیکن جو ان کے مرکزی مقامات مثلاً یثرب' خیبر' وادی القریٰ اور تیماء وغیرہ تھے' وہاں وہ ہر نقطۂ نظر سے عربوں سے ممتاز تھے۔ پوری تفصیل آگے آتی ہے۔

❷ دنیا کے دوسرے حصوں سے ان کا تعلق نہیں تھا یہ غلط فہمی ویسی ہی ہے جیسے کہ خود عربوں کے متعلق یہ خیال ہے کہ وہ دنیا سے بالکل الگ تھلگ تھے' لیکن یہ خیال نہ تو عربوں کے متعلق صحیح ہے اور نہ یہود کے متعلق عربوں اور حجاز اور یمن کے یہود کے تجارتی اور معاشرتی تعلقات دوسرے ملکوں سے قدیم زمانے سے تھے۔ ذکر آ چکا ہے کہ یمن کے یہود تجارت کی غرض سے برابر شام کا سفر کرتے رہتے تھے۔ جزیرۂ عرب کے جتنے تجارتی مرکز تھے وہ سب یہودیوں کے قبضہ میں تھے۔ یمن کی حمیری حکومت اور حبشہ کی عیسائی حکومت کے درمیان آنحضرت ﷺ کی بعثت تک برابر سیاسی چشمک جاری رہی۔ خصوصیت سے شام کے یہودی مدینہ کے یہودیوں سے آنحضرت ﷺ کے حالات دریافت کیا کرتے تھے۔

بنو قینقاع جلاوطن کیے گئے تو وہ یہاں سے ازراعات جو شام کے علاقہ میں ہے' چلے گئے۔ اسی طرح دوسرے یہودی قبائل کا بھی شام کی طرف جانا ثابت ہے۔ حجاز سے مدینہ کو جو راستہ جاتا ہے اس شاہراہ پر جتنے مرکزی مقامات تھے' ان میں یہودیوں کی آبادیاں ملتی ہیں' اور پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ قریش تو تجارت کے لیے شام تک کا سفر کریں اور یہود جو جزیرۂ عرب کے سب سے زیادہ تاجر اور مالدار باشندے تھے' شام کا تجارتی سفر نہ کرتے ہوں۔ اور پھر مزید برآں یہ کہ شام ہی میں ان کا قبلہ اور سب سے مقدس

Marfat.com

عبادت خانہ تھا۔ ان وجوہ کی بنا پر یہ خیال کرنا صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ یہود سے منقطع ہو کر بالکل قبائلی زندگی گزار رہے تھے۔

❸ تمدنی اور علمی حیثیت سے بھی عرب کے یہود ممتاز تھے۔ ان کے تمدنی و سیاسی اثرات پر بحث آگے آئے گی۔ البتہ علمی حیثیت کے متعلق کچھ باتیں یہاں کہی جاتی ہیں۔

جزیرۂ عرب کے یہود کے علمی امتیاز کے لیے یہی ثبوت بہت ہے کہ ان میں حضرت عبداللہؓ ابن سلام، حضرت زیدؓ بن سعنہ، حضرت مخریقؓ، حضرت مامونؓ بن یامینؓ، کعب احبار، محمد بن کعب القرظی، وہب بن منبہ جیسے علماء اور کعب بن اشرف اور سموئل جیسے شعرا موجود تھے، حضرت عبداللہؓ بن سلام کے صاحبزادے حضرت یوسف نے اپنی ایک علمی یادگار بھی چھوڑی تھی، ان کے متعدد مدارس قائم تھے، خود مدینہ میں بیت المدارس کے نام سے ایک مشہور درسگاہ تھی۔

جزیرۂ عرب میں سب سے زیادہ لکھے پڑھے یہودی ہوتے تھے، مدینہ میں غالباً سب سے پہلے تحریر کا رواج یہود ہی کے ذریعے ہوا۔ وہ صرف اپنی مذہبی زبان عبرانی ہی نہیں بلکہ عربی سے بھی بخوبی واقف تھے اور اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دیتے تھے اور روزمرہ کی زبان بھی یہی تھی۔ پوری تفصیل آگے آئے گی۔

غالباً یہ یہود ہی کا اثر تھا کہ ظہور اسلام کے وقت متعدد صحابہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ بعض صحابہ تو عربی کے ساتھ عبرانی سے بھی وقف تھے۔

بہرنوع یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ عرب کے یہود تمدنی اور سیاسی حیثیت سے کوئی ممتاز حیثیت نہیں رکھتے تھے یا وہ علمی حیثیت سے دوسرے مقامات کے یہود سے پست تھے۔

یہود کے مرکزی مقامات اور ان کے مشہور قبائل:

یوں تو جزیرۂ عرب کے ہر حصہ میں یہودیوں کی آبادیاں موجود تھیں۔ لیکن خصوصیت سے شمالی عرب کے تمام مرکزی مقامات پر یہودی قبائل آباد تھے اور ان میں اکثریت ان یہودیوں کی تھی جو باہر سے ہجرت کر کے آئے تھے، ان قبائل کے نام ان کی

Marfat.com

آمد اور مقام ہجرت کے سلسلہ میں جو معلومات مل سکتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

یثرب:

ظہور اسلام کے وقت جزیرۂ عرب میں یہود کی سب سے بڑی آبادی یثرب اور خیبر[1] میں تھی۔ اس لیے سب سے پہلے ان ہی مقامات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ یثرب کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں صاحب معجم البلدان نے لکھا ہے کہ یہ یثرب بن قانیہ کا آباد کیا ہوا۔ اس لیے اس کا نام یثرب پڑ گیا۔ یثرب بن قانیہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کی ساتویں پشت میں تھا۔ اگر یہ بیان صحیح ہے تو یہ بہت قدیم آبادی ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت بھی یہی نام رائج تھا۔ مگر آپ نے اس کا نام طابہ اور طیبہ رکھا۔ پھر آپ کی ہجرت کے بعد وہ مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے پکارا جانے لگا اور آخر میں یہی نام مخفف ہو کر زبان زد خاص و عام ہو گیا۔

مدینہ میں جو یہودی قبیلے آباد تھے ان کی تفصیل یہ ہے:

بنو قریظہ:

یہ نہایت قدیم قبیلہ تھا جو اپنے وطن شام کو چھوڑ کر یہاں آیا اور وادیٔ مہروز کے قریب جو مدینہ کے مشرق میں واقع ہے' آباد ہو گیا[2] یہ وادی بعد میں انہی کے نام سے مشہور ہو گئی اور رفتہ رفتہ ان کی ملک میں آ گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے جن قبائل سے معاہدہ کیا تھا ان میں بنو قریظہ کا قبیلہ بھی تھا۔ معاہدہ کی رو سے مسلمان اور یہود ایک دوسرے کے خلاف کسی جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے تھے لیکن ۵ ہجری میں انہوں نے معاہدہ شکنی کی۔ اس سے پہلے بھی غزوہ احزاب وغیرہ میں یہ مسلمانوں کے خلاف سازش کر چکے تھے۔ اس لیے

---

[1] بعثت نبویؐ سے ایک سو سال پہلے یہودیت کا سب سے بڑا مرکز یمن تھا۔ لیکن حمیری حکومت کی شکست اور ذونواس کے قتل کے بعد یہودیت کی جگہ نصرانیت نے لے لی تھی' تفصیل آگے آئے گی۔

[2] معجم البلدان ج ۸ ص ۲۱۲۔

Marfat.com

ان کو اس جرم کی سزا بھگتنی پڑی۔ حضرت ثعلبہؓ، حضرت زیدؓ بن سعنہ، حضرت سعیہؓ، حضرت عطیہؓ، حضرت ریحانہؓ وغیرہ اہل کتاب صحابہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

بنونضیر:

اس خاندان نے بھی بنو قریظہ کے ساتھ ہی اپنا آبائی وطن چھوڑا اور مدینہ کے جنوب مشرق میں وادیٔ بطحان کے پاس آ کر آباد ہوا۔ یہ مدینہ کی سب سے بڑی وادی تھی، یاقوت نے بطحان کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بنونضیر اسی وادی کے قریب آ کر آباد ہوئے لیکن ایک جگہ ایک مقام بویرہ کو ان کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

هو موضع منازل بنی نضیر. ''بنونضیر کی آبادی اسی جگہ پر ہے''۔

بویرہ ایک کنوئیں کا نام ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ کنواں وادی بطحان کے قریب ہی رہا ہو۔ اس بنا پر دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ سے بھی معاہدہ کیا تھا، لیکن انہوں نے بھی معاہدہ شکنی کی اور اس کی پاداش میں ۴ ہجری میں جلاوطن کیے گئے۔ حضرت مخریق، حضرت یامین، حضرت ابوسعد رضی اللہ عنہم وغیرہ اسی قبیلہ سے تھے۔

بنوقینقاع:

اس قبیلہ کے متعلق یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ یہ باہر سے ہجرت کر کے آیا تھا یا یہیں کا کوئی عرب قبیلہ تھا جس نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ اس قبیلہ کے لوگ عام رواج پر صناع اور زراعت پیشہ تھے، خصوصیت سے آہنگری اور زرگری ان کا خاص پیشہ تھا۔ خود ان کا نام بھی ان کے پیشوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ قین عربی میں لوہار کو کہتے ہیں اور قاع اس ہموار اور نرم زمین کو کہتے ہیں، جس میں کھیتی کی جا سکے۔ جن سے ان کی دونوں خصوصیتیں معلوم ہوتی ہیں۔ مدینہ کے دوسرے یہودی قبائل کے مقابلہ میں یہ زیادہ مضبوط

---

[1] معجم البلدان ج ۲ ص ۲۲۶۔

Marfat.com

اور طاقتور تھے۔ سب سے پہلے اسی قبیلہ نے معاہدہ شکنی کی اور اس کے نتیجہ میں جلاوطن کیے گئے۔ مدینہ سے نکل کر ازرعات میں' جو شام کا ایک ضلع ہے' چلے گئے۔

بنوہدل:

یہ قبیلہ بھی بنوقریظہ کے ساتھ اپنے وطن سے ہجرت کر کے مدینہ آیا تھا اور ان ہی کے ساتھ آبادی مہزور میں آباد ہوگیا تھا[1] یہ قبیلہ اپنی کوئی الگ حیثیت نہیں رکھتا تھا بلکہ ہر معاملہ میں بنوقریظہ ہی کا شریک تھا۔ بعض کتابوں میں اس کا نام بنو بہدل لکھا ہوا ہے۔ سمہودی نے لکھا ہے کہان کو بنو ہدل اس لیے کہتے تھے کہ عام طور پر ان کے ہونٹ موٹے ور لٹکے ہوئے ہوتے تھے' عربی میں ایسے آدمی کو ہدل کہتے ہیں[2] حضرت ثعلبہؓ، حضرت اسدؓ بن کعب اور حضرت عبداللہؓ بن سلام اسی قبیلہ سے تھے۔

بنوزنباع:

یہ قبیلہ بھی بنوقریظہ ہی کی ایک شاخ اور اس کے ماتحت تھا۔ بنوقریظہ سے اس کے تعلق کی بناء پر یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبیلہ بھی ہجرت کر کے آیا تھا' مگر اس کی جائے قیام کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ حضرت رافع کا نسبی تعلق اسی قبیلہ سے تھا۔

یثرب کے دوسرے یہودی قبائل:

مذکورہ قبائل کے علاوہ مدینہ منورہ میں اور بھی یہودی قبائل تھے جن کو خود کوئی ممتاز حیثیت حاصل نہ تھی بلکہ وہ ہر معاملہ میں ان ہی یہودی قبائل کے پابند تھے۔ مثلاً بنوعریض جبل احد کے قریب آباد تھے' بنوظفر وادی مہزور کے آخری سرے پر آباد تھے۔ بنواشہل اور بنوحارثہ مدینہ کے بالکل مشرق میں آباد تھے۔ ان کے علاوہ چند اور قبائل کے نام اس معاہدہ میں آئے ہیں جو آنحضرت ﷺ نے یہود سے کیا تھا۔

❶ یہود بنی عوف ❷ یہود بنی نجار ❸ یہود بنی ساعدہ ❹ یہود بنی عوف

❺ یہود بنی الاوس ❻ یہود بنی ثعلبہ ❼ بنوجفنہ ❽ بنوالشطیبہ ❾ بنوحارث

---

[1] ایضاً ج ۸ ص ۲۹۶۔ [2] وفاء الوفاء ج ا ص ۱۱۴۔

Marfat.com

اس معاہدہ ان قبائل کے ذکر کے بعد یہ دفعہ بھی ہے کہ:

وان بطانة یهود کانفسهم.

''اور یہودیوں (کے قبائل) کی ذیلی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو حاصل ہیں''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے اور بھی دوسرے ذیلی قبائل تھے۔ چنانچہ اس کی تائید سمہودی کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ وہ مدینہ کے یہودی قبائل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان یهود کانوا نیفا وعشرین قبیله[1]

''مدینہ میں یہودی قبائل بیس سے زیادہ تھے''۔

ان ذیلی قبائل میں بیشتر ایسے تھے جن کا نسبی تعلق اوس وخزرج سے تھا، مگر انہوں نے یہودیت قبول کر لی تھی اس لیے وہ یہودی قبائل میں شمار ہوتے تھے مثلاً بنواشہل، بنوحارثہ، بنوعوف وغیرہ قبیلہ اوس کی شاخیں تھیں۔ اسی طرح بنونجار، بنوحارث، بنوساعدہ وغیرہ خزرج کے تحت قبائل تھے۔

خیبر:

شمالی حجاز میں یہود کا دوسرا بڑا مرکز خیبر تھا جو شام کے راستہ میں مدینہ منورہ سے تقریباً آٹھ منزل پر واقع ہے۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہاں کی یہودی آبادی کہیں سے ہجرت کر کے آئی تھیں یا یہیں کی خود عربی آبادی نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ بعض قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قدیم آبادی ہے۔ معجم البلدان نے خیبر کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ یہ بستی خیبر بن قانیہ کی طرف منسوب ہے۔ اس لحاظ سے ان کے اور انصار کے جلد اعلیٰ ایک ہی ہیں انصار کے جلد اعلیٰ یثرب بن قانیہ کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔

اس بیان سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہاں یہودیت کو فروغ کب سے ہوا۔ اس سلسلہ

---

[1] وفاء الوفاء ص ۱۱۶۔

Marfat.com

میں عاجز کی رائے یہ ہے کہ خیبر عبرانی لفظ ہے' جس کے معنی قلعہ کے ہیں۔ یہ لفظ خود اشارہ کر رہا ہے کہ اس بستی کو یہود سے بڑا قدیم تعلق ہے اور پھر اس سرزمین کو قلعوں کی سرزمین کہا جائے تو صحیح بھی ہے۔ اس لیے کہ یہاں بہت سے قلعے تھے جن کی یادگار آج تک باقی ہے۔

خیبر حجاز کا بڑا زرخیز علاقہ ہے جس کو تجارتی لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل تھی یہاں کے یہود اقتصادی حیثیت سے بہت ممتاز تھے انہوں نے متعدد جنگی قلعے بنا رکھے تھے جن میں سات قلعے مشہور تھے۔ ❶ ناعم' ❷ قموس' ❸ حصن الشق' ❹ حصن النطاۃ' ❺ حصن السالم' ❻ حصن الوطیح' ❼ حصن الکیتبۃ[1] یعقوبی کا بیان ہے کہ اس میں بیس ہزار سپاہی رہتے تھے[2] یعقوبی کے اس بیان سے خیبر کی وسعت اور اس کی آبادی کی کثرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

دوسرے یہود کی طرح اسلام کے خلاف ان کی ریشہ دوانیاں جب بہت بڑھ گئیں تو ۷ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف جارحانہ کاروائی کر کے ان کو شکست دی۔ پوری تفصیل آگے آئے گی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا وطن خیبر ہی تھا۔

فدک:

خیبر اور مدینہ کے درمیان فدک کی بستی تھی۔ یہاں بھی یہودیوں کی آبادی تھی اور دوسرے مقامات کی طرح یہاں کے یہود بھی نہایت خوش حال تھے۔ یہ بستی بھی پرانی ہے مگر یہاں یہود کب آباد ہوئے اس کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے آس پاس کے جن قبائل سے صلح کی تھی ان میں اہل فدک بھی تھے۔ تاریخوں میں ان کا تذکرہ اسی حیثیت سے آتا ہے۔

وادی القریٰ:

شام اور مدینہ کے درمیان ایک وادی ہے جس میں بہت سی بستیاں آباد تھیں

---

[1] اس کی تفصیل معجم البلدان وغیرہ میں ملتی ہیں۔ [2] یعقوبی جلد ۲ ص ۵۲۔

Marfat.com

اس کو ''وادی القریٰ'' (بستیوں کی وادی) کہتے ہیں۔ یہ نہایت ہی قدیم آبادی ہے
قدیم زمانہ میں یہاں عاد و ثمود آباد تھے۔ یہ بستیاں اپنی سرسبزی و شادابی کے لحاظ سے
ہمیشہ سے ضرب المثل تھیں۔ قرآن مجید کی ان آیات میں انہی بستیوں کی طرف اشارہ ہے
﴿ اَتُتْرَكُوْا فِيْهَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴾
''کیا تم کو ان ہی چیزوں میں بےفکری سے رہنے دیا جائے گا جو یہاں موجود ہیں یعنی باغوں، چشموں میں اور کھیتوں میں اور ان کھجوروں میں جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے ہیں''۔ (شعراء)

ارباب تاریخ و جغرافیہ لکھتے ہیں کہ عاد و ثمود کی تباہی کے بعد یہاں یہود آباد ہوئے انہوں نے دوبارہ یہاں کی زراعت اور آب رسانی کو ترقی دی۔ یہود کے بعد دوسرے عربی قبائل بھی یہاں آباد ہوئے۔ مگر وہ سب کے سب یہود کے زیر اثر رہے قضاعہ جہینہ اور عذرہ وغیرہ قبائل اسی وادی میں تھے[1] اس تفصیل سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ یہاں کے یہود جزیرۂ عرب میں ہجرت کر کے آئے تھے اور بہت قدیم زمانہ سے یہاں آباد تھے۔

آنحضرت ﷺ خیبر اور فدک سے واپس ہوئے تو یہاں کے باشندوں نے بھی خیبر کے شرائط صلح کے تحت صلح کر لی۔

عہد اسلام کے بعد بھی کئی صدیوں تک یہاں یہودیوں کے وجود کا پتہ چلتا ہے تاریخ الیہود کے مصنف کا بیان ہے کہ گیارھویں صدی عیسوی تک یہاں یہود موجود تھے (ص ۱۸۶) یاقوت نے اپنے زمانہ یعنی ساتویں صدی ہجری میں اس کا حال ان الفاظ میں لکھا ہے۔ اس وقت یہ سرزمین بالکل ویران ہے۔ کنوؤں اور چشموں کا پانی اب تک ویسے ہی جاری ہے مگر اس سے فائدہ اٹھانے والا کوئی موجود نہیں[2]

---

[1] معجم البلدان ج ۷ ص ۴۷ یہود اور مسلمانوں میں جنگیں ہوئی ان سب میں یہ قبائل یہود کے ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں۔ [2] معجم البلدان ج ۷ ص ۴۳۔

Marfat.com

ان دونوں بیانوں سے پتہ چلتا ہے کہ پانچویں اور ساتویں صدی ہجری مطابق گیارھویں اور تیرھویں صدی عیسوی کے درمیان یہود نے اس سرزمین کو چھوڑا ہے' لیکن یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ ان کے ترک وطن کے اسباب کیا تھے اور وہ یہاں سے کہاں گئے۔

بلاذری کی ایک روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے خیبر کے یہودیوں کے ساتھ وادی القریٰ کے یہودیوں کو بھی جلاوطن کردیا تھا[1] لیکن یہ بیان محل نظر ہے۔ دوسرے یہ روایت ''قیل'' کے لفظ سے مروی ہے جو اس کے ضعف پر دال ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور بھی دلائل ہیں جس کی بنا پر یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ واللہ اعلم۔

تیماء:

وادی القریٰ کے قریب ہی تیماء کی بستی تھی۔ فدک اور وادی القریٰ کی طرح تیماء بھی مدینہ اور شام کے راستے پر واقع تھا۔ یہاں بھی یہود کی آبادی تھی۔ ظہور اسلام سے پہلے یہاں بنوعادیا کا خاندان حکمران تھا[2] اس خاندان کا ایک ممتاز فرد سموئل بن عادیا تھا جو اپنی شاعری اور وفا شعاری میں ضرب المثل تھا۔ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے اسی کے لڑکے تھے۔ یہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ماموں ہوتے تھے۔

بلاذری نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وادی القریٰ سے واپس ہوئے تو اہل تیماء نے صلح کی درخواست کی اور آپ نے قبول کرلی[3] مگر یہ بیان بھی قابل غور ہے تفصیل آگے آئے گی۔

نجران:

بعض واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ نجران میں بھی قدیم زمانہ سے یہود آباد تھے لیکن یمن کی یہودی سلطنت کے زوال کا اثر نجران کے یہودیوں پر بھی پڑا اور آہستہ آہستہ ان کی آبادی وہاں سے ختم ہوگئی اور ان کی جگہ نصرانیوں نے لے لی۔

ظہور اسلام سے پہلے نجران میں یہود کی موجودگی کے واقعات کے سلسلہ میں یہ

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۱۔ [2] کتاب الشعر والشعراء ص ۴۵۔ [3] فتوح البلدان ص ۴۲۔

Marfat.com

واقعہ ارباب تاریخ اور مفسرین عام طور پر لکھتے ہیں کہ ''عیسائیوں نے نجران کے کسی یہودی کے دو لڑکوں کو کسی وجہ سے قتل کر دیا۔ یہودی نے یمن کے حکمران ذونواس سے داد رسی کی۔ اس نے نجران پر حملہ کیا[1] اور وہاں کی عیسائی آبادی کا قتل عام کیا جس طرف قرآن کی اس آیت میں اشارہ ہے:[2]

﴿قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ﴾ (بروج)

''خندق والے یعنی بہت سی ایندھن کی آگ رکھنے والے ملعون ہوئے''۔

یہ واقعہ ظہور اسلام سے ایک صدی پہلے کا ہے۔ اس کے بعد ہی یمن کی یہودی سلطنت ذونواس کے بعد ختم ہوگئی اور پھر یہودیوں کو جزیرۂ عرب میں سیاسی غلبہ نہیں ہوا۔ اس زوال کا اثر یہودیوں کی تمام آبادیوں پر پڑا۔ ظہور اسلام کے وقت نجران میں عیسائیوں کے ساتھ یہود بھی آباد تھے۔ مگر تاریخ کی عام کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ ابوداؤد کی ایک روایت سے ان کی آبادی کا پتہ چلتا ہے اور وہ یہ ہے کہ نجران میں یہود کی آبادی تھی۔ جو حضرت عمرؓ کے زمانے تک باقی رہے اور آپ ہی کے زمانہ میں بعض سیاسی مصلحتوں کی بنا پر جلاوطن کر دیئے گئے۔[3]

---

[1] اس حملہ کے سلسلہ میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ نجران کے عیسائیوں کا رجحان اور ان کا تعاون دینی رشتہ کی بنا پر حبشہ کی عیسائی حکومت کے ساتھ زیادہ تھا اور یمن کے یہودی حکمرانوں اور حبشہ کے عیسائی حکمرانوں میں برسوں سے سیاسی کشمکش چل رہی تھی۔ اس کشمکش کی موجودگی میں اہل نجران کی یہ روش یہودیوں کے لیے سیاسی حیثیت سے خلش کا سبب بنی ہوئی تھی۔ حبشہ پر براہ راست حملہ کرنا ان کے بس سے باہر تھا۔ اس لیے انہوں نے نجران ہی کو اپنی دشمنی کا نشانہ بنایا۔ ممکن ہے یہودی بچوں کے قتل ہی کو یہودیوں نے نجران پر حملہ کرنے کا ایک سیاسی اور قانونی بہانہ بنایا ہو جس طرح یمن کے عیسائیوں نے کعبہ پر حملہ کے لیے ایک معمولی بہانہ نکال لیا تھا۔ [2] اس آیت کے شان نزول کے سلسلہ میں تفسیروں میں متعدد واقعات مذکور ہیں۔ ممکن ہے کہ ایک ہی واقعہ نے متعدد جگہ پر مختلف شکلیں اختیار کر لی ہوں۔ جیسا کہ عام طور پر اس قسم کے واقعات میں ہوتا ہے۔ [3] ابوداؤد جلد ۲ باب اخراج الیہود۔

Marfat.com

آئندہ اوراق میں ''جزیرۂ عرب میں عیسائیت'' کے عنوان کے تحت اس کی پوری تفصیل آئے گی۔

اذرح اورجرباء:

جزیرہ عرب کی سرحد پر یہ بستیاں پاس ہی پاس واقع تھیں، جن میں یہود آباد تھے اور ان ہی کا غلبہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس ہوئے تو یہاں کے باشندوں نے صلح کی درخواست کی۔ اہل اذرح نے سو دینار سالانہ اور اہل جربا نے جزیہ کے طور پر کچھ متعین رقم دینے کی خواہش ظاہر کی۔ اس پر آپ نے ان سے صلح کر لی[1]

مقنا:

یہ بستی خلیج عقبہ (ایلہ) کے کنارے آباد تھی۔ اس کی حیثیت ایک بندرگاہ کی تھی یاقوت اور بلاذری دونوں نے لکھا ہے کہ یہاں کے باشندے یہودی تھے، مگر یہ کسی نے نہیں لکھا ہے کہ وہ یہاں کب آباد ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جو معاہدہ کیا تھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ شکار ماہی، کتائی اور زراعت ان کا خاص پیشہ تھا[2]

اہل مقنا کے معاہدہ کے سلسلہ میں کچھ قابل غور باتیں ہیں جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔

بحرین:

بحرین، فارس اور جزیرۂ عرب کی سرحد پر واقع ہے، جو فارس کے ماتحت تھا۔ یہاں کے باشندے نہ خالص عربی تھے اور نہ عجمی، بلکہ یہ مقام مختلف اور متضاد مذہب اور تہذیب وتمدن رکھنے والی قوموں کا سنگم تھا۔ عرب وعجم، یہود ونصاریٰ اور مجوس وآتش پرست سبھی یہاں موجود تھے۔ عربوں کو جن مقامات پر دوسری قوموں سے ملنے اور قریب سے ان کی تہذیب وثقافت سے واقف ہونے کا موقع ملا ان میں ایک بحرین بھی ہے۔ فتوح البلدان میں ہے کہ:

اھل الارض من المجوس والیھود والنصریٰ (۸۲)

---

[1] فتوح البلدان ص ۶۶۔ [2] ایضاً۔

Marfat.com

''اہل بحرین کی آبادی مجوس، یہود اور نصاریٰ پر مشتمل تھی''۔

عرب کے مشہور قبائل عبدالقیس، بکر بن وائل، تمیم وغیرہ یہیں آباد تھے۔

افسوس ہے کہ بحرین کی قدیم تاریخ پردۂ خفا میں ہے۔ ظہور اسلام کے وقت منذر بن ساوی وہاں کا حکمران تھا۔ غالباً یہ عرب تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ۶ ہجری میں جب قریب کے ملوک و سلاطین کو دعوتی خطوط لکھے تو ایک خط منذر والی بحرین کو بھی لکھا اور حضرت علاء ابن عبداللہ کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ منذر پر اس خط کا بہت اچھا اثر پڑا اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ اس کے ساتھ اہل بحرین کی ایک بڑی تعداد بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی۔ آنحضرت ﷺ نے منذر کو اس عہدہ پر جوں کا توں باقی رکھا[1]

۸ ہجری میں منذر نے تحریری طور پر آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یہاں کے یہود کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے۔ آپ ﷺ نے جواب میں لکھا کہ جو لوگ تبلیغ اسلام کے بعد بھی اسلام قبول نہ کریں ان سے فی کس ایک دینار سالانہ جزیہ لیا جائے[2]

آنحضرت ﷺ کے دور سعادت کے بعد یہاں کے باشندے عام طور پر مرتد ہونے لگے تو حضرت بشر بن جارودؓ جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے انہوں نے اہل بحرین کو ارتداد سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی[3]

مکہ و طائف:

مکہ و طائف میں خالص عرب مشرکین کی آبادی تھی، مگر مکہ کی قدیم تاریخوں میں عربوں اور خصوصیت سے قریش اور یہود میں تجارتی و تمدنی تعلقات کے بیان کے سلسلہ میں یہود کا ذکر بھی آتا ہے۔ جس سے یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ آیا مکہ و طائف میں عرب مشرکین کے ساتھ یہود آباد تھے یا نہیں۔ بعض مستشرقین نے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام سے پہلے مکہ میں عربوں کے ساتھ یہود بھی آباد تھے[4] مگر عربی تاریخوں سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اس لیے اس کی صحت میں ہم کو تامل ہے۔

---

[1] فتوح البلدان ص ۸۵۔ [2] ایضاً ص ۹۱۔ اور سیاسی زندگی ڈاکٹر حمید اللہ ص ۳۵۰۔
[3] فتوح البلدان ص ۹۱۔ [4] تاریخ الیہود ص ۹۴۔

Marfat.com

اسی سلسلہ میں قابل غور بات یہ ہے کہ اگر مکہ میں یہود موجود ہوتے تو قریش کا وفد مکہ کے یہودیوں کو چھوڑ کر مدینہ کے یہود کے پاس کیوں جاتا۔ جیسا کہ ابن ہشام اور دوسرے ارباب سیر نے تصریح کی ہے کہ قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط وغیرہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں کچھ باتیں دریافت کرنے کے لیے مدینہ بھیجا تھا' چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ اصحاب کہف' روح اور ذوالقرنین کے سلسلے میں جو آیات نازل ہوئیں ان کا سبب نزول یہی واقعہ ہے۔

یہ ضرور ہے کہ اہل مکہ اور یہود میں گوناگوں تعلقات تھے۔ مکہ کے عکاظ اور مجنہ کے بازاروں میں یہودی تاجر اور کاہن شریک ہوتے تھے جہاں کہانت کی شعبدہ بازیاں زیادہ تر ان ہی کے دم سے قائم تھیں۔ مکہ میں بعض یہودی غلاموں کا تذکرہ بھی ملتا ہے پھر مکہ کے قریب ہی بنوکنانہ آباد تھے جن میں یہودیت موجود تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان وجوہ کی بناء پر یہ خیال قائم کرلیا گیا کہ یہاں یہود موجود تھے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔

البتہ طائف کے متعلق یہ کہنا صحیح ہے کہ یہاں زمانہ قدیم سے یہودیوں کی ایک نوآبادی موجود تھی۔ فتوح البلدان میں ہے:

كان بمخلاف الطائف قوم من اليهود طردمن اليمن ويثرب فاقامها بها اللتجارة. (ص ٦٣)

''طائف کے ایک حصہ میں یہودیوں کی آبادی تھی۔ جو یمن و یثرب سے نکال دیئے گئے تھے اور بسلسلہ تجارت یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے''۔

جب طائف پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو وہاں کے یہودیوں پر جزیہ لگایا گیا۔ بلاذری کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یہاں کے بعض یہودیوں کی جائیداد خریدی تھی[1] اس سے زیادہ یہاں کے یہودیوں کے وجود کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہوسکا۔

---

[1] فتوح البلدان ص ٦٣۔

Marfat.com

تبالہ وجرش:

تبالہ و جرش طائف کے جنوب میں واقع ہیں۔ تاریخوں میں ہے کہ ان بستیوں میں بھی عربوں کے ساتھ اہل کتاب آباد تھے۔ یہ بصراحت معلوم نہیں ہوسکا کہ اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ دونوں مراد ہیں یا صرف یہود' لیکن ہمارا قیاس ہے کہ دونوں مراد ہیں اور دونوں آباد ہوں گے۔ اس لیے کہ اکثر مرکزی مقامات میں دونوں کے آباد ہونے کا پتہ چلتا ہے جیسا کہ مقنا اور بحرین کے سلسلہ میں ذکر آ چکا ہے۔

یہ بہت ہی قدیم اور زرخیز بستیاں تھیں اور خصوصیت سے تبالہ کے بارے میں تو یاقوت نے لکھا ''اس کی زرخیزی ضرب المثل ہے''[1]

۱۰ ہجری میں یہاں کے عرب باشندوں نے اسلام قبول کرلیا لیکن اہل کتاب اپنے دین پر قائم رہے اور انہوں نے جزیہ دینا قبول کیا۔ آنحضرت ﷺ نے یہاں کی امارت پر حضرت سفیان رضی اللہ عنہ کا تقرر فرمایا تھا[2]

یہودیوں کی ان یکجا آبادیوں کے علاوہ عرب کے مختلف قبائل میں ایک ایک دو دو اشخاص ملتے ہیں جنہوں نے یہودیت قبول کرلی تھی اور بعض ایسے عربی قبائل کا بھی پتہ چلتا ہے کہ جو پورے کے پورے دائرہ یہودیت میں داخل ہوگئے تھے مثلاً حمیر' بنو کندہ' بنو کنانہ' بنو الحارث' قضاعہ[3] غسان اور جذام کے بعض خاندانوں میں بھی یہودیت تھی[4]

یہودی قبائل اور ان کی آبادیوں کا ذکر اس وسعت کے ساتھ اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ معلوم ہوجائے کہ جزیرۂ عرب کے اندر جتنے بھی تجارتی' زراعتی' سیاسی' مرکزی مقامات تھے تقریباً ان پر یہودیوں کا قبضہ تھا' یا کم از کم وہاں ان کا اثر و رسوخ تھا' دوسرے آئندہ جو مباحث آنے والے ہیں ان میں بھی اس تفصیل سے واقعات کے سمجھنے میں کافی مدد ملے گی۔

---

[1] معجم البلدان ج ۲ ص ۲۵۶۔ [2] فتوح البلدان ص ۶۶۔

[3] معارف ابن قتیبہ ص ۲۶۶۔ [4] یعقوبی ج ۱ ص ۲۸۹۔

Marfat.com

اسلام سے پہلے عربوں اور یہودیوں کے تعلقات اور اس کی نوعیت:

جزیرۂ عرب میں یہودیوں کی آمد اور ان کی آبادیوں کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے اس سے اجمالاً عربوں اور یہودیوں کے تعلقات پر بھی روشنی پڑتی ہے' مگر پھر بھی اس سلسلہ میں مزید تفصیل کی ضرورت ہے تا کہ ان کے تعلقات کی تمام جہتیں اور ان کی نوعیتیں پورے طور پر سامنے آ جائیں۔

اسلام سے پہلے عربوں اور یہودیوں میں گوناگوں معاشرتی اور تمدنی تعلقات تھے' مگر اس کے باوجود ذہنی طور پر ان میں ایک طرح کی اجنبیت اور مغائرت بھی موجود تھی' مگر وہ وطنی اور معاشرتی نہیں بلکہ معاشی اور مذہبی تفوق یا افضلیت و مفضولیت کی تھی۔

یہود دین الٰہی کے ماننے والے اور صحف سماوی کے حامل تھے۔ پھر اسی کے ساتھ ان کو پورے جزیرہ میں معاشی غلبہ بھی حاصل تھا۔ اس لیے وہ عام عربوں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو افضل اور بہتر سمجھتے تھے۔

غالباً اسی تفوق پسندی ہی کا نتیجہ تھا کہ یہود خاص عرب آبادی میں بہت کم آباد تھے اور جہاں عربوں کے ساتھ وہ آباد بھی تھے تو وہاں انہوں نے اپنا تفوق قائم رکھنے کے لیے کوئی نہ کوئی امتیاز بھی باقی رکھا' یہودی آبادیوں کے نقشے پر آپ نظر ڈالیں گے تو عاجز کے اس خیال کی پوری تائید ہو گی۔

مگر چونکہ ان کو پورے جزیرہ میں عددی اکثریت حاصل نہیں تھی اور دوسرے ان کے تجارتی اسباب و سامان اور زراعتی پیداوار و حاصلات کی منڈی زیادہ تر عرب ہی آبادیاں تھیں۔ اس لیے وہ عربوں سے بالکل منقطع اور بے تعلق ہو کر نہیں رہ سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس تفوق کے باوجود انہوں نے ہمیشہ عربوں سے اپنے تعلقات استوار رکھنے کی کوشش کی جیسا کہ تجارت پیشہ اور کاروباری قوم کا شیوہ ہوتا ہے' اسی کے مقابلہ میں عام اہل عرب مذہبی اور معاشی دونوں حیثیت سے اپنے کو یہود سے کمتر سمجھتے تھے اور وہ شاید سمجھنے پر مجبور بھی تھے اس لیے کہ ان نعمتوں سے جو یہودیوں کو حاصل تھیں' ان کا دامن قریب قریب خالی تھا' نہ تو ان کے پاس کوئی کتاب الٰہی تھی اور نہ معاشی حیثیت سے وہ

Marfat.com

مطمئن تھے۔ قریش جو تجارت میں معرف و مشہور تھے اور جن کو کعبہ کے کلید بردار اور نگران ہونے کی وجہ سے سارے عرب کی سیادت ہی نہیں بلکہ پورے جزیرۂ عرب کی بے تاج بادشاہی بھی حاصل تھی وہ بھی یہود کی مذہبی افضلیت وتفوق کے معترف اور ان کی معاشی برتری کے ماننے پر مجبور تھے۔

قرآن نے متعدد جگہ اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر تم کو (اہل عرب) رسول کی سچائی اور دین حق میں شبہ ہو تو اہل کتاب سے پوچھ لو۔ حدیث و سیر کی کتابوں سے ثابت ہے کہ قریش نے متعدد بار اپنے وفود مدینہ کے یہود کے پاس اس لیے بھیجے کہ وہ آپ کی نبوت اور آپ کے صفات کتب سابقہ کی روشنی میں ان سے دریافت کریں۔ اسی تفوق وافضلیت کا اثر تھا کہ جب لوگوں کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے تو وہ منت مانتے تھے کہ بچہ زندہ رہ جائے گا تو اسے یہودی بناویں گے۔ چنانچہ مدینہ میں اس طرح کے بہت سے جدید الیہود یہ افراد موجود تھے[1] تفصیل آگے آئے گی۔

معاشی حیثیت سے بھی یہود کو عربوں پر عام طور پر تفوق حاصل تھا۔ مدینہ کی بیشتر عرب آبادی ان کی مقروض تھی۔ خیبر کا بھی یہی حال تھا۔ وہاں وہ عربوں سے مزدوری کراتے تھے۔ جس وقت خیبر فتح ہوا اس وقت بہت سے عرب خدمت گاران کے پاس موجود تھے[2] قریش جو پورے عرب میں ممتاز اور صاحب ''رحلۃ الشتاء والصیف'' تھے وہ بھی شادی بیاہ کے موقع پر خیبر کے یہودیوں سے زیورات کرایہ پر لے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اسی طرح کے مستعار زیورات گم ہوئے تو قریش نے یہودیوں کو دس ہزار دینار[3] ہرجانہ ادا کیا۔

کہنا یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں اور یہودیوں میں باہم معاشی اور معاشرتی تعلقات تھے اور باوجود تفوق و مذہبی مغائرت کے جنگ وغیرہ کے مواقع پر اپنے مصالح کے ماتحت عربی قبائل سے وہ تحلیف و معاہدہ کرتے تھے اور اس میں شریک ہوتے تھے۔

---

[1] ابوداؤد کتاب ج ۲ ص ۹ کتاب الجہاد۔ [2] ابن ہشام وغیرہ۔

[3] السیر الکبیر جلد ا ص ۱۸۶، تقریباً ۲۵ ہزار روپے ہوئے۔

Marfat.com

مدینہ کے مشہور عربی قبائل اوس وخزرج میں جتنی لڑائیاں[1] ہوئیں' ان میں وہاں کے یہودی قبائل کسی نہ کسی کے حلیف تھے۔ اسی طرح خیبر کے یہودیوں سے آس پاس کے تمام قبائل سے معاہدہ جنگ تھا چنانچہ اسلامی غزوات کے مواقع پر انہوں نے اس حلف ومعاہدہ سے پورا فائدہ اٹھایا[2]

یہی نہیں بلکہ بعض عربی قبائل اور یہودیوں میں شادی بیاہ کے رشتے بھی شروع ہو گئے تھے۔ کعب جو یہود مدینہ کا اشعر الشعراء اور سب سے بڑا دشمن اسلام تھا اس کا باپ اشرف قبیلہ طے اور بعض روایتوں میں ہے کہ بنونبہان سے تھا جس نے مدینہ میں آ کر اپنا اثر ورسوخ پیدا کیا اور سردار بنونضیر ابورافع کی لڑکی سے شادی کر لی تھی[3] اس طرح مدینہ کے یہود اور عربی قبائل میں بھی غالباً اسی قسم کے تعلقات تھے اور خصوصیت سے وہ قبائل جدید الیہود یہ تھے[4]

ظہور اسلام سے پہلے یہود اور عرب کے ایک دوسرے پر تمدنی اثرات:

یہ تو اب تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ عرب اسلام سے پہلے دنیا سے بالکل منقطع نہیں ہو گئے تھے' بلکہ دنیا کے دوسرے ملکوں سے ان کا ہمیشہ واسطہ رہا' اور دنیا کی مختلف قوموں کے تمدنی اور مذہبی اثرات بھی ان پر پڑے تھے۔ اسی طرح ان ملکوں اور قوموں پر بھی انہوں نے اپنے اثرات ڈالے جن سے ان کا واسطہ رہا یا جو جزیرہ عرب میں آباد تھیں۔

یہود ایک قدیم قوم تھی جو دنیا کے ہر خطہ میں آباد تھی' خصوصیت سے عراق' ایران' مصر' یونان اور شام کے علاقہ میں ان کی کثیر آبادی تھی لیکن اس قدامت کے باوجود ان کی قسمت میں زیادہ تر ہجرت ہی مقدر تھی' یا ان کی طبیعت ہی ایسی واقعہ تھی کہ کسی ایک جگہ جم کر نہیں رہ سکتے تھے۔ جو بات بھی ہو' بہرحال ایسا ضرور ہے کہ وہ جہاں بھی آباد ہوئے وہاں سے انہیں ہجرت ضرور کرنی پڑی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو دنیا کی مختلف قوموں

---

[1] مثلاً جنگ فجار اور جنگ بعاث وغیرہ۔ [2] مثلاً غزوۂ بدر' غزوۂ خندق' غزوۂ خیبر وغیرہ۔

[3] زرقانی ج ۲ ص ۹۔ [4] ان قبائل کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

Marfat.com

اور ان کے تمدنوں اور تہذیبوں سے واسطہ پڑا۔ کسی کو کچھ دیا اور کسی سے کچھ لیا۔

عرب میں جو یہود آباد تھے' جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ ان کی اکثر آبادی باہر سے اور خصوصیت سے شام و فلسطین کے علاقوں سے ہجرت کر کے آئی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ جب یہاں آئے تو ان ملکوں اور قوموں کے تمدنی اور مذہبی اثرات بھی اپنے ساتھ لائے جن سے ان کا واسطہ رہ چکا تھا اور چونکہ یہ جزیرۂ عرب کے ہر خطہ میں آباد تھے اس لیے انہوں نے پورے جزیرہ عرب کی آبادی کو اس سے کم و بیش متاثر کیا۔ لیکن یہ اثرات صرف ایک ہی طرف نے نہیں' ہر طرف سے پڑے تھیں بلکہ بعض حیثیتوں سے تو عربوں کے اثرات ان پر زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر بعض مستشرقین نے رائے قائم کر لی کہ جزیرہ عرب کے یہود دنیا سے بالکل منقطع ہو چکے تھے اور ان میں یہودی خصوصیات باقی نہیں رہ گئیں تھیں اور بعض نے یہ خیال قائم کر لیا کہ جزیرۂ عرب کے یہود باہر سے ہجرت کر کے سرے سے آئے ہی نہیں تھے۔

اب ہم مختصر طور پر یہود کے اثرات کا ذکر کرتے ہیں جس کے ضمن میں عربوں کے بعض اثرات کا ذکر بھی آئے گا۔ اوپر ذکر آ چکا ہے کہ یہود کو عربوں پر مختلف حیثیتوں سے تفوق حاصل تھا' جس کا عربی بھی اعتراف کرتے تھے اور بہت سے معاملات میں انہی کی اقتداء کرتے تھے۔ ابن عباسؓ کے اثر سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

كان هذا الحى من الانصار وهم اهل وثن مع هذا الحى وهم اهل الكتاب فكانوا يرون فضلا عليهم فى العلم وكانوا يقتدون فى كثير من فعلهم.

''یہ انصار کے قبائل اہل کتاب کے قبائل کے ساتھ آباد تھے۔ انصار ان کو علم و فضل میں اپنے سے افضل سمجھتے تھے اور اکثر معاملات زندگی میں ان کی اقتداء کرتے تھے''۔ (ابوداؤد)

یہود کے پیشے:

جزیرۂ عرب میں جہاں بھی یہود آباد تھے۔ عموماً ان کے خاص پیشے تھے زراعت' تجارت اور صنعت و حرفت۔

Marfat.com

زراعت:

بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ زراعت میں یہود عربوں کے استاد تھے[1] اس کا یہ مطلب نہیں کہ عرب یہود کی آمد سے پہلے زراعت کرنا نہیں جانتے تھے اور یہود نے آ کر ان کو سکھایا' بلکہ انہوں نے زراعت کے نئے نئے طریقے اور اس کے لیے جدید قسم کے آلات عربوں کو بتائے اور بعض نئے قسم کے پودوں اور درختوں سے ان کو آگاہ کیا[2]۔ جن سے پہلے یہاں کے لوگ واقف نہیں تھے۔ اسی طرح یہودیوں کو پرندوں اور جانوروں کے پالنے کا بھی شوق تھا[3]

حجاز کے یہود عموماً شام و فلسطین سے آئے تھے' جہاں کی زمین زرخیزی اور زراعت کی موزونیت کے لحاظ سے ضرب المثل تھی۔ اس لیے وہاں سے آنے والے یہودیوں نے اگر عربوں کو نئے طریقہ سے آگاہ کیا ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے' پھر شام کی سرزمین کو صحف قدیم میں تین و زیتون[4] کی زمین کہا گیا ہے' بہت ممکن ہے کہ یہ اور اسی قسم کے اور دوسرے درخت بھی یہودیوں کے ذریعہ جزیرہ میں آئے ہوں۔

لیکن جانوروں کے پالنے کا شوق تو اس میں دونوں شریک ہیں بلکہ کہنا چاہیے کہ یہودیوں سے کہیں زیادہ عربوں میں تھا۔ اس لیے کہ جزیرۂ عرب کی بیشتر آبادی کا مدار زندگی جانور کے دودھ ہی پر تھا۔ دوسرے وہاں کی زیادہ تر آبادی خانہ بدوش تھی' جن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے اور اسباب لے جانے کے لیے بھی جانوروں کی ضرورت ہوتی تھی' یہ بات ضرور ہے کہ عرب زیادہ تر نقل و حمل اور دودھ اور غذا کے لیے جانوروں کی پرورش کرتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ زراعت اور اس کی سیرابی وغیرہ کے لیے جانوروں کی پروش اور ان کا گوناگوں استعمال عربوں نے یہود سے سیکھا ہو۔

تاریخ الیہود کے مصنف نے ابن ہشام کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بعض یہود

---

[1] تاریخ الیہود ص ۱۷' ۱۸۔ [2] ابن ہشام بحوالہ تاریخ الیہود۔ [3] فتوح البلدان ص ۶۷' ۶۸۔
[4] انجیل اور زیتون قرآن نے بھی سورہ تین میں ان چیزوں کا تذکرہ کیا ہے۔

Marfat.com

مرغیاں بھی پالتے تھے' مگر مجھے ابن ہشام میں یہ واقعہ نہیں مل سکا' اگر یہ صحیح ہے تو یہ یہود کی خصوصیت تھی۔

تجارت:

ظہور اسلام کے وقت اور اس سے بہت سے پہلے یہود اور عرب دونوں جزیرہ میں اور جزیرہ سے باہر تجارت کرتے نظر آتے ہیں اور خصوصیت سے قریش تو اس حیثیت سے پورے عرب میں ممتاز تھے اس لیے ان میں سے کسی ایک کو مقدم یا مؤخر کرنا بہت دشوار ہے تاہم یہ صحیح ہے کہ یہود کئی سو برس قبل مسیح سے تجارت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور جہاں بھی وہ رہے یہ پیشہ ان کے ساتھ رہا۔ جزیرۂ عرب میں آئے تو یہاں بھی انہوں نے یہی پیشہ اختیار کیا جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔

دوسرے سکونت و رہائش کے لیے بھی انہوں نے خاص طور سے جزیرہ کے ان ہی خطوں اور علاقوں کو پسند کیا' جن میں پہلے سے کچھ زرعی و کاروباری صلاحیت موجود تھی۔ بخلاف اس کے عربوں کی عام بستیوں اور آبادیوں کو اس طرح کوئی خصوصیت حاصل نہیں تھی۔ ہاں مکہ کو کعبۃ اللہ اور بیت الحرام کی وجہ سے دینی اہمیت و مرکزیت ضرور حاصل تھی اور اسی کی کشش دور دور سے لوگوں کو یہاں کھینچ لاتی تھی اور اس طرح وہ سال کے کچھ مہینوں میں تجارتی منڈی بن جاتا تھا لیکن بذات خود اس میں کوئی زرعی یا تجارتی صلاحیت نہیں تھی اور اسی لیے رب کعبہ نے اس کو قرآن پاک میں وادی ''غیر ذی زرع'' سے تعبیر کیا ہے۔

پورے حجاز میں طائف اور مدینہ دو ایسے مقامات تھے جنہیں تجارتی اور زرعی اہمیت بھی حاصل تھی اور جہاں عربوں کی عددی اکثریت بھی تھی اور یہود اقلیت میں تھے مگر وہاں کی تجارت و زراعت پر یہودی چھائے ہوئے تھے۔ ان دونوں مقامات کا تذکرہ اوپر آ چکا ہے۔

یہ وجوہ ہیں جن کی بنا پر ہمارا قیاس ہے کہ یہ پیشہ عربوں میں یہودیوں ہی کے ذریعہ آیا تھا۔

Marfat.com

تجارتی بازار:

عربوں کی ہر مشہور بستی میں چھوٹے بڑے میلے اور بعض جگہ ہفتہ وار بازار لگتے تھے[1] ان کے علاوہ سال میں بعض اور بھی بڑے بڑے بازار اور میلے لگتے تھے' جہاں یہود کی شرکت کی تصریح کم ملتی ہے مگر وہ ان میں شریک ضرور ہوتے ہوں گے اس لیے کہ جزیرۂ عرب کے ۲۰ مشہور شہروں میں سے تقریباً دس گیارہ شہروں میں یہود کا معاشی و اقتصادی غلبہ تھا۔ محمد بن حبیب نے لکھا ہے کہ بحرین اور دومۃ الجندل میں جہاں یہود آباد تھے دو مشہور میلے لگتے تھے[2] یقیناً ان میلوں میں ان کی مؤثر شرکت ہوتی ہوگی۔ مدینہ میں ایک بازار سوق بنی قینقاع تو یہود کے مشہور قبیلہ قینقاع ہی کے نام سے مشہور تھا جس کا تذکرہ سیر کی کتابوں میں موجود ہے۔

سامان تجارت:

سامان تجارت میں عموماً غلے' کھجوریں' اسلحے اور کپڑے وغیرہ ہوتے تھے' جنہیں یہ بیچنے کے لیے باہر لے جاتے تھے۔ بعض حصوں کے یہود مچھلی کی بھی تجارت کرتے تھے۔ مثلاً مقنا کے یہودیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاہدہ کیا تھا' اس میں جو چیزیں بطور ٹیکس لینا طے پائی تھیں ان میں مچھلیاں بھی تھیں۔[3]

ظہور اسلام کے وقت جزیرہ سے باہر یہود سے زیادہ عرب اور ان میں بھی خصوصیت سے اہل مکہ ہم کو تجارتی سفر کرتے نظر آتے ہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہود جن کا قدیم زمانہ سے عرب سے باہر بھی کاروبار تھا اور جن کا ایک فرد' ابو رافع یہودی آخری دور میں بھی بہت زیادہ مشہور تھا' یہاں تک کہ اس کا لقب ہی تاجر الحجاز و الشام پڑ گیا تھا[4] ظہور اسلام کے وقت دفعتہً ان کی برآمدی تجارت کیوں کم ہوگئی اور ان کا کاروبار اندرون ملک تک کیوں محدود ہو کر رہ گیا۔

---

[1] نظام حکمرانی ڈاکٹر حمید اللہ ص ۲۴۴۔ [2] کتاب المحبر ص ۱۵۷۔ [3] فتوح البلدان ذکر مقنا۔
[4] تاریخ الخمیس ج ۲ ص ۱۲۔ صحیح بخاری باب قتل النائم المشرک۔

Marfat.com

اسی کے ساتھ یہ بھی قابل ذکر امر ہے کہ پورے جزیرۂ عرب میں ربا یعنی سود خوری کا بھی رواج تھا جس میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب سب برابر کے شریک تھے۔ خصوصیت سے اہل طائف سودی کاروبار میں زیادہ مشہور تھے' معجم البلدان میں ہے

کانوا اصحاب ربا[1] ''اہل طائف بڑے سود خوار تھے''۔

مشرکین عرب اگر سودی کاروبار کرتے تھے تو کچھ زیادہ تعجب خیز نہیں تھا لیکن یہود و نصاریٰ کی سود خواری البتہ حیرت انگیز ہے کہ وہ صاحب شریعت اور اہل کتاب تھے اور قرآن کی تصریح ہے کہ ان کو جہاں اور بہت سی باتوں پر ملامت کی گئی تھی اور ان سے روکا گیا تھا ان میں ایک سود بھی تھا' مگر وہ باز نہ آئے:

﴿ وَاَكْلِهِمُ الرِّبٰو وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ ﴾

''اوران کے سود لینے کی وجہ سے (ملامت کی گئی) حالانکہ وہ اس سے روکے گئے تھے''۔

البتہ عربوں کا خیال تھا کہ رباء بھی ایک قسم کی تجارت ہے۔ قرآن میں ہے:

﴿ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ﴾

''ان لوگوں نے کہا کہ بیع مثل رباء کے ہے''۔

بہرحال یا تو یہ لعنت یہود کے ذریعہ عربوں میں آئی' یا عربوں کے اثر سے یہود اس میں مبتلا ہوئے۔ دونوں باتوں کا امکان ہے۔

لیکن سورہ مائدہ میں جہاں یہود کے معائب کا جو بہت قدیم زمانہ سے ان میں موجود تھے' تذکرہ ہے ان میں ایک سود خواری بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت قدیم زمانہ سے وہ اس میں مبتلا تھے' اس کے برخلاف عربوں کی تجارت کی تاریخ بہت زیادہ قدیم نہیں ہے۔ اس لیے غالب گمان ہے کہ اس طریق تجارت کو یہود ہی نے یہاں فروغ دیا ہوگا جس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ ربا کا جتنا عام رواج یہود میں تھا اور اس کی جتنی سخت سے سخت

---

[1] فتوح البلدان ص ۶۷، ۶۸۔

Marfat.com

شرحیں وہ مقرر کرتے تھے' عرب اس میں ان سے پیچھے تھے۔

رہن وارتہان کا طریقہ بھی یہود اور عرب دونوں میں رائج تھا' خصوصیت سے مدینہ اور خیبر کے یہودیوں میں یہ بہت عام تھا۔ یہ بھی سودخواری ہی کی ایک شاخ تھی' مگر اس کو بھی وہ ایک قسم کی تجارت سمجھتے تھے۔

صنعت وحرفت:

صنعت وحرفت کا رواج اگرچہ جزیرۂ عرب کے تمام باشندوں میں تھا مگر یہود اس میں بہت ممتاز تھے اور وہ عموماً کپڑے' اسلحے اور سونے اور لوہے کا کام کرتے تھے اور بعض حصوں کے یہودیوں میں لکڑی کی صنعت بھی تھی[1] روئی کی کتائی اور کپڑے کی بنائی میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی حصہ لیتی تھیں' یثرب کے یہودیوں میں تو کپڑے کی صنعت بہت کم تھی' مگر مقنا' دومۃ الجندل اور یمن کے یہودی اس میں بڑی مہارت رکھتے تھے[2] اسلحہ سازی یہود کا خاص پیشہ تھا۔ یہود جس جگہ بھی آباد تھے یہ صنعت ان میں موجود تھی مدینہ میں بنوقینقاع اور خیبر کے یہودی اس میں بہت ممتاز تھے۔ اس زمانہ کے ہر قسم کے مروج اسلحے مثلاً تلوار' نیزے' ڈھال' خود اور زرہ تیار کرتے تھے۔ خیبر کے یہود تو شاید منجنیق تک جو اس وقت کا سب سے ترقی یافتہ اسلحہ تھا' تیار کرتے تھے' غزوہ خیبر میں انہوں نے مسلمانوں کے خلاف اسے استعمال بھی کیا تھا[3] کیا عجب ہے کہ مسلمانوں کو منجنیق یہیں سے ہاتھ لگی ہو جس کو انہوں نے بعد میں طائف وغیرہ کی جنگ میں استعمال کیا۔

اس صنعت کی وجہ سے یہود اپنے کو دفاعی حیثیت سے بہت زیادہ مضبوط اور مامون تصور کرتے تھے اور اس کی وجہ سے ان میں ایک قسم کا غرور وتکبر بھی پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ بنوقینقاع نے آنحضرت ﷺ سے بطور تحدی کے کہا تھا کہ ہم سے مقابلہ ہوگا تو معلوم ہوگا۔

فن تعمیر میں بھی عربوں کے مقابلہ میں یہود زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ مدینہ اور خیبر

---

[1] ابن سعد ج ۲ ص ۲۸۔ [2] فتوح البلدان ص ۶۷، ۶۸۔ [3] فتوح البلدان۔

Marfat.com

کے یہودیوں کے بعض مکانات اور قلعوں کے نشانات اب بھی باقی ہیں جو ان کے ذوق تعمیر کی شہادت دیتے ہیں۔

عربی ادب میں یہود کا حصہ:

یہود کی مادری زبان عبرانی تھی' مگر جزیرۂ عرب میں آ کر ان کی زبان رفتہ رفتہ بالکل عربی ہوگئی تھی۔ ان میں عبرانی زبان مذہبی حیثیت سے اب بھی باقی تھی جس کو ان کے علماء واحبار جانتے تھے اس میں ان کی مذہبی کتابیں تھیں' اور اسی زبان میں وہ ان کی تلاوت کرتے تھے مگر عوام شاید اس قدر بھی عبرانی نہیں جانتے تھے۔

﴿لا یعلمون الکتاب الا امانی﴾

''ان میں بعض ہیں جو کتاب کا علم نہیں رکھتے''۔

بخلاف اس کے ان کی روزمرہ کی زبان اور ان کی شاعری کی زبان عربی تھی اور اسی میں وہ کاروبار اور معاہدہ صلح و جنگ کرتے تھے۔ یہ ضرور ہے کہ عبرانی زبان کی سینکڑوں ترکیبیں' مذہبی اصطلاحیں اور تمدنی و معاشرتی الفاظ ان کی زبان پر چڑھے ہوئے تھے جو ان کے ذریعے سے عربی زبان میں داخل ہوئے۔ خود قرآن مجید میں ایسے متعدد الفاظ موجود ہیں جن کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ عبرانی زبان سے عربی میں آئے ہیں۔

مثلاً جر کا لفظ عربی ادب اور خود قرآن مجید میں مستعمل ہے' عبرانی میں ابتداً اس کے معنی رفیق کے تھے۔ پھر یہ گروہ اور مذہبی فرقہ کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ اس کے بعد عالم کے معنی میں استعمال ہوا' اور اس وقت عربی زبان میں اسی معنی میں مستعمل ہے۔ اس طرح نسیء کے لفظ کے متعلق بعض مستشرقین نے لکھا ہے کہ یہ عبرانی لفظ ہے۔ عبرانی میں الناسی اس شخص کو کہتے ہیں جو مہینوں کو مقدم و مؤخر کرتا تھا۔ عربی مؤرخین لکھتے ہیں کہ عربوں میں نسیء کا رواج سب سے پہلے بنو کنانہ میں شروع ہوا[1] اوپر ذکر آ چکا ہے کہ بنو کنانہ میں یہودیت موجود تھی اس لیے ممکن ہے کہ یہ طریقہ انہوں نے یہودیوں سے سیکھا

---

[1] ابن ہشام جلد ۱ ص ۴۵۔

Marfat.com

ہو اور پھر عربوں میں اس کو رواج دیا ہو۔ اس خیال کی تائید مقریزی اور بیرونی کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ عمل کبیسہ اہل عرب نے یہود سے دو سو برس قبل اسلام سیکھا تھا[1]

لفظ آطام کے متعلق بھی بحث ہے کہ یہ خالص عربی لفظ ہے یا عبرانی' اس لفظ کے جتنے عربی مشتقات ہیں ان سب میں ارتفاع' بلندی' حفاظت اور بند کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں[2] جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عبرانی سے عربی میں آیا ہے اس لیے کہ عبرانی میں اطم تقریباً ان ہی مذکورہ معنوں میں مستعمل ہے' ظہور اسلام کے وقت یہ لفظ عام طور پر قلعوں اور اونچے ٹیلوں کے معنی میں بولا جاتا تھا' مگر یہود خصوصیت سے اطم کو قلعہ کے علاوہ ان مقامات کے لیے بھی استعمال کرتے تھے جن میں وہ جمع ہو کر مشورہ کرتے تھے۔ یہ لفظ زیادہ تر شمالی حجاز میں مستعمل تھا۔ عرب کے دوسرے حصوں میں اس کا استعمال شاید نہیں تھا اور اگر تھا تو بہت کم جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ یہود کے ذریعے یہاں آیا' ان وجوہ کی بناء پر اسے عبرانی کہنا زیادہ صحیح ہے۔

امام سیوطی نے قرآن کے ان جملوں کو عبرانی سے ماخوذ بتایا ہے:

كفر عنهم سياتهم. اس کے معنی عبرانی میں محا عنهم ہیں' اخلد الى الارض کے معنی عبرانی میں رکن ہیں۔ انا هدنا اليك کے معنی تبنا اليك ہیں۔

ان الفاظ کو بھی عبرانی الاصل بتایا گیا ہے:

رمز' مرقوم' اواه' يم' حطة' اسباط' راعنا' بعير' لينة ' قيسيس ' ابليس جهنم' شيطان.

ان میں بعض لفظ ایسے ہیں جن کے ساتھ ایک دینی اصطلاح اور ایک تاریخ وابستہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ان اصطلاحوں اور ان واقعات کی تفصیل سے زیادہ تر یہودی ہی واقف تھے' اس لیے اہل عرب ان کے متعلق سوالات کرتے ہوں گے اور وہ ان کی تشریح

---

[1] تاریخ الیہود بحوالہ الآثار الباقیہ۔ [2] دیکھئے اطم لسان العرب ج ۱۴۔

Marfat.com

کرتے ہوں گے جس نے کتنے نئے واقعات اور کتنے نئے تصورات' کتنے جدید الفاظ سے عربی زبان کا دامن مالا مال ہوتا ہوگا اسی بنا پر اہل عرب یہود کے بارے میں کہتے تھے۔

لکم علم لیس لنا[1] "تم لوگوں کے پاس علم ہے جس سے ہم بے بہرہ ہیں"۔

تحریر کا رواج:

اس سلسلہ میں یہ بحث بھی آتی ہے کہ عربی تحریر کا رواج سب سے پہلے کس کے ذریعے ہوا؟ صاحب فتوح البلدان نے عربی خط پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سب سے پہلے قبیلہ طے کے چار افراد نے عربی خط ایجاد کیا اور اس کے حروف تہجی کی بنیاد انہوں نے سریانی زبان پر رکھی۔ اس کے بعد ان سے اہل انبار نے اور اہل انبار سے اہل حیرہ نے سیکھا پھر اہل حیرہ سے دومۃ الجندل کے حکمران بشر بن عبدالملک نصرانی نے سیکھا اور اس نے اس کو مکہ میں رواج دیا[2] پھر آگے لکھا ہے کہ قبیلہ طے کے ان ہی افراد سے بنوکلب اور اہل وادی القریٰ نے بھی عربی تحریر سیکھی[3]

اس بیان سے اتنا تو معلوم ہوا کہ یہ عربوں ہی کی ایجاد ہے' مگر اس کی ایجاد کا جو زمانہ اس میں بیان کیا گیا ہے وہ ظہور اسلام سے کچھ ہی پہلے کا ہے' حالانکہ عربی خط کی تاریخ اس سے قدیم ہے۔

معجم البلدان کا دوسرا بیان یہ ہے:

کان الکتاب (الکتابہ) بالعربیة فی الاوس والخزرج قلیلا وکان بعض الیھود قد علم کتاب العربیة وکان تعلمه الصبیان بالمدینة فی الزمن الاول.[4]

"قبیلہ اوس اور خزرج کے لوگ عربی میں لکھنا پڑھنا بہت کم جانتے تھے۔ مدینہ کے بعض یہود نے بہت قدیم زمانہ سے عربی میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا اور اپنے بچوں کو بھی اس کی تعلیم دیتے تھے"۔

---

[1] ابن ہشام بحوالہ تاریخ الیہود ص ۸۷۔ [2] فتوح البلدان ص ۴۷۸۔ [3] ایضاً۔ [4] فتوح البلدان ص ۴۷۹

Marfat.com

اسی بیان کو سامنے رکھ کر تاریخ الیہود کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

ان یهود یثرب کانوا اساتذه العرب فی تعلم الکتاب العربیة (ص ۲۰)

''یثرب کے یہود عربی تحریر میں عربوں کے استاد تھے''۔

بلاذری کے بیان سے یہ تو نہیں معلوم ہوتا کہ پورے جزیرۂ عرب میں یہود کے ذریعہ سے عربی تحریر کا رواج ہوا' مگر اتنی بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ وہ شمالی حجاز میں یہود ہی کے ذریعہ اسے فروغ ہوا۔ یہ قرین قیاس بھی ہے' اس لیے کہ تحریر کی ترویج و ترقی تمدن و حضارت کے سایہ میں ہوتی ہے اور وہ اہل عرب میں مفقود تھی' بخلاف یہود کے کہ وہ عربوں کے مقابلہ میں زیادہ متمدن تھے۔ پھر ان کو تجارتی کاروبار میں بھی اس کی ضرورت پڑتی رہی ہوگی۔ ظہور اسلام کے وقت مکہ اور مدینہ میں جو چند پڑھے لکھے لوگ ملتے ہیں وہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ تمدنی ضروریات نے انہیں لکھنے پڑھنے پر مجبور کیا۔ ورنہ اس سے پہلے یہ چیز ان میں ناپید تھی۔[1]

شعر و شاعری:

شعر و شاعری اہل عرب کے خمیر میں تھی۔ اس کا چرچا ہر محفل اور ہر گھر میں تھا' اس کے ذریعہ سے بڑے بڑے معرکہ سر ہوتے تھے' اور اسی کے سہارے قبیلوں اور خاندانوں کی سیادت و قیادت ملتی تھی۔ جزیرہ میں جتنی قومیں آباد تھیں۔ یہودی' نصرانی یا مجوسی' وہ سب عربوں کے شعر و شاعری سے متاثر ہوئیں اور انہوں نے خود بھی اس میں حصہ لیا اور اس طرح سے عربوں کے بہت سے اخلاق و عادات اور تصورات غیر محسوس طور پر ان میں رواج پا گئے۔

جزیرۂ عرب کے یہود میں متعدد خطباء و شعراء پیدا ہوئے۔ ابن سلام نے طبقات الشعراء میں ان کا تذکرہ کیا ہے' مگر ان میں کسی قدیم شاعر کا نام نہیں ہے۔ ان میں بیشتر ظہور اسلام کے وقت موجود تھے' یا اس سے کچھ پہلے گزر چکے تھے' ان کے نام یہ ہیں:

---

[1] اس کی تفصیل کا موقع نہیں ورنہ اس کے دلائل پیش کیے جاتے۔

Marfat.com

❶ سموئل بن عادیا: یہ یہود کے صاحب دیوان اور فحول شعراء میں تھا' اس کا دیوان الاب شیخو صاحب المنجد نے بڑے اہتمام سے چھپوایا ہے[1] اس کا زمانہ ظہور اسلام سے کچھ پہلے ہے اسی کے لڑکے حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں' جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے۔

❷ رافع بن ابی الحقیق: قبیلہ بنو نضیر سے اس کا تعلق تھا۔ اس نے اسلام کے خلاف اشعار میں بہت زہر افشانی کی ہے۔ سیرت اور طبقات کی کتابوں میں اس کے بہت سے اشعار موجود ہیں۔

❸ کعب بن اشرف: یہود مدینہ کا سب سے مشہور شاعر اور ان کا سرگروہ تھا۔ اس کو شاعری پر پوری قدرت تھی' اسلام سے اس کو طبعی بغض تھا۔ اس لیے وہ اپنے اشعار کے ذریعہ اسلام کے خلاف زہر اگلتا تھا۔ مقتولین بدر کا مرثیہ لکھ کر اس نے قریش سے خراج تحسین وصول کیا۔ ادب و سیرت کی کتابوں میں اس کے مراثی اور دوسرے اشعار کثرت سے ملتے ہیں۔

ان کے علاوہ شریح بن عمران' شعبہ بن غریض' ابوقیس بن رفاعہ' ابوالذیال' درہم بن زید وغیرہ یہودی شعراء کا تذکرہ بھی ابن اسلام نے کیا ہے۔ بعض یہودی شعراء کا تذکرہ اس کتاب میں بھی موجود ہے۔ اغانی میں ایک یہودی شاعر کا تذکرہ موجود ہے جس نے یہودی مقتولین کا مرثیہ کہا تھا[3] اسی طرح صاحب تاریخ الخمیس نے ایک خاتون شاعرہ عصماء کا تذکرہ کیا ہے[4]

طوالت کے خیال سے ان شعراء کے اشعار نقل نہیں کیے گئے' لیکن ان کے اشعار کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عربی شاعری کی عام خصوصیات ان کی شاعری میں بھی بڑی حد تک پائی جاتی ہیں' خصوصیت سے سموئل اور کعب اس حیثیت سے بہت زیادہ ممتاز ہیں۔

---

[1] اس کے یہودی یا نصرانی ہونے کی بحث کتاب میں موجود ہے اس لیے ہم یہاں نظر انداز کرتے ہیں۔
[2] طبقات الشعراء ص ۱۰۹، ۱۱۰۔ [3] اغانی جلد ۱۹ ص ۹۶۔ [4] ج ا ص ۴۰۶۔

Marfat.com

شعراء یہود کی شاعری اس حیثیت سے عام عرب شعراء سے ممتاز ہے کہ ان کے اشعار میں مذہبی اصطلاحیں' مذہبی تصورات' انبیاء اور کتب مقدسہ کے نام' خدا و آخرت کے تذکرے کثرت سے ملتے ہیں جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کے بہت سے تمدنی اور مذہبی تصورات شاعری کے ذریعے بھی عربوں میں آ گئے ہوں گے۔

اجتماعی ادارے:

عربی تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ بعض مقامات پر یہود کے اجتماعی ادارے بھی قائم تھے۔ خود مدینہ میں بیت المدارس کے نام سے ایک ادارہ تھا جس میں ان کے احبار اور صاحب امر یکجا کر آپس میں صلاح و مشورہ کرتے تھے' ممکن ہے کہ مراسم عبادت بھی وہ یہیں ادا کرتے ہوں اور یہیں پر ان کی مذہبی کتابیں بھی محفوظ رہتی ہوں۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کئی بار بغرض تبلیغ یہاں تشریف لے گئے تھے[1] خصوصیت سے حضرت عمرؓ کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ اکثر ان کے مدارس میں جاتے رہتے تھے جس کی بنا پر یہود ان سے کہتے تھے کہ ہم کو آپ سے بہت انس ہے[2]

اس کے علاوہ ان کے قلعے بھی اجتماعی کاموں میں استعمال کیے جاتے تھے۔ خیبر میں ان کے پاس فوجی اور مالی دونوں الگ الگ ادارے تھے اور ان کے علیحدہ علیحدہ ذمہ دار تھے۔

مذہبی اثرات:

اوپر ذکر آ چکا ہے کہ اہل عرب یہود کو علمی اور مذہب حیثیت سے ممتاز سمجھتے تھے اور بہت سے امور میں ان کی اقتداء بھی کرتے تھے۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ ادب و شاعری کے ذریعہ ان کی بہت سی مذہبی اصطلاحیں' الفاظ اور تصورات عربی زبان میں داخل ہو گئے تھے' اس سلسلہ میں حضرت سلمہؓ نے ظہور اسلام سے قبل کا ایک واقعہ جو قابل ذکر ہے' بیان کیا ہے فرماتے ہیں:

---

[1] روض الانف ج ۳ ص ۳۸۔ [2] تفسیر طبری ج ۱ ص ۳۲۶۔

Marfat.com

''میرے پڑوس میں قبیلہ بنو اشہل کا ایک یہودی رہتا تھا۔ اس نے ایک دن تمام بنو اشہل کو جمع کیا اور ان کے سامنے قیامت' بعث بعد الموت' حساب کتاب' میزان اور جنت اور دوزخ کے وغیرہ کے متعلق ایک وعظ کہا اور آخر میں کہا کہ یہ اہل شرک اور بت پرست لوگ موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے قائل نہیں ہیں' اس پر حاضرین نے کہا کہ تم کیا بک رہے ہو' کیا مرنے کے بعد ہم لوگ پھر زندہ کیے جائیں گے اور ہمارے اعمال کا محاسبہ ہوگا؟ یہودی نے پھر مجمع کو اس کے بارے میں سمجھایا۔ مجمع نے اس سے دوبارہ مطالبہ کیا کہ وہ اس کی کوئی دلیل اور نشانی بتائے۔ اس نے کہا کہ اس سرزمین سے ایک نبی پیدا ہوں گے اور وہ اس کے بارے میں بتائیں گے''[1]

قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے کہ اہل عرب عام طور پر آخرت اور بعث بعد الموت کے قائل نہیں تھے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ وہ اس کے قائل تو نہیں تھے لیکن یہود کے ذریعہ سے آگاہ ضرور تھے۔

سیر کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہود تین وقت کی نماز بھی پڑھتے تھے[2] ابن الہیان یہودی عالم جس کا تذکرہ اس کتاب میں آیا ہے اس کے متعلق کتابوں میں ہے کہ وہ پانچ وقت کی نماز پڑھتا تھا[3]

نماز کے اعلان کے لیے وہ بوق[4] بجاتے تھے' وہ روزے بھی رکھتے تھے[5]

ظاہر ہے کہ یہود کے ان مذہبی مراسم کو عرب اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے ہوں گے' ان میں اس کا چرچا رہتا ہوگا اور اس کا اثر بھی ان پر پڑتا رہا ہوگا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جہاں جتنے زیادہ یہود آباد تھے وہاں اسی قدر ان کے اثرات بھی عربوں میں نمایاں تھے' مثلاً مدینہ کے عرب یہود کے رسم و رواج اور مذہبی امور سے سب سے زیادہ واقف اور متاثر نظر آتے ہیں اور غالباً اسی کا نتیجہ تھا کہ انصار نے بہت آسانی سے اسلام قبول کرلیا۔

---

[1] ابن ہشام بحوالہ تاریخ الیہود۔ [2] ایضاً۔ [3] تاریخ الیہود ص ۸۷۔

[4] یہ سینگ کی طرح کی کوئی چیز ہوتی ہے۔ [5] عام کتب حدیث۔

Marfat.com

اس لیے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت اور اسلام کی بنیادی تعلیمات کی حقانیت سے وہ پہلے آگاہ ہو چکے تھے۔ سوال یہ ہے کہ عقائد کے لحاظ سے اسلام سے اس درجہ قریب ہونے کے باوجود یہودیوں نے اسلام کے قبول کرنے میں کیوں تاخیر کی اور کیوں لیت ولعل سے کام لیا۔ واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ یہود کا صالح طبقہ آپ ﷺ کی نبوت اور اسلام کی حقانیت کا قائل اور اس کی قبولیت کی طرف مائل ضرور تھا' لیکن ان کے لیے کچھ موانع تھے' جن کی وجہ سے وہ اس سعادت سے محروم رہے۔ پھر بھی ان میں جو صاحب عزم اور صاحب ہمت تھے اور ان کا موانع کا مقابلہ ڈٹ کر کر سکتے تھے' وہ قبول اسلام سے باز بھی نہیں رہے تفصیل آگے آئے گی۔

قبائلی نظام:

اوپر یہودیوں کے علمی و تمدنی اثرات کی جو تفصیل پیش کی گئی ہے اس سے یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ یہود عربوں کے مقابلہ میں زیادہ متمدن اور صاحب علم تھے' مگر اس کے ساتھ جب ہم ان کی معاشرتی زندگی پر غور کرتے ہیں تو عربوں سے کچھ مختلف نظر نہیں آتے۔ عربوں کی طرح وہ بھی مختلف قبائل میں بٹے ہوئے تھے۔ ہر قبیلہ کا ایک جدا سردار اور علیحدہ نظام تھا اور صلح و جنگ کے مواقع پر وہ اپنی قبائلی مصلحتوں کے تحت ایک دوسرے سے معاملہ کرتے تھے اسی کا اثر تھا کہ متعدد جاہلی اور اسلامی لڑائیوں میں وہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں یا ایک دوسرے کے خلاف مدد کرتے نظر آتے ہیں۔ تفصیل آگے آئے گی۔ اسی طرح یہود کا رہن سہن' معاشرت اور وضع ولباس وغیرہ بھی تقریباً وہی تھا جو عربوں کا تھا۔ ان باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ عربوں کی قبائلی زندگی کا ان پر اچھا خاصا اثر پڑا تھا۔

یہود کی دینی اور اخلاقی حالت:

قرآن مجید نے یہود کی دینی حالت اور اخلاقی معائب کا جو نقشہ کھینچا ہے اس میں دنیا کے تقریباً تمام یہود مبتلا تھے' مگر ہمارا موضوع بحث صرف جزیرۂ عرب کے یہود ہیں۔ اس لیے قرآن مجید نے ان کے جن معائب کی نشان دہی کی ہے ہم اس کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔

Marfat.com

دینی گمراہیاں:

تمام انبیائے کرام کی تعلیم میں یہ بات مشترک رہی ہے کہ عزت وشرافت اور آخرت کی فلاح وسعادت کا مدار اور خدا کے نزدیک محبوبیت اور مقبولیت کا معیار ایمان وعمل ہے' نہ کہ نسل وذات' مگر یہودیوں کی ایک بنیادی غلطی اور گمراہی یہ تھی کہ انہوں نے شرافت و نجابت کا معیار ہی سرے سے بدل دیا۔ اس کا مدار ایمان وعمل کے بجائے نسل وذات پر رکھا۔ ان کے نزدیک یہودی گھرانے میں پیدا ہونا ہی دنیا کا سب سے بڑا شرف اور نجات آخرت کے لیے کافی تھا' کہتے تھے کہ:

﴿نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُه﴾[1] (مائدہ) ''ہم سب اللہ کے لڑکے اور اس کے محبوب ہیں''۔

اور سمجھتے تھے کہ:

﴿لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدَةً﴾ (بقرہ)

''ہم دوزخ میں چند دن کے لیے ڈالے جائیں گے''۔

ان کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا گیا:

﴿قُلۡ اِنۡ كَانَتۡ لَـكُمُ الدَّارُ الۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنۡ دُوۡنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ﴾ (بقرہ)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے لیے (اے یہود) آخرت کی فلاح مخصوص ہے تو پھر موت کی تمنا کر کے دکھلاؤ اگر تم سچے ہو''۔

دوسری جگہ قرآن مجید میں ان کو خطاب کر کے فرمایا:

﴿قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ هَادُوۡۤا اِنۡ زَعَمۡتُمۡ اَنَّكُمۡ اَوۡلِيَآءُ لِلّٰهِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ﴾ (جمعہ)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجیے کہ اے یہود! اگر تم کو زعم ہے کہ تم اللہ کے محبوب ہو' تو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو''۔

---

[1] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں متعدد یہود مدینہ کا نام بھی لیا ہے' طبری میں ان کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہود میں عام طور پر یہ خیال تھا۔

Marfat.com

اسی غلط تصور کا نتیجہ تھا کہ ان کے نزدیک کسی بدعقیدگی‘ بدمعاملگی اور بداخلاقی کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ یہودیت کی سند مل جانے کے بعد وہ سمجھتے تھے کہ ان کی کوئی برائی برائی نہیں رہ جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ ان میں وہ تمام برائیاں گھس آئیں جن کا کم از کم ایک صاحب شریعت قوم میں تصور تک نہیں کیا جاسکتا‘ عقائد میں سب سے اہم اور اساسی چیز عقیدہ توحید ہے۔ اسی کی صحت اور اسی میں اخلاص کی بنیاد پر سارے دین کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ اگر اس میں کہیں سے کوئی نقص اور کمی آجاتی ہے تو پھر دین کمزور اور اس کے دوسرے اقدار بالکل بے روح ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء کی بنیادی تعلیم یہی رہی کہ:

﴿لَا اِلٰـہَ اِلَّا اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ﴾

''میرے سوا کوئی معبود نہیں تو تم میری ہی عبادت کرو''۔

یہود ایک صاحب شریعت قوم تھی جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے پہلے ہی دن یہ سبق دیا گیا تھا۔

﴿لَا اِلٰـہَ اِلَّا اَنَا فَاعۡبُدۡنِیۡ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ﴾ (طٰه)

''میرے سوا کوئی معبود نہیں تو تم میری ہی عبادت کرو۔ اور میری ہی یاد کے لیے نماز پڑھو''۔

مگر یہود کی تاریخ بتاتی ہے کہ انہوں نے ہمیشہ عقیدۂ توحید میں رخنہ اندازی کی اور اس چشمہ صافی کو کفر و شرک اور فسق و فجور سے گدلا کرنے کی برابر کوشش کی۔ جزیرۂ عرب کے یہود بھی اس جرم میں دنیا کے دوسرے یہود سے پیچھے نہیں تھے۔ قرآن تو واضح طور ان پر کفر و شرک کے ارتکاب کا الزام عائد کرتا ہے:

﴿لَعَنَھُمُ اللّٰہُ بِکُفۡرِھِمۡ﴾ [1] (نساء) ''ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت کی''

سورۂ نساء کے آخر میں ان کے بارے میں وبکفرھم کے الفاظ بار بار دہرائے

---

[1] اس سلسلہ میں بعض یہودیوں مثلاً رفاعہ بن زید وغیرہ کا واقعہ تفسیروں میں درج ہے۔

Marfat.com

گئے ہیں۔ گو یہ کفر' کفر باللہ نہ ہو' مگر کفر باحکام اللہ تو ضرور تھا' جیسا کہ ایک جگہ قرآن مجید نے ان کے بارے میں وَاَكْثَرُ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ[1] اوران میں سے اکثر فاسق ہیں' اسی پر بناء پر قرآن مجید ان سے کہتا ہے کہ:

﴿تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ﴾ (آل عمران)

''(اے اہل کتاب) آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔ یہ کہ بجز اللہ کے کسی اور کسی عبادت نہ کریں''۔

وہ شرک میں بھی مبتلا تھے' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے وہ عزیرؑ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے[2]

﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨ ابْنُ اللّٰهِ﴾

''اور یہود نے کہا کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں''۔

انہوں نے اپنے علماء اور احبار کو وہ مرتبہ اور درجہ دے دیا تھا جو صرف اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے۔

﴿اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (توبہ)

''انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء ومشائخ کو اپنا رب بنا رکھا ہے''۔

یہ آیت یہود اور نصاریٰ دونوں کے بارے میں ہے' نصاریٰ کے سوء اعتقاد کے بارے میں حضرت عدی بن حاتم کی روایت حدیث کی تمام کتابوں میں مذکور ہے۔ یہود سے متعلق اس آیت کی تفسیر میں طبری میں یہ روایت ہے کہ:

---

[1] آل عمران۔ [2] بعض مستشرقین نے لکھا ہے کہ صحف قدیم میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اور نہ اس وقت یہود کا یہ عقیدہ ہے۔ یہ بحث طویل ہے اس لیے ہم نظر انداز کرتے ہیں۔ مختصراً اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ یہودیوں میں یہ خیال عیسائیوں کے اثر اور ان کی ضد سے پیدا ہوا ہے اور عرب کے یہودیوں میں ظہور اسلام کے وقت یہ عقیدہ تھا۔ چنانچہ طبری وغیرہ نے متعدد بار یہود کا نام بھی لیا ہے مثلاً فنحاص۔ سلام بن مشکم وغیرہ۔ پھر ان کے اس قول نحن ابناء اللہ واحباء ہ اور اتخذوا احبارھم وغیرہ کو سامنے رکھا جائے تو اس میں کوئی تعجب باقی نہیں رہ جاتا۔

Marfat.com

قال الربیع قلت لابی العالیه کیف کانت الربوبیة فی بنی اسرائیل قال ما امرونا أتمرنا فانهونا عنه انتیهنا[1] لقولهم وهم یجدون فی کتاب الله ما امروابه وما نهوا عنه فاستنصحوا الرجال.[2]

''ربیع نے ابی العالیہ سے پوچھا کہ بنو اسرائیل نے کس طرح سے اپنے احبار کو ارباب بنالیا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ جس چیز کا وہ احبار حکم دیتے تھے اس کو ہم کرتے تھے اور جس بات سے وہ روکتے تھے ہم رک جاتے تھے۔ یہ سب ان کے کہنے کی وجہ سے کرتے تھے' حالانکہ وہ باتیں کتاب میں موجود ہوتی تھیں' چنانچہ اس طرح انہوں نے احبار و علماء کے اقوال و افعال کو اختیار کرلیا اور کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا''۔

اس کفر وطغیان نے ان کے قلوب کو اتنا سخت اوران کے ذہن ودماغ کو اس قدر ماؤف کردیا تھا کہ وہ خدائے قدوس کے بارے میں گستاخانہ اورطنزآمیز الفاظ استعمال کرنے لگتے تھے:

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُاللهِ مَغْلُوْلَةٌ ﴾

''یہود کہتے تھے کہ اللہ کا ہاتھ تنگ ہوگیا ہے''۔

یہی نہیں بلکہ وہ کہتے تھے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ﴾

''اللہ فقیر اور ہم غنی ہیں''۔

کتاب الٰہی (توراۃ) کے بارے میں بھی ان کا عقیدہ کچھ اچھا نہیں تھا۔ وہ کتاب کی تاویل وتفسیر اپنی خواہشات اور دنیاوی اغراض کے تحت کرتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے:

---

[1] اس انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالعالیہ بھی اہل کتاب میں تھے' یہ غلام تھے' اس لیے ان کے اہل کتاب ہونے کا اور بھی قوی امکان ہے۔ [2] طبری ج ۱۰ ص ۰۷۔

Marfat.com

﴿ يُحَرِّفُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾ (بقرہ)

''پھر اس کو بدل ڈالتے تھے اس کے سمجھنے کے بعد اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے ہے اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ روپے پیسے حاصل کریں''۔

جب اس معنوی تحریف سے کام نہ چلتا تو کلام الٰہی کو چھپا دیتے (مائدہ) اگر ضرورت پڑتی تو لفظی تحریف بھی کر ڈالتے۔

﴿ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ﴾ (مائدہ)

''کلام الٰہی کو اس کے موقع ومحل سے بدل دیتے ہیں''۔

﴿ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ﴾ (مائدہ)

''وہ کلام الٰہی کو اس کے موقع سے بدلتے رہتے ہیں''۔

یہ تو پڑھے لکھے یہودیوں کا حال تھا' جو اپنی ہر خواہش اور غرض کی تکمیل کے لیے کتاب اللہ کو آلۂ کار بناتے تھے اور اس کی من مانی تفسیریں کرتے تھے لیکن ان کے عوام جو اس اسلحہ کا استعمال نہیں جانتے تھے' وہ صرف اپنی خواہشوں اور تمناؤں ہی کو آخری سند سمجھتے تھے:

﴿ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ ﴾ (بقرہ: ۱۰)

''اور ان میں سے بہت سے ناخواندہ ہیں جو کتابی علم نہیں رکھتے' لیکن دل خوش کن باتیں''۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ بن سعنہ کے حالات میں تحریف کی ایک مثال آئے گی' جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ وہ اس میں کس درجہ بے باک تھے۔

ختم رسل ﷺ کی بعثت کے بارے میں تورات میں جو پیشین گوئیاں اور بشارتیں تھیں اور جن کو پڑھ کر متعدد صالح الفطرت یہود حلقہ بگوش اسلام ہوئے ان کو انہوں نے چھپانے کی کوشش کی۔ اسی طرح احادیث میں آتا ہے کہ رجم کے متعلق تورات

---

[1] اس سلسلہ میں متعدد واقعات عہد نبوی میں پیش آئے جن میں سے بعض کا تذکرہ اوپر آ چکا ہے۔

Marfat.com

کے حکم کو بھی انہوں نے پوشیدہ رکھنا چاہا، مگر بعض حق پرست علمائے یہود نے اسے ظاہر کردیا اور آپ نے اس کے مطابق عمل کیا (بخاری و مسلم)

انبیاء و رسل کے ساتھ بھی انہوں نے ہمیشہ طغیان و سرکشی ہی کی روش اختیار کی یہاں تک کہ ان نفوس قدسیہ میں سے بعض کو انہوں نے قتل کر ڈالا۔ اسی وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان پر لعنت کی۔ (مائدہ)

جزیرۂ عرب کے یہود بھی اس بارے میں اپنے پیش رووں سے کچھ مختلف نہیں تھے۔ وہ حضرت ابراہیم کے بارے میں کہتے تھے کہ وہ یہودی تھے (آل عمران) قرآن نے ان کے اس خیال کی تردید کی (آل عمران) نبوت و رسالت صرف یہود کے لیے مخصوص سمجھتے تھے (جمعہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی انہوں نے وہ سب کچھ کیا جو ان کے پیش رووں نے اپنے وقت کے انبیاء کرام کے ساتھ کیا، تفصیل آگے آتی ہے۔

فرشتوں کے متعلق ان کے خیالات عربوں سے بالکل مختلف تھے، عرب ان کو خدا کا شریک ٹھہراتے تھے اور یہ ان سے دشمنی و عداوت رکھتے تھے، خصوصیت سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بارے میں وہ کہتے تھے کہ یہ ان کا قدیم دشمن ہے، قرآن نے ان کے اس خیال کی شدت سے تردید کی[1] مشرکانہ اوہام و خرافات، جادو، گنڈا اور عملیات وغیرہ پر ان کا اعتقاد تھا۔ لبید بن اعصم وغیرہ بہت سے یہودی عامل تھے، جو کنگھیوں اور بالوں پر منتر پڑھ کر پھونکتے تھے۔[2] یہ ان کے دینی معائب کا ایک مختصر سا خاکہ ہے، جن میں وہ دور رسالت صلی اللہ علیہ وسلم تک مبتلا تھے، اب ان کے اخلاق و معاملات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

اخلاق و معاملات:

اخلاق و معاملات کے اعتبار سے جزیرہ عرب کے یہود نہایت ہی گرے ہوئے تھے۔ یہ اخلاقی گراوٹ ان ہی تک محدود نہ تھی، بلکہ اس میں ہر جگہ کے یہود برابر کے شریک تھے۔ ان کے اخلاق و اعمال حد درجہ مبتذل، رکیک اور قابل نفرین تھے، جن کا

---

1. اس سلسلہ میں طبری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ سے یہود کی گفتگو کو نقل کیا ہے ص ۳۲۷ جلد ۱۔
2. صحیح بخاری ج ۲ کتاب الطب۔

Marfat.com

انسانیت، شرافت اور فضائل اخلاق سے کوئی دور کا بھی تعلق باقی نہیں رہ گیا تھا۔ سورہ بقرہ اور آل عمران میں خاص طور سے ان کے ایک ایک عیب کی نشان دہی کی گئی ہے۔ ذیل کی سطروں میں ان کے چند بنیادی عیوب کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

نفاق:

یہود حجاز جن اخلاقی کمزوریوں کا شکار تھے، ان میں سب سے اہم منافقت ہے، یہ روح انسانی کے لیے ایسا روگ ہے جو انسان کی تمام اخلاقی خوبیوں اور فطری صلاحیتوں کو ختم کر دیتا ہے، جس فرد یا جماعت میں یہ مرض پیدا ہو جائے اس سے کسی خیر کی امید نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ یہود حجاز کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان میں بھی نفاق نے اچھی طرح گھر کر لیا تھا۔ انہوں نے اسلام کے بارے میں مسلسل نفاق کا ثبوت دیا، اور ان کی وجہ سے مدینہ منورہ میں ایک ایسا گروہ تیار ہو گیا تھا جو مرتے دم تک اس روگ میں مبتلا رہا، اور اسلام اور مسلمانوں کو نقصان اور اذیت پہنچاتا رہا، قرآن کہتا ہے:

﴿ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَ نَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ﴾ (آل عمران)

''وہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، اور جب تم سے جدا ہوتے ہیں تو تم پر اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں مارے غصہ کے، آپ کہہ دیجیے کہ مر رہو اپنے غصہ میں''۔

سورہ بقرہ (ع: ۸) میں اسی طرح کی ایک آیت موجود ہے:

دوسروں کو بھی نفاق پر ابھارتے تھے۔

﴿ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴾ (آل عمران)

''بعض اہل کتاب نے کہا کہ ایمان لے آؤ اس پر جو مسلمانوں پر نازل ہوا (یعنی قرآن) اور صبح کے وقت اور شام تک اس سے انکار کر دو۔ شاید کہ وہ پھر جائیں''۔

آنحضرت ﷺ اور اسلام کے ساتھ انہوں نے مستقلاً جو منافقانہ طرز عمل اختیار

Marfat.com

کر رکھا تھا' اس کی پوری تصویر ان آیتوں میں آ گئی ہے۔ وہ مسلمانوں ہی کے ساتھ نفاق نہیں برتتے تھے' بلکہ اس عادت بد کی وجہ سے اپنوں تک سے منافقانہ پیش آتے تھے' اور ایک دوسرے کو دھوکا اور فریب دیتے تھے' غزوات کے سلسلہ میں متعدد مواقع پر انہوں نے خود ایک دوسرے کو دھوکا دیا[1]

حرام خوری:

حرام خوری بھی ان کا شاید قومی خاصہ ہو گیا تھا۔ قرآن میں ہے:

﴿اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ﴾ (مائدہ) ''بڑے حرام کھانے والے ہیں''۔

سورہ مائدہ میں ان کی حرام خوری کو متعدد بار دہرایا گیا ہے۔ ان کے سودی کاروبار کا ذکر آ چکا ہے' رشوت ستانی اور ناجائز طریقہ پر شکم پری کے بھی یہ عادی ہو گئے تھے۔

﴿وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ﴾ (نساء)

''اور ان کے ناحق طریقہ سے مال کھانے کی وجہ سے۔

دوسروں کا حق مارنے کے لیے جھوٹی قسمیں کھا جاتے تھے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾

''یقیناً جو لوگ حقیر رقم لے لیتے ہیں بمقابلہ اپنی قسموں کے''۔

اس سلسلہ میں حضرت اشعث رضی اللہ عنہ اور ایک یہودی کا واقعہ تفسیر میں ملتا ہے۔

ان کے علماء اور احبار بھی دوسروں کا مال ہڑپ کر لیتے تھے۔ (توبہ)

حرص و طمع:

یہ مالدار اور خوش حال تھے' مگر ان کی حرص و طمع کا یہ حال تھا کہ دو دو چار چار روپے تک کے لیے معصوم بچوں کو ہلاک کر ڈالتے تھے[2] سودی قرضوں میں بچوں اور عورتوں کو رہن رکھ لیتے تھے[3] ان کے پاس سونے چاندی کا ڈھیر تھا' مگر راہ حق میں ایک پیسہ بھی نہیں خرچ کر سکتے تھے:

---

[1] مثلاً غزوہ نضیر اور غزوہ خندق وغیرہ کے مواقع۔ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۶ کتاب الدیات۔
[3] ایضاً قتل کعب بن اشرف۔

Marfat.com

﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ لِلّٰهِ ﴾ (توبہ)

''(حرص کی وجہ سے) جو لوگ سونا چاندی جمع کر رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے''۔

﴿ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴾ (نساء)

''کیا ان کے پاس سلطنت کا کوئی حصہ ہے اگر ہوتا تو وہ ایک ذرہ برابر اس میں سے دوسروں کو نہ دیتے''۔

خیانت:

خیانت حرص و طمع ہی کا نتیجہ ہے' چنانچہ ان میں یہ عیب بھی موجود تھا۔

﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖ اِلَيْكَ اِلَّا مَادُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ﴾

''ان میں بعض ہیں کہ تم اگر ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھو تو تم کو وہ ادا نہ کریں گے' جب تک تم ان کے سر پر سوار نہ ہو جاؤ''۔ (آل عمران)

پھر اس خیانت کو اپنے لیے جائز اور اپنا پیدائشی حق سمجھتے تھے۔

﴿ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيِّيْنَ سَبِيْلٌ ﴾ (آل عمران)

''(یہ خیانت) اس لیے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ غیر اہل کتاب (کے مال) کے بارے میں ہم پر کوئی جرم نہیں''۔

بغض وحسد:

بغض وحسد کا جذبہ ایک بدترین جذبہ ہے' اس کی موجودگی میں کبھی حق و انصاف کا جذبہ آدمی کے دل میں پرورش نہیں پاتا' جس کے اندر یہ جذبہ موجود ہوتا ہے اس کو دوسروں کی خوبیاں اور بھلائیاں نظر ہی نہیں آتیں' یا اگر نظر آتی ہیں تو وہ ان کی طرف سے صرف نظر کر لیتا ہے' اگر کسی کو کوئی شرف اور فضل حاصل ہو جاتا ہے تو ایسے شخص کو انتہائی تکلیف ہوتی ہے۔ یہود کی زندگی اس برے جذبہ کا مکمل نمونہ تھی۔

﴿ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ (نساء)

''کیا دوسرے آدمیوں سے ان چیزوں پر جلتے ہیں جنہیں اللہ نے ان کو اپنے

Marfat.com

فضل سے عطا کی ہیں''۔

﴿ هَاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ ﴾ (آل عمران)

''ہاں تم ایسے ہو کہ ان لوگوں سے محبت رکھتے ہو اور یہ لوگ تم سے قطعاً محبت نہیں رکھتے''۔

قرآن نے ان کے اسی بغض وحسد کی بنا پر فرمایا کہ:

﴿ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ﴾ ''اپنے غصے سے مر رہو''۔

دروغ گوئی اور بدعہدی:

دروغ گوئی' بدعہدی اور جھوٹی قسمیں کھانا ان کا شیوہ تھا۔

﴿ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ ﴾ (مائدہ) ''یہ لوگ غلط باتیں سننے کے عادی ہیں''۔

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً ﴾ (مجادلہ)

''انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے''۔

عہد نبویؐ میں ان کی دروغ بیانی اور بدعہدی کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں' معاہد ے ذکر میں اس کی تفصیل آئے گی۔

اسی طرح وہ فواحش اور بے حیائی سے بھی باز نہیں رہتے تھے۔عرب عورتوں کو چھیڑا کرتے تھے' اوران سے کھلا ہوا مذاق کرتے تھے۔کعب بن اشرف ان کا مشہور شاعر اس میں بے حد بدنام تھا۔ایک مرتبہ ایک انصاری بزرگ نے اس سے قرض مانگا تو اس نے ان سے برجستہ کہا کہ اس کے بدلے اپنی بیوی کو میرے یہاں گرو رکھ دو۔ اس کی دنائت اوراس کا سفلہ پن اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ازواج مطہرات اور صحابیات رضی اللہ عنہن کا نام لے کر تشبیب[1] کرتا تھا[2]

ایک برائی ان میں یہ بھی تھی کہ اگر کوئی شریف ومعزز آدمی زنا کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور اگر کوئی معمولی اور کم رتبہ آدمی اس کا ارتکاب کرتا تو اس کو سزا دیتے[3]

---

[1] وہ اشعار جن میں حسن وعشق کے جذبات ظاہر کیے جائیں۔ [2] طبقات الشعراء ص ۱۱۰۔
[3] صحیح مسلم باب رجم الیہود۔

Marfat.com

ان میں خود غرضی اور قساوت قلبی بھی حد درجہ تھی جس کا مظاہرہ دن رات ہوتا رہتا تھا' حتیٰ کہ وہ اپنے یہودی بھائیوں کو گھر سے نکال دیتے۔ اسی خود غرضی کی وجہ سے وہ آپس میں برابر لڑتے بھڑتے رہتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ ایک دوسرے کے خلاف اپنے دشمنوں تک کو مدد دیتے تھے[1]

قرآن نے ان کے ان معائب کی تصویر ان لفاظ میں کھینچی ہے:

﴿ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ﴾ (بقرہ)

''تم ایک دوسرے سے قتل قتال بھی کرتے ہو' اور ایک دوسرے کو گھروں سے نکال دیتے ہو''۔

﴿ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ﴾ (حشر)

''تم ان کو متفق خیال کرتے ہو حالانکہ ان کے دل آپس میں متفق نہیں ہیں''۔

اس سلسلہ میں حضرت عبداللہؓ بن عباس کی یہ روایت مسند احمد میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جاہلیت میں یہود دو گروہ میں بٹ گئے تھے۔ ان میں ایک غالب تھا اور دوسرا مغلوب۔ جب غالب گروہ کا کوئی آدمی قتل کیا جاتا تو اس کی دیت مغلوب کو زیادہ دینی پڑتی' اور اگر مغلوب کا کوئی آدمی قتل ہو جاتا تو اس کی دیت کم ملتی' جاہلیت میں تو مغلوب گروہ اس ظلم کو برداشت کرتا رہا۔ مگر رحمت عالم ﷺ کی بعثت کے بعد' ایک بار جب ایسا واقعہ پیش آیا تو اس نے زیادہ دیت دینے سے انکار کر دیا' اور غالب گروہ کے پاس کہلا بھیجا کہ اب نبی موعود ﷺ کی آمد کے بعد ہم یہ ظلم و ستم سہنے کے لیے تیار نہیں[2]

پھر ان تمام اخلاقی جرائم پر وہ خاموش ہوتے اور چاہتے تھے کہ جو خوبیاں ان میں نہیں ہیں ان پر بھی ان کی تعریف و تحسین کی جائے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا ﴾ (آل عمران)

''یہ لوگ اپنے اخلاق و کردار پر خوش ہیں اور جو کام انہوں نے نہیں کیا اس پر چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی ہو''۔

---

[1] اوپر گزر چکا ہے۔ [2] مسند ج اص ۲۴۶۔

Marfat.com

ان کے دینی اور اخلاقی انحطاط کا یہ بہت مجمل خاکہ ہے' اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس قوم میں اتنا زیادہ دینی انحطاط اور اتنے زیادہ ذمائم اخلاق ہوں اس کی موجودگی میں کوئی صالح معاشرہ اور پرسکون ماحول کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جب تک یہودیوں کا معاشی' اقتصادی' سیاسی تغلب اور ان کا زور باقی رہا پورے حجاز اور خصوصیت سے مدینہ میں سکون و اطمینان کی فضا پیدا نہ ہو سکی' مگر جوں جوں ان کا زور ختم ہو گیا امن و سلامتی کی فضا پیدا ہوتی گئی۔ تا آنکہ پورا حجاز ان کی ریشہ دوانیوں اور فتنہ انگیزیوں سے پاک و صاف ہو گیا۔

ایسے معائب' مثالب اور ذمائم اخلاق میں گھرے ہونے پر بھی اس بد باطن اور کج فطرت قوم کے جتنے افراد بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے' وہ اسلام کی بڑی کامیابی ہے۔ ورنہ ایسا دین جس کے قبول کرنے میں کوئی جبر و سختی نہ ہو[1] اس میں ایسی تیرہ بخت اور دون فطرت قوم کے ایک دو فرد کا داخل ہونا بھی درحقیقت اسلام کا ایک معجزہ ہے۔

بعثت نبوی ﷺ کے بعد یہود اور مسلمانوں کے اجتماعی اور سیاسی تعلقات کی نوعیت:

بعثت نبوی ﷺ سے قبل یہودیوں کے سیاسی' تمدنی اثرات کا جائزہ لینے اور ان کی اخلاقی اور دینی حالت کا تذکرہ کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ظہور اسلام کے بعد ان میں اور مسلمانوں میں باہم جو سیاسی و اجتماعی تعلقات پیدا ہوئے اور اس سے جو فوائد اور مضار متنج ہوئے اس پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت مکہ میں ہوئی' اور ذکر اوپر آ چکا ہے کہ مکہ میں یہود نہیں تھے' اس لیے مکی زندگی میں براہ راست ان سے کوئی سیاسی و اجتماعی تعلق پیدا نہیں ہوا۔ لیکن دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں جو ابتدائی سورتیں نازل ہوئیں ان میں حسب ضرورت اگلے

---

[1] لا اکراہ فی الدین دین میں کوئی جبر نہیں ہے' چنانچہ مدینہ سے یہودی قبائل کے اخراج کے بعد متعدد یہودی موجود تھے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا' لیکن ان سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا' بعض کا تذکرہ اس کتاب میں آیا ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنی جائیداد کے متعلق اپنے یہودی رشتہ داروں کو وصیت کی تھی۔

Marfat.com

انبیاء خصوصاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ملتا ہے' مثلاً سورۂ مزمل میں جو بالکل ابتدائی سورتوں میں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا ذکر ملتا ہے۔ پھر سورۂ اعلیٰ میں صحف موسیٰ کا تذکرہ بھی آتا ہے۔ اسی طرح اس کے بعد نازل ہونے والی سورتوں مثلاً سورۂ قمر' سورہ ق اور سوۂ بروج وغیرہ میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی اور فرعون کے برے انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

غرض مکہ کے ابتدائی سالوں میں براہ راست یہود سے قرآن نے خطاب نہیں کیا' محض دعوت و تبلیغ کے نقطہ نظر سے اس نے ان مشہور واقعات کی طرف اشارہ کر دیا جس سے اہل مکہ واقف تھے تاکہ وہ عبرت حاصل کریں۔

مکی سورتوں میں سب سے پہلے سورۂ اعراف میں ذرا تفصیل سے ''بنی اسرائیل'' کے نام سے ان کا تذکرہ ملتا ہے جس میں متعدد انعامات الٰہی کو گنایا گیا ہے اور ان کی بار بار کی ناشکری و احسان ناشناسی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سورہ میں یہ بھی ذکر آیا ہے کہ تورات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی موجود ہے۔ ان واقعات کی تفصیل اس سورہ کے رکوع ۱۲ سے ۱۸ تک میں موجود ہے' اگر ان میں سے ان آیتوں کو نکال دیا جائے جن کو مفسرین مدنی بتاتے ہیں تب بھی یہود کی ابتدائی تاریخ کا خلاصہ مکہ میں نازل ہو چکا تھا[1] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ قرآن میں بنی اسرائیل کا تذکرہ وسیع ہوتا جا رہا تھا۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور دعوت کو کئی برس گزر چکے تھے' لیکن معلوم ہوتا

---

[1] ابن جریج' قتادہ وغیرہ سے مروی ہے کہ اس سورہ میں یہ آیت الذین یتبعون الرسول الامی الذی یجدون مکتوباً الآیۃ ان یہود کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اس سے پہلی والی آیت کے بارے میں جس میں تقویٰ اور زکوٰۃ کا ذکر ہے کہا تھا کہ ہم بھی تو تقویٰ کے حامل ہیں اور زکوٰۃ نکالتے ہیں' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب براہ راست بھی یہود بحث مباحثہ کرنے لگے تھے مگر اس کے علاوہ دوسری شہادت ہم کو نہیں ملی جس سے مکہ میں براہ راست ان سے سوال و جواب کی تائید ہوتی ہو۔ اس لیے حاشیہ میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

Marfat.com

ہے کہ ابتداءً اہل مکہ نے قرآن کے بیان کردہ واقعات خصوصاً وہ جو یہود سے متعلق تھے' ان کی طرف کچھ زیادہ دھیان نہیں دیا۔ لیکن جب قرآن نے بار بار ان کا اعادہ کیا تو ان کو ان کی تردید کا خیال پیدا ہوا ہوگا۔ مدینہ اور خیبر کے یہودیوں سے ان کے قدیم تعلقات تھے' اس لیے انہوں نے ان سے یا طائف اور بنو کنانہ کے یہود سے جو ان کے قریب ہی رہتے تھے' ان واقعات کی صداقت اور عدم صداقت اور آپ کی نبوت کے بارے میں سوالات کرتے رہے ہوں گے۔

جیسا کہ مفسرین اور بعض محدثین نے لکھا ہے کہ روح[1] اصحاب کہف اور ذوالقرنین وغیرہ کے بارے میں جو آیات نازل ہوئیں وہ درحقیقت کفار عرب کے ان سوالات کے جوابات ہیں جو انہوں نے یہود سے پوچھ کر آنحضرت ﷺ سے ان کے متعلق کیے تھے' اصحاب کہف کے متعلق تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس کی روایت ہے کہ خود یہود مدینہ نے اہل مکہ سے کہا تھا کہ محمد (ﷺ) سے ان کے بارے میں سوال کرو' اگر وہ نبی ہوں گے تو جواب دیں گے۔[2]

لیکن اب تک یعنی سورۂ بنی اسرائیل کے نزول تک جو کچھ ان کے بارے میں کہا گیا یا تو اہل عرب کو براہ راست خطاب کر کے کہا گیا یا پھر غائب کے صیغہ سے کہا گیا۔ خود یہودیوں کو براہ راست خطاب نہیں کیا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ معراج سے پہلے

---

[1] روح کے سلسلہ میں عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود کی روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال مدینہ میں کیا گیا تھا' مگر ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل مکہ نے یہود سے کہا کہ ہم کو کچھ ایسی باتیں بتاؤ جن کے متعلق ہم محمد (ﷺ) سے سوال کریں۔ اس کے جواب میں یہود نے ان سے کہا کہ روح کے بارے میں ان سے سوال کرو۔ فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۳۔ اصحاب کہف کے سلسلہ میں طبری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خود یہود نے اہل مکہ سے ان چیزوں کے بارے میں سوالات کرنے کے لیے کہا تھا۔ بہرنوع دونوں باتیں بیک وقت ممکن ہیں۔ اس میں کوئی تضاد نہیں۔ سیر کی کتابوں میں تذکرہ آتا ہے کہ قریش نے ایک وفد بھی یہود مدینہ کے پاس آپ ﷺ کی نبوت کے بارے میں دریافت کرنے کے لیے بھیجا تھا' ممکن ہے کہ یہ اسی وقت کا واقعہ ہو۔ [2] طبری ج ۱۵ ص ۱۱۸۔

Marfat.com

تک یہود سے براہ راست تعلق نہیں پیدا ہوا تھا۔ سورۂ اسراء کے بعد سورۂ یونس کا نزول ہوتا ہے۔ اس میں بھی یہود کی پچھلی تاریخ کو دہرایا گیا اور مزید بتایا گیا کہ انہوں نے دین کے بارے میں علم الٰہی آ جانے کے بعد بھی اختلاف کیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے ان قرآنی قصوں میں شک کرنے والوں کو خطاب کر کے ارشاد ہوا:

﴿فسئال الذین یقرؤن الکتب من قبلک﴾ (یونس)

"تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے دریافت کیجیے جو آپ سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں کو پڑھتے ہیں (یعنی تورات و انجیل)

اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں' ایک تو یہ کہ یہود میں اس وقت ایسے صالح الفطرت لوگ موجود تھے جو اظہار حق کر سکتے تھے اور دوسری یہ کہ اب ان میں اور مسلمانوں میں براہ راست سوال و جواب کے امکانات پیدا ہو گئے تھے۔ لیکن ان امکانات کے لیے قرآن کی اندرونی شہادت تاریخ نزول قرآن اور بعض واقعات کی ترتیب کے علاوہ کوئی خارجی ثبوت نہیں ملتا۔ اس لیے اس سلسلہ میں جو کچھ بھی لکھا جائے گا اس میں غلطی کا امکان ہے' مگر عاجز قرآن و سیرت کے مطالعہ سے اپنی حد تک جو کچھ بھی اخذ کر سکا' اس پر اسے وثوق ہے اس لیے اسے پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

صحیح روایتوں کے مطابق معراج کا واقعہ ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے پیش آیا۔ ظاہر ہے کہ سورۂ اسراء (یعنی بنی اسرائیل) اس کے بعد نازل ہوئی' اور سورۂ یونس جس میں اوپر والی آیت مذکور ہے' سورۂ اسراء کے بعد نازل ہوئی۔

اہل مدینہ کے متعلق ارباب سیر لکھتے ہیں کہ ہجرت سے تین سال پہلے یعنی ۱۰ نبوی میں ان کے چھ آدمیوں نے اسلام قبول کیا' جو نزول سورۂ اسراء سے پہلے کا واقعہ ہے ظاہر ہے کہ یہ لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد مدینہ میں جا کر خاموش نہیں بیٹھے ہوں گے۔ اسلام کا پیغام دوسروں تک پہنچایا ہوگا۔ عام طور سے ان کے اسلام کا چرچا ہوا ہوگا۔ عام اہل مدینہ نے' جس میں یہودی بھی تھے' اسے جانا بھی ہوگا۔ ہمارے نزدیک اسی کا اثر تھا کہ دوسرے سال ۱۱ نبوی میں یہ تعداد دگنی ہوگئی اور ۱۲ آدمیوں نے آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

سے بیعت کی اور خواہش ظاہر کی کہ ہمارے ساتھ کسی کو کر دیا جائے جو وہاں رہ کر ہم کو اسلام کی تعلیم دے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعبؓ بن عمیر کو ان کے ساتھ کر دیا۔ حضرت مصعب بن عمیر مدینہ پہنچے گھر گھر جا کر اسلام کا پیغام پہنچایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی مسلمانوں کی تعداد پہلے سے کئی گنا زیادہ ہوگئی۔

یہود جو مدینہ کے ہر طرف پھیلے ہوئے تھے جن سے انصار کا دن رات کا تعلق تھا خود بھی ایک مذہب اور شریعت کے حامل تھے۔ ان کی اس حیثیت کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اہل مکہ بغرض تحقیق ان کے پاس بھی آ چکے تھے۔ انہوں نے اس نئے دین کے بارے میں اگر انصار سے سوال و جواب اور بحث و مباحثہ شروع کر دیا ہو تو کوئی تعجب نہیں اور بعض روایتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ آپ کی نبوت کے منتظر تھے[2] جیسا کہ کتب سیر میں ہے کہ آپ نے اہل مدینہ کے سامنے عقبہ میں سب سے پہلے اسلام پیش کیا تو وہ یہ کہہ کر اسلام لائے کہ ایسا نہ ہو کہ یہود ہم سے اس فضل میں سبقت لے جائیں[3]

ان وجوہ کی بنا پر عاجز کا خیال ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے جو مومنین اہل کتاب کا نام لیا ہے وہ صحیح نہیں ہے[4] اور نہ یہ صحیح ہے کہ مکہ میں بھی یہود تھے[5] بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے ہی انصار مدینہ اور یہود کے درمیان اسلام کے بارے میں گفتگو اور بحث و مباحثہ کا آغاز ہو چکا تھا اور انہوں نے ان کی کچھ نہ کچھ مخالفت بھی شروع کر دی تھی' جیسا کہ آیت کے سیاق و سباق سے بھی پتہ چلتا ہے۔ ان ہی تعلقات کی بنا پر آیت میں کہا جا رہا ہے کہ آپ ان لوگوں سے (مسلمانوں کے ذریعہ) تحقیق کر لیجیے جو کتاب کے عالم ہیں۔

---

1. بعض مفسرین نے اس سلسلہ میں عبداللہ بن سلام وغیرہ کا نام لیا ہے۔ صاحب روح المعانی نے اس کی تردید کی ہے۔ 2. اس کتاب میں متعدد جگہ اس کا ثبوت ملے گا۔ 3. سیرۃ النبیؐ جلد اص ۱۲۶ بحوالہ زرقانی اور ابن سعد۔ 4. جیسا کہ اس سلسلہ میں مفسرین نے عبداللہ بن سلام اور تمیم داری کا نام لیا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ سورت اور پھر یہ آیت مکی ہے اس لیے اس سے ان کو مراد لینا صحیح نہیں ہو سکتا۔
5. بعض مستشرقین کا یہی خیال ہے۔ اس کی تفصیل اوپر آ چکی ہے۔

Marfat.com

بیان مذکورۂ بالا سے واضح ہوا ہوگا کہ ابتداءً اسلام کے مقابلہ میں یہود کا رویہ معاندانہ نہیں تھا' بلکہ بڑی حد تک وہ اسلام کی صداقت کے معترف بھی تھے' مگر جوں جوں اسلام کی تعلیمات سے واقف ہوتے گئے ان کی مخالفت اور دشمنی بڑھتی گئی۔ سورہ یونس کے بعد ہود اور حم سجدہ وغیرہ سورتیں نازل ہوئیں جن میں ان کے متعلق بار بار یہ بات دہرائی گئی کہ یہ جان بوجھ کر قرآن کا انکار کر رہے ہیں[1] ان سورتوں کے بعد سورۂ غاشیہ کا نزول ہوا۔ اس میں بھی قریب قریب وہی بات دہرائی گئی۔ پھر سورۂ صافات نازل ہوئی جس میں ان کی کتاب تورات کو اماماً ورحمۃً کے الفاظ سے یاد کیا گیا اور قرآن کو اس کا حریف نہیں بلکہ موید قرار دیا گیا۔

پھر سورۂ انبیاء اتری اس میں اس کو ''الفرقان اور ضیا'' کہا گیا' لیکن ترہیب و ترغیب کے باوجود یہود کی روش میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی' بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں وہ اور زیادہ سخت ہو گئے اور اہل مکہ کو جیسا کہ قرآن میں ہے' پہلے سے زیادہ اسلام کے خلاف اکسانے اور اعتراض کے لیے ابھارنے لگے' چنانچہ سورۂ انعام میں کھانے پینے سے متعلق محرمات کے سلسلہ میں ان کے اعتراضات کا جواب ذرا سخت انداز سے اور خاص طور سے ان کی طرف اشارہ کر کے دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ﴾

''اور یہودیوں پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے''۔

سورہ نحل میں مکرر ارشاد ہے:

﴿ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ﴾

''اور یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کر دی تھیں جن کا بیان ہم اس سے قبل آپ سے کر چکے ہیں''۔

ان دونوں آیتوں میں ''الَّذِينَ هَادُوا'' کے الفاظ خاص طور سے قابل غور ہیں۔ اس سے پہلے ان الفاظ کے ساتھ ان کو یاد نہیں کیا گیا تھا۔ پھر دونوں آیتوں کے آخر میں کہا گیا:

[1] آیت ۱۴۱۱۱ور ۱۲۔

Marfat.com

﴿ ذَالِکَ جَزَیْنَاهُمْ بِبَغْیِهِمْ ﴾ (انعام)

''ہم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی لیکن وہ خود اپنے اوپر زیادتی کرتے تھے''۔

﴿ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾ (انعام)

''ہم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی لیکن وہ خود اپنے اوپر زیادتی کرتے تھے''۔

یہود اور مسلمانوں کے درمیان تعلقات کا جو ارتقاء قرآن کی آیات سے دکھایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت سے پہلے ہی چند حق پسندوں اور صالح فطرت افراد کے علاوہ پوری قوم یہود میں رفتہ رفتہ اسلام وشارع اسلام ﷺ اور مسلمانوں کی مخالفت کا جذبہ پیدا ہونا شروع ہوگیا تھا اور اس مخالفت کا اظہار کبھی کبھی اہل مکہ کے ذریعے ہوتا اور کبھی اہل مدینہ کے ذریعہ' جن سے ان کا رات دن کا سابقہ تھا' مگر ابھی تک یہ مخالفت صرف ذہنی اور زبانی تھی۔

ہجرت کے بعد:

یہود کا یہ حال تھا کہ آفتاب اسلام کی کرنیں افق مدینہ پر چمکیں یعنی ختم رسل ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے تشریف فرمائے مدینہ ہوئے۔ یہود کے بعض صالح اور سلیم الفرت افراد مثلاً عبداللہ بن سلام اور مامون بن یامین وغیرہ جن کو تورات کی پیشین گوئی[1] علماء واحبار کی بار بار یاددہانی اور انصار مکہ کی آمدورفت کے ذریعے آپ کی بعثت کا علم ہو چکا تھا بڑے بے چینی سے آپ کی ہجرت اور مدینہ میں آپ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ جونہی آپؐ جلوہ فرمائے مدینہ ہوئے وہ حلقہ بگوش اسلام ہوگئے[2] اور ان کے ساتھ

---

[1] اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ [2] ابن الہیان نے خاص طور پر ان کو جمع کر کے اس پیشین گوئی کو یاددلایا تھا۔ کتاب میں حضرت اسیدؓ کے حالات میں یہ پورا قصہ مذکور ہے۔ انصار کے سامنے آپؐ نے پہلی بار اسلام پیش کیا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا ایسا نہ ہو کہ اس فضل میں یہود ہم سے سبق لے جائیں اور ہم رہ جائیں' اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہود جانتے تھے کہ خاک بطحا سے وہ نبی عنقریب مبعوث ہونے والا ہے جس کی بشارت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو دی تھی۔ ابھی اوپر حضرت سلمہ کی روایت گزری ہے' جس میں ہے کہ ایک یہودی عالم نے یہود کے ایک مجمع میں آپ کے مبعوث ہونے کا اعلان کیا تھا۔

Marfat.com

بعض اور افراد نے بھی آپ کی نبوت کی صداقت کو تسلیم کیا[1] مگر ان کی تیرہ بختی نے نور حق کو ان کے تاریک قلوب تک پہنچنے نہیں دیا اور وہ مسلمان نہ ہو سکے۔

عبداللہؓ بن سلام اور ابن یامینؓ کے اسلام لانے کا یہود پر بجائے اچھا اثر پڑنے کے اور الٹا اثر پڑا اور انہوں نے اس اقدام حق پر ان کو حد درجہ مطعون اور لعنت ملامت کی۔

سرور دو عالم ﷺ کو ہجرت سے پہلے مکہ ہی میں یہود کی مخالفت اور دشمنی کا علم ہو چکا تھا۔ مدینہ آنے کے بعد اس کا عینی مشاہدہ بھی ہوا۔ اس لیے آپ ﷺ نے مسجد نبویؐ اور کاشانۂ نبوت کی تعمیر کے بعد جو پہلا کام کیا وہ انصار اور یہود مدینہ کے ایک ایک قبیلہ سے معاہدہ امن و صلح تھا' تاکہ یہود کی مخالفت اور زیادہ آگے بڑھنے نہ پائے اور آپ کے اور مسلمانوں کے بارے میں ان کو جو غلط فہمی ہوگئی ہے اس کا ازالہ ہو جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے قبائل یہود سے صرف معاہدہ امن و صلح ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آپؐ نے اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ نے ان کے ساتھ اپنا رویہ نہایت مصالحانہ' خیر خواہانہ اور روادارانہ رکھا۔

آپ ﷺ بہ نفس نفیس ان کے مریضوں کی عیادت کرتے تھے' ان کے جنازے جاتے تو آپ ﷺ احتراماً کھڑے ہو جاتے تھے۔ آپ ﷺ کی مجلس میں ان کو چھینک آتی تو آپؐ دعائیہ کلمات ارشاد فرماتے[2] جب تک کسی مسئلہ میں قرآن کا صریح حکم نازل نہ ہو جاتا آپ تورات کے حکم پر عمل کرتے' اور اس میں خود یہود سے مشورہ کرتے تھے۔ آپ خود اور صحابہ ان ہی کی اتباع میں عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ یہود آپ سے اور مسلمانوں سے بحث و مباحثہ کرتے۔ مگر آپ ﷺ کبھی ناگواری کا اظہار نہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت سلمان فارسیؓ اور چند یہودیوں میں باہم اس بات پر کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

---

[1] مثلاً ابو یاسر بن اخطب نے جب قرآن کی آیتیں سنیں تو اپنے قبیلہ کے پاس آیا اور کہا کہ ہم جس نبی کا انتظام کر رہے تھے وہ آ گئے ہیں۔ ان کی اطاعت کرو مگر اس کے بھائی حی بن اخطب نے اس کی مخالفت کی چونکہ یہ قبیلہ کا سردار تھا اس لیے پوری قوم اس کی ہم آہنگ ہوگئی۔ فتح الباری ج ۸ ص ۲۱۲۔ اس سلسلہ میں بعض واقعات کا تذکرہ آگے آئے گا۔ [2] ترمذی شریف باب اذا اعطس الیھود۔

Marfat.com

افضل ہیں یا حضور انور ﷺ' سخت گفتگو ہوگئی۔ یہود خدمت نبوی ﷺ میں شکایت لے کر آئے۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو۔ اسی طرح ایک مرتبہ حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر آیا تو اس وقت بھی آپ ﷺ نے یہی فرمایا کہ مجھے ان پر فضیلت نہ دو۔

ایک طرف لطف و کرم اور اخلاق و محبت کی بارش تھی کہ بچہ بچہ اس سے سیراب تھا۔ دوسری طرف یہود کا طرز عمل یہ تھا کہ آپ کی مجلسوں میں آتے تو السلام علیکم کے بجائے السام علیکم (تم پر موت آئے) کہتے۔ آپ کی توہین کے لیے راعنا [1] کا لفظ استعمال کرتے۔ آپ سے اور مسلمانوں سے خواہ مخواہ بحث و مباحثہ کرتے' آپ کی شان میں گستاخیاں اور آپ کی نبوت کی تکذیب کرتے۔ مسلمانوں کو طرح طرح سے ستانے کی کوشش کرتے' ان سے بدکلامیاں کرتے' لیکن ان کی مسلسل ایذا رسانیوں' گستاخیوں' شرارتوں' ریشہ دوانیوں' فتنہ آرائیوں اور شرانگیزیوں کے باوجود مسلمانوں کے ہاتھ سے صبر و تحمل کا دامن کبھی نہ چھوٹا اور ہمیشہ ان کے مقابلہ میں وہ حلم و بردباری اور صبر و ضبط اور اسلام کے اعلیٰ اخلاق کا اظہار کرتے رہے اور انہوں نے اس کا خاص طور سے خیال رکھا کہ ان کی طرف سے کوئی ایسی بات نہ ہو جو صلح و امن کے لیے مضر اور اس معاہدہ کے خلاف ہو جو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان ہو چکا تھا۔ چنانچہ قرآن یہود کے اس طرز عمل کے بارے میں مسلمان کو ہدایت دیتا ہے:

﴿ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَٰبَ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا ۚ وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴾ (آل عمران)

''اور تم بہت سی دلآ زاری کی باتیں اہل کتاب (یہود) اور مشرکین سے سنو گے تو تم اگر ان پر صبر کرو گے اور تقویٰ کا طرز عمل اختیار کرو گے تو یہ عزیمت کا کام ہوگا''۔

---

[1] راعنا کے معنی ہیں میری رعایت کیجیے مگر یہود اس کو زبان دبا کر راعینا کہتے تھے جس کے معنی عربی میں ہمارے چرواہے کے ہیں ان کی اس روش کو دیکھ کر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی کہ تم راعنا کے بجائے ''انظرنا'' کا لفظ استعمال کرو تا کہ ان کو آپ کی اہانت کا موقع نہ ملے۔

Marfat.com

شروع سے یہود کے ساتھ مسلمانوں کا جو محبت آمیز برتاؤ تھا اور جس رفق ولینت اور حسن سلوک کے ساتھ وہ ان سے پیش آ رہے تھے اس کا تو تقاضا یہ تھا کہ وہ مسلمانوں سے قریب ہوتے' ان کی دعوت کو قبول کرتے' ان کے معاون و مددگار بنتے' لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان سب کے باوجود وہ اسلام سے بیزار اور مسلمانوں سے دن بدن دور ہوتے جا رہے تھے' اس کے اسباب اور موانع کیا تھے اس کو ہم ذرا تفصیل سے یہاں لکھتے ہیں:

❶ یہود میں متعدد طبقے تھے اور ان میں سے ہر ایک کا بعثت نبوی کے متعلق الگ الگ نظریہ اور خیال تھا۔

(ا) ایک طبقہ تو یہ سمجھتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور تورات کے نزول کے بعد اب کسی اور نبی کی بعثت یا کسی اور کتاب الٰہی کا نزول نہیں ہوگا[1] لیکن یہ بہت محدود تھا اس خیال کے یہود عرب میں زیادہ نہ تھے۔

(ب) دوسرے کا خیال یہ تھا کہ ایک اور نبی کی بعثت تو ہونے والی ہے مگر وہ بنی اسرائیل سے ہوگا' اور اگر بنی اسرائیل سے نہ بھی ہوا تو ہر معاملہ میں کم از کم ان کی تائید ضرور کرے گا چنانچہ انہوں نے بارہا آپ کے سامنے اس کا اظہار کیا۔ حدیث کی کتابوں میں ہے کہ ایک بار دو یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ سے چند سوالات کیے۔ آپ نے جواب دیا' تو کہا کہ بے شک آپ نبی ہیں۔ ارشاد ہوا کہ پھر میری اتباع سے کیوں گریز کرتے ہو۔ کہا حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ نبوت ان ہی کی اولاد (بنی اسرائیل) میں رہے گی۔ اگر ہم آپ کی اتباع کریں گے تو یہود ہم کو قتل کر دیں گے[2]

(ج) تیسرا گروہ وہ تھا جو نہ نبوت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ختم سمجھتا تھا اور نہ اس کو بنی اسرائیل میں محدود' بلکہ وہ انبیاء کی اصل پیشین گوئی اور تورات کے بیان کے مطابق یہ سمجھتا تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے' خواہ عرب میں ہو یا عجم میں۔ یہی یہود

---

[1] التلمود بحوالہ تاریخ الیہود۔ [2] مسند طیالسی ص ۱۶۰ جزء ۵' نسائی باب تحریم الدم۔

Marfat.com

کا اعتدال پسند گروہ تھا اور یہی آپ کی بعثت کا منتظر تھا' اور اسی کے بعض افراد نے اسلام قبول کیا[1] مگر بعض ذاتی مصالح کے تحت بیشتر افراد نے دوسرے گروہ کا راستہ اختیار کیا' اور ان کے ساتھ رہے' اور دولت ایمان سے محروم رہے۔

❷ عام طور پر یہود یہ سمجھتے تھے کہ جو نبی بھی آئے گا' ان کے ہر خیال اور ان کی زندگی کے ہر معاملہ میں ان کی تائید کرے گا' لیکن جب ان کی یہ توقع پوری ہوتی ہوئی نظر نہیں آئی تو انہوں نے مخالفت شروع کر دی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہود جو غلط اور فاسد عقیدہ رکھتے تھے' قرآن نے ابتدائے نزول ہی میں اس کا ابطال کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو راست باز اور ان کو مجرم ٹھہرایا۔

دوسرے انبیاء کرام کے متعلق بھی ان کی دینی کتابوں میں ایسی بے سروپا باتیں' اور ان کے درمیان ایسے قصے عام طور پر مشہور تھے جن سے ان کے دامن عفت پر نعوذ باللہ من ذالک داغ ہی نہیں آتا تھا بلکہ ان کے فساد عقیدہ کا بھی پتہ چلتا تھا۔

قرآن نے اس طرح کے قصوں اور افسانوں کی بھی تردید کی اور انبیاء کی عصمت و عفت کی شہادتیں پیش کیں۔ سورہ انعام' سورۂ مریم' سورۂ صافات میں ایک ایک کا نام لے کر کسی کو صدیقاً نبیاً' کسی کو کان من المخلصین وغیرہ کہا اور سورہ انعام میں تمام مشہور انبیاء کے ذکر کے بعد کہا کل من الصالحین' سب کے سب صالح اور نیکوکار تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو خصوصیت کے ساتھ انہوں نے بہت زیادہ متہم کیا تھا اور عجیب و غریب واقعات بلکہ کفر و شرک تک کو ان کی طرف منسوب کر دیا تھا۔ قرآن نے سورۂ نحل' پھر سورۂ بقرہ میں اس کی تردید کی اور ان کو ان چیزوں سے منزہ قرار دیا۔ اسی طرح دوسرے واقعات و قصص و حکایات کا بھی قرآن نے رد کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ ساری باتیں

---

[1] تفسیر و سیرت میں یہود کے بارے میں بظاہر مختلف و متضاد روایتیں ملتی ہیں اس لیے مطالعہ کرنے والوں کے لیے پریشانی اور انتشار خیال کا باعث بن جاتی ہیں' لیکن اگر یہ تقسیم پیش نظر رہے تو ان شاء اللہ ان روایتوں میں کوئی تضاد نظر نہ آئے گا۔

Marfat.com

یہود کی توقعات کے خلاف تھیں' اس لیے ان کا برافروختہ ہونا بالکل طبعی تھا' اور وہ برافروختہ ہوئے۔

❸ یہود' جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں' ہر طرح کے اخلاق ذمیمہ اور معائب سیئہ میں مبتلا تھے' مگر اس کے باوجود اہل عرب میں عزت وشرف کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے' اس لیے وہ اپنی موجودہ اخلاقی روش پر مطمئن ہی نہیں تھے بلکہ دینی حیثیت سے اس کو اپنے لیے جائز بھی سمجھتے تھے جیسا کہ اہل کتاب کے اموال کے بارے میں انہوں نے اپنے خیال کا اظہار کیا تھا۔ (آل عمران)

اسلام اس کے برخلاف مکارم اخلاق' فضائل ومحاسن کی تعلیم دیتا تھا جس کے فروغ کا لازمی نتیجہ یہودیوں کی موجودہ حالت کا زوال تھا' خصوصیت سے ان کی اقتصادی زندگی تو قطعی موت تھی اور چونکہ وہ اپنی روش کو بدل نہیں سکتے تھے اس لیے انہوں نے مہر ہدایت ہی پر خاک ڈالنی شروع کردی۔ چنانچہ یہود کے جس طبقہ اور قبیلہ میں جتنی ہی اخلاقی کمزوریاں زیادہ تھیں اتنا ہی وہ اسلام کی دشمنی میں پیش پیش تھا۔

❹ یہود نے شرف ونجابت کا مدار ایمان وعمل کی بجائے نسل و ذات پر رکھا تھا اسلام آیا تو اس نے شرف وعزت' نجابت وبخشایش کا مدار ایمان وعمل قرار دیا۔ اس نے یہ اصول بتایا:

﴿ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَخَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ﴾ [1]

''اور جو نیک عمل اپنے لیے آگے بھیج دو گے اس کو اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤ گے''۔ (مزمل:۲)

شرف وعزت کا یہ معیار قرار دیا:

﴿ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ﴾ (حجرات: ۲)

''تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے''۔

---

[1] یہ آیت سورۂ مزمل کی ہے جو ابتدائی سورتوں میں ہے۔

Marfat.com

چونکہ قرآن کے ان اعلیٰ اخلاقی اصولوں سے ان کے مزعومہ شرف وعزت کے قلعہ کی دیواریں مسمار ہو رہی تھیں اس لیے وہ چراغ پا ہو گئے۔

5 اسلام سے پہلے اہل عرب عام طور سے علمی اور دینی اعتبار سے بالکل بے مایہ تھے اور یہودیوں میں علم بھی تھا اور مذہب بھی۔ اس لیے وہ قدرتی طور پر عربوں کو اپنے سے کم تر، حقیر اور بے مایہ سمجھتے تھے، خود عربوں کو بھی ان کی برتری کا اعتراف تھا، ان میں اسلام آیا اور انہوں نے اس کی تعلیمات کو قبول کیا تو ان کی دینی اور علمی بے مائگی دور ہونے لگی اور ان کا احساس برتری خود بخود بیدار ہونے لگا۔ قاعدہ ہے کہ جب کوئی قوم کسی شرف وفضل کی حامل ہوتی ہے تو طبعاً کسی دوسری قوم کو اس کا شریک بنا پسند نہیں کرتی چاہے اس عزت وشرف کی خصوصیات کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی اس میں باقی نہ رہ گیا ہو اس بنا پر یہود اپنے فضل وشرف میں عربوں کو شریک اور اپنے اوصاف وخصوصیات ان کی طرف منتقل ہوتے ہوئے کیسے دیکھ سکتے تھے۔

6 ظہور اسلام سے پہلے عربوں میں آپس میں نہ کوئی وحدت تھی، نہ اخوت، بلکہ ہر طرف اختلاف انتشار اور ظلم وستم کا دور دورہ تھا، وہ بے شمار قبیلوں اور خاندانوں میں بٹے ہوئے تھے جب اسلام آیا تو اس نے ان چیزوں کو مٹایا، اس نے اختلاف کو اتحاد سے، انتشار کو وحدت سے بدلا، ظلم وستم کی بجائے اخوت ومساوات کی تعلیم دی جس کی وجہ سے عربوں میں اخوت ومساوات اور اتحاد واتفاق کی نئی روح دوڑنے لگی۔ پھر مدینہ پہنچ کر آپ نے اس کا علمی نمونہ پیش کیا کہ انصار کے قبائل کو جو برسوں سے آپس میں لڑتے آ رہے تھے ان کو شیر وشکر کر دیا، پھر اس سے بھی بڑھ کر مہاجرین اور انصار میں آپ نے مواخات یعنی بھائی چارہ کرا دیا۔ انصار کے قبائل خصوصیت سے اہل مکہ اور اہل مدینہ میں صدیوں سے اختلاف چلا آ رہا تھا اور یہود اس سے برابر فائدہ اٹھاتے رہتے تھے۔ اس لیے ان کو متحد ومتفق ہوتے اور گلے ملتے کیسے دیکھ سکتے تھے۔

پھر اس اخوت ومساوات کی فضا سے عربوں ہی کو فائدہ نہیں پہنچا، بلکہ خود یہود مدینہ میں ضعیف اور کمزور طبقہ تھا اس کے دلوں میں بھی نئے حوصلے اور انقلابی عزائم کروٹ

Marfat.com

لینے لگے۔ حضرت عبداللہؓ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہود مدینہ دو طبقوں میں بٹ گئے تھے ایک غالب اور مضبوط تھا' دوسرا مغلوب اور مقہور' غالب طبقہ ان غریب یہودیوں پر ہمیشہ ظلم وستم کرتا رہتا تھا۔ حتیٰ کہ اگر غالب گروہ کا کوئی آدمی مغلوب گروہ کے ہاتھوں مارا جاتا تو ان کو سو وسق دیت دینی پڑتی اور اگر اس کے برعکس ہوتا تو وہ ان کو صرف پچاس وسق دیتے یہ ظلم وستم کا بازار اسی طرح گرم تھا کہ آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے' آپ کی آمد کے بعد ایک بار اسی طرح کا ایک معاملہ پیش آیا تو مغلوب گروہ نے دیت دینے سے انکار کیا' اور غالب گروہ کے پاس کہلا بھیجا کہ:

انا انما اعطینا کم ھذا ضیماً منکم لنا و فرقامنکم فاما اذا قدم محمد فلا نعطیکم ذلک. (مسند احمد ج ۱ ص ۲۴۶)

''ہم اب تک زیادہ دیت صرف تمہارے ظلم اور خوف کی وجہ سے دیتے رہے ہیں' اب جب کہ محمد (ﷺ) کے آنے کے بعد (ظلم وزیادتی کا خوف نہیں ہے) تو ہم زیادہ دیت نہیں دے سکتے''۔

ظاہر ہے کہ یہ چیزیں یہود کے لیے کس قدر سوہان روح ہوئی ہوں گی۔

7 یہود کی مخالفت کے اسباب میں ایک سبب تحویل قبلہ بھی ہے۔ جب تک مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس تھا' عام عربوں اور مسلمانوں میں اس کی وجہ سے ان کی ایک عظمت باقی تھی مگر جب تحویل کعبہ ہوا تو ان کی اس عظمت کو ایک اور دھکا لگا۔ ان کی مخالفت پہلے ہی سے کیا کچھ کم تھی اب اس میں اور بھی اضافہ ہوگیا' پہلے وہ یہ کہہ کر لوگوں کے سامنے اسلام کی اہمیت کم کرتے تھے کہ محمد (ﷺ) تو ہمارے ہی قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔ اب وہ یہ کہہ کر مخالفت کرنے لگے کہ یہ نبی عجیب دین لے کر آئے ہیں کہ جن کا قبلہ بھی بدلتا رہتا ہے اور پھر یہ کہتے ہیں کہ جو لوگ اس سے پہلے والے قبلہ کی طرف رخ کر کے عبادت کر چکے ہیں خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ ان کی تمام عبادتیں اکارت گئیں چنانچہ ان کے اس کہنے سننے کا اثر مسلمانوں پر بھی پڑا' اس لیے قرآن نے ان تمام اعتراضات کا جواب دیا۔ سورۂ بقرہ رکوع ۱۷ و ۱۸ میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔

Marfat.com

اس تحویل قبلہ کا اثر ان پر اسی قدر پڑا کہ جو اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے' مثلاً کعب بن اشرف' رفاعہ بن قیس اور قردم بن عمرو غیرہ آپ کی خدمت میں آئے اور کہا یا محمد (ﷺ) یہ کیا بات ہے کہ تم نے قبلہ تبدیل کر دیا۔ اگر آپ پہلے قبلہ کی طرف پھر لوٹ جاؤ تو ہم تمہاری تصدیق اور اتباع کریں گے[1]

ظاہر ہے کہ یہ بات انہوں نے کسی اخلاص کی بنا پر نہیں کی تھی' نہ یہ منشاء تھا کہ وہ دین اسلام کو قبول ہی کر لیں' بلکہ اس تحویل قبلہ سے ان کے وقار اور ان کی دینی عظمت کو جو دھکا لگا تھا چاہتے تھے کہ اس طرح اس کو سنبھال لیں اور پھر ان کو یہ بھی خیال تھا کہ اگر وہ دوبارہ بیت المقدس کو قبلہ بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے تو عام عربوں اور کمزور مسلمانوں کو برگشتہ کرنے کا ان کو موقع مل جائے گا۔

● ان موانع کے باوجود جو نیک فطرت اور حق پسند افراد تھے' وہ اسلام کی حقانیت کے قائل بلکہ اس کے قبول کر لینے کی طرف بھی مائل تھے' مگر چونکہ عام یہودی آبادی اس کی مخالف تھی' اس لیے وہ ان کے خوف سے قدم آگے نہیں بڑھا سکے۔ اس سلسلہ میں احادیث و سیر میں متعدد واقعات ملتے ہیں۔

مسند طیالسی اور نسائی میں ہے کہ کچھ یہود آپ کے پاس آئے اور انہوں نے آپ سے تسع بینات[2] کے متعلق سوال کیا' ارشاد ہوا کہ شرک نہ کرو آپس میں قتل و خونریزی نہ کرو' چوری اور زنا سے پرہیز کرو' جادوگری اور سودخوری سے باز آؤ' پاکباز عورتوں پر تہمت نہ لگاؤ' بزدلی نہ دکھاؤ' کسی کمزور و بےقصور کو ناحق کوئی الزام رکھ کر قتل کرنے یا اس کے مال کے لینے[3] کی کوشش نہ کرو۔ آپ جب یہ سب کچھ ارشاد فرما چکے تو انہوں نے آپ کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا اور پکار اٹھے:

---

[1] طبری میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ [2] قرآن میں ہے کہ ولقد اتینا موسیٰ تسع ایات بینات اس روایت میں اسی طرف اشارہ ہے تسع آیات کیا ہیں' اس میں اختلاف ہے۔

[3] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ تمام عیوب ان میں موجود تھے۔

Marfat.com

نشھد انک نبی. ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک نبی ہیں''۔

آپ ﷺ نے فرمایا جب تمہیں میری نبوت تسلیم ہے تو میری اتباع کرنے میں کیا چیز مانع ہے انہوں نے کہا:

انا نخشی تبعناک ان یقتلنا الیھود. (مسند طیالسی ص ۱۶۰ جزء ۵ ونسائی)

''ہم کو ڈر ہے کہ اگر ہم نے آپ کی اتباع کی تو یہودی ہمیں مار ڈالیں گے''۔

اسی طرح کعب بن اشرف جو بڑا مالدار یہودی تھا' اس کے متعلق زرقانی میں ہے کہ ''اس کے یہاں سے تمام یہودی علماء و احبار کو وظیفے ملتے تھے رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد جب وہ ایک بار اس کے پاس اپنے وظائف لینے آئے تو اس نے کہا اس شخص محمد (ﷺ) کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے انہوں نے کہا کہ:

ھو الذی کنا ننتظر. ''یہ وہی ہیں جن کا ہم انتظار کر رہے تھے''۔

چونکہ یہ جواب اس کی توقع کے خلاف تھا' اس لیے یہ کہہ کر کہ میرے مال میں اور بہت سے لوگوں کے حقوق ہیں' وظیفہ دینے سے انکار کر دیا۔ علماء و احبار اس کے یہاں سے لوٹے تو ان کو اپنے اظہار حق پر بڑا رنج ہوا۔ دوبارہ واپس آئے اور کعب سے عرض کیا کہ ہم نے عجلت میں جواب دے دیا تھا۔ بعد میں جب ہم نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ ہم نے جواب میں غلطی کی' یہ محمد (ﷺ) وہ منتظر نبی نہیں ہیں۔ اس کے بعد کعب نے ان کے وظائف جاری کر دیئے اور یہ اعلان کر دیا کہ:

لکل من تابعھم من الاحبار شیئاً مالہ. (ج ۲ ص ۹۔۱۰)

''جو علمائے یہود (آپ کی نبوت کی تکذیب میں) ان احبار کا اتباع کریں ان کو بھی کچھ نہ کچھ وظیفہ ملے گا''۔

اوپر جو اسباب و موانع بیان کیے گئے ہیں ان سے یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہود کی مخالفت اور اسلام دشمنی کسی حقانیت اور کسی ٹھوس بنیاد پر نہیں تھی بلکہ اس میں صرف ان کی نفسانیت خود غرضی اور دنیاوی مصلحتیں کام کر رہی تھیں اور ان کو چھپانے کے لیے وہ مذہب کی آڑ لے رہے تھے۔

Marfat.com

یہود سے معاہدہ:

اوپر ان کے اور مسلمانوں کے تعلقات کے سلسلہ میں ہم معاہدہ کا ذکر رہے تھے کہ ضمناً ان اسباب وموانع کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوا' جن کی وجہ سے یہود اسلام کی طرف بڑھنے کی بجائے اس سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ اب پھر اس سلسلہ بحث کو ہم شروع کرتے ہیں۔ معاہدہ انصار اور یہود دونوں سے ہوا تھا' جو حصہ یہود سے متعلق تھا اس کا خلاصہ یہ ہے:

1. یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔
2. یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔
3. یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔
4. قریش اور ان کے حلیف قبائل کو کوئی امان نہ دے گا۔
5. کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا' لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی۔
6. مدینہ پر کوئی حملہ کرے گا تو دونوں فریق مل کر مقابلہ کریں گے۔
7. خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آ رہا تھا' وہ بدستور قائم رہے گا۔
8. یہود اور انصار میں اگر کوئی اختلاف ہوگا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

یہ آخری دفعہ انصار اور یہود دونوں کے معاہدات میں موجود ہے۔ یہ معاہدہ ۴۷ دفعات پر مشتمل ہے جن میں تقریباً بائیس دفعات یہود سے متعلق ہیں جس کا خلاصہ یہاں بیان کر دیا گیا ہے۔ یہود کے معاہدہ میں یہ بات کئی بار دہرائی گئی ہے کہ جو شخص یا قبیلہ عہد شکنی کرے گا اس کو اس کا وبال اٹھانا پڑے گا۔

اس معاہدہ کے سلسلہ میں دو باتیں قابل غور ہیں' ایک یہ کہ کس سنہ میں ہوا' اور دوسری یہ کہ اس میں یہود کے مشہور قبائل مثلاً بنوقریظہ' بنونضیر اور بنوقینقاع کا ذکر کیوں نہیں ہے؟

Marfat.com

تمام ارباب سیر معاہدہ کا ذکر ہجرت کے پہلے سال کے سلسلہ واقعات میں کرتے ہیں لیکن ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اپنی کتاب ''عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی'' کے صفحہ ۸۵۔۸۶ میں یہود کے معاہدہ کے بارہ میں لکھا ہے کہ یہ غزوہ بدر کے بعد یعنی ۳ ہجری میں مرتب ہوا اس پر انہوں نے علمی طور پر کچھ دلائل بھی دیئے ہیں' مگر عاجز کو ڈاکٹر صاحب موصوف کی رائے سے اختلاف ہے اور اس کے لیے اس کے پاس دلائل بھی ہیں' جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ معاہدہ کا انعقاد اگر غزوۂ بدر کے بعد تسلیم کیا جائے تو پھر بنوقینقاع کے زمانہ اخراج کو کچھ آگے بڑھانا پڑے گا۔ اس لیے کہ ۲ ہجری کے رمضان میں غزوۂ بدر پیش آتا ہے اور شوال کے مہینہ میں بنوقینقاع کا اخراج عمل میں آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان سے معاہدہ کرنے اور ان کے اخراج میں اتنا کم فصل کسی طرح قرین قیاس نہیں ہوسکتا۔

اس معاہدہ میں یہود کے کسی مشہور قبیلہ کا ذکر نہیں ہے' بلکہ زیادہ تر ان ذیلی قبائل کا ذکر ہے جو جدید الیہود یہ تھے۔ اس لیے خیال ہوتا ہے کہ یا تو ان سے اس سے الگ کوئی دوسرا معاہدہ ہوا' یا پھر ان قبائل میں سے ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ معاہدہ ہوا۔

یہ بات اس لیے بھی قرین قیاس ہے کہ اس معاہدہ میں دس یہودی قبائل کا الگ الگ ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کا ہر قبیلہ اپنی ایک علیحدہ وحدت اور جداگانہ حیثیت کے ساتھ اس میں شریک ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان میں سے کسی قبیلہ نے مسلمانوں سے جنگ کی تو دوسرے خاموش رہے' بلکہ بعض مواقع پر تو انہوں نے اپنے ہم مذہبوں کے علی الرغم مسلمانوں کی مدد بھی کی' اگر تمام یہودی قبائل کا یہ متحدہ معاہدہ ہوتا تو کسی ایک سے جنگ چھڑ جانے پر دوسرے خاموش نہ رہتے۔

یہود مدینہ کا نقض معاہدہ جنگ اور ان کا خاتمہ:

اب تک ان کی جو روش تھی اس سے مسلمانوں کو ہر وقت یہ خطرہ لاحق تھا کہ معلوم نہیں کس وقت وہ نقض عہد کر کے ان پر حملہ کر دیں۔ اسی خطرہ کی وجہ سے جب تک یہود مدینہ میں رہے' آپ جب کسی غزوہ میں مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو مدینہ کی

Marfat.com

حفاظت کا پورا انتظام فرما جاتے۔ یہی نہیں، بلکہ آہستہ آہستہ وہ معاہدہ کی ان رعایتوں کو بھی ختم کرتے جاتے تھے، جن کا مرعی رکھنا ان کے لیے ضروری تھا۔ غزوۂ بدر میں معاہدہ کی رو سے ان کو مسلمانوں کی مدد کرنی چاہیے تھی، مگر انہوں نے کوئی مدد نہیں کی، پھر بھی ان کو اس پر نہ کوئی شرمندگی ہوئی اور نہ ان کے طرز عمل میں کوئی فرق آیا بلکہ بنوقینقاع نے تو غزوۂ بدر کے فوراً بعد ہی نقض[1] معاہدہ کا اعلان کر دیا، اور اس کا مظاہرہ بھی شروع کر دیا۔ یعنی یہ کہ ایک مسلمان عورت کی کھلے بازار میں انہوں نے بے حرمتی کی، لیکن آپ نے نقض معاہدہ اور اس واقعہ کے بعد بھی ان کے خلاف جارحانہ اقدام نہیں کیا، بلکہ اتمام حجت کے طور پر ان کو جمع کر کے سمجھانے کی کوشش کی، اور ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، لیکن وہ کسی طرح نہ مانے اور انکار وجود پر قائم رہے تو آخر میں آپ نے فرمایا کہ خدا سے ڈرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ قریش کی طرح عذاب الٰہی تم کو بھی پالے۔ انہوں نے کہا ہم قریش نہیں ہیں ہم سے جنگ ہوگی تو معلوم ہوگا،[2] چونکہ اس افہام وتفہیم کے بعد اب مزید مہلت کا موقع باقی نہیں رہ گیا تھا اس لیے مسلمانوں نے ان کے مکانوں کا محاصرہ کر لیا، آخر کار انہوں نے مدینہ چھوڑ دینے پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا اور وہاں سے وادی القریٰ، پھر کچھ دنوں کے بعد شام چلے گئے۔[3]

اس قبیلہ کے بعض افراد کا اس کے بعد بھی مدینہ میں پتہ چلتا ہے۔ ممکن ہے کہ جن لوگوں نے معافی مانگ لی ہو، ان کو رہنے کی اجازت مل گئی ہو۔

بنوقینقاع کے اخراج کے بعد بھی یہود کے دوسرے قبائل کو کوئی عبرت حاصل نہ ہوئی اور نہ انہوں نے اپنی روش میں کوئی تبدیلی پیدا کی، بلکہ اب پہلے سے بھی زیادہ انہوں نے اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دیں، خفیہ ساز باز کی، قریش کو درپردہ مدد دی۔

---

[1] غزوۂ بدر کے بعد فوراً نقض معاہدہ کی وجہ بجز اس کے کچھ سمجھ میں نہیں آئی کہ انہوں نے سمجھا کہ مسلمان اس وقت کمزور ہیں۔ اگر ان پر حملہ کر دیا جائے تو بآسانی ختم ہو سکتے ہیں۔

[2] واقدی ص ۱۸۰۔ [3] واقدی ص ۲۶۲۔

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی، غرض معاہدہ کی ایک ایک دفعہ کو انہوں نے عملاً توڑ ڈالا تو ان کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا گیا اور ان کو اس کی سزا بھگتنی پڑی۔ اس لیے کہ معاہدہ میں بار بار یہ بات دہرائی گئی تھی کہ جو ظلم یا نقض معاہدہ کرے گا اس کو اس کا وبال اٹھانا پڑے گا۔ یعنی ۴ ہجری میں بنو نضیر کا مدینہ سے اخراج ہوا اور ۵ ہجری میں بنو قریظہ کا استیصال کیا گیا۔

ہم نے یہاں قصداً بہت اختصار سے کام لیا ہے اس لیے کہ اس مختصر مقدمہ میں ان واقعات کی پوری تفصیل کی گنجائش نہیں ہے، حالانکہ اس سلسلہ میں عاجز کے مطالعہ میں بعض ایسی چیزیں بھی آئی ہیں جو سیرت کی متداول کتابوں میں نہیں ملتیں، مگر یہاں ان کے تذکرہ کا بھی موقع نہیں ہے۔

۴ ہجری میں بنو نضیر کے اخراج کے بعد مدینہ کی داخلی فضا بڑی حد تک پرسکون ہو گئی، مگر مدینہ کے باہر کی فضا مسلمانوں کے حق میں پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو گئی، یہود مدینہ سے نکلے تو بنو قینقاع تو وادی القریٰ ہوتے ہوئے شام چلے گئے، مگر بنو نضیر خیبر میں قیام پذیر ہو گئے۔ خیبر مدینہ کے بعد یہود کا دوسرا بڑا مرکز تھا، یہاں پہنچ کر وہ خاموش نہیں بیٹھے بلکہ اپنی ریشہ دوانیاں برابر جاری رکھیں، انہوں نے خیبر کے یہود اور آس پاس کے تمام عرب قبائل کو مدینہ پر حملہ کے لیے تیار کیا۔ ان کا ایک وفد قریش کے پاس بھی گیا۔ اس وفد کا سرگروہ حی بن اخطب تھا اس سے اور قریش سے جو گفتگو ہوئی اسے ہم نقل کرتے ہیں تاکہ ان کی ریشہ دوانیوں کا پورا اندازہ ہو جائے۔

قریش: بنو نضیر کے لوگ کہاں ہیں، اور کیا کر رہے ہیں؟

حی بن اخطب: ترکتھم بین خیبر والمدینۃ یترددون حتی تاتوھم فتیسروا معھم الی محمد واصحابہ[1] ''میں نے ان کو خیبر اور مدینہ کے درمیان چھوڑ دیا ہے وہ گشت کر رہے ہیں اور تمہاری آمد کا انتظام کر رہے ہیں تم کو

---

[1] مغازی واقدی ص ۲۰۶۲ مطبوعہ بپٹسٹ پریس کلکتہ۔

Marfat.com

محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب پر حملہ میں اپنے ساتھ پاؤ گے"۔

قریش: بنی قریظہ کا کیا حال ہے؟

حی بن اخطب: اقاموا بالمدینة مکرابمحمد حتیٰ تاتوھم فیمیلوا معکم "بنو قریظہ مدینہ میں محمد (ﷺ) کو دھوکا دینے کی غرض سے مقیم ہیں' جب تم مدینہ پہنچو گے تو وہ تمہارے ساتھ حملہ کر دیں گے"۔

اس سے دو باتوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک یہ کہ ان کی سازش کا جال کتنی دور تک پھیلا ہوا تھا۔ دوسری یہ کہ بنو نضیر کے اخراج کے وقت بنو قریظہ جو خاموش تھے تو درحقیقت اس میں ان کی ایک سیاسی چال اور سازش پوشیدہ تھی جو غزوۂ خندق کی صورت میں ظاہر ہوئی جس میں حجاز کے تمام مشہور قبائل شریک تھے لیکن نصرت خداوندی اور مسلمانوں کے حسن تدبیر سے ان کو زبردست شکست ہوئی۔

بنو قریظہ جس مقصد سے اب تک مدینہ میں رکے ہوئے تھے اس کا اس موقع پر انہوں نے درپردہ اظہار بھی کیا' مگر ناکامی کے آثار دیکھ کر وہ کھل کر سامنے نہیں آئے۔ آنحضرت ﷺ کو تو ان کی درپردہ کیادیوں اور فساد انگیزیوں کا چونکہ علم ہو چکا تھا اس لیے غزوۂ خندق کے فوراً بعد ہی مدینہ سے ان کا بالکل استیصال کر دیا گیا۔

یہود خیبر سے جنگ:

غزوۂ خندق کی عبرتناک شکست اور بنو قریظہ کی شدید ناکامی کے بعد بھی یہود کو تنبیہ نہیں ہوئی اور وہ دوبارہ خیبر اور اس کے آس پاس کے قبائل میں جنگ کی آگ بھڑکانے کی فکر میں لگ گئے۔ اس وقت یہود خیبر کا سردار اسیر بن رزام تھا۔ اس نے تمام عرب قبائل میں دورہ کیا اور مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے ان کو ابھارا۔ یہود کے سامنے تقریر کی کہ ہمارے پیش رووں نے محمد (ﷺ) کے مقابلے میں جو تدبیریں اختیار کیں' وہ غلط تھیں۔ صحیح تدبیر یہ ہے کہ خود محمد (ﷺ) کے مرکز حکومت پر حملہ کیا جائے اور میں یہی طریقہ اختیار کروں گا۔[1]

---

[1] زرقانی ج ۲ ص ۱۹۶۔

Marfat.com

امام سرخسی کے ایک بیان سے پتہ چلتا ہے کہ یہود خیبر اور اہل مکہ کے درمیان بھی ایک خفیہ معاہدہ ہوا تھا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

لما کان بین اهل مکة واهل خیبر من المواخاة علی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا توجه الی احد الفریقین اغار الفریق الاخر[1]

''اہل مکہ اور اہل خیبر (یہود) کے درمیان یہ معاہدہ تھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ دونوں میں سے کسی فریق پر حملہ کریں تو دوسرا فریق اس کی جنگی مدد کرے گا''۔

ایک طرف یہود کے مکروفریب کا یہ جال بچھا ہوا تھا دوسری طرف اہل خود اہل مکہ غزوۂ خندق کی ذلت انگیز شکست کے بعد انتقام کی تیاریاں کر رہے تھے' جس کی اطلاعیں برابر بارگاہ رسالت میں پہنچتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لیے بیک وقت دونوں دشمنوں سے مقابلہ کرنا آسان نہ تھا۔ دوسرے اس وقت اہل مکہ سے کہیں زیادہ اہل خیبر کی طرف سے حملہ کا خطرہ تھا۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے تو اہل مکہ سے حدیبیہ میں صلح کر لی تا کہ دشمن کا ایک بازو بیکار ہو جائے امام سرخسی لکھتے ہیں:

فوادع اهل مکة حتی یامن جانبهم[2]

''اہل مکہ سے آپ نے معاہدہ صلح کر لیا' جس سے آپ کو غنیم کے ایک گروہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا''۔

اور اہل خیبر کے خلاف جارحانہ اقدام کر دیا۔ چونکہ یہ معرکہ مختلف حیثیتوں سے بہت سخت تھا اس لیے آپ نے مدینہ میں یہ اعلان فرما دیا کہ:

لا یخرجن معنا الا راغب الجهاد.

''صرف وہی لوگ ساتھ چلیں جن کی نیت جہاد کی ہو''۔

اس کے دو مقصود تھے' ایک تو یہ کہ بزدل' غنیمت کے حریص اور منافقین نہ جانے پائیں اور دوسرا یہ کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ اقدام ملک گیری کے لیے نہیں' بلکہ اعلاء کلمۃ اللہ

---

[1] شرح السیر الکبیر ج اص ۲۰۱۔ [2] مبسوط ج ۲۳ ص ۹۔

Marfat.com

اور حفاظت خود اختیاری کے لیے ہے۔

مسلمان مدینہ سے خیبر کے لیے روانہ ہوئے تو یہود کے بعض حلیف قبیلوں نے راستہ میں ان سے کچھ چھیڑ چھاڑ کرنی چاہی مگر مسلمان ان تمام موانع سے بچتے ہوئے خیبر پہنچ گئے۔

اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ خیبر کے یہود نہایت مالدار اور جنگی حیثیت سے نہایت مضبوط تھے ان کے پاس متعدد نہایت مضبوط اور مستحکم قلعے تھے' جن میں یعقوبی کے بیان کے مطابق بیس ہزار مسلح سپاہی موجود تھے۔ اس سے پہلے مسلمانوں کو اتنا سخت کوئی معرکہ پیش نہیں آیا تھا۔ تقریباً تین ہفتہ تک مسلسل جنگ ہوتی رہی۔ مسلمانوں کو بہت سخت مقابلہ کرنا پڑا۔ یہود قلعہ بند ہو کر لڑ رہے تھے پھر ان کے پاس منجنیقیں تھیں' جنہیں وہ اس موقع پر استعمال کر رہے تھے' لیکن آخر کار یہود کے تمام قلعے جن پر ان کو ناز تھا' یکے بعد دیگرے فتح ہو گئے اور ان کو شکست فاش اٹھانی پڑی۔

خیبر کے یہود کی گزشتہ ریشہ دوانیاں تو ایسی تھیں کہ وہ کسی رعایت اور مروت کے مستحق نہیں تھے' مگر رحمت عالم ﷺ نے نہ صرف یہ کہ ان کے ساتھ کوئی سختی نہیں کی بلکہ ان کے ساتھ بہت خیر خواہانہ اور فیاضانہ سلوک کیا۔ ان کے قلعے' مکانات' باغات سب واپس کر دیئے' ان کی زمینیں ان کے پاس رہنے دیں اور طے کیا کہ ان میں جو پیداوار ہوگی اس کا نصف حصہ وہ برابر حضور ﷺ کو دیتے رہیں گے۔

اس ضمن میں دو ایک واقعے قابل ذکر ہیں۔ اثنائے جنگ میں یہودیوں کا ایک چرواہا جس کے ساتھ جانوروں کا ریوڑ بھی تھا' آ کر مسلمان ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ جاؤ جانوروں کو ان کے مالک کے پاس پہنچا آؤ۔

دوران جنگ میں تورات کے کچھ نسخے مسلمانوں کے ہاتھ آ گئے تھے وہ ان کو واپس کر دیئے گئے[1]

---

[1] آنحضرت ﷺ کی سیاسی زندگی ص ۳۴۱۔

Marfat.com

یہاں تک رعایت کی گئی کہ خیبر میں کوئی مسلمان امیر تک نہیں مقرر کیا گیا' بلکہ مسلمان تحصیل دار سال بسال وہاں جاتے تھے اور غلہ وصول کرتے تھے' وہ غلہ کی وصولی میں اس قدر عدل و انصاف برتتے تھے کہ غلہ کو دو حصوں میں برابر تقسیم کر دیتے تھے اور یہودیوں سے کہتے کہ ان میں سے جو چاہو لے لو۔ یہ دیکھ کر یہود کہتے کہ اسی عدل و انصاف کی وجہ سے زمین و آسمان قائم ہیں[1]

اس موقع پر ایک طویل بحث یہود کے خیبر چھوڑنے کی بھی ہے' مگر ہم اس کو بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہیں۔

حجاز کے دوسرے حصوں کے یہود جنگ خیبر کے نتیجہ کا انتظار کر رہے تھے جو ان کے ہم مذہبوں کی شکست کی صورت میں برآمد ہوا۔ ان کی شکست اور سقوط خیبر کے بعد ہمیشہ کے لیے حجاز سے یہود کا سیاسی اور جنگی زور ختم ہو گیا۔ امام سرخسی لکھتے ہیں:

ان الیهود بالحجاز کانوا ینظرون مایؤل الیه حال النبی صلی الله علیه وسلم مع اهل خیبر فقد کانوا عز الیهود بالحجاز فلما صاروا مقهورین ذلت سائر الیهود انقادوا.

''حجاز کے تمام یہود اہل خیبر اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان جو جنگ تھی اس کے نتیجہ کا انتظار کر رہے تھے۔ اس لیے کہ خیبر کے یہود حجاز کے یہودیوں میں سب سے زیادہ غالب' معزز اور صاحب اثر تھے' جب وہ مغلوب ہو گئے تو سارے یہودی منقاد و مطیع ہو گئے''۔

چنانچہ اس کے بعد فدک' تیما' وادی القریٰ اور بنو عذرہ کے یہودیوں نے یکے بعد دیگرے اطاعت قبول کر کے صلح کر لی۔

حجاز سے باہر مقنا' جرباء' اذرح وغیرہ میں جو یہود تھے' ان میں سے بیشتر نے ۸ ہجری و ۹ ہجری کے درمیان اطاعت قبول کی' غرض یہ ہے کہ خیبر کی شکست کے بعد یہود کی

---

[1] مبسوط سرخسی ج ۲۳ ص ۷۔

Marfat.com

قوت و عزت کا خاتمہ ہو گیا اور پھر ان کے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

ابھی یہود بعد از اسلام کی تاریخ کے بہت سے گوشے' مثلاً اسلامی علوم وفنون کی ترقی و خدمت میں انہوں نے کیا حصہ لیا۔ اس کے کیا مفید و مضر اثرات مرتب ہوئے۔ مسلمانوں کے تمدن و معاشرت پر انہوں نے کیا اثر ڈالا اور اسلامی تمدن و معاشرت سے انہوں نے کیا اثرات قبول کیے' وغیرہ تشنۂ تفصیل ہیں' لیکن ہم کو قارئین کتاب کی درماندگی نظر کا احساس ہے اس لیے اس موضوع کو کسی اور فرصت کے لیے اٹھا رکھتے ہیں اور نصاریٰ کی تاریخ کی طرف توجہ کرتے ہیں' جو اس مقدمہ کا دوسرا اہم حصہ ہے۔

Marfat.com

نصاریٰ

اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ عربوں سے دوسری قوموں کے تعلقات کے جو تین بڑے ذریعے تھے ان میں سے ایک عیسائیت بھی تھی جزیرۂ عرب میں اس کی ابتداء کب اور کس طرح ہوئی۔ اس کو سب سے پہلے عرب کے کن قبائل نے قبول کیا' صحیح طور سے ان کی نشاندہی مشکل ہے' تاہم عرب کے نصاریٰ[1] کی تاریخ سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ یہود کے برخلاف جزیرۂ عرب میں ان کی آمد اور عیسائیت کی ترویج و ترقی کے اسباب زیادہ تر سیاسی اور کسی حد تک تبلیغی اور تجارتی تھے' یہودیا تو یہاں ہجرت کر کے آئے تھے' یا تجارت کی غرض سے آئے اور پھر یہاں آ کر آباد ہو گئے جس کی وجہ سے یہودیت کو فروغ ہوا۔ اس کے برعکس یہاں عیسائیت کی ابتداء اور اس کی اشاعت زیادہ تر حکومت کے سایہ میں ہوئی۔ تجارتی آمدورفت سے بھی کسی قدر اس میں مدد ملی اور عیسائی مشنریوں اور پادریوں نے بھی اس کی اشاعت میں حصہ لیا' مگر یہ سب حکومت کے کارندے تھے۔ تاریخ سے یہ بالکل پتہ نہیں چلتا کہ خود عیسائیوں کا کوئی طبقہ یا قبیلہ کہیں باہر سے ہجرت کر کے جزیرہ میں آیا ہو اور یہاں بس گیا ہو اس لیے یہ سمجھنا چاہیے کہ عرب میں جو عیسائی تھے وہ سب خالص عربی النسل تھے۔

عرب کے پڑوس میں روم و حبشہ عیسائی حکومتیں قائم تھیں' جن کے اثرات سے یہاں عیسائیت کو فروغ ہوا' اس لیے پہلے ان کے اور عربوں کے تعلقات پر ایک سرسری نظر ڈال لینی چاہیے۔

---

[1] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو عیسائی اور نصرانی دونوں کہتے ہیں۔ نصاریٰ اسی نصرانی کی جمع ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام کی طرف ان کی نسبت ہوتی ہے تو عیسائی کہے جاتے ہیں اور جب آپ کے وطن ناصرہ کی طرف نسب ہوتی ہے تو نصرانی کہلاتے ہیں۔

Marfat.com

رومیوں اور عربوں کے قدیم تعلقات:

قدیم زمانہ سے عربوں کی تجارت تقریباً تمام قریب و بعید ملکوں میں تھی، چین، ہندوستان، افریقہ اور یورپ تک عرب اپنا مال تجارت لے جاتے تھے۔ خصوصیت سے ایشیائے کوچک اور رومیوں کے تعلقات کا ذریعہ تو عرب تاجر ہی تھے[1] لیبان نے لکھا ہے کہ ۲ صدی قبل مسیح سے پہلے سے رومیوں اور عربوں کے تعلقات کا پتہ چلتا ہے، مگر رومی و یونانی مورخین اس سے بہت کم واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مسالے، عطریات، ملبوسات اور جواہرات وغیرہ قسم کی چیزیں جو ہندوستان و چین سے آتی تھیں اور عربوں کے ذریعہ سے دوسرے ممالک کو جاتی تھیں، وہ عرب ہی کی پیداوار اور حاصلات سمجھتے تھے۔ اسی لالچ میں رومیوں نے کئی بار جزیرۂ عرب کو فتح کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوئے[2]

عربوں اور رومیوں کے یہ تعلقات اس وقت تھے جب رومی صرف رومی تھے، عیسائی نہیں ہوئے تھے، لیکن ان کے عیسائی ہوجانے کے بعد ان میں اور عربوں میں جو تعلقات پیدا ہوئے اس کی تفصیل یہ ہے۔

رومی عیسائیوں سے تعلقات:

قدیم زمانہ میں یمن کے متعدد عربی قبیلے، ترک وطن کر کے دمشق و کوفہ میں آباد ہوگئے تھے، سنہ عیسوی کی ابتدائی صدیوں میں ان قبائل نے یہاں اپنی متعدد نوآبادیاں اور قبائلی ریاستیں قائم کرلی تھیں۔ ایک طرف اگر ایرانی سرحد کے قریب حیرہ (کوفہ) میں ان کی ایک ریاست تھی تو دوسری طرف دمشق میں رومی اور عربی سرحد پر قبیلہ سلیح جن کو ضجاعمہ اور ضجاعم بھی کہتے ہیں ان کی نوآبادی قائم تھی، ان کے علاوہ سرحدی علاقہ میں اور بھی متعدد قبائل آباد تھے۔

عربوں کو ایرانیوں اور رومیوں دونوں سے نفرت تھی اور پھر معاشی حیثیت سے بھی مطمئن نہیں تھے اس لیے اپنے ملحقہ رومی اور ایرانی علاقوں میں برابر لوٹ مار کرتے رہتے تھے، رومیوں اور ایرانیوں میں صدیوں سے سیاسی چشمک تھی، اس لیے دونوں کچھ تو اپنے

---

[1] تمدن عرب ص ۸۵۔ [2] ایضاً ص ۳۰۔

Marfat.com

نصاریٰ

اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ عربوں سے دوسری قوموں کے تعلقات کے جو تین بڑے ذریعے تھے ان میں سے ایک عیسائیت بھی تھی جزیرۂ عرب میں اس کی ابتداء کب اور کس طرح ہوئی۔ اس کو سب سے پہلے عرب کے کن قبائل نے قبول کیا' صحیح طور سے ان کی نشاندہی مشکل ہے' تاہم عرب کے نصاریٰ[1] کی تاریخ سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ یہود کے برخلاف جزیرۂ عرب میں ان کی آمد اور عیسائیت کی ترویج وترقی کے اسباب زیادہ تر سیاسی اور کسی حد تک تبلیغی اور تجارتی تھے' یہود یا تو یہاں ہجرت کر کے آئے تھے' یا تجارت کی غرض سے آئے اور پھر یہاں آ کر آباد ہو گئے جس کی وجہ سے یہودیت کو فروغ ہوا۔ اس کے برعکس یہاں عیسائیت کی ابتداء اور اس کی اشاعت زیادہ تر حکومت کے سایہ میں ہوئی۔ تجارتی آمدورفت سے بھی کسی قدر اس میں مدد ملی اور عیسائی مشنریوں اور پادریوں نے بھی اس کی اشاعت میں حصہ لیا' مگر یہ سب حکومت کے کارندے تھے۔ تاریخ سے یہ بالکل پتہ نہیں چلتا کہ خود عیسائیوں کا کوئی طبقہ یا قبیلہ کہیں باہر سے ہجرت کر کے جزیرہ میں آیا ہو اور یہاں بس گیا ہو اس لیے یہ سمجھنا چاہیے کہ عرب میں جو عیسائی تھے وہ سب خالص عربی النسل تھے۔

عرب کے پڑوس میں روم وحبشہ عیسائی حکومتیں قائم تھیں' جن کے اثرات سے یہاں عیسائیت کو فروغ ہوا' اس لیے پہلے ان کے اور عربوں کے تعلقات پر ایک سرسری نظر ڈال لینی چاہیے۔

---

[1] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو عیسائی اور نصرانی دونوں کہتے ہیں۔ نصاریٰ اسی نصرانی کی جمع ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام کی طرف ان کی نسبت ہوتی ہے تو عیسائی کہے جاتے ہیں اور جب آپ کے وطن ناصرہ کی طرف نسب ہوتی ہے تو نصرانی کہلاتے ہیں۔

Marfat.com

رومیوں اور عربوں کے قدیم تعلقات:

قدیم زمانہ سے عربوں کی تجارت تقریباً تمام قریب و بعید ملکوں میں تھی، چین ہندوستان، افریقہ اور یورپ تک عرب اپنا مال تجارت لے جاتے تھے۔ خصوصیت سے ایشیائے کوچک اور رومیوں کے تعلقات کا ذریعہ تو عرب تاجر ہی تھے[1] لیبان نے لکھا ہے کہ ۳ صدی قبل مسیح سے پہلے سے رومیوں اور عربوں کے تعلقات کا پتہ چلتا ہے، مگر رومی و یونانی مورخین اس سے بہت کم واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مسالے، عطریات، ملبوسات اور جواہرات وغیرہ قسم کی چیزیں جو ہندوستان و چین سے آتی تھیں اور عربوں کے ذریعہ سے دوسرے ممالک کو جاتی تھیں، وہ عرب ہی کی پیداوار اور حاصلات سمجھتے تھے۔ اسی لالچ میں رومیوں نے کئی بار جزیرۂ عرب کو فتح کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوئے[2]

عربوں اور رومیوں کے یہ تعلقات اس وقت تھے جب رومی صرف رومی تھے، عیسائی نہیں ہوئے تھے، لیکن ان کے عیسائی ہوجانے کے بعد ان میں اور عربوں میں جو تعلقات پیدا ہوئے اس کی تفصیل یہ ہے۔

رومی عیسائیوں سے تعلقات:

قدیم زمانہ میں یمن کے متعدد عربی قبیلے، ترک وطن کر کے دمشق و کوفہ میں آباد ہوگئے تھے، سنہ عیسوی کی ابتدائی صدیوں میں ان قبائل نے یہاں اپنی متعدد نوآبادیاں اور قبائلی ریاستیں قائم کرلی تھیں۔ ایک طرف اگر ایرانی سرحد کے قریب حیرہ (کوفہ) میں ان کی ایک ریاست تھی تو دوسری طرف دمشق میں رومی اور عربی سرحد پر قبیلہ سلیح جن کو ضجاعمہ اور ضجاعم بھی کہتے ہیں ان کی نوآبادی قائم تھی، ان کے علاوہ سرحدی علاقہ میں اور بھی متعدد قبائل آباد تھے۔

عربوں کو ایرانیوں اور رومیوں دونوں سے نفرت تھی اور پھر معاشی حیثیت سے بھی مطمئن نہیں تھے اس لیے اپنے ملحقہ رومی اور ایرانی علاقوں میں برابر لوٹ مار کرتے رہتے تھے، رومیوں اور ایرانیوں میں صدیوں سے سیاسی چشمک تھی، اس لیے دونوں کچھ تو اپنے

---

[1] تمدن عرب ص ۸۵۔ [2] ایضاً ص ۳۰۔

Marfat.com

سیاسی مصالح اور دوسرے عربوں کی آئے دن کی غارت گری اور لوٹ مار کی وجہ سے ان کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتے رہے، جس میں دونوں کو کامیابی ہوئی۔ ایک طرف اگر ایرانیوں نے آہستہ آہستہ حیرہ کے عربوں کو اپنا ہمنوا بنا لیا[1] تو دوسری طرف رومی دمشق کے عربی قبائل کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور وہاں اپنی ایک باجگوار ریاست بنالی[2]

دمشق میں پہلے قبیلہ ضجعم جو یہاں کا سب سے طاقت ور قبیلہ تھا، باجگوار حکومت قائم ہوئی سد مارب کے ٹوٹنے کے بعد قبیلہ غسان جب یمن سے ہجرت کر کے دمشق آیا تو ضجعمیوں نے رومی سلطنت کی طرف سے ان پر فی کس ڈیڑھ دینار سالانہ ٹیکس مقرر کیا، پہلے تو اس کے ادا کرنے میں انہوں نے پس و پیش کیا، مگر پھر راضی ہو گئے اور کچھ دنوں تک ٹیکس دیتے رہے، پھر اس کے دینے سے انکار کر دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں میں جنگ ہوئی جس میں ضجعمیوں کو شکست ہوئی اور غسانیوں نے یہاں اپنی حکومت قائم کر لی جس کا سردار یا حکمران ثعلبہ تھا۔

غسانی چونکہ رومیوں کے ٹیکس سے عاجز آ کر لڑائی پر اتر آئے تھے اس لیے غالباً حکومت کو خطرہ پیدا ہوا ہوگا کہ کہیں یہ ایرانیوں سے نہ مل جائیں اس لیے انہوں نے غسانی سردار ثعلبہ کے پاس پیام بھیجا کہ "تم بڑے بہادر لوگ ہو، تم نے عرب کے سب سے طاقتور قبیلہ کو شکست دے دی اس لیے ضجعمیوں کی جگہ تمہیں حاکم مقرر کیا جاتا ہے، تم پر کوئی حملہ آور ہوگا تو رومی حکومت چالیس ہزار فوج سے تمہاری مدد کرے گی اور اگر ہم پر کوئی حملہ آور ہوا تو تم لوگ بیس ہزار مسلح فوج سے ہماری مدد کرو گے، اسی کے ساتھ ہمارے اور ایرانیوں کے باہمی معاملات میں تمہیں کوئی دخل نہ ہوگا، چنانچہ طرفین میں یہ معاہدہ ہو گیا اور غسانیوں کی حکومت یہاں قائم ہو گئی[3]

غسانی حکومت کس صدی میں قائم ہوئی؟ مختلف فیہ ہے، عام مورخین اور انسائیکلو پیڈیا

---

[1] تمدن عرب ص ۸۵۔ [2] خطط الشام ص ۶۳ ج ا۔ [3] کتاب المحبر ص ۳۷۱ حیرہ کی تاریخ جتنی اجاگر ہے اتنی ہی غسانیوں کی تاریخ الجھی ہوئی ہے۔ یہ بیان ہم نے ڈاکٹر حمید اللہ کے اتباع میں کتاب المحبر سے لیا ہے، جو بہت واضح ہے اور جس سے غسانیوں کی تاریخ پر پوری روشنی پڑتی ہے۔

Marfat.com

آف اسلام کے مرتبین کے بیان کے مطابق یہ چھٹی صدی عیسوی کی ابتدا کا واقعہ ہے' مگر صاحب کتاب المحبر کا بیان ہے کہ غسانی حکومت کی ابتداء تیسری صدی کے ابتدائی سالوں میں ہوئی' محمد بن حبیب نے لکھا ہے کہ غسانیوں سے جس رومی شہنشاہ نے معاہدہ کیا تھا' اس کا نام دقیانوس (DECIUS) تھا' جس کی وفات ۲۵۱ء میں ہوئی [1] اس سے ظاہر ہے کہ غسانیوں کی آمد اس سے پہلے ہوئی ہوگی۔ غرض غسانیوں نے ہمیشہ عربی حمیت و وفاداری کی لاج رکھی اور سخت سے سخت وقت میں بھی رومیوں کا ساتھ نہیں چھوڑا اور ان کے دم ساز رہے' یہاں تک کہ ان کے اثر سے خود بھی عیسائی ہو گئے [2]

عربوں کی یہی سرحدی ریاست جزیرۂ عرب میں عیسائیت کی سوغات لائی' اور پورے جزیرہ میں اس کو لے جا کر تقسیم کیا' اس کے بعد رومیوں کے اثرات بتدریج بڑھتے گئے۔ یعنی ان کی اسی حکم برداری کے سایہ میں ان کا تمدن' ان کا علم اور مذہب بھی آیا' جس سے عربوں کے دل و دماغ اثر پذیر ہونے لگے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں سرحدی عربوں کی متعدد چھوٹی چھوٹی قبائلی ریاستیں پورے طور پر رومیوں کے سیاسی اثر کے ماتحت آ گئیں اور متعدد قبائل نے عیسائیت قبول کر لی۔ ان کے یہ تمدنی اور علمی اور مذہبی اثرات صرف سرحدی مقام و قبائل ہی تک محدود نہیں رہے' بلکہ انہوں نے اس کو شمالی حجاز کے مرکزی شہروں مکہ' یثرب اور وادی القریٰ تک پھیلانے کی کوشش کی۔

کعبہ کی وجہ سے مکہ کو مذہبی تقدس حاصل تھا اور اس کی تولیت پورے عرب کی سیادت کے ہم معنی تھی۔ اس لیے ہر زمانہ میں ہر طاقتور قبیلہ نے اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ پہلے جرہم اس پر قابض تھے' اس کے بعد خزاعہ قابض ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا کے دادا قصی نے خزاعی سردار حلیل جو اس وقت کعبہ کا متولی تھا' اس کی لڑکی سے شادی کر لی۔ قصی نہایت ہوش مند اور صاحب صلاحیت تھے' اس لیے حلیل مرنے لگا تو کعبہ کی تولیت کے لیے ان کو وصیت کر گیا' لیکن بنو خزاعہ نے اس کے مرنے کے بعد قصی

---

[1] ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ محمد بن حبیب کے اس بیان کو بڑی اہمیت حاصل ہے اب تک یہ خیال تھا کہ ۵۱۸ء کا واقعہ۔ سیاسی زندگی ص ۲۵۶۔ [2] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام بحوالہ سیاسی زندگی۔

Marfat.com

کو متولی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور جنگ تک نوبت پہنچ گئی اور قصی کامیاب ہو گئے۔ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ:

واعانه قیصر علیها.(ص ۲۷۹) "قیصر روم نے اس اقتدار کے حصول میں قصی کو مدد دی"۔

بعثت نبویؐ سے دو سو برس پہلے یثرب میں ایک مرتبہ یہودیوں اور اوس و خزرج میں جنگ ہوئی تو غسانی عیسائیوں نے ان قبیلوں کی مدد کی تھی[1] ظاہر ہے کہ رومیوں اور غسانیوں کی قصی اور اوس و خزرج کے ساتھ یہ ہمدردی اور امداد و اعانت یونہی نہیں تھی' بلکہ اس میں ان کی ایک سیاسی غرض بھی پوشیدہ تھی یعنی وہ چاہتے تھے کہ سرحدی مقامات کی طرح جزیرہ کے اندرونی مقامات خصوصیت سے حجاز میں بھی ان کا کچھ نہ کچھ عمل دخل ہو جائے اور وہ اس میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے' تفصیل آگے آئے گی۔

اہل حبشہ اور عربوں کے تعلقات:

سرحدی مقامات اور شمالی حجاز میں عیسائی اثرات رومی حکومت یا اس کے زیر اثر سرحدی ریاستوں کے ذریعے پھیلے' مگر جزیرہ کے جنوبی حصہ یعنی یمن اور اس سے ملحقہ علاقوں میں عیسائیت کے فروغ کا سب سے بڑا ذریعہ حبشہ کی عیسائی حکومت تھی۔ اس لیے اس کے اور عربوں کے قدیم تعلقات پر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہیے۔

بعض مستشرقین نے حبشہ (ابی سینا) کے صوبہ امہرہ کا تعلق یمن کے قدیم قبیلہ امہرہ سے ثابت کیا ہے[2] ابن خلدون نے مہرہ کے متعلق تو نہیں مگر اس سلسلہ کی دوسری شاخوں کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ مصر و حبشہ تک پھیل گئے تھے[3] ممکن ہے کہ اسی تعلق کی بنا پر مستشرقین نے یہ رائے قائم کر لی ہو۔

اگر ابن خلدون اور مستشرقین کے بیان کو تسلیم کر لیا جائے تو تیسری صدی عیسوی سے پہلے عربوں اور اہل حبشہ میں تعلقات قائم ہو چکے تھے[4]

---

[1] ابوالفداء ص ۹۸ وفاء الوفاء۔ [2] سیاسی زندگی ص ۱۳۹۔ [3] ابن خلدون ج ۲ ص ۲۴۷۔

[4] اس لیے کہ جن قبائل کا ذکر ابن خلدون نے کیا ہے وہ مارب ٹوٹنے سے پہلے یمن سے باہر جا چکے تھے اور سد مارب کے متعلق اوپر ثابت ہو چکا ہے کہ یہ واقعہ تیسری صدی کی ابتدا میں پیش آیا۔

Marfat.com

یمن میں عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز نجران تھا' پانچویں صدی عیسوی سے پہلے یہاں عیسائیت آ چکی تھی' اس وقت حمیری حکومت تھی' جس کے فرمانروا یہودی تھے۔ آخری فرمانروا ذونواس تو غالی یہودی تھا۔ یمن کی اس حمیری حکومت اور حبشہ کی عیسائی حکومت میں برسوں سے کشمکش تھی۔ یمن میں عیسائیت کے فروغ سے حمیری حکومت اپنے لیے خطرہ محسوس کر رہی تھی' اب لیے وہ اس ملک میں اس کے خاتمہ کی فکر میں تھی۔ اسی اثنا میں ایک اتفاقی واقعہ پیش آ گیا کہ دو یہودی نجران میں قتل کر دیئے گئے۔ ذونواس کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس کو ایک بہانہ ہاتھ آ گیا۔ پوری ایک فوج کے ساتھ نجران گیا اور عیسائیوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ قرآن کی اس آیت "قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ"[1] میں ذونواس کے اسی حملہ اور قتل عام کی طرف اشارہ ہے۔

جو نجرانی عیسائی قتل ہونے سے بچ گئے وہ حبشہ کے عیسائی بادشاہ کے دربار میں فریاد لے کر پہنچے اور اس کے سامنے انجیل مقدس کی جلی ہوئی جلدیں پیش کیں۔ غالباً وہ تنہا یمنی حکومت سے ان مظالم کا انتقام نہیں لے سکتا تھا' اس لیے اس نے قیصر روم سے مدد چاہی بعض مورخین کا بیان ہے کہ خود نجران کے فریادی ہی قیصر روم کے پاس گئے تھے۔ بہت ممکن ہے کہ ان میں سے کچھ حبشہ گئے ہوں اور کچھ روم۔ اور مدد کے خواستگار ہوئے ہوں۔

بہر حال قیصر متاثر ہوا اور کئی سو کشتیاں تیار کرا کے حبشہ روانہ کیں۔ خود نجاشی شاہ حبشہ نے بھی سات سو کشتیاں تیار کرائیں اور ان پر ایک لاکھ یا اس سے زیادہ فوج سوار ہوئی اور یہ فوج ان ہی کشتیوں کے ذریعے آبنائے باب المندب کو عبور کر کے یمن کے ساحل پر اتر گئی' اور یمن پر حملہ کر دیا جس میں ابتداً ان کو شکست اٹھانی پڑی' مگر فوراً ہی حبشہ سے مزید کمک آ گئی اور اس نے حمیری حکومت کو شکست دے دی۔ ان کے فرمانروا ذونواس نے خودکشی کر لی۔ یہ واقعہ ۴۹۶ء کا ہے۔ ذونواس کی شکست و خودکشی کے بعد پورا یمن حبشہ کی عیسائی حکومت کے تحت آ گیا اور اس کے زیر سایہ عیسائیت کو بڑا فروغ ہوا اور تقریباً سو برس تک اس کا زور باقی رہا۔ اس کے بعد یمن پر ایرانیوں کا قبضہ ہوا جس سے

[1] اس آیت کی تفسیر و تشریح یہود کے ذکر میں آ چکی ہے۔

Marfat.com

عیسائیت کا زور تو گھٹ ضرور گیا' مگر ختم نہیں ہوا۔

ہم نے اوپر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جزیرۂ عرب میں عیسائیت کو فروغ ہمیشہ حکومت کے زیر سایہ' یا عیسائیوں کے سیاسی تغلب کے تحت ہوا ہے۔ ان واقعات سے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔

یمن پر حبشہ کے تسلط کے بعد اس کی طرف سے برابر گورنر مقرر ہو کر وہاں جاتے تھے۔ یمن میں حبشہ کی حکومت کا ایک عیسائی گورنر ابرہہ گزرا ہے' جو بڑا مذہبی تھا اور جس نے وہاں بہت سے تاریخی و تمدنی کارنامے انجام دیئے ہیں جن کی وجہ سے اس کا نام اب تک زندہ ہے۔ مثلاً سد مارب کی مرمت اور متعدد گرجوں کی تعمیر وغیرہ۔

اصحاب الفیل:

اسی ابرہہ کے زمانے کا ایک واقعہ کعبہ کے انہدام کی غرض سے خود اس کی سرکردگی میں اصحاب فیل کی مکہ پر چڑھائی کا بھی ہے جس کا عربوں سے بڑا گہرا تعلق ہے' اور قرآن میں اس کا ذکر آ جانے کی وجہ سے اس کو بڑی اہمت حاصل ہو گئی ہے۔ اس حملہ کے مفسرین نے متعدد اسباب بیان کیے ہیں' جن میں سے ایک یہ ہے کہ:

ابرہہ نے یمن کے دارالسلطنت صنعا میں ایک کلیسا تعمیر کرایا اور شاہ حبشہ کو لکھا کہ اس کلیسا کی تعمیر سے میرا مقصد یہ ہے کہ کعبہ کے بجائے لوگ یہاں آئیں اور اس کو کعبہ بنائیں۔ کسی طرح عربوں کو اس کا علم ہو گیا اور اس کا خط ان کے ہاتھ لگ گیا جس سے ان کو بڑا اشتعال پیدا ہوا اور ایک شخص نے صنعا جا کر کلیسا کو گندا کر دیا۔ ابرہہ نے اس پر کعبہ کے انہدام کا فیصلہ کر لیا اور مکہ پر حملہ کر دیا۔

امام طبری نے لکھا ہے کہ ابرہہ کے یہاں سے بہت سے عربوں کو وظیفہ اور روزینہ ملتا تھا۔ ایک مرتبہ خزاعہ کے چند افراد اس کے دربار میں آئے' جن میں محمد بن الخزاعی اور اس کا بھائی قیس بھی تھا۔ ابرہہ نے ان سے کہا کہ میں نے یہاں ایک کلیسا بنوایا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم تمام قبائل میں گھوم گھوم کر اعلان کر دو کہ وہ یمن کے اس کعبہ کے حج کے لیے آئیں' یہ دونوں اس مہم پر روانہ ہو گئے۔ جب یہ قبیلہ بنو کنانہ پہنچے تو اس کے چند

Marfat.com

افراد نے انہیں قتل کر دیا۔ اس پر ابرہہ نے حملہ کی تیاری شروع کر دی[1]

عموماً ان ضمنی باتوں کو جو اصلی سبب کے ضمن میں پیش آئیں حملہ کا سبب بنا دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ان واقعات کے پڑھنے والے کو تشویش ہوتی ہے' لیکن اگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو کلیسا میں گندگی کرنے' آگ لگ جانے یا خزاعی سردار کے قتل کے واقعات درحقیقت حملہ کا سبب نہیں' بلکہ اس کا بہانہ بن گئے۔ اصلی سبب سیاسی اور مذہبی تغلب تھا' جیسا کہ نجران پر حملہ کرنے کے لیے ذونواس نے یہودیوں کے قتل کا بہانہ بنا لیا تھا' حالانکہ اپنے سیاسی مصالح کے تحت وہ پہلے سے اس پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

بات یہ ہے کہ کعبہ کی وجہ سے رومیوں کو قدیم زمانے سے حجاز اور خصوصیت سے اس کے مرکزی شہر مکہ پر قبضہ کرنے کی خواہش تھی اور اس کے لیے انہوں نے کئی بار کوشش بھی کی مگر ناکام رہے۔ اس کے بعد انہوں نے غیر جنگی طریقہ اختیار کیا' یعنی اقتصادی و سیاسی مراعات و فوائد کے نام سے انہوں نے عربوں کی استمالت شروع کر دی۔

اوپر آ چکا ہے کہ قصی کو قیصر نے مکہ پر قبضہ کرنے میں مدد دی اور ان کے حوصلہ مند پوتوں کو رومیوں اور حبشیوں نے اپنے اپنے ملکوں میں تجارت اور آمد و رفت کی سہولتیں فراہم کیں۔ ہاشم کے چار لڑکے تھے' ہاشم' عبدشمس' نوفل' عبدالمطلب' ان میں سے ہر ایک نے جزیرۂ عرب کے قریب کے ملکوں سے تعلقات پیدا کیے اور ان ممالک میں تجارتی سہولتیں حاصل کیں۔ عبدشمس نے قیصر روم اور شاہ غسان سے' نوفل نے شاہ ایران سے' عبدالمطلب نے یمن کے حمیری بادشاہ سے اور ہاشم نے نجاشی شاہ حبشہ سے ملاقات کی۔ ابن سعد میں ہے کہ قیصر روم نے تو ان کے لیے نجاشی کے نام ایک سفارشی خط بھی لکھا تھا[2] اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر سختی اور جبر سے ان پر قابو نہیں پایا جا سکتا تو اسی کے ذریعہ سے ان پر اپنا سیاسی و مذہبی اقتدار قائم کیا جائے اور سرحدوں پر اس کا کامیاب تجربہ ان کو ہو بھی چکا

---

[1] پوری تفصیل طبری تفسیر سورۂ فیل میں موجود ہے۔ [2] محمد بن حبیب نے ایلاف کے معنی العہو دیعنی پروانے لکھے ہیں۔ کتاب المحبر ص ۱۶۲۔ اس واقعہ کی تفصیل کے لیے دیکھیے یعقوبی ج ۱ ص ۲۸۔ و ابن سعد ج ۱ ص ۴۳، ۴۵۔ بعض مفسرین نے سورۂ ایلاف کی تفسیر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

Marfat.com

تھا مگر حجازی عرب ان سے کہیں زیادہ ہوش مند نکلے اور ان کی ہوس اقتدار پوری نہ ہو سکی۔

جب حبشہ پر رومیوں کا اقتدار ہوا اور حبشہ کے ذریعے یمن قبضہ میں آیا تو ان کے دل میں حجاز کو سر کر لینے کی پھر خواہش پیدا ہوئی تو تعجب نہیں اور کیا عجب ہے کہ اپنی اسی دیرینہ آرزو کی تکمیل ہی کی غرض سے انہوں نے یمن کو فتح کرنے میں حبشہ میں مدد کی ہو۔

لیکن اس راہ میں سب سے بڑی چیز جو حائل تھی وہ کعبہ کا تقدس تھا اور اس کی وجہ مکہ اور اہل مکہ کی مرکزیت تھی۔ اس کو ختم کرنے کے لیے ابرہہ نے دو کلیسے بنوائے' ایک صنعا میں اور دوسرا نجران میں اور سارے عرب قبائل میں ان کی زیارت کے لیے وفود بھیجے' مگر اس کو ان تمام کوششوں میں سخت ناکامی ہوئی۔ نہ کعبہ کی تقدیس کو وہ صدمہ پہنچا سکا اور نہ وہ مکہ کی مرکزیت و اہل مکہ کی مرجعیت کا خاتمہ کر سکا۔ اس بنا پر اس کی آتش غضب بھڑک اٹھی ہوگی۔ اسی اثنا میں کلیسا میں نجاست ڈالنے اور آگ لگنے کے واقعات پیش آ گئے ہوں گے جس کو اس نے اپنے حملے کا بہانہ بنا لیا' جیسا کہ آج کل کی حکومتیں ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لیے اس طرح کے بہانوں کی تلاش میں رہتی ہیں۔

اس حملہ میں ابرہہ کو سخت ناکامیابی ہوئی۔ یہ واقعہ ۵۷۰ء میں ہوا۔ اسی سال رحمت عالم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

حبشہ اور عربوں کے تعلقات میں تجارتی کاروبار ایک دوسرے کے ملک میں آمدورفت کو بھی دخل تھا جس کا سلسلہ قدیم زمانہ سے قائم تھا۔ عرب تاجر اپنے ملک سے چمڑے' گوند' لوبان اور اونی کپڑا حبشہ لے جاتے تھے اور وہاں سے غلہ لاتے تھے۔

بعثت نبویؐ کے وقت رومیوں اور حجازی عربوں کے تعلقات کشیدہ نظر آتے ہیں اور ان کا میلان رومیوں سے زیادہ ایرانیوں کی طرف معلوم ہوتا ہے' چنانچہ قریشی تاجروں کو رومیوں کے مقبوضات میں جو پہلے سہولتیں حاصل تھیں وہ غالباً ختم ہو گئی تھیں بلکہ رومی ان پر بڑے سخت ٹیکس عائد کرنے لگے تھے' ہمارا قیاس ہے کہ رومیوں کی کشیدگی کا سبب تو حجاز میں ان کی سیاسی ناکامی ہوگی اور ان کی طرف عربوں کی رنجش اور کدورت کا سبب ابرہہ کا حملہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حجاز کے علاوہ دوسرے حصہ کے عربوں اور رومیوں میں

Marfat.com

اب بھی تعلقات ویسے ہی قائم تھے۔ ایرانیوں کی طرف ان کے میلان کی کوئی وجہ بظاہر سمجھ میں نہیں آئی' بجز اس کے کہ وہ بھی بت پرست تھے اور عرب بھی[1] غرض ظہور اسلام کے وقت عام طور پر مشرکین حجاز اور رومیوں کو ناپسند اور ایرانیوں کو پسند کرتے تھے۔

چنانچہ بعثت نبویؐ کے کئی سال بعد رومیوں اور ایرانیوں میں ایک زبردست جنگ ہوئی جس میں رومیوں کو بڑی سخت شکست ہوئی' اس شکست سے اہل مکہ بہت خوش ہوئے مگر مسلمانوںؓ کو اس سے بڑا رنج ہوا جس کی وجہ سے سورہ روم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

﴿ الم غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین ﴾

''اہل روم مغلوب ہو گئے ایک قریب کے ملک میں اور اس کے بعد عنقریب چند برسوں میں وہ پھر غالب ہوں گے۔

چنانچہ قرآن کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی'[2] یعنی یہ کہ چند برس کے بعد پھر رومیوں

---

[1] عام مفسرین یہی بتاتے ہیں لیکن اگر یہی وجہ تسلیم کر لی جائے تو حبشہ سے بھی ان کے تعلقات کشیدہ ہونے چاہئیں مگر ایسا نہیں تھا بلکہ حبشہ کی حکومت سے اہل مکہ کے تعلقات ظہور اسلام کے وقت بالکل استوار تھے ممکن ہے کہ اس میں نجاشی کی طبعی نیکی و شرافت کو بھی داخل ہو۔ [2] یورپین مورخین لکھتے ہیں کہ روم زوال و انحطاط کی آخری حد تک پہنچ چکا تھا اور ایرانیوں سے شکست کھانے کے بعد اس کی رہی سہی قوت بھی ختم ہو گئی تھی ایسی حالت میں قرآن کا چند سال میں ان کے دوبارہ غالب آنے کی پیشین گوئی کرنا اور پھر اس کا پورا ہونا قرآن کا کھلا معجزہ ہے۔ اس سلسلہ میں مفسرین نے لکھا ہے کہ جب ایرانیوں کو فتح ہوتی تو اہل مکہ خوش ہوتے' مگر مسلمانوں کو اس بنا پر کہ یہ اہل کتاب ہیں اس سے رنج ہوتا ۶۱۶ء میں بعثت نبویؐ کے چھ برس بعد رومیوں کو سخت ہزیمت ہوئی اور قیصر روم کو قسطنطنیہ میں پناہ لینی پڑی۔ مشرکین عرب کو ایرانیوں کی اس فتح کی اطلاع ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے بعض مشرکین نے حضرت ابوبکرؓ صدیق سے کہا آج ہمارے بھائی ایرانیوں نے تمہارے بھائی رومیوں پر فتح پائی ہے۔ کل ہم بھی تمہیں اسی طرح مٹا دیں گے۔ قرآن نے اسباب ظاہری کے خلاف یہ پیشین گوئی کی۔ حضرت ابوبکرؓ ◄◄

Marfat.com

اور ایرانیوں کو شکست ہوئی' آپ اس وقت مدینہ میں جلوہ افروز فرماتھے' اور عین غزوہ بدر کے روز یہ خوشخبری مسلمانوں کو ملی۔

مختصر یہ کہ ان ہی قدیم و جدید تعلقات کی بناء پر جزیرۂ عرب کے تقریباً ہر حصہ میں عیسائیت پھیل گئی۔ اب ہم ان مقامات اور قبائل کا نام بنام ذکر کرتے ہیں جن میں ظہور اسلام کے وقت عیسائیت موجود تھی۔

نجران:

نجران یمن میں ایک مشہور مقام تھا۔ یہ اپنی زرخیزی و شادابی اور صنعت و حرفت اور تجارت کی وجہ سے پورے یمن میں مشہور تھا۔ سب سے پہلے یہاں کون لوگ آباد ہوئے اس میں اختلاف ہے۔ تاہم یہ مسلم ہے کہ بنواسماعیل یہاں قدیم زمانے سے آباد تھے۔ اس کے بعد یہاں یہودیت اور پھر عیسائیت پھیلی' عیسائیت کی ابتداء کب ہوئی۔ اس کی صحیح تعیین مشکل ہے' معجم البلدان میں ہے کہ فیمیون ایک نصرانی عابد تھا' اسی کے ذریعے یہاں عیسائیت کی ابتدائی ہوئی لیکن اس سے سنہ کی تعیین نہیں ہوتی۔ البتہ اوپر یمن کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے سنہ کی تو نہیں مگر زمانہ کی تعیین کی جاسکتی ہے۔ یعنی یہ اس کی ابتداء بعثت نبویؐ سے ایک صدی پہلے ہو چکی تھی۔

سیاسی اور اقتصادی اہمیت کی بنا پر یمن ہمیشہ سیاسی تغیرات و انقلابات کا آماجگاہ رہا۔ نجران چونکہ اس کا ایک حصہ تھا' اس لیے لازمی طور پر اس کا اثر بھی پڑتا تھا۔ حمیری حکومت کے زمانہ میں یہاں یہودیت کو فروغ ہوا۔ یمن میں عیسائی حکومت قائم ہوئی تو نجران عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔ یہاں ایک بہت بڑا کلیسا تھا جس کو عبدالمدان نے بنوایا تھا' اور جو ''کعبہ نجران'' کے نام سے مشہور تھا[1] اس کی تعمیر کا بھی وہی

◄◄ نے اس بنا پر مشرکین مکہ سے یہ شرط لگائی کہ اگر نو برس کے اندر رومی دوبارہ ایرانیوں پر فتح یاب نہ ہوئے تو میں تم کو سو اونٹ دوں گا اور اگر کامیاب ہوئے تم لوگ مجھے اتنے ہی اونٹ دو گے' چنانچہ ۷ برس کے اندر رومیوں نے فتح پائی اور حضرت ابوبکرؓ نے ان سے سو اونٹ لیے۔ (طبری تفسیر سورہ روم)

[1] معجم البلدان ج ۸ ص ۲۶۲۔ فجر الاسلام ص ۳۰۔

Marfat.com

مقصد تھا جو صنعا میں ابرہہ کے تعمیر کردہ کلیسا کا تھا۔

اسلام کے ظہور کے وقت نجران میں ایک چھوٹی ریاست قائم تھی جس کا یمن کی مرکزی حکومت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ بلکہ وہ براہ راست قیصر روم کے ماتحت تھی' اس کا نظم تین شعبوں میں منقسم تھا اور ان میں سے ہر ایک کا ایک علیحدہ ذمہ دار تھا۔ خارجی اور جنگی امور جس سے متعلق ہوتے اس کو سید کہتے تھے۔ دنیاوی داخلی امور جس کے سپرد ہوتے اس کو عاقب' اور دینی امور کا جو ذمہ دار ہوتا اس کو اسقف کہتے تھے۔ ان عہدیداروں کا تقرر خود قیصر کرتا تھا۔[1] اس وقت سید کے عہدے پر ابوحارثہ نامی ایک شخص قابض تھا' جس کا نسبی تعلق بکر بن وائل سے تھا۔ زرقانی نے لکھا ہے کہ عربوں میں سے جب کوئی آدمی نصرانیت قبول کر لیتا تھا تو قیصر کو اس سے بڑی خوشی ہوتی تھی۔ چنانچہ جب ابوحارثہ نے نصرانیت قبول کی تو وہ اس قدر خوش ہوا کہ اس کے سامنے مال و دولت کا ڈھیر لگا دیا اور غالباً اسی وقت اس عہدہ پر سرفراز کیا۔

۷ ہجری میں ساٹھ آدمیوں پر مشتمل ایک وفد نجران سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا' جس میں اسی ریاست کے تینوں ذمہ دار عہدہ دار بھی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت ان کے سامنے پیش کی مگر انہوں نے قبول نہیں کیا۔ سالانہ ٹیکس کی ادائیگی کے وعدہ پر آپ نے ان سے مصالحت کر لی اور ان سے ایک معاہدہ ہو گیا۔ مگر واپسی میں اس وفد کے دو ارکان ابوحارثہ اسقف نجران اور اس کے بھائی کرز بن علقمہ میں کچھ ایسی باتیں ہو گئیں کہ راستہ ہی سے ابن علقمہ مدینہ واپس آئے اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ان کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے۔ ان کے علاوہ نجران کے اور افراد نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ ان کا بھی ذکر اس کتاب میں ہے۔

نجران کی اہمیت کی وجہ سے اس کا ذکر ذرا تفصیل سے کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دومۃ الجندل' بحرین' معان' ایلہ' اذرح' جربا' مقنا' عمان وغیرہ میں بھی عیسائیت موجود تھی جن میں سے اکثر کی جغرافی اور تاریخی حیثیت کا ذکر یہود کے سلسلہ میں آ چکا ہے ان میں

---

[1] فجر الاسلام ص ۳۰۔

Marfat.com

میں سے بعض ماتحت عیسائی حکومتیں بھی قائم کی تھیں۔ ان مقامات کے علاوہ جزیرۂ عرب کی تقریباً تمام مشہور بستیوں میں عیسائی موجود تھے۔ مثلاً مکہ، طائف، مدینہ اور وادی القریٰ وغیرہ، وادی القریٰ میں تو ان کے متعدد گرجے بھی تھے۔ (فجر الاسلام ص ۲۹)

جن قبائل میں عیسائیت فروغ پا چکی تھی یا پا رہی تھی ان کے نام یہ ہیں:

قبیلہ غسان:

یہ یمنی قبیلہ ہے۔ سد مارب کے ٹوٹنے کے بعد جزیرۂ عرب کے شمال مغربی سرحدی مقام پر آباد ہو گیا تھا۔

بنو تغلب:

مشہور عدنانی قبیلہ ربیعہ کی ایک شاخ ہے۔ اسی کے قریب عرب کا ایک مشہور قبیلہ بکر بھی آباد تھا۔ بکر و تغلب کی لڑائی، عرب جاہلیت تاریخ کا ایک مشہور واقعہ ہے۔

یہ قبیلہ جزیرۂ عرب کے شمال مشرق میں اس تجارتی راستہ پر آباد تھا جو عرب سے عراق کو جاتا ہے۔ یہ مقام اپنے جائے وقوع اور تجارتی اعتبار سے بہت اہم تھا اور ایران کی سرحد کے قریب بھی پڑتا تھا۔ بہت ممکن ہے اسی وجہ سے نصرانیوں نے اس کو اپنانے اور زیر اثر لانے کی کوشش کی ہو بہرحال اس میں عیسائیت موجود تھی۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہاں عیسائیت کی ابتداء کب ہوئی۔ ارباب سیر و طبقات صرف اتنا لکھتے ہیں کہ یہ قبیلہ نصرانی ہو گیا تھا، اسد الغابہ میں ہے:

ان كثيراً من العرب قد تنصر كتغلب[1]

''بہت سے عرب قبائل نے عیسائیت قبول کر لی تھی ان میں بنو تغلب کا قبیلہ بھی تھا''۔

ابن قتیبہ اور یعقوبی[2] وغیرہ نے بھی اس کے نصرانی ہونے کی توثیق کی ہے۔ اس قبیلہ کے متعدد افراد مشرف بہ اسلام ہوئے، جن کے تذکرے اس کتاب میں موجود ہیں۔

ظہور اسلام کے بعد عہد نبویؐ اور عہد صدیقی میں اس قبیلہ کا ذکر بہت کم بلکہ بالکل نہیں ملتا۔ البتہ ابن قتیبہ کے بیان سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ عہد فاروقی تک یہ لوگ

---

۱ اسد الغابہ ج ۵ ص ۲۲۲ و ج ۱ ص ۵۷۔ ۲ یعقوبی ص ۲۹۸۔

Marfat.com

مذہب نصرانیت پر قائم رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بنا پر ان پر جزیہ عائد کرنا چاہا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ زرعہ بن نعمان بارگاہ خلافت میں آئے اور عرض کیا کہ یہ عرب ہیں اس لیے ان کو جزیہ دینا گوارا نہیں ہے۔ دوسرے یہ شجاع اور طاقت ور ہیں ان کو دشمنوں کے ہاتھوں میں نہ جانے دیں (یعنی اگر آپ ان پر جزیہ لگائیں تو یہ رومیوں سے مل جائیں گے) بلکہ ان پر زیادہ سے زیادہ صدقہ دوگنا کر دیں اور ارشاد فرمائیں کہ آئندہ اپنی اولاد کو نصرانی نہ بنائیں[1] چنانچہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے زرعہ کے حسب مشورہ اسی پر عمل کیا۔

بنوکلب:

یہ قبیلہ بھی نصرانی تھا اور دومۃ الجندل کے پاس آباد تھا۔ ظہور اسلام کے وقت دومۃ الجندل کا عیسائی حاکم اکیدر تھا۔ اس میں متعدد ایسے قبائل تھے جو بڑے اثر ورسوخ کے مالک تھے قبیلہ کلب خاص طور سے بہت ممتاز اور حکومت کا حریف تھا[2] اس کا اثر تبوک تک پھیلا ہوا تھا۔ ظہور اسلام کے وقت اس قبیلہ کے سردار اصبغ تھے جو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے اور اپنی صاحبزادی تماضر کو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے حبالۂ عقد میں دے دیا تھا۔ ان کے اور ان کی صاحبزادی کے حالات اس کتاب کے آئندہ صفحات میں درج ہیں۔

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بنوکلب کی ایک کثیر تعداد اس وقت بھی (یعنی آٹھویں صدی ہجری میں) خلیج قسطنطنیہ کے ساحل پر آباد ہے۔ اس میں سے کچھ مسلمان ہیں اور کچھ عیسائی[3]

قضاعہ:

پورے قبیلہ میں تو نہیں مگر اس کے بعض خاندانوں میں نصرانیت تھی۔ یہ حجاز و شام کے تجارتی راستہ پر تبوک کے قریب آباد تھا۔ کثرت تعداد اور فوجی قوت کی وجہ سے اس کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور جس مقام پر آباد تھا وہ مقام بھی جغرافیائی حیثیت سے بڑا اہم تھا۔ یہ قبیلہ رومیوں کے زیر اثر تھا۔

---

[1] ابن قتیبہ ص ۲۴۹۔ [2] ابن خلدون ج ۲ ص ۲۴۹۔ [3] ابن خلدون ج ۲ ص ۲۴۹۔

Marfat.com

اسی طرح بنو تمیم کے بعض افراد نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ عرب کا مشہور اور بزم معلقہ کا صدر نشین شاعر امراء القیس اسی قبیلہ سے تھا' جس کی بنا پر عیسائی مستشرقین نے یہ ثابت کیا کہ یہ عیسائی تھا۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے البتہ اس کے خاندان کے بعض افراد نصرانی ضرور تھے۔

ربیعہ:

جس کی ایک شاخ بنو تغلب تھی' جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ اس کے بعض دوسرے خاندانوں میں بھی نصرانیت تھی۔[1]

اسی طرح یمن کے مشہور قبیلے طے میں بھی نصرانیت کا پتہ چلتا ہے' حضرت عدیؓ بن حاتم اور ان کی ایک بہن کا تذکرہ اس کتاب میں آیا ہے۔ یہ دونوں اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور عیسائی تھے۔

قبیلہ عبدالقیس:

جو عمان کے قریب آباد تھا' اس میں بھی نصرانیت موجود تھی' حضرت جارود رضی اللہ عنہ جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے' اسی قبیلہ سے تھے۔

ان کے علاوہ تنوخ' لخم' مذحج' بہرا' سلیح وغیرہ قبائل نے بھی نصرانیت قبول کر لی تھی اور ان میں سے بیشتر بالکل رومیوں کے زیر اثر تھے۔ جنگ موتہ میں یہ سب کے سب رومیوں کی حمایت میں مسلمانوں کے خلاف صف آراء تھے[2] ان میں سے بیشتر کو قیصر روم کی طرف سے سالانہ پندرہ سیر سونا بطور وظیفہ ملتا تھا۔[3]

اس تفصیل سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ پورے جزیرہ میں نصرانیت کی ترقی وفروغ کے لیے عیسائی حکومتوں نے کتنا لمبا جال بچھا رکھا تھا۔ اس کے لیے کیا کیا تدبیریں وہ اختیار کر رہی تھیں اور کتنی رشوتیں دے رہی تھیں اور یہ سلسلہ برسوں سے نہیں صدیوں سے جاری تھا' لیکن ان تمام کوششوں اور تدبیروں کے باوجود کم سے کم حجاز میں تو عیسائیت کا اثر

---

[1] معارف ابن قتیبہ ص ۲۶۶ تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۲۹۳۔ [2] ابن ہشام ذکر جنگ موتہ۔
[3] آنحضرت ﷺ کی سیاسی زندگی ڈاکٹر حمید اللہ صاحب ص ۲۵۸۔

Marfat.com

برائے نام ہی پیدا ہوسکا' جس کو قبضہ میں لانے اور اس پر اپنا اثر قائم کرنے کے لیے انہوں نے کیا کیا جتن نہ کر ڈالے تھے۔

اس کے مقابلہ میں اسلام نے پورے جزیرہ میں چند برسوں میں عظیم الشان اور حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا جس نے چشم زدن میں پورے عرب کی کایا پلٹ دی۔ اس کے لیے نہ کوئی سیاسی چال چلی گئی' نہ کوئی اقتصادی دباؤ ڈالا گیا اور نہ جبروزور سے کام لیا گیا' بلکہ اس کی دعوت' تبلیغ اور اعلیٰ اخلاقی تعلیمات اور پھر اس کے مظاہرے سے سارا عرب مسحور اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

حیرہ:

عیسائیت کے مذہبی اثرات جزیرۂ عرب کے اندرونی مرکزی مقامات کے علاوہ ایک سرحدی مقام حیرہ میں بھی کچھ نہ کچھ موجود تھے۔ حالانکہ وہ ایرانیوں کی باجگزار ریاست تھی جہاں قبیلہ لخم کی حکومت تھی۔ لخم کے متعلق اوپر آ چکا ہے کہ اس میں نصرانیت تھی۔ اس کے حکمران نعمان کے متعلق لکھا ہے کہ عدی بن زید ایک نصرانی شاعر نے اس کو ایک دن نصیحت کی۔ اس نصیحت کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے فوراً نصرانیت قبول کر لی' اور تخت و تاج کو خیر باد کہہ دیا[1] اسی طرح نعمان خامس کی بیوی بھی عیسائی ہوگئی تھی۔ اس کا نام ہند تھا۔ اس نے اپنے نام سے ایک کلیسا ''دیر ہند'' بنوایا تھا۔ طبری نے لکھا ہے کہ یہ ہمارے زمانے تک (یعنی تیسری صدی ہجری تک) موجود تھا[2] اس کے علاوہ حیرہ میں میں اور بھی متعدد گرجے تھے۔ خصوصیت سے ''دیر حنظلہ'' بہت مشہور تھا' جس کو حیرہ کے ایک حکمران ایاس بن قبیصہ کے چچا حنظلہ نے بنوایا تھا[3]

حیرہ کا ذکر یہاں اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ جزیرہ کا سرحدی مقام تھا۔ جہاں عرب آباد تھے اور وہی حکمران بھی تھے۔ پورے عرب میں غالباً حیرہ ہی ایک ایسا مقام تھا جہاں عیسائیت نے بغیر کسی مادی سہارے اور حکومت کی پشت پناہی کے کسی قدر رواج پایا۔

---

[1] فجر الاسلام ص ۳۱۔ [2] معجم البلدان ج ۴ ص ۱۸۳۔ [3] تفصیل کے لیے دیکھئے معجم البلدان ج ۴ ص ۱۲۰ تا ۱۸۵

Marfat.com

عیسائیوں اور عربوں کے سیاسی تعلقات:

اوپر جو تفصیل کی گئی ہے اس سے جزیرہ عرب میں عیسائیوں کے سیاسی اور مذہبی اثرات کا اندازہ ہو گیا ہوگا' لیکن اس کا ایک پہلو اب بھی تشنہ تفصیل ہے۔ وہ یہ کہ عربوں کے ذہن و دماغ اور علم و تمدن پر اس کا مجموعی اثر کیا مرتب ہوا؟ یہاں مختصراً اس پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

نصرانیت کے فروغ سے جاہلی عربوں کے تمدن اور ان کے ذہن و دماغ میں جو تغیر ہوا اس کی پوری نشان دہی تو مشکل ہے تاہم ان کی تاریخ کے قدیم واقعات' ان کے علوم و فنون اور ادب و شاعری کے جو نمونے اب تک محفوظ رہ گئے ہیں ان سے اس کی کچھ نہ کچھ عکاسی ضرور ہوتی ہے۔

ثقافتی و تمدنی اثرات:

اوپر قصی کے مکہ پر قابض ہونے کا ذکر آ چکا ہے۔ قصی سے پہلے غالباً یہاں کوئی نظم و نسق اور کسی قسم کی سیاسی وحدت نہ تھی۔ مگر انہوں نے مکہ پر قبضہ کرنے کے بعد اس کو ایک چھوٹی سی باقاعدہ ریاست میں تبدیل کر دیا۔ جس کے متعدد شعبے اور عہدے تھے اور جن میں سے اکثر ظہور اسلام تک باقی تھے۔ اس مختصر سی ریاست کا سیکریٹریٹ یا مرکزی دفتر دارالندوہ تھا جہاں ریاست سے متعلق جملہ مہمات امور طے ہوتے تھے۔

قصی کا یہ نظام حکومت خود ساختہ نہیں' بلکہ بڑی حد تک ان تعلقات کا رہین منت معلوم ہوتا ہے' جو ان کے اور رومیوں کے درمیان قائم ہو چکے تھے۔ اس نظام حکومت کے بارے میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب لکھتے ہیں:

> ''اہل شہر پر سالانہ ٹیکس اندازی وغیرہ فنّی اور اس سے زیادہ یونانی شہری مملکتوں سے مکے کی شہری مملکت غیر معمولی مشابہت رکھتی ہے''۔

(سیاسی زندگی ص ۲۵۹)

ظہور اسلام سے پہلے عربوں کے سماجی نظام اور آس پاس کے ملکوں اور قوموں سے ان کے تجارتی اور سفارتی تعلقات وغیرہ کے جو واقعات و حالات تاریخوں میں محفوظ ہیں وہ بھی نصرانیوں کے تمدنی اثرات کی غمازی کرتے ہیں۔

Marfat.com

علمی اثرات:

نصرانیت یونان و اسکندریہ میں پروان چڑھی تھی‘ اس لیے وہ جہاں بھی گئی اپنے ساتھ وہاں کے علوم و فنون مثلاً طب‘ نجوم اور مابعد الطبیعاتی افکار بھی لیتی گئی۔ نصرانیت کو ان علوم کی اور خصوصیت سے فلسفہ اور نجوم کی مذہبی حیثیت سے بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ عیسائیوں کے علماء اور مذہبی پیشوا مذہبی سے زیادہ فلسفی ہوتے ہیں اس لیے کہ نصرانی ثقافت اور مذہب کی اشاعت میں ان کو ان علوم سے کافی مدد ملتی تھی‘ ظاہر ہے کہ عرب میں اس کے قدم آئے ہوں گے تو یہ علوم بھی اس کے ساتھ لگے لپٹے آئے ہوں گے۔ خیال ہوتا ہے کہ بعثت نبوی سے پہلے عربوں میں علم نجوم‘ طب اور مابعد الطبیعاتی تصورات و افکار کے جو اثرات بھی نظر آتے ہیں اس کے فروغ میں نصرانیت کو ضرور دخل تھا۔ اس خیال کو مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ عہد اسلام کے بعد یونانی علوم و فنون کا جو سرمایہ عربی میں منتقل ہوا وہ زیادہ تر نصرانی ہی علماء و مترجمین کی سرکردگی میں ہوا‘ خصوصیت سے فلسفہ و طب کا شعبہ تو کئی صدی تک ان ہی کے زیر اثر رہا۔

ادب و شعر:

عربی ادب و شاعری میں بے شمار ایسے الفاظ‘ جملے‘ ترکیبیں‘ اور خیالات ملتے ہیں جو نصرانیت کے اثر کا بین ثبوت ہیں۔

جاہلی ادب و شعر کا اگر ہم لغوی جائزہ لیں تو زمین کی پستی و بلندی‘ پہاڑ کے نشیب و فراز، راستوں کی فراخی و تنگی‘ صحرا کی خشکی و ویرانی کے لیے سینکڑوں ہزاروں الفاظ مل جائیں گے جن سے ان مناظر و کیفیات کا پورا نقشہ کھنچ جاتا ہے‘ لیکن اگر آپ سمندر اور اس کے متعلقات کے الفاظ کے لیے عربی لغت کو کھنگالیں تو مشکل سے چند الفاظ ملیں گے‘ ان میں بھی خالص عربی الفاظ تو بہت کم ہوں گے۔ اونٹ‘ تلوار اور سانپ کے نام اور ان کے متعلقات کے لیے عربی لغت کا دامن تو بڑا وسیع ہے لیکن کشتی‘ کشتی رانی‘ سمندری سفر اور اس کے لوازم و ضروریات کے لیے مشکل سے دس بیس الفاظ ملیں گے‘ اور جو ہوں گے بھی وہ دوسری زبانوں سے مستعار ہوں گے۔ یہ تو محسوسات کا حال ہے لیکن معنوی

Marfat.com

کیفیات کا حال بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ خوشی و مسرت‘ لہو ولعب‘ عیش و تنعیم کے حالات و جذبات کے اظہار کے لیے عربی لغت میں الفاظ کی اتنی بہتات نہیں ہے جتنی بہتات فقر و فاقہ‘ حزن وملال اور قتل و خونریزی کے الفاظ ومحاورات کی ہے۔

غرض یہ ہے کہ عربی ادب و شاعری کی نشوونما جس سرزمین میں ہوئی‘ اس میں اس کے اثرات زیادہ نمایاں ہیں لیکن جوں جوں عربوں کا اختلاط ان قوموں سے بڑھتا گیا جو علم وتمدن میں ان سے ترقی یافتہ تھیں تو ان کے ادب وشعر میں بھی ان کے آثار نمایاں ہوتے چلے گئے اور ظاہر ہے کہ عربوں کو سب سے زیادہ جن ترقی یافتہ قوموں سے اختلاط کا موقع ملا‘ ان میں ایرانی‘ یہودی اور نصرانی سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔

ایرانیوں کے اثرات کی بحث تو ہمارے موضوع سے خارج ہے اور یہودیوں کے اثرات کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے۔ اب چند سطریں نصرانیوں کے اثرات پر لکھی جاتی ہیں۔ غسانی گو نسلاً عرب تھے‘ مگر رومیوں سے صدیوں کے تعلقات کی وجہ سے بہت زیادہ گھل مل گئے تھے اور ان کے علم وتمدن کا اتنا گہرا اثر قبول کیا تھا کہ ظہور اسلام کے وقت وہ عرب سے زیادہ وہ رومی معلوم ہوتے تھے‘ مگر اس کے باوجود بھی ان کا تعلق جزیرۂ عرب سے منقطع نہیں ہوا تھا۔ اس لیے اس دوگونہ تعلق کی وجہ سے نصرانی علم وتمدن کے عرب میں فروغ پانے کا بہت بڑا ذریعہ بن گئے۔

جزیرہ کے ہر حصہ کے عربی شعراء اپنے ان عیسائی بھائیوں کے پاس جاتے تھے‘ ان کو اپنا کلام سناتے تھے‘ انعام واکرام حاصل کرتے تھے اور ان کے عیش و تنعیم سے متاثر ہوتے تھے۔ نابغہ ذبیانی‘ اعشیٰ‘ المرقش الاکبر اور علقمہ الفحل جیسے مشہور روزگار وصاحب کمال شعراء غسانیوں کے دربار میں گئے اور ان سے خراج تحسین وصول کیا۔ ان ہی کے بارے میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے جاہلیت کے زمانہ میں کہا تھا:

للّٰہ در عصابة نادمتهم　　　یوماً بجلق فی الزمان الاول

خود حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو غسانیوں نے ایک دعوت میں جو وہاں کے حکمران جبلہ بن ایہم کے اہتمام میں ہوئی تھی‘ مدعو کیا تھا‘ جب وہ وہاں سے واپس آئے تو لوگوں

Marfat.com

سے کہا کہ نہ میری آنکھوں نے ایسا منظر اس سے پہلے دیکھا اور نہ میرے کانوں نے سنا تھا[1] پھر انہوں نے اس مجلس کی ایک ایک چیز کی شاعرانہ زبان میں تعریف کی۔ اس سے غسانیوں کے تمدن و تہذیب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ان کے متعلق لاتعداد قصص و امثال اور ان کے عیش و تنعم و عمران کے سینکڑوں واقعات عربی ادب و شاعری میں ملیں گے۔

نصرانی اور ان سے متاثر شعراء کے کلام پر آپ نظر ڈالیں گے تو آپ کو اس اثر کی بہت سی مثالیں ملیں گی۔

امیہ بن الصلت نے سب سے پہلے باسمك اللّٰهم کے لفظ سے عربوں کو روشناس کیا۔ اسی طرح اما بعد کو سب سے پہلے قس بن ساعدہ نے استعمال کیا۔ امیہ صحف قدیم کا عالم تھا وہ اپنے اشعار میں ایسے بہت سے الفاظ استعمال کرتا تھا جو اس سے پہلے عربی میں رائج نہیں تھے مثلاً ''قمر و ساہور''۔ ''یسل ویغمد''۔ اسی طرح اللہ کے لیے ''سلیط'' اور تفرور وغیرہ الفاظ اس نے استعمال کیے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن میں عبرانی' سریانی' رومی اور حبشی زبان کے متعدد الفاظ اور ترکیبیں استعمال ہوئیں' عبرانی الفاظ کی تفصیل تو یہودیت کی تاریخ کے سلسلہ میں اوپر آ چکی ہے کہ یہ زبان زیادہ تر یہود ہی سے مخصوص تھی' مگر نصرانیوں میں ان کے مختلف علاقوں میں مختلف زبانیں رائج تھیں۔ مثلاً سریانی' رومی' حبشی وغیرہ۔ ان زبانوں کے جو الفاظ اور فقرے قرآن پاک میں آئے ہیں' وہ یہ ہیں:

سریانی الفاظ: فردوس' طٰہٰ طور' ہیت لک' ولات حین مناص میں ولات' ربانیون' ربیون' رہوا الیم' صلوٰت' (کنائس) قنطار۔ ان کے علاوہ متعدد الفاظ ایسے ہیں جو انشقاق کے لحاظ سے تو عربی ہیں' مگر ان کے بہت سے معنی سریانی سے آئے ہیں' مثلاً قیوم، اسفار، آذر، قمل، سجد وغیرہ۔

---

[1] اغانی ج ۱۹ ص ۱۴ و فجر الاسلام ص ۳۰۔

[2] فجر الاسلام ص ۳۲۔

Marfat.com

رومی الفاظ: قسطاس‘ رقیم‘ طفق اور قسطاس وغیرہ۔

حبشی الفاظ: جبت‘ طاغوت‘ حوب‘ طول‘ سکر‘ سجل‘ مشکوٰۃ‘ منساۃ‘ اس کے علاوہ اور بھی متعدد الفاظ کو حبشی بتایا گیا ہے‘ یہ ساری تفصیل امام سیوطی کی کتاب المتوکلی اور ابن درید کی کتاب الاشتقاق میں ملے گی۔

ابھی بعثت نبویؐ کے بعد مسلمانوں اور نصرانیوں کے اجتماعی اور سیاسی تعلقات‘ ان کی اخلاقی اور دینی حالت‘ قرآن و حدیث کی روشنی میں مومنین اہل کتاب کے فضائل و مناقب وغیرہ کی تفصیل باقی تھی‘ مگر مجبوراً یہ سلسلہ ختم کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ۵۱ء ختم ہو رہا ہے اور حسب تجویز سال کے اندر اندر اس کتاب کا شائع ہو جانا ضروری ہے‘ اور ابھی کتاب کے نقشے اور ضمیمہ کی طباعت بھی باقی ہے۔ اب اگر چند صفحے اور بڑھائے گئے تو کتاب اس سال شائع نہ ہو سکے گی۔

آخر میں اہل علم حضرات سے گزارش ہے کہ اگر مقدمہ یا نفس کتاب میں کوئی تاریخی غلطی یا میرے ان قیاسات میں جو میں نے واقعات کی روشنی میں کیے ہیں‘ کوئی تضاد نظر آئے تو راقم السطور کو اس سے مطلع فرما کر ممنون احسان فرمائیں گے۔

اس میں غلطی اور ترمیم و اضافہ کا اس لیے بھی اور زیادہ امکان ہے کہ اس سے پہلے اس نفس موضوع پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی‘ بلکہ یہ نقش اول ہے جس کو ایک نومشق طالب علم نے اپنی کم سوادی اور علمی بے بضاعتی کے باوجود صفحہ قرطاس پر ثبت کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ کتاب صرف ایک دینی خدمت اور ایک علمی کمی کو پورا کرنے کے لیے لکھی گئی ہے‘ خدائے قدوس سے دعا ہے کہ اسے قبول فرمائے اور اس کی جزاء آخرت میں عطا فرمائے۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العنيم.

خادم: مجیب اللہ ندوی شبلی منزل‘ اعظم گڑھ

۱۶ صفر ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۷ نومبر 1951ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(الف)

(۱) حضرت ابرہہ[۱] رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

ابرہہ نام، شام[۲] یا حبشہ کے رہنے والے اور مذہباً عیسائی تھے، نام ونسب کے متعلق اور کوئی تفصیل کتب رجال میں نہیں ملتی۔

اسلام:

ان کے قبول اسلام کے متعلق یہ تو متعین طور سے نہیں بتایا جا سکتا کہ کب اور کہاں قبول کیا، مگر قرائن سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ جب بہت سے صحابہ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ

---

۱ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں اس نام کو دو نام شمار کر کے ایک جگہ ''ابرہۃ الحبشیؓ'' اور دوسری جگہ ''ابرہۃ آخر'' کی سرخی قائم کی ہے، لیکن غالباً یہ صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ اسد الغابہ تجرید اور دوسری کتب طبقات میں ایک ہی نام شمار کیا گیا ہے، اصابہ صفحہ ۱۷۔ ۲ اکثر کتب طبقات ان کا نام شامی ہونا درج ہے، حافظ ابن حجر نے بھی اصابہ میں احد الثمانیہ الشامیین لکھا ہے، مگر جہاں انہوں نے ان کے دوسرے احباب کے حالات لکھے ہیں وہاں ان کو شامی کے بجائے حبشی لکھا ہے، مثلاً اشرف کے تذکرہ میں لکھے ہیں: ''احد الثمانیة الذین قدموا من رھبان الحبشة'' یا ادریس کے تذکرہ میں لکھتے ہیں: ''احد الثمانیة المهاجرین من الحبشة'' اس سے قیاس ہوتا ہے کہ غالباً ان کے اجداد شامی ہوں گے اور اہل حبشہ کے ہم عقیدہ ہونے کی وجہ سے عارضی طور سے یا مستقلاً حبشہ آ گئے ہوں گے، اور وہیں اسلام قبول کیا ہوگا۔ یمن سے ملوک حمیر کا جو وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا تھا اس میں ایک ابرہہ ذکر آتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ وہی ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ شمس العلوم صفحہ ۹۳۔

Marfat.com

گئے اور ان کو نجاشیؓ کے دربار میں درخور حاصل ہوا' اور ان کے ذریعہ سے اہل حبشہ کو اسلام سے واقف ہونے کا موقع ملا تو خود نجاشیؓ اور ان کے ساتھ بہت سے علمائے نصاریٰ نے اسلام قبول کیا[1] غالباً ان ہی اسلام قبول کرنے والوں میں حضرت ابرہہؓ اور ان کے دوسرے[2] رفقاء بھی تھے۔

خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری:

اہل حبشہ میں سے جن لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تھا ان کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا بے حد اشتیاق تھا۔ اتفاق سے اسی درمیان میں مہاجرین حبشہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ واپس آ رہے تھے۔ اسی قافلہ کے ساتھ حضرت ابرہہ رضی اللہ عنہ بھی مدینہ آئے اور زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے۔

غزوات:

کسی غزوہ میں شرکت صحیح طور سے ثابت نہیں ہے[3]

فضائل:

آپ کا شمار ان اہل کتاب صحابہ میں ہے جن کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں:

---

[1] چالیس آدمیوں تک کے اسلام قبول کرنے کا ذکر ہے۔ اگرچہ ان کے ناموں کی تصریح بہت کم ملتی ہے۔ اصابہ ص ۱۷۔ [2] آپ کے دوسرے رفقاء کے تذکرے آگے آتے ہیں' حالات لکھتے وقت اشارہ کردیا جائے گا۔ [3] اسد الغابہ میں ہے کہ جب غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور اس کی خبر حبشہ تک پہنچی تو جو لوگ اہل حبشہ میں اسلام لا چکے تھے انہوں نے مدینہ جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے کی خواہش نجاشی سے ظاہر کی' چنانچہ وہ اجازت لے کر مدینہ آئے اور غزوۂ احد میں شرکت بھی کی' اس میں حضرت ابرہہؓ بھی تھے۔ اصابہ میں بھی اس قسم کی ایک روایت ہے' مگر امام ذہبی نے تجرید میں یہ تصریح کی ہے کہ عن مقاتل انه اشهد احداً وهذا لايثبت روایت ہے کہ وہ احد میں شریک ہوئے' مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ بعض روایتوں میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے آنے سے پہلے ایک وفد کے آنے کا ذکر ہے مگر اہل رجال نے یہ تصریح کردی ہے کہ وہ مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی دریا میں غرق ہوگیا۔ (اسد الغابہ ج ۱ ص ۶۲)

Marfat.com

﴿ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِہٖ ھُمْ بِہٖ یُؤْمِنُوْنَ .... اُولٰٓئِکَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَھُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا ﴾[1] (قصص)

''جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے کتابیں دیں وہ اس پر ایمان لاتے ہیں (اورقرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں) .... یہی لوگ ہیں جن کو ان کے صبر کی وجہ سے دوہرا ثواب ملے گا''۔

گو آپ کے نام کی تصریح نہیں ہے مگر مفسرین لکھتے ہیں کہ حبشہ سے علمائے نصاریٰ کا جو وفد آیا تھا اسی کے بارے میں یہ آیتیں بھی نازل ہوئیں اور آپ بہرحال اسی وفد میں تھے۔[2]

﴿ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَھُمْ مَّوَدَّۃً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰی ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنْھُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَرُھْبَانًا وَّاَنَّھُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ. وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰٓی اَعْیُنَھُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ﴾ (مائدہ: ۱۱)

''مسلمانوں سے محبت رکھنے میں قریب تر آپ ان لوگوں کو پائیں گے جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں' یہ اس لیے کہ ان میں بہت سے عالم اور بہت سے زاہد و درویش ہیں اور اس لیے کہ وہ تکبر نہیں کرتے' جب وہ سنتے ہیں اس کو جو رسول ﷺ کی طرف اتارا گیا (قرآن) تو آپ دیکھیں گے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا''۔

سنہ وفات اور زندگی کے دوسرے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

---

[1] بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ روایت رفاعۃ القرظی اور ان کے ساتھ اسلام قبول کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے حضرت سلمان فارسیؓ اور عبداللہ ابن سلام مراد ہیں۔ بعض روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نزول عام ہے اور یہی صحیح ہے۔

[2] اصابہ ج ۱ ص ۱۷ ' اسد الغابہ ج ۱ ص ۶۲۔

Marfat.com

(۲) حضرت ادریس رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

ادریس نام، شام یا حبشہ[۱] کے رہنے والے تھے، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کے جو عیسائی مدینہ آئے تھے، ان میں یہ بھی تھے۔

اسلام:

آپ رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابرہہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا[۲]

زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

حبشہ کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی دولت سے بہرہ مند ہوئے[۳]

فضائل:

آپ بھی ان خوش قسمت اہل کتاب صحابہ میں ہیں جن کے بارے میں قرآن کی متعدد آیتیں نازل ہوئیں اور اس انعام کے بھی مستحق ہوئے:

﴿ أُولَئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ ﴾

"یہی لوگ ہیں جن کو دوہرا ثواب ملے گا"۔

آپ کی زندگی کے عام حالات اور وفات وغیرہ کے متعلق اور کوئی تفصیل نہیں مل سکی۔

---

[۱] اصابہ ج اص ۲۷ اور حضرت ابرہہؓ کے تذکرہ میں شامی یا حبشی ہونے کی تحقیق گزر چکی ہے۔

[۲] ایضاً۔ [۳] ایضاً۔

Marfat.com

(۳) حضرت اسیدؓ بن سعید

نام ونسب:

اسید[1] نام، باپ کا نام سعید تھا، قبیلہ ہدل[2] جو بنو قریظہ[3] ہی کی ایک شاخ تھی اس سے آپ کا نسبی تعلق تھا۔

اسلام:

بنو قریظہ کا معاملہ ان کی خواہش کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ بن معاذ کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ جو فیصلہ کریں گے اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ حضرت سعدؓ بن معاذ نے یہ فیصلہ کیا کہ قبیلہ کے جتنے بالغ مرد ہیں وہ سب قتل کیے جائیں اور عورتیں اور بچے لونڈی غلام بنائے جائیں۔ جب اس فیصلہ کی خبر حضرت اسید رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو وہ اپنے چند احباب کے ساتھ بنو قریظہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ تم لوگوں کو ابن الهیبان[4] کی

---

[1] اکثر لوگوں نے آپ کا نام اسد بغیر "ی" کے لکھا ہے مگر استیعاب اور اسد الغابہ میں یہ تصریح ہے کہ صحیح اسید ہے۔ ابن ہشام نے بھی اسید ہی لکھا ہے۔ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶۹، اصابہ ج ۱ ص ۳۳۔

[2] هدلي، هذه النسبة الى الهدال اخوة بني قريظة و دعوتهم (اى نسبهم ج ۱۸ ص ۲۴۶ لسان) من بني قريظة (سمعاني) بنو ہدل بنی قریظہ ہی کی ایک شاخ ہے۔

[4] ابن الهیبان ایک یہودی عالم تھا جو شام سے مدینہ چلا آیا تھا۔ مدینہ کے یہود قحط اور دوسری مصیبتوں کے وقت اس سے دعائیں کراتے تھے۔ جب اس کے انتقال کا وقت آیا تو اس نے یہود کو جمع کیا اور کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں شام جیسی سرسبز و شاداب جگہ چھوڑ کر مدینہ جیسی غیر شاداب جگہ کیوں چلا آیا؟ میں یہاں اس لیے آیا تھا کہ مجھے ایک نبی کا انتظار تھا جو یہاں ہجرت کر کے آئے گا، میں اگر زندہ رہتا تو اس کی اتباع کرتا، دیکھو! تم لوگ اس کی اطاعت سے گریز نہ کرنا، ورنہ یہ اعراض تمہارے قتل کا سبب بنے گا۔ چنانچہ بنو قریظہ نے اس سے وعدہ کیا کہ ہم لوگ ایسا ہی کریں گے۔ جنگ قریظہ کے روز حضرت اسید نے اسی وعدہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اصابہ ج ۱ ص ۳۳ و ابن ہشام ج ۱ ص ۱۳۷۔

Marfat.com

بات یاد نہیں ہے کہ تم نے کیا وعدہ کیا تھا؟ اے یہود! اللہ سے ڈرو! اور اس نبی برحق کی اتباع کرو! مگر یہود نے اتباع کرنے اور اسلام قبول کرنے سے گریز کیا۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا' اور اپنے اہل وعیال اور مال و دولت کو اللہ کی حفاظت میں دے کر بچالیا۔[1]

وفات:

آپ کے سنہ وفات کی تصریح تو نہیں ملتی' مگر بخاری کے بیان سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس دار فانی کو چھوڑ چکے تھے۔[2]

فضل وکمال:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان کو پورے طور سے یقین ہوگیا کہ نبی موعود آپ ہی ہیں تو ان کو آپ کی اتباع سے کوئی تعلق اور رشتہ نہ روک سکا' گو آپ کو اس راہ میں نشانہ ملامت و مصیبت بننا پڑا۔ چنانچہ جب آپ اسلام لائے تو یہود نے مختلف طریقے سے آپ کو ستانا شروع کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔[3]

﴿ لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُوْنَ اٰيَاتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴾ (آل عمران)

''سب اہل کتاب برابر نہیں ہیں' ان میں ایک جماعت ہے جو (دین) پر قائم ہے اور رات کے اوقات میں وہ اللہ کی آیات کی تلاوت کرتی ہے اور وہ نمازی بھی ہیں''۔

زندگی کے اور حالات پردۂ خفا میں ہیں۔ ثعلبہ آپ کے بھائی تھے جن کا ذکر آگے آئے گا۔

---

[1] استیعاب ذکر اسیدؓ ج اص ۳۶۔ [2] ایضاً۔ [3] استیعاب ج اص و اصابہ ج اص ۱۳۔

Marfat.com

(۴) حضرت اسدؓ بن عبید

نام ونسب:

اسد نام' باپ کا نام عبید تھا۔ آپ بھی قبیلہ ہدل کے ایک فرد تھے۔[۱]

اسلام:

بنو قریظہ کو آپ نے بھی بہت کچھ سمجھایا' مگر جب وہ اپنی ضد پر اڑے رہے تو حضرت اسیدؓ کے ساتھ انہوں نے بھی اہل خاندان سے رشتہ توڑ کر اسلام سے جوڑ لیا اور پھر اس سے کبھی علیحدہ نہیں ہوئے۔[۲]

وفات:

آپ کی وفات کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

عام حالات:

زندگی کے عام حالات کے متعلق بھی کوئی اور تفصیل نہیں مل سکی۔ صاحب تجرید[۳] نے لکھا ہے کہ:

له ذکر من وجه عجیب. ''عجیب وغریب طور سے ان کا ذکر ملتا ہے''۔

غالباً اس سے ابن الہیبان کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔[۴] واللہ اعلم بالصواب۔

فضائل:

آپ بھی ان صحابہؓ میں ہیں جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:[۵]

﴿ لَيْسُوا سَوَآءً مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ آيَاتِ اللّٰهِ ﴾ (آل عمران)

''سب اہل کتاب برابر نہیں ہیں' ان میں سے ایک جماعت (دین) پر قائم ہے جو رات کے اوقات میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتی ہے''۔

---

۱ استیعاب ج ۱ ص ۳۸۔ ۲ اصابہ' استیعاب و ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶۹۔ ۳ تجرید تذکرہ اسد۔
۴ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ ۵ استیعاب ج ۱ ص ۳۶۔

Marfat.com

(۵) حضرت اسدؓ بن کعب القرظی

نام و نسب:

اسد نام' باپ کا نام کعب[1] بن اسد تھا۔ یہود مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو قریظہ سے آپ کا نسبی تعلق تھا' حافظ ابن حجر کے علاوہ ارباب رجال میں سے کسی نے آپ کا ذکر مستقل[2] طور سے نہیں کیا ہے۔ البتہ ابن جریر میں تفسیر میں اس آیت کے ضمن میں آپ کا اور آپ کے بھائی اسید کا نام لیا ہے۔

﴿ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ .... الخ ﴾

''اہل کتاب میں سے ایک جماعت ہے جو اللہ کی آیات کی تلاوت کرتی ہے''۔

اسلام:

زمانہ قبول اسلام کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی' غالباً قریظہ کے روز یا اس کے بعد اسلام قبول کیا۔ آپ کا تذکرہ عموماً حضرت عبداللہؓ بن سلام وغیرہ کے ساتھ آتا ہے۔

فضل و کمال:

آپ بھی ان آیات کے مورد اور مصداق ہیں جو دوسرے اہل کتاب صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ قبول اسلام کے بعد یہود نے آپ کو طعن و تشنیع کا ہدف بنا لیا تھا۔ لیکن یہ سب کچھ آپ نے خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا مگر اپنا رشتہ اسلام سے جوڑنے کے بعد پھر کبھی نہیں توڑا' گو اور تمام رشتے ٹوٹ گئے۔ یہ آپ کی سب سے بڑی فضیلت ہے۔

---

[1] غالباً یہ وہی کعب ہے جس نے غزوۂ خندق میں قریش وغیرہ سے مدد دینے کا وعدہ کیا تھا' اور قریظہ کے روز قتل کیا گیا۔ یہ وہ کعب نہیں ہیں جو محمد بن کعب القرظی مشہور تابعی کے والد ہیں جن کے بارے میں روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بنو قریظہ کے روز نابالغوں میں شمار کر کے چھوڑ دیئے گئے تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے۔ اصابہ جلد اص ۳۳۔

[2] استیعاب میں ثعلبہؓ بن سلام کے حالات کے ضمن میں آپ کا نام بھی آیا ہے۔ ج اص ۷۸۔

Marfat.com

(۶) حضرت اسیدؓ بن کعب القرظی

نام ونسب:

اسید نام' باپ کا نام کعب بن اسد تھا' آپ بھی بنو قریظہ ہی کے ایک فرد تھے اور حضرت اسدؓ کے جن کا تذکرہ اوپر ہوا ہے' بڑے یا چھوٹے بھائی تھے[1]

اسلام:

ان کے قبول اسلام کے متعلق بھی متعین طور سے نہیں بتایا جا سکتا کہ کب قبول کیا۔ غالباً دونوں بھائی ساتھ ہی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہوں گے' بھائی کی طرح زندگی کے دوسرے حالات پردۂ اخفا میں ہیں آپ بھی ان تمام افضال و انعام الٰہی کے مورد و مستحق ہیں جن کے مستحق آپ کے بھائی حضرت اسد رضی اللہ عنہ ہیں۔

ابن جریر[2] نے اس آیت کے ضمن میں آپ کا نام بھی لیا ہے۔

﴿مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾

''اہل کتاب میں ایک جماعت ہے جو اللہ کی آیات کی تلاوت کرتی ہے''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی ان مصائب کا شکار ہوئے ہوں گے جن کے آپ کے بھائی حضرت اسد رضی اللہ عنہ اور دوسرے اہل کتاب صحابہ ہوئے تھے۔

[1] اصابہ ج ا ص ۵۰۔ [2] تفسیر طبری تفسیر آیت مذکورہ سورہ آل عمران۔

Marfat.com

(۷) حضرت اشرف حبشی رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

اشرف[۱] نام تھا' حبشہ یا شام کے رہنے والے اور عقیدۃً عیسائی تھے۔

اسلام:

اپنے دوسرے رفقاء[۲] حضرت ابرہہؓ اور حضرت ادریسؒ وغیرہ کے ساتھ اسلام لائے۔

خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آمد:

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اہل حبشہ کا جو وفد خدمت نبویؐ میں آیا تھا اس میں آپ بھی تھے۔

وفات:

وفات کے متعلق کوئی تفصیل نہیں مل سکی۔

فضل وکمال:

آپ علمائے نصاریٰ میں تھے' حافظ ابن حجر نے آپ کے اوصاف کے سلسلے میں لکھا ہے کہ:

من رھبان الحبشة. ''حبشہ کے راہبوں میں سے تھے''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا شمار علماء نصاریٰ میں تھا' لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد اسلامی علوم سے کہاں تک واقف ہوئے اس کی تفصیل نہیں ملتی اور نہ آپ سے کوئی روایت ہے۔

---

[۱] حافظ ابن حجر نے صحابہ کی چار قسمیں قرار دی ہیں' ان کو قسم اول میں شمار کیا ہے جس سے ان کی اہمیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ [۲] اوپر ان کا تذکرہ آچکا ہے۔ [۳] اصابہ ج اص ۵۱۔

Marfat.com

(۸) حضرت بحیرا الحبشی رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

بحیرا[1] نام‘ شام یا حبشہ کے رہنے والے اور عقیدۃً نصرانی تھے۔

اسلام:

غالبًا آپ نے بھی اپنے احباب حضرت اشرفؓ وتمامؓ وغیرہ کے ساتھ اسلام قبول کیا ہوگا۔

زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف:

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ بھی حبشہ سے مدینہ آئے اور زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے۔

وفات:

وفات کا سنہ یا تاریخ معلوم نہیں ہوسکی۔

روایت:

ابن عدی نے ایک ضعیف واسطہ سے آپ سے یہ ایک روایت نقل کی ہے:

عن جعفر بن محمد عن علی بن ابیه عن جده قال سمعت بحیرا الراهب یقول سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا شرب

---

[1] یہ وہ بحیرا الراہب نہیں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل نبوت شام میں ملے تھے۔ ابن اثیر نے دونوں کو ایک شمار کیا ہے‘ اس پر حافظ ابن حجر نے حضرت ابرہہؓ کے حالات میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔ یہ دوسرے بحیرا ہیں‘ ابن اثیر کو غلط فہمی ہوئی ہے اور اسی لیے بحیرا الراہب کو انہوں نے قسم ربع میں داخل کیا ہے اور انہیں قسم اول میں‘ اصابہ ج ا ص ۳۶۔

Marfat.com

الرجل كأساً من خمر الخ[1]

''جعفر بن محمد اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بحیرا سے سنا وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا کہ اگر کسی شخص کو شراب کا ایک پیالہ پلایا جائے''۔

اور روایت کرنے کے بعد خود ہی جرح بھی کی ہے' جرح کے الفاظ یہ ہیں:

هذا حديث منكر ولم اسمع بحيرا عند غير هذا[2]

''یہ منکر حدیث ہے' ان کے علاوہ بحیرا کی کوئی اور حدیث نہیں''۔

---

[1] بقیہ الفاظ حدیث جستجو و تلاش کے بعد بھی نہیں ملے' تجرید ج ا ص ۳۶۔

[2] حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صاحب حدیث بحیرا راہب شامی ہیں۔ یہ غلط ہے۔ اگر حدیث صحیح ہے تو یہ وہی بحیرا ہیں جو حبشہ سے حضرت ابرہہؓ کے ساتھ آئے تھے۔ اصابہ ج اول ص ۱۳۹۔

Marfat.com

(۹) حضرت بشیرؓ بن معاویہ

نام ونسب:

بشیر نام' ابوعلقمہ کنیت' باپ کا نام معاویہ تھا' اسقف نجران کے بھائی تھے۔

اسلام:

اہل نجران کے پاس جب آنحضرت ﷺ کا نامۂ مبارک پہنچا تو انہوں نے ایک وفد آپ کی خدمت میں دریافت حال کے لیے بھیجا۔ یہ وفد مدینہ سے نجران واپس ہوا تو راستے میں اسقف رئیس وفد نے آنحضرت ﷺ کے اس نامۂ مبارک کو پڑھنا شروع کیا۔ اتفاق سے اسی اثنا میں بشیر کی اونٹنی کو ٹھوکر لگی اس پر انہوں نے آنحضرت ﷺ کی شان میں کچھ نالائم الفاظ استعمال کیے۔ اسقف نے ڈانٹا اور کہا کہ وہ نبی صادق ہیں۔ حضرت بشیرؓ کے دل میں یہ بات گھر کر گئی۔ انہوں نے فرمایا کہ جب وہ نبی صادق ہیں تو خدا کی قسم جب تک ان کی خدمت میں نہ پہنچ جاؤں' اونٹنی کا کجاوہ نہ کھولوں گا' چنانچہ شوق و وارفتگی میں یہ اشعار پڑھتے ہوئے وہاں سے پھر مدینہ واپس ہوئے۔

الیک تغدوا قلقا وضینها معترضا فی بطنها فیها

مخالفا دین النصاریٰ دینها

خدمت نبویؐ میں پہنچ کر اسلام قبول کیا اور ساری زندگی دربار رسول کی غلامی میں گزار دی۔

شہادت:

غزوہ کی تصریح تو نہیں مل سکی' لیکن کسی غزوہ ہی میں شہادت پائی[1]

---

[1] اصابہ جلد اول صفحہ ۱۶۰' قریب قریب ان ہی کے واقعہ سے ملتا جلتا کرز بن علقمہ کا واقعہ بھی ہے' لیکن اصابہ نے ان کو دو شمار ہے اور یہ دو اس لیے بھی ہیں کہ کرز کا واقعہ مدینہ جاتے ہوئے پیش آیا تھا اور بشیر کا واقعہ وہاں سے واپسی پر۔

Marfat.com

(ت)

(۱۰) حضرت تمام رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

تمام نام، شام یا حبشہ کے رہنے والے اور عقیدہ کے اعتبار سے نصرانی تھے۔

اسلام:

اوپر جن لوگوں کا تذکرہ ہوا ہے غالباً اپنے ان ہی رفقاء کے ساتھ انہوں نے بھی اسلام قبول کیا ہوگا۔

شرف زیارت:

آپ بھی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ سے آئے اور زیارت نبویؐ سے بہرہ مند ہوئے۔

وفات:

وفات اور دوسرے حالات کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔ تجرید میں آپ کے متعلق یہ بھی ہے کہ بحیرا اور ابرہہ کے ساتھ آئے۔

وفد مع بحیرا وابرهه فی حدیث ساقط تمرة[1]

''بحیرا اور ابرہہ کے ساتھ یہ بھی ساقط تمرہ والے واقعے میں تھے''۔

آپ بھی ان تمام فضائل اور انعام کے مورد ہیں جس کے مورد دوسرے اہل کتاب صحابہ ہیں۔

---

[1] حدیث کا پورا متن بڑی کاوش کے بعد بھی نہیں مل سکا' اصابہ ج ا ص ۱۸۳' تجرید ا ص ۶۱۔

Marfat.com

(۱۱) حضرت تمیم الحبشی رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

تمیم نام' شام یا حبشہ کے رہنے والے اور عقیدہ کے اعتبار سے عیسائی تھے۔

اسلام:

آپ کے چند احباب کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے' غالباً آپ نے بھی حبشہ میں ان کے ساتھ اسلام قبول کیا ہوگا۔

شرف زیارت:

حبشہ کے وفد کے ساتھ آپ بھی مدینہ آئے اور شرف زیارت نبویؐ سے بہرہ ور ہوئے۔

وفات:

آپ سے کوئی روایت نہیں ہے[1]

وفات و عام حالات کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی۔

[1] اصابہ اور اسد الغابہ۔

Marfat.com

(۱۲) حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

تمیم نام' ابورقیہ کنیت' داری نسبت ہے' پورا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ تمیم بن اوس
خارجہ ابن سور بن حزیم بن ذراع بن عدی بن الدار[1] بن ہانی بن حبیب بن تمارہ بن لخم
عدی بن عمر بن سبا۔

ابن ہشام نے عمرو بن سباء کے درمیان دو ایک نام اور بڑھائے ہیں۔ ش
کے رہنے والے تھے۔ قبیلہ لخم[2] سے نسبی تعلق تھا' اور مذہباً عیسائی تھے۔

اسلام:

۹ ہجری میں اپنے بھائی نعیم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے ا
مشرف باسلام ہوئے[3]

غزوات:

اسلام لانے کے بعد جتنے غزوات پیش آئے سب میں شریک ہوئے'[4] رسو
اللہ نے کفاف کے لیے شام میں قریہ عینون کا ایک حصہ آپ کو دے دیا تھا اور اس کی تحری
سند بھی لکھ دی تھی مگر دیار محبوب کی محبت نے وطن کی محبت فراموش کر دی' چنانچہ عہد نبو
کے بعد خلفائے ثلاثہ کے زمانے تک آپ مدینہ ہی میں رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
شہادت کے بعد ملی فتنہ وفساد شروع ہوا تو آپ بادل ناخواستہ مدینہ چھوڑ کر اپنے وط

---

[1] حفاظ ابن عبدالبر نے داری کی نسبت کی یہ وجہ بتائی ہے کہ لخم کی ایک شاخ دار ہے اور یہ نسبت اسی
طرف ہے' مگر یہ توجیہہ صحیح نہیں ہے' بلکہ صحیح یہ ہے کہ ان کے اجداد میں ایک شخص کا نام دار ہے جیسا
سلسلہ نسب میں مذکور ہے' یہ نسبت اسی کی طرف ہے۔ اس کی تائید سمعانی کے اس بیان سے بھی ہو
ہے۔ فاما النسبة الی الجد فمنهم ابورقیه الداری (سمعانی ص ۲۱۹ ذکر داری) [2] لخم وجذام یم
کے رہنے والے تھے جو شام میں آ کر اقامت پذیر ہو گئے تھے (سمعانی ذکر لخم ص ۴۹۵) [3] اصا
استیعاب' ابن سعد۔ [4] ابن سعد' اسد الغابہ۔

Marfat.com

شام چلے گئے[1] آپ جب شام سے مدینہ آئے تو اپنے ساتھ کچھ قندیلیں اور تھوڑا سا تیل بھی لیتے آئے۔ مدینہ پہنچ کر قندیلوں میں تیل ڈال کر مسجد نبویؐ میں لٹکا دیں اور جب شام ہوئی تو انہوں نے انہیں جلا دیا۔ اس سے پہلے مسجد میں روشنی نہیں ہوتی تھی' آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور مسجد کو روشن پایا تو دریافت فرمایا کہ مسجد میں روشنی کس نے کی ہے۔ صحابہ کرام نے حضرت تمیم رضی اللہ عنہ کا نام بتایا۔ آپ بے حد خوش ہوئے ان کو دعائیں دیں اور فرمایا اگر میری کوئی لڑکی ہوتی تو میں تمیمؓ سے اس کا نکاح کر دیتا۔ اتفاق سے اس وقت نوفل بن حارث موجود تھے۔ انہوں نے اپنی بیوہ[2] صاحبزادی ام المغیرہ کو پیش کیا۔ آپ نے اسی مجلس میں ام المغیرہ سے حضرت تمیم رضی اللہ عنہ کا نکاح کر دیا۔[3]

وفات:

مدینہ سے واپسی کے بعد گوشہ نشینی اختیار کر لی اور آخر عمر تک زاہدانہ اور درویشانہ زندگی بسر کی۔[4] ۴۰ ہجری میں داعی اجل کو لبیک کہا اور بیت جیرون[5] میں مدفون ہوئے۔

اولاد:

آپ کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ صرف ایک صاحبزادی رقیہ تھیں' جن کی نسبت سے آپ کی نسبت ابورقیہ ہے۔

علم وفضل:

اسلام سے پہلے آپ کا شمار علمائے نصاریٰ میں ہوتا تھا۔ قبول اسلام کے بعد علمی ذوق

---

1. ابن سعد جزء ۲ قسم ۲ ص ۱۱۳، اسد الغابہ کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ مستقل طور پر شام ہی میں رہتے تھے مگر ابن سعد کا بیان زیادہ صحیح ہے کہ اسلام لانے کے بعد مدینہ ہی میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے بعد مستقل طور سے شام واپس چلے گئے۔ 2. پہلے ان کا نکاح براء یا ابوالبراء سے ہوا تھا۔
3. اسد الغابہ ج ۵ ص ۱۴۵۔ 4. ارباب طبقات میں آپ کا سنہ وفات نہیں ہے البتہ تہذیب التہذیب میں ہے کہ آپ کی قبر پر کچھ ایسے نشانات پائے گئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی وفات ۴۰ھ میں ہوئی۔ تہذیب ص ۵۱۲ جلد ۱۔ 5. اصابہ میں جبرین ہے اور تہذیب میں جیرون۔ میں نے تہذیب کے بیان کو اختیار کیا ہے تہذیب ج ص ۵۱۳ سمعانی ج ۱ ص ۲۱۹۔

Marfat.com

قرآن مجید کی جانب منتقل ہوگیا اور اس سے پوری واقفیت پیدا کی۔ قتادہ کا قول ہے کہ:

کان من علماء اهل الکتابین [1] ''آپ کا شمار انجیل و قرآن کے علماء میں تھا''۔

بعض لوگوں [2] نے آپ کا شمار ان صحابہ میں کیا ہے' جنہوں نے عہد نبوی میں قرآن جمع کیا تھا۔

تراویح کی امامت:

فتح الباری میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے تراویح باجماعت قائم کی تو مردوں کا امام ابی بن کعب کو اور عورتوں کا امام تمیمؓ داری کو مقرر کیا۔[3]

ایک روایت:

آپ کا سب سے بڑا اشرف یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ان سے ایک واقعہ مسلم میں موجود [4] ہے' روایت کیا ہے' اس کے علاوہ بہت سے کبار صحابہ اور تابعین نے بھی آپ سے روایتیں کیں ہیں' مثلاً عبداللہؓ بن عمر، ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، انسؓ بن مالک' زراہ بن عوفی' روح بن زنباع، عبداللہ ابن موہب' عطاء بن یزید اللیثی' شہر بن حوشب، عبدالرحمٰنؓ بن غنم [5]، سلیم بن عامر' شرحبیل بن مسلم، قبیصۃ [5] بن ذویب' کثیر بن مرہ، ازہر بن عبداللہ [6] وغیرہ۔

چونکہ آپ متاخر الاسلام تھے' اس لیے آپ کی روایتوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے مسند میں ۱۲ حدیثیں آپ کی سند [7] سے درج ہیں۔

اتباع سنت اور مواظبت عمل:

آپ کو اتباع سنت کا بڑا لحاظ تھا اور جس سنت پر ایک مرتبہ عمل شروع کر دیتے' اس پر ہمیشہ مواظبت کرتے۔ چنانچہ معمول تھا کہ نماز عصر کے بعد دو رکعت نماز نفل ادا فرماتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دستور تھا کہ جن لوگوں کو نماز عصر کی ادائیگی کے بعد نفل

---

[1] تہذیب ایضاً۔ [2] ابن سعد جزء ۲ قسم ۲ ص ۱۳۔۷۔ [3] فتح الباری ص ۲۱۹ ج ۱ بعض روایتوں میں تمیم داری کے بجائے سلمان بن حثمہ کا نام ہے۔ ائمہ حدیث نے اس کی یہ توجیہہ کی ہے کہ دونوں آدمی مختلف اوقات میں اس خدمت پر متعین ہوئے۔ [4] محدثین نے اسی روایت سے روایت الکبار عن الصغار ایک مستقل اصول روایت بنالیا ہے اور یہی اس کی پہلی مثال ہے۔ [5] مسلم شریف ذکر جساسہ ص ۴۔

[6] تہذیب التہذیب ص ۵۱۱۔ [7] یہ تین نام استیعاب میں درج ہیں۔

Marfat.com

پڑھتے دیکھتے انہیں منع فرماتے اور بعض اوقات سزا بھی دیتے۔ ایک مرتبہ تمیم داری سے بھی اس کے متعلق فرمایا تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو درشت لہجہ میں جواب دیا کہ:

لا ادعهما صليتهما مع من هو خير منك رسول الله ﷺ.

''میں ان دو رکعتوں کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا میں نے یہ دو رکعتیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی ہیں جو تم سے بہتر ہیں''۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے پھر کوئی باز پرس نہیں کی' اور فرمایا کہ اگر تمام لوگ تمہاری ہی طرح ہو جائیں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ۔[2]

حصول ثواب کے لیے کام:

ایک مرتبہ روح بن زنباع آپ کی خدمت میں گئے تو دیکھا کہ گھوڑے کے لیے جو صاف کر رہے ہیں اور گھر کے تمام لوگ آپ کے ارد گرد بیٹھے ہوئے ہیں۔ روح نے عرض کیا کیا ان لوگوں میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اس کام کو کر سکے۔ آپ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ:

ما من امرء مسلم ينقى لفرسه شعيراً ثم يعلفه عليه كتب له بكل حبه حسنه. [3]

''جب کوئی مسلمان اپنے گھوڑے کے لیے دانہ صاف کرتا ہے اور پھر اس کو کھلاتا ہے تو ہر دانہ کے بدلے اسے ایک نیکی ملتی ہے''۔

اس لیے میں خود اپنے ہاتھ سے صاف کرتا ہوں تا کہ ثواب سے محروم نہ رہ جاؤں۔

عبادت:

آپ کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے جو زہد و تقویٰ' عبادت و ریاضت میں ضرب المثل تھے' بمشکل ہی سے کبھی آپ کی نماز تہجد ناغہ ہوتی' تہجد میں بسا اوقات ایک آیت اتنی بار دہراتے کہ پوری رات ختم ہو جاتی۔ ایک مرتبہ آپ تہجد میں جب اس آیت:

﴿ام حسب الذين اجترحوا السيئات ان نجعلهم كالذين امنوا وعملوا الصلحت سواء محياهم ومماتهم﴾ (جاثیہ)

---

[1] مسند ص ۱۰۳۔ [2] مسند جلد ۴ ص ۱۰۲۔ [3] ایضاً ص ۱۰۲۔

Marfat.com

''جو لوگ برے کام کرتے ہیں کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان کے برابر رکھیں گے جنہوں نے ایمان و عمل صالح کو اختیار کیا کہ ان سب کا مرنا جینا برابر ہو جائے''۔

پر پہنچے تو اسی کو رات بھر دہراتے رہے' یہاں تک کہ صبح ہو گئی [1] محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے۔[2] انہوں نے ایک قیمتی جوڑا خریدا تھا جس روز ان کو شب قدر کی توقع ہوتی تھی اسے اس روز پہنتے تھے۔[3]

ریا سے پرہیز:

بایں ہمہ اپنی عبادت کو لوگوں پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ آپ رات میں کتنی نمازیں پڑھتے ہیں۔ آپ اس سوال سے بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ ایک رکعت نماز جسے میں رات کی تنہائی میں پڑھوں' وہ مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ میں رات بھر نماز پڑھوں اور صبح کو سب سے بیان کرتا پھروں۔[4]

مسجد میں روشنی کی ابتداء:

یہ آپ کا بہت بڑا شرف ہے کہ آپ نے مسجد میں روشنی کی سنت حسنہ جاری کی۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمیم داری رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسجد میں چراغ جلانے اور روشنی کرنے کی ابتداء کی۔[5]

ایک کرامت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ مقام حرہ میں آگ لگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے واقعہ بیان کیا۔ حضرت تمیمؓ وہاں گئے اور بے خطر آگ میں گھس گئے اور اسے بجھا کر صحیح و سالم واپس چلے آئے۔ حضرت عمرؓ آپ کو خیر اہل المدینہ (مدینہ کے سب سے اچھے اور نیک آدمی) فرمایا کرتے تھے۔[6]

حلیہ و لباس:

خوش و پوش' خوش وضع اور خوبصورت آدمی تھے۔[7]

---

[1] اصابہ' اسد الغابہ' نسائی میں بھی یہ روایت ہے۔ [2] تہذیب التہذیب ذکر تمیم۔ [3] صفوۃ الصفوۃ ج ا ص ۱۳۰۔ [4] ایضاً۔ [5] ابن ماجہ باب المساجد ص ۵۶۔ [6] اصابہ ج ۳ ص ۴۹۷۔ [7] اسد الغابہ ص ۲۱۵ ج ا۔

Marfat.com

(ث)

(۱۴) حضرت ثعلبہؓ بن سعیۃ الہدلی

نام ونسب:

ثعلبہ نام، باپ کا نام سعیہ، قبیلہ ہدل[1] جو بنو قریظہ کی ایک شاخ تھی اس سے نسبی تعلق تھا حضرت اسید رضی اللہ عنہ جن کا اوپر ذکر آ چکا ہے ان کے حقیقی بھائی تھے۔

اسلام:

جب بنو قریظہ کے قتل کا فیصلہ ہوا تو حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ قبیلہ کے دو تین نوجوانوں کے ساتھ اہل قبیلہ کے پاس گئے اور ان کو ابن الہیبان[2] کی وصیت اور اس کا وعدہ یاد دلا کر سمجھانے کوشش کی اور اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔ لیکن جب یہ کوشش بے سود رہی تو اپنے بھائی حضرت اسید رضی اللہ عنہ اور قبیلہ کے ایک نوجوان اسد بن عبید کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر خود اسلام قبول کیا[3]

آپ کی زندگی کے اور دوسرے حالات نہیں مل سکے۔

وفات:

سنہ وفات کی تصریح نہیں مل سکی البتہ امام بخاری کے بیان سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ حیات نبوی ہی میں وہ اس دار فانی کو چھوڑ چکے تھے[1]

---

[1] اس کی تحقیق حضرت اسیدؓ کے حالات میں گزر چکی ہے۔ [2] پورا قصہ حضرت اسیدؓ کے حالات میں لکھا جا چکا ہے۔ [3] اصابہ ذکر اسید ج ۱ ص ۴۳، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام کے ساتھ اسلام لائے مگر صاحب اسد الغابہ نے اس کی تردید کی ہے۔ ابن ہشام وغیرہ کا بیان بھی اس کے خلاف ہے اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۴۱ و ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶۹۔ [1] اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۴۱۔

Marfat.com

فضل وکمال:

اہل کتاب صحابہ کے عام فضائل ومحامد کے ساتھ حضرت ثعلبہؓ ابن سعیہ کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ جب حضرت ریحانہؓ غزوہ بنوقریظہ میں گرفتار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئیں، تو آپ کی خواہش ہوئی کہ وہ اسلام قبول کرلیں، مگر وہ کسی طرح اس پر راضی نہ ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کے اسلام نہ لانے کا بے حد رنج تھا۔ ایک روز آپ صحابہ کرامؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت ثعلبہؓ ابن سعیہ آئے اور آہستہ سے آپؐ سے حضرت ریحانہؓ کے اسلام قبول کر لینے کی خوشخبری سنائی۔ آنحضرتؐ نے مسرت آمیز لہجہ میں حاضرین سے فرمایا کہ ثعلبہ ریحانہ کے اسلام کی خوشخبری لے کر آئے ہیں۔

(ابن ہشام)

(۱۴) حضرت ثعلبہؓ بن سلام

نام ونسب:

ثعلبہ نام، باپ کا نام سلام۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے بھائی تھے۔ پورا سلسلہ نسب عبداللہؓ بن سلام کے تذکرے میں آئے گا۔

اسلام:

آپ کے اسلام لانے کا زمانہ متعین نہیں کیا جاسکتا، مگر اتنا معلوم ہے کہ آپ عبداللہ بن سلام کے بعد اسلام لائے [1]

وفات:

آپ کی وفات کے بارے میں بھی کوئی تصریح نہیں ملتی اور نہ آپ کی زندگی کے عام حالات اور کارنامے کے متعلق کوئی تذکرہ ملتا ہے۔

---

[1] اصابہ جلد ۲۔

Marfat.com

(۱۵) حضرت ثعلبہؓ بن قیس

نام و نسب:

ثعلبہ نام' باپ کا نام قیس' یہود مدینہ سے تھے' مگر یہ تصریح نہیں مل سکی کہ کس قبیلہ سے تعلق تھا۔

اسلام:

صحیح طور سے نہیں کہا جا سکتا کہ آپ نے کب اسلام قبول کیا' لیکن چونکہ ان آیتوں کی تفسیر کے ضمن میں جو اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئیں آپ کا نام عبداللہؓ بن سلام وغیرہ کے ساتھ آتا ہے' اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ متقدم الاسلام ہوں گے۔

وفات:

سنہ وفات کے متعلق بھی کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

فضائل:

یوں تو ان تمام فضائل و انعام کے آپ بھی مستحق ہیں جن کے دوسرے اہل کتاب صحابہ مستحق ہیں' لیکن ذیل کی دو آیتوں کے ضمن میں خصوصیت سے آپ کا نام بھی مفسرین لیتے ہیں۔ جب کفار قریش آنحضرت ﷺ اور قرآن کے متعلق مختلف قسم کے شکوک و شبہات پیدا کرنے لگے تو اس کے لیے ایک ثبوت یہ بھی پیش کیا گیا:

﴿ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾[1]

---

[1] سورہ شعراء یقیناً مکی ہے' مگر اس کی پانچ آیتوں کے نزول کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں جو لوگ اس آیت کو بھی مدنی کہتے ہیں' ان کے نزدیک تو کوئی اشکال نہیں ہے لیکن جو لوگ اسؒ کو مکی کہتے ہیں ان کے سامنے یہ اشکال آتا ہے کہ مکہ میں علمائے بنی اسرائیل کہاں تھے۔ اس کا انہوں نے ◄◄

Marfat.com

''کیا ان کے لیے یہ بات دلیل نہیں ہے کہ اس کو (قرآن) علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں''۔

علماء سے جو لوگ مراد ہیں، مفسرین ان میں حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا نام بھی لیتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام اور حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! ہم لوگ آپ پر، قرآن پر، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات اور حضرت عزیر علیہ السلام پر تو ضرور ایمان لاتے ہیں مگر اس کے علاوہ تمام کتب و رسل کو ماننا ضروری نہیں سمجھتے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ﴾ (نساء)

''اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر اور اس کی کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول ﷺ پر اتاری اور ان کتابوں پر جن کو اللہ نے اس سے پہلے اتارا ہے''۔

زندگی کے دوسرے حالات و کمالات پردۂ خفا میں ہیں۔

◄ یہ جواب دیا ہے کہ کفار مکہ نے مدینہ کے علمائے یہود سے آنحضرت ﷺ کے متعلق دریافت کرایا تھا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ زمانہ یہی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بہرحال دونوں صورتوں میں آیت کے مخاطب یہی حضرات ہیں۔

Marfat.com

(۱۶) حضرت ثعلبہؓ بن ابی مالک

نام ونسب:

ثعلبہ نام' ابو یحییٰ کنیت' حضرت ابو مالکؓ صحابی کے جن کا تذکرہ آگے آئے گا صاحبزادے تھے۔ اصلی وطن یمن تھا۔ آپ کے والد ترک وطن کر کے مدینہ آئے اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔

اسلام:

اپنے والد کی طرح خود بھی حلقہ بگوش اسلام ہوئے' اور بہ اختلاف[1] روایت شرف صحبت سے بھی سرفراز ہوئے۔

اصابہ میں مصعب الزبیر کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ غزوۂ بنی قریظہ کے روز جو بچے نابالغ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیئے گئے تھے ان میں حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ امام بخاریؒ نے تاریخ الکبیر میں لکھا ہے کہ:

---

[1] ان کے صحابی ہونے میں ارباب رجال کی روایتیں مختلف ہیں۔ اصابہ اور تاریخ کبیر کی روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ غزوۂ بنی قریظہ کے وقت اچھے خاصے بڑے تھے جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جب انہوں نے اسلام قبول کیا ہوگا تو وہ سن شعور کو پہنچ گئے تھے۔ اسد الغابہ میں ہے کہ ولد علی عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوئے) جس سے ان کی صحابیت اور عدم صحابیت دونوں کا احتمال ہے۔ ابن ابی حاتم اور ابن حبان نے ان کو زمرۂ تابعین میں شمار کیا ہے۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ لہ رؤیۃ (انہیں دیدار نبویؐ حاصل ہوا) حافظ ابن حجر نے اصابہ میں تو احتمال کا اظہار کیا ہے لیکن تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ حضرت ثعلبہؓ نے آنحضرت کی زیارت کی ہے' اور ان سے بغیر واسطہ کے روایت بھی کی ہے۔ ان تمام بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ زیادہ تر ارباب رجال کا رجحان ان کی صحابیت کی طرف ہے۔ گو تابعین میں داخل کرنے والے حضرات کے اقوال بھی بالکل نظر انداز نہیں کیے جا سکتے' لیکن میں نے حافظ ابن حجر کی اتباع میں انہیں صحابہ ہی کی فہرست میں رکھا ہے۔

Marfat.com

کان کبیراً ایام بنی قریظة (ج ا ص ۱۷۴) ''غزوۂ بنی قریظہ کے زمانے میں وہ بڑے تھے''۔

بخاری کی اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بالکل بچے نہیں تھے بلکہ سن شعور کو پہنچ چکے تھے' لیکن بہرحال ان کے زمانۂ قبول اسلام کے متعلق کوئی صحیح تعیین نہیں کی جا سکتی۔

وفات:

سنہ وفات کا علم نہیں ہو سکا۔

اولاد:

ان کی دو اولاد ابو مالک اور منظور کا ذکر حافظ ابن حجر نے تہذیب میں کیا ہے لیکن دوسرے ارباب رجال نے صرف ابو مالک کا نام لیا ہے۔

علم و فضل:

حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا گھرانہ علم و فضل میں ممتاز تھا۔ آپ کے والد حضرت ابو مالکؒ عبد عتیق کے عالم تھے۔ آپ کے دونوں صاحبزادے اور ایک بھتیجے محمد بن عقبہ' صاحب علم و فضل اور صاحب روایت تھے۔ خود حضرت ثعلبہؓ نے رسول اللہ اور بڑے بڑے صحابہؓ سے روایتیں کی ہیں۔ مثلاً حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت حارثہؓ بن نعمان، حضرت جابرؓ [2] اور ابن عمرؓ [3] وغیرہ۔ ان سب سے حسب ذیل حضرات نے روایتیں کی ہیں۔ ان کے دونوں صاحبزادے' امام زہری' مسور بن رفاعہ' محمد بن عقبہ' صفوان [4] بن سلیم' ابن الہاد۔ [5]

امامت:

قبیلہ بنو قریظہ کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے' ان کی نماز کی امامت کم عمری کے باوجود حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ ہی کے سپرد تھی۔ تہذیب میں ہے۔

---

[1] التاریخ الکبیر میں امام کا لفظ ہے' لیکن حافظ ابن حجر نے امام بخاری کا یہی قول تہذیب میں نقل کیا ہے جس میں ایام بنی قریظہ ہے۔ اگر ایام کا لفظ صحیح ہے تو معنی یہ ہوئے کہ وہ غزوۂ بنی قریظہ کے وقت اچھی خاصی عمر کے تھے اگر امام کا لفظ مانا جائے تو اس مشہور روایت سے تطابق ہو جائے گا جس میں ہے کہ وہ بنی قریظہ کے امام تھے۔

[2] تہذیب ذکر ثعلبہ۔ [3] تاریخ الکبیر ذکر ثعلبہ۔ [4] تہذیب ذکر ثعلبہ۔ [5] تاریخ الکبیر ایضاً۔

Marfat.com

وکان ثعلبة یوم بنی قریظة غلاماً.

''حضرت ثعلبہ بچپن کے باوجود بنی قریظہ کی امامت کرتے تھے''۔

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ غزوۂ بنی قریظہ کے وقت کم سن تھے۔

(ج)

(۱۷) حضرت جارودؓ بن عمرو

نام ونسب:

بشیر نام' ابومنذر کنیت' جارود لقب' نسب نامہ یہ ہے جارود بن عمرو ابن معلیٰ عبدی قبیلہ عبدقیس کے سردار تھے۔ جارود کا لقب ایک خاص واقعہ کی یادگار ہے زمانہ جاہلیت میں انہوں نے قبیلہ بکر بن وائل کو لوٹ کر بالکل صاف کر دیا تھا' ''جرد'' کے معنی بے برگ وبار کے ہیں۔ اس لیے جارودان کا لقب پڑ گیا' اسی واقعہ کو بطور مثال ایک شاعر کہتا ہے:

فدسناهم بالخيل من كل جانب　　　كما جرد الجارود بكر بن وائل

''ہم نے ہر طرف سے دشمن کو اپنے لشکر کے ذریعے روند ڈالا جس طرح کہ جارود نے بکر بن وائل کو صاف کیا تھا''۔

اسلام:

جارود مذہباً عیسائی تھے قبیلہ عبدقیس کے وفد کے ساتھ ۱۰ ہجری میں مدینہ آئے'

---

[۱] اسد الغابہ ج اول ص ۲۶۱' اصابہ اول تذکرۂ جارودؓ۔ [۲] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۶۶' بعض روایتوں میں ہے کہ جب وہ آئے تو رسول اللہؐ نے ان سے فرمایا کہ جارود تم نے اور تمہاری قوم نے آنے میں بہت دیر کی' جارود نے معذرت پیش کی اور کہا کہ اب میں آپ کے پاس آیا ہوں' میں نے آپ کی صفات انجیل میں دیکھی ہیں عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کے آنے کی خوشخبری دی ہے' پھر آپ نے آنحضرتؐ سے کہا آپ اپنا ہاتھ پھیلائیں پھر آپ نے کلمہ پڑھا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے' تاریخ ابن عساکر ص ۳۵۶۔

Marfat.com

آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا انہوں نے کہا محمدؐ میں ایک مذہب پر تھا اب تمہارے مذہب کے لیے اپنے مذہب کو چھوڑنے والا ہوں' میرے تبدیل مذہب کے بعد تم میرے ضامن ہو گے؟ فرمایا ہاں میں تمہارا ضامن ہوں' خدا نے تم کو تمہارے مذہب سے بہتر مذہب کی ہدایت کی ہے' اس مختصر سوال و جواب کے بعد جارود اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے' ان کے ساتھ ان کے اور ساتھی بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔

آنحضرت ﷺ کو ان کے اسلام لانے پر بڑی مسرت ہوئی' آپ نے ان کی بڑی عزت وتوقیر کی[1] قبول اسلام کے بعد وطن لوٹنے کا قصد کیا اور آنحضرت ﷺ سے سواری مانگی' لیکن سواری کا انتظام نہ ہو سکا' تو جارود نے اجازت مانگی کہ یارسول اللہ! راستے میں ہم کو دوسروں کی بہت سی سواریاں ملیں گی' ان کے استعمال میں لانے کی اجازت ہے؟ فرمایا نہیں انہیں آگ سمجھو' غرض جارود خلعت اسلام سے سرفراز ہونے کے بعد وطن واپس گئے۔[2]

فتنۂ ارتداد:

فتنہ ارتداد میں ان کے قبیلہ کے بہت سے آدمی مرتد ہو گئے' لیکن ان کے استقامت ایمانی میں کوئی تزلزل نہ آیا۔ چونکہ سردار قبیلہ تھے' اس لیے اپنے اسلام کا اعلان کر کے دوسروں کو ارتداد سے روکتے تھے۔[3]

شہادت:

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بصرہ میں اقامت اختیار کر لی اور ایران کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے باختلاف روایت فارس یا نہاوند کے معرکہ میں شہید ہوئے۔[4]

اولاد:

آپ کے ایک صاحبزادہ منذر تھے' جن کی نسبت سے آپ کی کنیت ابومنذر ہے۔

---

[1] اسد الغابہ جلد ا صفحہ ۲۶۱۔ [2] سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۳۶۶۔

[3] ایضاً۔ [4] اصابہ جلد اول ص ۲۱۷۔

Marfat.com

فضل وکمال:

ابو مسلم الجذامی، ابوالقموص، زید بن علی، اور محمد بن سیرین نے ان سے روایت[1] کی ہے، جارود شاعر تھے، اشعار ذیل بارگاہ نبویؐ میں بطور نذر عقیدت پیش کیے تھے[2]

شہدت بان اللہ حق و سامحت　　بنات فوادی بالشہادۃ و النہضی

''میں نے گواہی دی کہ اللہ حق ہے اور میرے جذبات نے بھی شہادت اور عمل میں میرا ساتھ دیا''

فابلغ رسول اللہ انی رسالۃ　　بانی حنیف حیث کنت من الارض

''میری طرف سے رسول ﷺ کو یہ پیغام پہنچا دو کہ میں زمین کے جس حصہ پر بھی رہوں گا موحد رہوں گا''

واجعل لنفسی دون کل ملمۃ　　لکم جنۃ من عرضکم عرضی

''ہر مصیبت کے وقت میں اپنی جان پیش کردوں گا، اے مسلمانو! تمہاری عزت کے لیے میری عزت ڈھال ہے''۔

فان لم تکن داری بیثرب فیکم　　فانی لکم عاد الاقامۃ والحضر

''اگرچہ میرا مستقل قیام یثرب میں نہیں ہے مگر اس عارضی اقامت میں بھی تمہارا ہی ہوں''۔

اخلاق:

جارود کے صحیفۂ کمال میں آزادی، جرأت اور اظہار حق میں بے باکی کا عنوان نہایت جلی تھا جس بات کو حق سمجھ لیتے تھے پھر اس کے اظہار میں وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

ایک مرتبہ بحرین کے گورنر قدامہ بن مظعون کو بعض رومیوں نے شراب پیتے ہوئے دیکھا جارود کو اس کا علم ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہا کہ امیر المومنین قدامہ نے شراب پی ہے، ان پر حد جاری کیجیے، آپ نے شہادت طلب کی، جارود نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو پیش کیا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے شہادت دی کہ میں نے نشہ کی حالت میں قے کرتے ہوئے دیکھا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قدامہ کو طلب کیا، وہ آئے ان کے

---

[1] تہذیب التہذیب جلد۲ صفحہ۵۴۔ [2] اصابہ جلد اول ص۲۲۶۔

Marfat.com

آنے کے بعد جارود نے پھر کہا' امیر المومنین کتاب اللہ کی رو سے حد جاری کیجیے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اتنا اصرار کیوں ہے' تم گواہ ہو مدعی نہیں ہو۔ تمہارا کام شہادت دینا تھا جسے تم پورا کر چکے' اس وقت جارود خاموش ہو گئے' لیکن دوسرے دن پھر اصرار کیا' شہادت ناکافی تھی' اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جارود کا بے جا اصرار ناگوار ہوا' اور فرمایا' تم تو مدعی بنے جاتے ہو' شہادت صرف ایک ہے' اس اعتراض پر جارود نے کہا' عمرؓ! میں تم کو خدا کی قسم دلاتا ہوں کہ حد میں تاخیر نہ کرو' آخر میں جارود کی بے جا ضد پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تنبیہ کرنا پڑی کہ جارود خاموش رہو' ورنہ میں بری طرح پیش آؤں گا' اس تنبیہ پر جارود نے غضب آلود ہو کر کہا' عمرؓ! حق اس کا نام نہیں ہے کہ تمہارا ابن عم شراب پیے اور تم الٹے مجھے برے سلوک کی دھمکی دو' آخر میں جب قدامہ کی بیوی نے شہادت دی تو حضرت عمرؓ نے حد جاری کرائی[1]

روایت:

آپ چونکہ متاخرین الاسلام تھے اس لیے آپ کی روایتوں کی تعداد بہت ہی کم ہے' مسند میں یہ ایک روایت ہے:

ضالة المومن حرق النار[2]

مومن کی گم شدہ چیز کو جس نے اپنی ملکیت بنایا اس نے اپنے کو آگ میں جلایا''۔

آپ سے صحابہ میں حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص اور تابعین میں ابومسلم الجذامی ومطرف ابن عبداللہ بن شخیر وزید بن علی وابوالاحوص بن سیرین وغیرہ نے روایت کی۔

---

[1] اس واقعہ کو تمام ارباب سیر نے قدامہ کے حالات میں لکھا ہے۔

[2] مسند ج ۵ ص ۸۰ یہ روایت کئی طرق سے مروی ہے۔

Marfat.com

(۱۸) حضرت جبر رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

جبر نام عبداللہ بن الحضرمی کے غلام اور مذہباً عیسائی تھے۔

اسلام:

خدمت نبوی ﷺ میں اکثر ان کی آمد ورفت رہا کرتی تھی' ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے سورۂ یوسف کی تلاوت فرمائی' ان پر کلام الٰہی کا ایسا اثر ہوا کہ اسی وقت حلقہ بگوش اسلام ہوگئے[1]

تعذیب اور کتمان اسلام:

لیکن چونکہ وہ ابن حضرمی کے خاندان کے غلام تھے' اور اس خانوادہ نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا اس لیے ان کو ڈر تھا کہ اگر وہ اسلام کا اظہار کرتے ہیں تو ان کی جان کی خیر نہیں' اس بنا پر انہوں نے اسلام قبول کیا' لیکن آنحضرت ﷺ کے یہاں آمد ورفت یا کسی اور ذریعہ سے جب انہیں ان کے اسلام قبول کر لینے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ان پر سختی شروع کی اور ان کو دائرہ اسلام سے خارج ہونے پر مجبور کیا' لیکن اسلام کی تاثیر ایسی نہیں تھی کہ وہ ایک بار دل میں گھر کر جانے کے بعد زائل ہو سکے' چنانچہ ظاہری طور پر تو انہوں نے اسلام سے برأت کا اظہار کر دیا لیکن قلب کے سوز وگداز کا حال ویسا ہی تھا' چنانچہ قرآن نے ان کے متعلق فرمایا:

﴿وقلبه مطمئن بالايمان﴾

''(ان کو کفر کے اظہار پر مجبور کیا گیا) لیکن اس کا قلب (ایمان پر مطمئن ہے)''۔

فتح مکہ اور آزادی:

رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں تھے اسی وقت انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن فتح مکہ تک اپنے اسلام کو چھپاتے رہے جب مکہ فتح ہوگیا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت

Marfat.com

میں آئے اور اپنی تکالیف اور گزشتہ مشقتوں کا اظہار کیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید کر آزاد کر دیا آزادی کے بعد انہوں نے پوری زندگی بڑی فارغ البالی سے گزاری۔

نکاح:

بنی عامر کی کسی معزز عورت سے ان کی شادی ہوئی تھی'[1]

ذریعہ معاش:

تلوار اور برتن وغیرہ کی صفائی اور قلعی کا کام ان کا ذریعہ معاش تھا[2]

فضائل:

بہت سی آیتوں کے سبب نزول کے ضمن ان کا نام بھی آتا ہے' طبری نے اس آیت کے ضمن میں:

﴿ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُه بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِىْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِىٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِيْنٌ ﴾

''اور ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کو تو آدمی سکھاتا ہے' جس شخص کی طرف اس کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے' اور یہ قرآن صاف عربی ہے''۔

خصوصیت کے ساتھ ان کا نام لیا گیا ہے۔

---

[1] اصابہ جلد ا ص ۲۲۱۔ [2] اصابہ جلد ا ص ۲۲۴۔

Marfat.com

(۱۹) حضرت جبل رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

جبل نام' قبیلہ ذبیان سے نسبی تعلق تھا مگر یہود بنی قریظہ کے ساتھ مدینہ میں رہتے تھے۔پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔جبل بن جوال بن صفوان بن بلال بن اصرم بن لویاس بن عبد غضم بن حجاش بن مجالۂ بن مازن بن ثعلبہ بن سعد بن ذبیان النشاء الذبیان ثم الثعلبی[1]

اسلام:

آپ کے قبول اسلام کا زمانہ صحیح طور پر معلوم نہیں' ارباب رجال صرف اتنا کہتے ہیں:

كان يهوديا مع بنى قريظة فاسلم[2]

''یہودی تھے بنی قریظہ کے ساتھ رہتے تھے پھر اسلام لائے''۔

مگر قرائن سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ غزوۂ بنی قریظہ کے بعد اور غزوۂ خیبر سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔اس لیے بنوقریظہ کا جب استیصال کیا گیا تو جبل نے حی بن اخطب کا مرثیہ کہا اور بنوقریظہ کی حمایت میں یہ اشعار کہے[3]

الا یاسعد' سعد بنی معاذ — لما فعلت قریظة والنظیر
ترکتم قدرکم لا شئی فیھا — وقدر القوم حامیة تفور
ولکن لا خلود مع المنایا — تخطف ثم نضمھا الغیور

جس کا جواب حضرت حسانؓ بن ثابت نے اسی بحر وقافیہ میں دیا:

تعاھد معشر نصروا علینا — فلیس لھم ببلدتھم نضیر
ھم اوتوا الکتاب فضیعوہ — فھم عن التوراة بور
کذبتم بالقران وابیتم — بتصدیق الذی قال النذیر

ظاہر بات ہے کہ اگر وہ اسلام لا چکے ہوتے تو بنوقریظہ کی حمایت میں یہ اشعار

---

[1] اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۶۷۔ [2] اصابہ جلد ۱ ص ۲۲۲۔ [3] ایضاً۔

Marfat.com

نہ کہتے اور نہ حضرت حسانؓ بن ثابت کو جواب دینے کی ضرورت پیش آتی۔

انہوں نے ایک شعر میں خیبر میں اپنی بہادری اور شرکت کا ذکر کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ خیبر کے وقت اسلام قبول کر چکے تھے۔ وہ شعر یہ ہے:

رمیت نطاۃ من النبی بضیلق شہبأ ذات مناقب ووقار

میں نے نطاۃ (چراگاہ یا کوئی خاص جگہ) پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بہادر اور مسلح اور بڑے محاسن والے لشکر کے ذریعہ حملہ کیا۔

وفات:

وفات کے متعلق ارباب رجال نے کوئی تصریح نہیں کی ہے۔

(ح)

(۲۰) حضرت حیر نجرہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

حیرہ نجرہ نام' نسباً اور عقیدۃً یہودی تھے لیکن یہ نہیں پتہ چلتا کہ یہود کے کس قبیلہ سے آپ کا تعلق تھا اور کہاں کے باشندے تھے۔ آگے جو واقعات آتے ہیں ان سے قیاس ہوتا ہے کہ یہود مدینہ ہی کے کسی قبیلہ سے رہے ہوں گے۔

اسلام:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیرہ نجرہ سے کچھ رقم بطور قرض لی تھی۔ انہوں نے آپ سے اس کا تقاضا کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت ادائیگی کے لیے رقم موجود نہیں تھی اس لیے آپ نے مہلت چاہی' مگر حیر نجرہ نہ مانے اور کہا آپ جب تک مجھے میرا قرض نہ ادا کردیں گے میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔ چنانچہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالکل چمٹ کر بیٹھ گئے۔ صحابہ کو ان کا یہ طرز عمل برا معلوم ہوا۔ انہوں نے حیر نجرہ کو کچھ لعنت ملامت کرنی

Marfat.com

شروع کی، مگر آنحضرت ﷺ نے انہیں منع کیا اور فرمایا کہ "میرے رب نے مجھے اس سے روکا ہے کہ میں اپنے کسی معاہد پر کسی قسم کا ظلم کروں"۔ پھر دن ڈھلتے ڈھلتے حیر نجرہ نے آپ کے اس حلیمانہ طرز عمل سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا[2]

وفات اور زندگی کے دوسرے حالات کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملتی۔

فضائل:

آپ کے صحیفۂ فضائل میں یہ واقعہ بہت ہی درخشاں طور سے درج ہے کہ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو اپنی دولت کا ایک بڑا حصہ برضا و رغبت راہ خدا میں خرچ کر ڈالا۔[3]

(د)

(۲۱) حضرت درید الراہب رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

درید نام، حبشہ کے رہنے والے تھے اور مذہباً عیسائی تھے۔ حضرت نجاشیؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جو وفد بھیجا تھا اس میں حضرت درید رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

فضل وکمال:

راہب ان کے نام کا جز ہو گیا تھا جس سے ان کے فضل و کمال پر روشنی پڑتی ہے۔ اس آیت کے جو لوگ مصداق ہیں ان میں حضرت درید رضی اللہ عنہ کا نام بھی لیا گیا ہے۔

﴿وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ﴾

"رسول اللہ ﷺ کی طرف جو کچھ نازل ہوا جب انہوں نے اسے سنا تو تم دیکھو گے کہ ان کی آنکھیں پرنم ہو گئیں"۔

---

[1] بعض لوگوں نے خیر نجرہ لکھا ہے مگر حیر نجرہ صحیح ہے۔ [2] اصابہ ج اص ۳۶۶۔

Marfat.com

(ذ)

(۲۲) حضرت ذودجن رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

علقمہ نام' ذودجن[1] کے نام سے مشہور ہیں' حبشہ سے بہتر (۷۲) آدمیوں کا جو وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ آیا تھا اس میں آپ بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے ان کا نسب دریافت کیا تو ان میں ایک نے کچھ اشعار پڑھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت ہود علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

اسلام:

قبول اسلام کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملی' مگر اتنا معلوم ہے کہ اس وفد کے تمام افراد شرف صحبت سے سرفراز ہوئے تھے۔ اسد الغابہ میں ہے۔

وصحبوا[2] کلهم النبی صلی الله علیه وسلم.

''سب کے سب صحابی ہیں''۔

اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ یہ لوگ حبشہ میں اسلام لاچکے تھے۔[3] اگر مدینہ میں اسلام لاتے تو جس طرح نسب کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال اور ان کے جواب کا ذکر ہے اسلام لانے کا بھی ذکر ضرور ہوتا۔ واللہ اعلم۔

---

[1] اصابہ جلد اصفحہ ۴۷۴۔ [2] ایضاً ۴۸۵۔

[3] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۴۱۔

Marfat.com

(۲۴۳) حضرت ذومخمر[1] رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

ذومخمر یا ذومخبر نام' شاہ حبشہ نجاشی کے بھتیجے تھے۔ نجاشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خودتو نہ آسکے مگران کوآپ کی خدمت کے لیے بھیجا۔

خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آمد:

حبشہ کے بہتر (۷۲) آدمیوں کے ساتھ آپ بھی خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے۔

اسلام:

اس کی تصریح تو نہیں ملتی کہ وہ مدینہ پہنچ کر اسلام لائے یا حبشہ ہی میں اسلام قبول کر چکے تھے' مگر حضرت نجاشیؓ حضرت ذومخمرؓ کے آنے سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ چچا کے ساتھ حضرت ذومخمرؓ نے بھی اسلام قبول کیا ہوگا اور مدینہ بحالت اسلام آئے ہوں گے۔

غزوات:

غزوات میں شرکت کی کوئی تصریح تو نہیں ملتی' البتہ مسند کی ایک روایت سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں بھی شریک رہتے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ آپ کی عادت شریف یہ تھی کہ تیز چل کر لوگوں سے آگے نکل جایا کرتے تھے (اور ایسا سامان سفر کی قلت کی وجہ سے کیا کرتے تھے کہ راستہ میں زیادہ دیر لگے گی تو زادراہ سفر زیادہ چاہیے) چنانچہ

---

[1] تجرید اور البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۳۴' امام اوزاعی ہمیشہ آپ کا نام ذومخمر (م) کے ساتھ لیا کرتے تھے۔ ابن سعد نے بھی اس کو اختیار کیا ہے البتہ امام ترمذی ذومخبر (ب) کے ساتھ ان کا ذکر کرتے ہیں۔ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۲۴۔

Marfat.com

اس سفر میں بھی وہ آگے نکل گئے تو ایک شخص نے کہا یا رسول اللہؐ! بہت سے لوگ پیچھے چھوٹ گئے ہیں۔ آپ ٹھہر گئے جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو تھوڑا سا آرام کر لو‘ پھر فرمایا کہ رات کے وقت نگرانی کون کرے گا؟ حضرت ذومخمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس خدمت کے لیے اپنے کو پیش کیا۔ آپ نے اپنی اونٹنی کی نکیل میرے ہاتھ میں دے دی اور فرمایا کہ غلطی سے بے خبر نہ ہو جانا۔ میں آپ کی اور آپ کی اونٹنی کی نکیل پکڑ کر وہاں سے کچھ دور لے گیا اور دونوں کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ میں برابر اونٹنیوں کو دیکھتا رہا۔ اسی اثنا میں مجھے نیند آ گئی اور ایسی گہری نیند آئی کہ جب اٹھا تو سورج کی کرنیں میرے اوپر پڑ رہی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ دونوں اونٹنیاں چر رہی ہیں۔ میں دونوں کی نکیل پکڑے ہوئے جہاں سب لوگ سو رہے تھے‘ آیا اور کنارے سے ایک شخص کو جگایا اور پوچھا کہ تم لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ اس نے کہا نہیں! پھر اس نے سب لوگوں کو جگایا۔ رسول اللہ ﷺ بھی اٹھے‘ اور آپ نے اور تمام صحابہ نے وضو کیا اور باجماعت نماز فجر کی قضا کی۔[1] اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سفر کسی غزوہ ہی کے لیے رہا ہو گا۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات تک تو آپ مدینہ میں رہے۔ بعد میں شام منتقل ہو گئے اور غالباً وہیں سکونت بھی اختیار کر لی اس لیے کہ اہل طبقات آپ کو شامیین شمار کرتے ہیں۔

وفات:

وفات کے متعلق اہل طبقات نے تو کوئی تصریح نہیں کی ہے البتہ تہذیب التہذیب میں یہ ہے کہ:

نزل الشام ومات به. ”شام گئے اور وہیں وفات پائی“۔

علم وفضل:

آپ سے مسند میں متعدد روایتیں ہیں‘ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی آپ کی روایتیں موجود ہیں۔ حسب ذیل حضرات نے آپ سے روایتیں کی ہیں‘ ابوحی المؤذن‘

---

[1] البدایہ ج ۵ ص ۳۲۴۔ [2] استیعاب ج ۱ ص ۱۷۴۔

Marfat.com

جبیر ابن نفیر، عباس بن عبدالرحمٰن، عمرو بن عبداللہ الحضرمی وغیرہ۔

خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

ذو مخمر رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ آپ کا شمار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں ہے۔ اس شرف میں آپ اس قدر مشہور ہوئے کہ بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی[1] کی فہرست میں آپ کو بھی شمار کیا ہے۔

(۲۴) حضرت ذومناحب[2] رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

آپ کے نام میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے مناخب (خ) اور بعض لوگوں نے ذومنارح (ح) اور بعض نے ذومناحب لکھا ہے۔

زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

آپ بھی حبشہ کے وفد کے ساتھ خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر زیارت سے مشرف ہوئے اور دوسرے حالات حضرت ذودجن رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں گزر چکے ہیں۔

---

[1] موالی جن کو اردو میں غلام کہا جاتا ہے اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو جنگ میں گرفتار ہوکر آتے تھے، اور خادم وہ شخص ہے جو کسی کی خدمت کرتا ہو۔ موالی خاص ہے اور خادم عام۔

[2] بعض لوگوں نے ذومناحب اور ذومنارح کو دو سمجھا ہے، مگر اسد الغابہ نے تصریح کی ہے کہ ذومنارح اور ذومناحب ھما واحد (دونوں ایک ہیں) ص ۱۴۵۔

Marfat.com

(۲۵) حضرت ذو مہدم رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

ذو مہدم نام' آپ بھی حبشہ کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے تھے۔

خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آمد:

جب حبشہ کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نسب دریافت کیا تو حضرت ذو مہدمؓ نے ان اشعار میں جواب دیا:

علی عهد ذی القرنین کانت سیوفنا صوارم یغلقن الحدید المذاکرا
وهودا بونا[1] سید الناس کلهم وفی زمن الاحقاف غداً مفخرا
فمن کان یعمی عن ابیه فاننا وجدنا ابانا العذ علی المذاکرا

اور دوسرے حالات پردۂ اخفا میں ہیں۔

[1] اسد الغابہ میں ان کے اشعار نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ وھو دابونا قابل غور ہے اس لیے کہ اہل حبشہ ہود علیہ السلام کی اولاد سے نہیں ہیں۔ پھر خود ہی جواب دیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ عرب کے باشندے ہوں اور حبشہ میں سکونت اختیار کر لی ہو۔ واللہ اعلم' اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۴۵۔

Marfat.com

(ر)

حضرت رافع القرظی رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

رافع نام، بنوقریظہ کی ایک شاخ زنباع تھی۔ آپ کا نسبی تعلق اسی قبیلہ زنباع سے تھا۔

اسلام:

اس کی تصریح نہیں مل سکی کہ آپ کب اسلام لائے۔

خدمت نبوی ﷺ میں درخواست:

آپ کو اپنے متعلق غالباً کچھ خطرہ تھا اس لیے آپ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امان کی ایک تحریر لکھ دینے کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں یہ تحریر لکھ کر دی:

انه لا یجنی علیه احد الا یده .

"(اپنے کیے پر ماخوذ ہوں گے) اس کے علاوہ کوئی داروگیر نہیں کرسکتا"۔

وفات اور دوسرے حالات کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔

---

[1] تجرید میں رافع بن القرظی درج ہے، مگر اور کتب طبقات میں رافع القرظی ہے۔ اس لیے ہم نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ اصابہ ج اص ۵۰۱۔

Marfat.com

(۲۷) حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ بن السموال

نام ونسب:

رفاعہ نام' باپ کا نام سموال[1] یہود مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو قریظہ سے آپ کا نسبی تعلق تھا۔[2] سموال کی ایک لڑکی سبرۃ حی بن اخطب حضرت صفیہ کے باپ سے منسوب تھی

---

[1] سموال فیاضی اور سخاوت کے علاوہ شاعری میں بھی ممتاز تھا۔ اس لیے یہودی یا نصرانی ہونے میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ الاب شیخو جنہوں نے سموال کا دیوان شائع کیا ہے۔ اس کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ وہ نصرانی تھا۔ اور اس کے ثبوت میں دو باتیں خاص طور سے پیش کی ہیں۔ ایک یہ کہ سموال غسان کی طرف منسوب ہے اور ظاہر ہے کہ غسان نصرانی تھے۔ دوسری یہ کہ سموال کے بعض اشعار میں مسیح سید اور اور حواری وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئیں ہیں' جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نصرانی تھا' لیکن جن اشعار سے الاب شیخو نے ان کے عیسائی ہونے پر استدلال کیا ہے' حماسہ کے شارح نے لکھا ہے کہ یہ اشعار سموال کے نہیں بلکہ عبداللہ الحارثی کے ہیں۔ اب رہی اس کی نسبی حیثیت تو اہل انساب میں اختلاف ضرور ہے لیکن یہ کہیں سے پتہ نہیں چلتا کہ وہ نصرانی تھا اور اگر اس کو غسانی بھی مان لیا جائے تو یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ نصرانی بھی تھا' نیز یہ کہ خود اس کے بھائی شعبہ بن عریض کے متعلق سب یہ کہتے ہیں کہ وہ یہودی تھا۔ اس کے علاوہ سموال کے عزیزانہ تعلقات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ یہودی تھا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی ماں اسی سموال ہی کی لڑکی تھیں اور حضرت صفیہؓ کے متعلق معلوم ہے کہ وہ مدینہ کے مشہور یہودی حی بن اخطب کی صاحبزادی تھیں۔ محمد بن سلام نے بھی اپنی کتاب طبقات الشعراء میں جو شعراء کا سب سے قدیم تذکرہ ہے' لکھا ہے کہ وہ تیماء کا یہودی تھا ص ۱۰۹۔

[2] مسعودی وغیرہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کا آبائی وطن تیماء اور نسبی تعلق عادیا سے تھا۔ چونکہ ان کی بہن سبرۃ حی بن اخطب سے منسوب تھی' شاید اسی ذریعہ سے یہ لوگ مدینہ چلے ◄◄

Marfat.com

اور اسی رشتہ سے حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ماموں ہوتے تھے[1]

اسلام:

آپ کے اسلام لانے کے متعلق کوئی تفصیل کتابوں میں مذکور نہیں ہے۔ غزوۂ بنی قریظہ کے روز ایک عورت کے کہنے پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو قتل سے بری کر دیا تھا۔ (البدایہ ج ۴ ص ۱۲۶)

آپ کا نکاح اور طلاق:

عائشہ یا تمیمہ[2] نامی ایک صحابیہ سے شادی کر لی تھی' لیکن کسی وجہ سے انہیں طلاق دے دی۔ حضرت تمیمہؓ نے ایک یہودی صحابی عبدالرحمٰنؓ بن زبیر سے نکاح کر لیا مگر عبدالرحمٰنؓ بن زبیر سے بھی کسی خاص وجہ سے تعلقات خوش گوار نہیں رہے' اس لیے انہوں نے ان سے بھی علیحدگی کرالی۔ اس کے بعد پھر دوبارہ حضرت رفاعہؓ سے نکاح کا خیال ظاہر کیا لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو اس ارادہ سے باز رکھا۔[3] اس آیت:

﴿ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَه مِنْ بَعْدِ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَه ﴾

''جب وہ طلاق دے دے تو جب تک عورت دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے اس کے لیے حلال نہیں ہوتی''۔

◄◄ گئے ہوں گے' اس کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ ہے حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کا باپ سموال ابن عادیا کے نام سے مشہور ہے اور ظہور اسلام کے وقت بنو عادیا ہی کا خاندان تیماء پر حکمران تھا' (التنبیہ والاشراف ص ۲۵۸ بحوالہ سیاسی زندگی ص ۳۴۶ از ڈاکٹر حمید اللہ)

[1] اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۵۱۔

[2] آپ کے نام میں بڑا اختلاف ہے۔ ان دوناموں کے علاوہ سہمیہ' رمیصا' (مہمیہ) غمیصا اسماء مذکور ہیں' مگر زیادہ تر روایتوں میں عائشہ یا تمیمہ آتا ہے' اسد الغابہ ج ۵ ص ۱۸۵۔

[3] چونکہ یہ صورت حلالہ کی تھی اور حضرت عبدالرحمٰنؓ اب تک ان سے متمتع نہیں ہو سکے تھے اس لیے آپ نے اس ارادہ سے باز رکھا۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۱۲۲)

Marfat.com

کے نزول کا سبب یہی واقعہ ہے[1] اسد الغابہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئیں اور حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کا خیال ظاہر کیا مگر انہوں نے بھی روکا۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اوران سے نکاح کی اجازت چاہی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے بعد تم اس ارادہ سے باز نہ رہو گی تو تم کو رجم[2] کردوں گا۔ چنانچہ پھر وہ اس ارادہ سے باز رہیں۔

عہد صدیقی اور عہد فاروقی:

اس مذکورہ واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت تک حضرت رفاعہؓ زندہ رہے' لیکن اس کے بعد وہ کب تک اس دار فانی میں رہے اور کب داعی اجل کو لبیک کہا' تذکروں میں اس کی تصریح نہیں ملتی۔

(۲۸) حضرت رفاعہ[3] القرظیؓ

نام ونسب:

رفاعہ نام' باپ کا نام قرظہ' نسباً یہودی تھے[4] جب بنی قریظہ کے لوگوں کو قتل کرنے کا فیصلہ ہوا تو یہ تاکید تھی کہ نابالغ بچے نہ قتل کیے جائیں۔ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ اس وقت کمسن تھے اس لیے قتل نہیں کیے گے۔

اسلام:

قبول اسلام کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں معلوم ہوسکی' اصابہ میں اس قدر ہے کہ ''ان کو دیدار نبویؐ حاصل ہوا تھا'' آپ کے صاجزادے علی کا بیان ہے کہ:

---

[1] اسد الغابہ میں یہ یہی واقعہ رفاعہ بن ذہب کے تذکرہ میں درج ہے' مگر آخر میں انہوں نے یہ تصریح کردی ہے کہ یہ دونوں واقعہ ایک ہی ہیں۔ حافظ ابن حجر نے بھی ایک ہی تسلیم کیا ہے۔

[2] اصابہ جلد ا ص ۵۱۹۔ [3] بعض لوگوں نے رفاعہ بن السموال اوران کو ایک تصور کیا ہے' مگر اصابہ میں اس کی تردید ہے۔ اصابہ ا ص ۵۵۹۔ [4] البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۱۲۵۔

Marfat.com

کان ابی من وفد الذین اسلموا من اہل الکتاب[1]

اہل کتاب کے اس وفد میں جنہوں نے اسلام قبول کیا میرے باپ بھی تھے''۔

فضل وکمال:

آپ کا شمار ان اہل کتاب صحابہ میں ہوتا ہے جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ، الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ﴾

''ہم نے اس کلام کو وقتاً فوقتاً یکے بعد دیگرے بھیجا تاکہ وہ لوگ نصیحت پکڑیں اور جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ اس پر بھی ایمان لاتے ہیں (اور قرآن پر بھی)

حضرت رفاعہ خود فرماتے تھے کہ یہ آیت جن دس آدمیوں کے بارے نازل ہوئی ان میں ایک میں بھی تھا[2]

دین کی راہ میں آپ کو بارہا مشق ستم بننا پڑا' مگر آپ کے قدم میں کبھی لغزش نہیں آئی۔ آپ کے صاحبزادے علی فرماتے ہیں کہ جب یہود میرے والد کے پاس سے گزرتے تو ان کا مذاق اڑاتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا ﴾[3]

''یہی لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کی وجہ سے دوہرا ثواب ملے گا''۔

---

[1] اصابہ ج ۲ ص ۵۰۷۔ [2] تجرید ج ۱ ص ۱۹۸۔ [3] اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۵۔

Marfat.com

(ز)

(۲۹) حضرت زیدؓ بن سعنہ

نام ونسب:

زید نام' باپ کا نام سعنہ' آپ کا شمار علمائے یہود میں تھا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کا نسبی تعلق کس قبیلہ سے تھا۔

اسلام:

زیدؓ بن سعنہ نے اپنے اسلام لانے کے واقعہ کو خود بیان کیا ہے' فرماتے ہیں کہ تورات میں آنحضرت ﷺ کی جتنی نشانیاں بتائی گئی تھیں وہ سب کی سب میں نے آپ کے چہرۂ انور پر دیکھ لی۔ صرف دو چیزوں کا مجھے تجربہ کرنا تھا جب ان کا بھی تجربہ ہو گیا تو اسلام قبول کر لیا۔ چنانچہ میں نے آپ سے ملنا جلنا شروع کر دیا کہ آپ کے حلم کا اندازہ کروں فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ اپنے حجرے سے باہر نکلے۔ آپ کے ہمراہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اسی وقت ایک دیہاتی شخص آپ کے پاس آیا اور اس نے آپ سے کہا کہ فلاں بستی کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ میں ہمیشہ ان سے یہ کہتا تھا کہ اسلام قبول کر لو تو رزق کی فراوانی ہو گی۔ لیکن اللہ کی قدرت دیکھئے کہ اس سال سخت قحط پڑا ہے۔ بارش بالکل نہیں ہوئی ہے یا رسول اللہ ﷺ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ اسلام چھوڑ نہ دیں۔ اگر آپ ان کی مدد کے لیے کچھ غلہ وغیرہ بھیجتے تو بہت بہتر ہوتا' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے کچھ اور فرمایا۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا' یا رسول اللہ ﷺ اس میں سے تو کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی۔

حضرت زید بن سعنہ کہتے ہیں کہ میں آپ کے قریب گیا اور کہا آپ فلاں باغ

Marfat.com

کی کھجوریں قرض کے ساتھ فروخت کریں گے؟ آپ نے فرمایا کچھ کھجوریں فروخت تو ضرور کرنا چاہتا ہوں مگر کسی خاص باغ کی شرط نہیں لگا سکتا۔ میں نے کہا اچھی بات ہے۔ پھر میں نے اپنی روپیوں کی تھیلی کھولی اور اسی مثقال سونا ایک متعین مدت کے لیے دے دیا۔ جب مدت ختم ہونے میں دو تین روز باقی رہ گئے تو میں آپ کے پاس آیا اور آپ کا گریبان پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور غضب آلود نگاہوں سے آپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ اب تک تم نے قرض ادا نہیں کیا۔ خدا کی قسم بنوعبدالمطلب ہمیشہ ایسے ہی حیلہ حوالہ کرتے رہتے ہیں۔ مجھے کئی بار لین دین کا تجربہ ہو چکا ہے۔ حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ یہ دیکھ کر غصہ سے بے تاب ہو گئے اور کہا کہ او دشمن خدا! رسول اللہ ﷺ سے گستاخی کر رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ اے عمرؓ! تم سے ہم کو یہ توقع تھی کہ تم اس سے کہتے کہ نرمی سے تقاضا کرو اور مجھ سے کہتے کہ میں وقت پر اس کا قرض ادا کر دوں۔ عمرؓ جاؤ اس کا قرض ادا کرنے بعد بیس صاع کھجوریں اور زیادہ دے دو۔

حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ یہ زیادہ کیوں دینے کو کہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں نے جو تم سے سخت کلامی کی ہے یہ اس کا کفارہ ہے۔ پھر میں نے کہا عمرؓ! تم نے مجھے پہچانا' انہوں نے کہا نہیں' میں نے کہا میں زید بن سعنہ ہوں' حضرت عمرؓ نے کہا کہ وہ زید جو الحبر (عالم) مشہور ہیں۔ میں نے کہا ہاں۔ پھر انہوں نے کہا کہ کیا بات تھی کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسا کیا۔ زیدؓ بن سعنہ نے کہا کہ نبوت کی اور تمام نشانیاں تو آنحضرت ﷺ کے چہرے بشرے سے ظاہر تھیں۔ صرف ان دو باتوں کا تجربہ کرنا تھا۔

هل يستبق حلمه جهلا و لا تزيد شدة جهل الا حلماً.

''کیا اس کا حلم اس کے غصہ سے سبقت لے جاتا ہے اور جاہلانہ حرکتیں حلم وتحمل کو اور بڑھا دیتی ہیں''۔

ان باتوں کا تجربہ ہو گیا اس لیے اب اسلام کا حلقہ بگوش ہوتا ہوں' چنانچہ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا[1]

---

[1] مستدرک ج ۳ ص ۶۰۵۔

Marfat.com

وفات:

آخری مرتبہ زیدؓ غزوۂ تبوک میں شریک ہوئے، پوری شجاعت سے لڑے۔ مدینہ واپس ہوتے ہوئے راستہ میں شہادت نصیب ہوئی [1]

غزوات:

اسلام لانے کے بعد سے جتنے غزوات ہوئے سب میں شریک ہوئے۔

انفاق فی سبیل اللہ:

آپ کے صحیفۂ اخلاق میں انفاق فی سبیل اللہ نمایاں طور سے نظر آتا ہے چنانچہ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو اپنا نصف مال راہ خدا میں صدقہ کر دیا [2]

(س)

(۳۰) حضرت سعدؓ بن وہب

نام ونسب:

سعد نام۔ باپ کا نام وہب، قبیلہ بنو نضیر سے نسبی تعلق تھا [3]

اسلام:

بنو نضیر جب اپنی بدعہدی کی وجہ سے مدینہ سے جلا وطن کیے گئے تو ان میں سے جو دو آدمی اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوئے ان میں ایک حضرت سعدؓ بن وہب بھی تھے۔

بنو نضیر نے رسول اللہؐ کے ساتھ بدعہدی اور دشمنی کی حد کر دی تھی چنانچہ جب وہ جلا وطن کیے گئے تو ان کا مال اور ان کی جائیداد بھی ضبط کر لی گئی، مگر حضرت سعدؓ چونکہ اسلام لا چکے تھے اس لیے ان کی تمام چیزیں محفوظ رہیں [4]

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۶۰۵۔ [2] ایضاً۔ [3] اصابہ تجرید وغیرہ۔ [4] البدایہ ج ۴ ص ۷۶۔

Marfat.com

(۳۱) حضرت سعنہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

سعنہ نام پورا نام۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ سعنہ بن عریض بن عادیا التیماوی[1] نسباً اور عقیدۃً یہودی تھے۔

اسلام:

زمانہ قبول اسلام کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معاونین میں تھے اور ان سے خاص تعلق تھا۔

حضرت معاویہؓ سے آپ کی گفتگو:

ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ حج کے لیے تشریف لائے تو مسجد میں حضرت سعنہؓ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے ان سے دریافت کیا کہ ارض تیماء کا کیا حال ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ صحیح وسالم ہے۔ حضرت معاویہؓ نے کہا کہ اسے میرے ہاتھ فروخت کردو۔ آپ نے نہایت صفائی سے فرمایا کہ اگر مجھے ضرور بھی ہوتی تو بھی میں اسے فروخت نہ کرتا۔ پھر آپ اور حضرت امیر معاویہؓ میں بہت سی باتیں ہوئیں۔ اثنائے گفتگو میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی آ گیا۔ حضرت سعنہؓ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں کچھ سخت الفاظ استعمال کیے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے کہا کہ چھوڑو بڈھا سٹھیا گیا ہے۔ حضرت سعنہؓ نے فورا کہا کہ اے معاویہ! تمہیں یاد نہیں کہ ایک روز ہم سب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آ گئے۔ آپ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

قاتل الله من يقاتلك.

''اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرے جو تجھ سے لڑے''۔

---

[1] تیماء شام اور حجاز کے درمیان ایک مقام ہے' اصابہ جلد ۲ ص ۴۲۔

Marfat.com

حضرت امیر معاویہؓ اس کے بعد موضوع گفتگو بدل کر دوسری گفتگو فرمانے لگے[1]

وفات:

حضرت امیر معاویہؓ کے آخر عہد خلافت میں آپ نے وفات پائی۔ لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وفات کہاں ہوئی۔

حلیہ:

بڑھاپے کے آثار کے باوجود اپنے ہم عمروں میں نہایت ہی خوش صورت اور خوش وضع و خوش لباس تھے۔ اصابہ میں ہے کان احسن الشیوخ سمتا وانظفھم ثوبا[2]

(۳۲) حضرت سعیدؓ بن عامر

نام و نسب:

آپ کا نام سعید باپ کا نام عامر تھا۔ صاحب تجرید نے آپ کو قبیلہ لخم کی طرف منسوب کیا ہے۔ اصابہ میں ہے کہ یہود میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا ان میں حضرت سعیدؓ بھی ہیں۔ طبری نے اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں آپ کا نام بھی لیا ہے[3]

﴿ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ ﴾

''جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کے حق کے مطابق اس کی تلاوت کرتے ہیں''۔

---

[1] حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ میرا خیال تھا کہ یہ مخضرین ہیں مگر میں نے ابن ابی طے کا لکھا ہوا رجال سبعہ امامیہ کا نسخہ پایا جس میں تحریر تھا کہ یہ صحابی ہیں۔ [2] اصابہ ج ۲ ص ۱۱۳۔

[3] اصابہ ج ۲ ص ۵۹۔ طبری تفسیر آیت ہذا۔

Marfat.com

(۳۴) حضرت سلام رضی اللہ عنہ

[ن]ام ونسب:

سلام نام‘ سلسلۂ نسب کی تصریح نہیں مل سکی۔ مگر اتنا معلوم ہے کہ حضرت عبداللہ [ب]ن سلام کے بھانجے تھے۔

اسلام:

اسلام لانے کی کوئی تصریح کتب طبقات میں نہیں ملتی‘ البتہ مفسرین اس آیت کے ضمن میں حضرت عبداللہؓ بن سلام وغیرہ کے ساتھ آپ کا نام بھی لیتے ہیں۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتَابِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ﴾ (نساء)

”اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جو کتاب اس پر نازل کی گئی اور جو کتاب اس سے پہلے اللہ نے نازل کی“۔

اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ اسلام لائے ہوں گے۔

Marfat.com

(۳۴) حضرت سلمہؓ بن سلام

نام ونسب:

سلمہ نام، باپ کا نام سلام، مشہور صحابی عبداللہؓ بن سلام کے بھائی تھے[1]

اسلام:

عبداللہؓ بن عباس سے روایت ہے کہ جب سلمہؓ بن سلام اور عبداللہ بن سلام وغیرہ اہل کتاب صحابہ نے اسلام قبول کیا تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ''۔

اس سے گمان ہوتا ہے کہ آپ نے بھی ہجرت کے ابتدائی سالوں میں اسلام قبول کیا ہوگا''۔

زندگی کے اور حالات معلوم نہ ہو سکے۔

---

[1] بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ان کے بھتیجے تھے مگر صحیح یہی ہے کہ ان کے بھائی تھے۔ اسد الغابہ ج۴ ص۳۳۶۔

Marfat.com

(۳۵) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

نسبی تعلق اصفہان کے آب الملک کے خاندان سے تھا۔ مجوسی نام مابہ تھا اسلام کے بعد سلمان رکھا گیا اور بارگاہ نبوت سے سلمان الخیر لقب ملا۔ ابوعبداللہ کنیت ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: مابہ ابن بوذخشان بن مورسلان بن بہبوذان بن فیروز بن سہرک۔

حالات قبل از اسلام:

سلمان کے والد اصفہان کے جی نامی قریہ کے باشندے اور وہاں کے زمیندار و کاشتکار تھے۔ ان کو حضرت سلمان سے اس قدر محبت تھی کہ ان کو لڑکیوں کی طرح گھر کی چار دیواری سے نکلنے نہ دیتے تھے۔ آتش کدہ کی دیکھ بھال ان ہی کے متعلق تھی۔ چونکہ مذہبی جذبہ سلمان میں ابتدا سے تھا' اس لیے جب تک آتش پرست رہے اس وقت تک آتش پرستی میں سخت غلو رہا اور نہایت سخت مجاہدات کیے۔ شب و روز آگ کی نگرانی میں مشغول رہتے تھے حتیٰ کہ ان کا شمار ان پجاریوں میں ہو گیا تھا جو کسی وقت آگ بجھنے نہ دیتے تھے۔

مجوسیت سے نفرت اور عیسویت کا میلان:

زمین ہی ان کے باپ کے معاش کا ذریعہ تھی۔ اس لیے زراعت کی نگرانی وہ بذات خود کرتا تھا۔ ایک دن وہ گھر کی مرمت میں مشغولیت کی وجہ سے کھیت پر خود نہ جا سکا اور اس کی دیکھ بھال کے لیے سلمان کو بھیج دیا۔ ان کو رستہ میں ایک گرجا ملا۔ اس وقت اس میں عبادت ہو رہی تھی۔ نماز کی آوازیں سن کر دیکھنے کے لیے گرجے میں چلے گئے۔ نماز کے نظارہ سے ان کے دل پر خاص اثر ہوا اور مزید حالات کی جستجو ہوئی' عیسائیوں کا طریقہ عبادت اس قدر بھایا کہ بے ساختہ زبان سے نکل آیا کہ یہ مذہب ہمارے مذہب سے بہتر ہے۔ چنانچہ کھیتوں کا خیال چھوڑ کر اسی میں محو ہو گئے۔ عبادت ختم ہونے کے بعد عیسائیوں

Marfat.com

سے پوچھا کہ اس مذہب کا سرچشمہ کہاں ہے۔ انہوں نے کہا کہ شام میں' پتہ پوچھ کر گھر واپس آئے۔ باپ نے پوچھا کہ اب تک کہاں رہے۔ جواب دیا کہ کچھ لوگ گرجے میں عبادت کر رہے تھے مجھ کو ان کا طریقہ ایسا بھلا معلوم ہوا کہ غروب آفتاب تک وہیں رہا۔ باپ نے کہا وہ مذہب تمہارے مذہب کا پاسنگ بھی نہیں۔ جواب دیا بخدا وہ مذہب ہمارے مذہب سے کہیں برتر ہے۔ اس جواب سے ان کے باپ کو خطرہ پیدا ہوگیا کہ کہیں یہ خیال تبدیل مذہب کی صورت میں نہ ظاہر ہو۔ اس لیے بیڑیاں پہنا کر مقید کر دیا' مگر ان کے دل میں تلاش حق کی تڑپ تھی۔ اس لیے عیسائیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ جب شام کے تاجر آئیں تو مجھ کو اطلاع دینا۔ چنانچہ جب وہ آئے تو ان کو خبر کر دی۔ انہوں نے کہا کہ جب وہ واپس ہوں تو مجھے بتلانا۔ چنانچہ جب کاروان تجارت واپس لوٹنے لگا ان کو خبر کی گئی یہ بیڑیوں کی قید سے نکل کر ان کے ساتھ ہو گئے۔ شام پہنچ کر دریافت کیا کہ یہاں سب سے بڑا مذہبی شخص کون ہے' لوگوں نے وہاں کے پادری کا پتہ دیا۔ اس سے جا کر کہا کہ مجھ کو تمہارا مذہب بہت پسند ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس رہ کر مذہبی تعلیم حاصل کروں اور مجھ کو اس مذہب میں داخل کرو۔

تبدیل مذہب:

چنانچہ وہ مجوسیت کے آتش کدے سے نکل کر آسمانی باپ کی بادشاہت کی پناہ میں آ گئے' مگر یہ پادری بہت بدکردار اور بداخلاق تھا۔ لوگوں کو صدقہ کرنے کی تلقین کرتا اور جب اس کے قبضہ میں آ جاتا تو فقراء اور مساکین کو دینے کی بجائے خود لے لیتا۔ حتیٰ کہ سونے اور چاندی کے سات مٹکے اس کے پاس جمع ہو گئے۔ حضرت سلمانؓ اس کی حرص اور آز کو دیکھ کر پیچ و تاب کھاتے تھے' مگر زبان سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ اتفاق سے وہ مر گیا۔ عیسائی شان و شوکت سے اس کی تجہیز و تکفین کرنے کو جمع ہو گئے۔ اس وقت انہوں نے سارا اعمالنامہ ان لوگوں کے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ انہوں نے ان کو لے جا کر اس کے اندوختہ کے پاس کھڑا کر دیا۔ تلاشی لی گئی تو واقعی سات مٹکے سونے چاندی سے بھرے ہوئے برآمد ہوئے۔ عیسائیوں نے اس کی سزا میں دفن کرنے کی بجائے اس کی نعش کو

Marfat.com

صلیب پر لٹکا کر سنگسار کر دیا۔ اس کی جگہ دوسرا پادری مقرر ہوا۔ یہ بڑا عابد و زاہد اور تارک الدنیا تھا۔ شب و روز عبادت الٰہی میں مشغول رہتا۔ سلمان اس سے بہت مانوس ہو گئے اور دلی محبت کرنے لگے' اور آخر تک اس کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس سے کہا کہ میں آپ کے پاس عرصہ تک نہایت لطف و محبت کے ساتھ رہا۔ اب آپ کا وقت آخر ہے اس لیے آئندہ کے لیے مجھے کو کیا ہدایت ہے' اس نے کہا کہ میرے علم میں کوئی ایسا عیسائی نہیں ہے جو مذہب عیسوی کا سچا پیرو کار ہو' سچے لوگ مر کھپ گئے اور موجود عیسائیوں نے مذہب کو بہت کچھ بدل دیا ہے بلکہ بہت سے اصول تو سرے سے چھوڑ ہی دیئے ہیں' ہاں موصل میں فلاں شخص ہے جو دین حق کا سچا پیرو ہے تم جا کر اس سے ملاقات کرنا۔

موصل کا سفر:

اس پادری کی موت کے بعد حق کی جستجو میں وہ موصل پہنچے اور تلاش کر کے اس سے ملے اور اپنا واقعہ بیان کیا کہ فلاں پادری نے مجھے ہدایت کی تھی کہ آپ کے یہاں ابھی تک حق کا سر چشمہ ابلتا ہے اور میں آپ سے مل کر اپنی تشنگی فرو کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے ان کو ٹھہرا لیا۔ پہلے پادری کی رائے کے مطابق یہ پادری درحقیقت بڑا متقی اور پاکباز تھا۔ اس لیے انہوں نے اس کے پاس مستقل قیام کر لیا۔ مگر تھوڑے دنوں کے بعد اس کا وقت بھی آ گیا۔ آئندہ کے متعلق حضرت سلمانؓ نے اس سے بھی وصیت کی خواہش کی۔ اس نے نصیبین میں ایک شخص کا پتہ بتایا۔

نصیبین کا سفر:

چنانچہ اس کی موت کے بعد آپ نصیبین پہنچے اور اس پادری سے مل کر دوسرے پادری کی وصیت بتلائی۔ یہ اسقف بھی پہلے دونوں اسقفوں کی طرح بڑا عابد اور زاہد تھا۔ سلمان یہاں مقیم ہو کر اس سے روحانی تسکین حاصل کرنے لگے۔ ابھی کچھ ہی دن اس کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا کہ اس کا وقت بھی آخر ہو گیا۔ حضرت سلمانؓ نے گزشتہ اسقفوں کی طرح اس سے بھی آئندہ کے متعلق مشورہ طلب کیا اس نے عموریہ میں گوہر مقصود کا پتہ دیا۔

Marfat.com

عموریہ کا سفر:

چنانچہ اس کی موت کے بعد انہوں نے عموریہ کا سفر کیا اور وہاں کے اسقف سے مل کر پیام سنایا اور اس کے پاس مقیم ہو گئے۔ کچھ بکریاں خرید لیں۔ اس سے مادی غذا حاصل کرتے تھے اور صبر و شکر کے ساتھ روحانی غذا اسقف سے حاصل کرنے لگے۔ جب اس کا پیمانۂ حیات بھی لبریز ہو گیا تو حضرت سلمانؓ نے اپنی سرگزشت سنائی کہ اتنے مراتب طے کرتا ہوا آپ کے پاس پہنچا تھا۔ آپ بھی آخرت کا سفر کرنے کو آمادہ ہیں اس لیے میرا کوئی سامان کرتے جائیے۔ اس نے کہا بیٹا میں تمہارے لیے کیا سامان کروں۔ آج دنیا میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں ہے کہ جس سے ملنے کا میں تمہیں مشورہ دوں۔ البتہ اب اس نبی کے ظہور کا زمانہ قریب ہے جو ریگستان سے اٹھ کر دین ابراہیم علیہ السلام کو زندہ کرے گا اور کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا۔ اس کی علامات یہ ہیں کہ وہ ہدیہ قبول کرے گا۔ لیکن صدقہ کو اپنے لیے حرام سمجھے گا۔ اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی اگر تم اس سے مل سکو تو ضرور ملنا۔

اسقف کی بشارت اور عرب کا سفر:

اس پادری کے مرنے کے بعد کچھ عرصہ تک عموریہ میں رہے۔ کچھ دنوں بعد بنو کلب کے تاجر ادھر سے گزرے۔ آپ نے ان سے کہا کہ اگر تم مجھ کو عرب پہنچا دو تو میں اپنی گائیں اور بکریاں تمہاری نذر کر دوں گا۔ وہ لوگ تیار ہو گئے اور زبان حال سے یہ شعر:

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ　　پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

پڑھتے ہوئے ساتھ ہو لیے۔

غلامی:

لیکن ان عربوں نے وادی القریٰ میں پہنچ کر ان کو دھوکا دیا اور ایک یہودی کے ہاتھ غلام بنا کر فروخت کر ڈالا' کھجور کے درخت نظر آئے تو آس بندھی کہ شاید یہی وہ منزل مقصود ہے جس کا اسقف نے پتہ دیا تھا۔ تھوڑے دن قیام کیا تو یہ امید بھی منقطع ہو گئی۔ آقا کا چچا زاد بھائی مدینہ سے آیا۔ اس نے سلمان رضی اللہ عنہ کو اس کے ہاتھ بیچ دیا۔

Marfat.com

غلامی اور مدینہ کا سفر:

وہ اپنے ساتھ ان کو مدینہ لے چلا اور سلمان غلامی در غلامی کی رسوائی سہتے ہوئے مدینہ پہنچے، مگر ہاتف غیب تسکین دے رہا تھا کہ یہ غلامی نہیں ہے۔

اسی سے ہوگی تیرے غمکدہ کی آبادی ترى غلامی کے صدقے ہزار آزادی

درحقیقت اس غلامی پر جو مقصود دوعالم کے آستانے تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائے ہزاروں آزادیاں قربان ہیں، جوں جوں محبوب کی منزل قریب آتی جاتی تھی کشش بڑھتی جاتی تھی اور آثار و علامات بتاتے تھے کہ شاہد مقصود کی جلوہ گاہ یہی ہے۔ اب ان کو پورا یقین ہو گیا اور دیدار جمال کی آرزو میں دن کاٹنے لگے۔

اس وقت آفتاب رسالت مکہ پر تو افگن ہو چکا تھا لیکن جور و ستم کے بادلوں میں چھپا تھا۔

سلمان رضی اللہ عنہ کو آقا کی خدمت میں اتنا وقت نہ ملتا تھا کہ خود اس کا پتہ لگاتے۔ آخر انتظار کرتے کرتے وہ روز مسعود بھی آ گیا کہ مکہ کا آفتاب عالم تاب مدینہ کے افق پر طلوع ہوا۔ حرمان نصیب سلمان کی شب ہجر تمام ہوئی اور صبح امید کا اجالا پھیلا۔ یعنی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے۔ سلمان کھجور کے درخت پر چڑھے ہوئے کچھ درست کر رہے تھے اور آقا نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے چچازاد بھائی نے آ کر کہا خدا بنی قیلہ کو غارت کرے۔ سب کے سب قبا میں ایک شخص کے پاس جمع ہیں، جو مکہ سے آیا ہے۔ یہ لوگ اس کو نبی سمجھتے ہیں۔ سلمان کے کانوں تک اس خبر کا پہنچنا تھا کہ یارائے ضبط باقی نہ رہا۔ صبر و شکیب کا دامن چھوٹ گیا۔ بدن میں سنسناہٹ پیدا ہو گئی اور قریب تھا کہ کھجور کے درخت سے فرش زمین پر آ جائیں اسی مدہوشی کے عالم میں جلد از جلد درخت سے نیچے اترے اور بدحواسی میں بے تحاشا پوچھنے لگے، تم کیا کہتے ہو۔ آقا نے اس سوال پر گھونسا مار کر ڈانٹا کہ تم کو اس سے کیا غرض، تم اپنا کام کرو۔

اس وقت سلمان خاموش ہو گئے۔ لیکن اب صبر کسے تھا کھانے کی کچھ چیزیں پاس تھیں۔ ان کو لے کر دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ

Marfat.com

خدا کے برگزیدہ بندے ہیں اور کچھ غریب الدیار اور اہل حاجت آپ کے ساتھ ہیں۔ میرے پاس یہ چیزیں صدقہ کے لیے رکھی تھیں۔ آپ لوگوں سے زیادہ ان کا کون مستحق ہوسکتا ہے۔ اس کو قبول فرمایئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے لوگوں کو کھانے کا حکم دیا' مگر خود نوش نہ فرمایا۔ اس طرح سلمان رضی اللہ عنہ کو نبوت کی ایک علامت کا مشاہدہ ہوگیا کہ نبی صدقہ قبول نہیں کرتا۔ دوسرے دن پھر ہدیہ لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کل آپ نے صدقہ کی چیزیں نوش نہیں فرمائی تھیں آج یہ ہدیہ قبول فرمایئے۔ آپ نے قبول فرمایا خود بھی نوش کیا اور دوسروں کو بھی دیا۔ اس طرح دوسری نشانی یعنی مہر نبوت کی بھی زیارت کی اور باچشم پرنم آپ کی طرف بوسہ دینے کو جھکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سامنے آؤ۔ وہ سامنے آئے اور اپنی ساری سرگزشت سنائی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دلچسپ داستان تمام اصحاب کو سنوائی۔

اسلام:

حضرت سلمان جب اپنا گوہر مقصود پاچکے تو اس دولت کو اپنے دل کے خزانے میں رکھ کر آقا کے گھر واپس آئے۔ اتنے مرحلوں کے بعد وہ دین سے ہم آغوش ہوئے۔

آزادی:

غلامی کی مشغولیت کے باعث فرائض مذہبی ادا نہ کرسکتے تھے۔ اسی وجہ سے غزوۂ بدر و احد میں شریک نہ ہوسکے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنے آقا کو معاوضہ دے کر آزادی حاصل کرلو۔ تین سو کھجور کے درخت اور چالیس اوقیہ سونے پر معاملہ طے ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں سے سفارش فرمائی کہ اپنے بھائی کی مدد کرو۔ سب نے حسب حیثیت کھجور کے درخت دیئے اس طریقہ سے تین سو درخت ان کو مل گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے ان کو بٹھایا' اور زمین وغیرہ ہموار کر کے ایک شرط پوری کردی۔ اب سونے کی ادائیگی باقی رہ گئی اس کا سامان خدا نے کردیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی غزوہ میں مرغی کے بیضہ کے برابر سونا مل گیا۔ آپ نے سلمان کو دے دیا۔ یہ وزن میں ٹھیک چالیس اوقیہ تھا۔ اس سے گلوخلاصی حاصل کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

Marfat.com

رہنے لگے[1]

مواخاۃ:

غلامی سے آزادی کے بعد مسلمانوں کے ساتھ مستقل اقامت اختیار کی۔ اس وقت بالکل غریب الدیار تھے۔ کوئی شناسا نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی مہاجرین کی طرح ان کی ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مواخاۃ کرادی[2]

غزوات:

بدر واحد کی لڑائیاں ان کی غلامی کے زمانے میں ختم ہو چکی تھیں۔ آزادی کے بعد پہلا غزوہ غزوۂ خندق پیش آیا۔ اس میں انہوں نے اپنے حسن تدبیر سے دونوں لڑائیوں کی تلافی کر دی۔ غزوۂ خندق میں تمام عرب کا ٹڈی دل مسلمانوں کے خلاف امنڈ آیا تھا کہ ان کا کامل استیصال کر دے۔ حملہ خود مدینہ پر تھا جس کے چاروں طرف نہ قلعہ تھا نہ فصیل تھی اور مقابلہ بھی سخت تھا۔ ایک طرف کفار کی تعداد ریگستان عرب کے ذروں کے برابر تھی اور دوسری طرف مٹھی بھر مسلمان تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ سلمان رضی اللہ عنہ فارسی چونکہ ایران کی صف آرائیاں دیکھے ہوئے تھے اس لیے جنگی اصولوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ چنانچہ انہوں نے مشورہ دیا کہ اس انبوہ کا کھلے میدان میں مقابلہ کرنا اچھا نہیں ہے، بلکہ مدینہ کے چاروں طرف خندقیں کھود کر شہر کو محفوظ کر دینا چاہیے۔ یہ تدبیر مسلمانوں کو بہت پسند آئی[3] اور اسی پر عمل کیا گیا۔ خندق کی کھدائی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس شریک ہوئے تھے اور مٹی ڈھوتے ڈھوتے شکم مبارک مٹی سے اٹ گیا تھا۔ اور رجزیہ اشعار زبان مبارک پر جاری تھے۔[4] ذیقعدہ ۵ ہجری میں طرفین میں جنگ شروع ہوئی۔ عربوں کو اس طریقۂ جنگ سے واقفیت نہ تھی وہ آئے تو تھے کہ مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے مگر یہاں آکر دیکھا کہ ان کے اور مدینہ کے بیچ میں خندق کی فصیل

---

[1] قبل از اسلام سے آزادی تک کے کل حالات مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴ سے ماخوذ ہیں۔

[2] بخاری جلد ۲ ص ۸۹۸ مواخاۃ کے معنی بھائی چارہ کے ہیں۔ [3] ابن سعد ج ۲ قسم ۱ ص ۴۸۔

[4] بخاری ج ۲ کتاب المغازی غزوۂ خندق۔

Marfat.com

حائل ہے۔ وہ ۲۲ دن تک مسلسل محاصرہ کیے پڑے رہے مگر شہر تک پہنچنا ان کو نصیب نہ ہوا اور آخر کار ناکام واپس پھر گئے۔

غزوۂ خندق کے علاوہ حضرت سلمان ؓ تمام لڑائیوں میں مسلمانوں کے دوش بدوش شریک رہے[1] اور غزوۂ خندق کے بعد سے کوئی غزوہ ایسا نہیں ہوا جس میں شریک ہو کر داد شجاعت نہ دی ہو[2]

عہد صدیقی اور عراق:

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ عرصہ تک مدینہ میں رہے۔ عہد صدیقی کے آخر یا عہد فاروقی کی ابتداء میں انہوں نے عراق کی اور ان کے اسلامی بھائی ابودرداءؓ نے شام کی سکونت اختیار کر لی۔ یہاں کی اقامت کے بعد ابودرداء ؓ کو خدا نے مال اور اولاد کی حیثیت سے بہت نوازا۔ انہوں نے سلمان ؓ کو خط لکھا کہ تم سے جدا ہونے کے بعد خدا نے مجھ کو مال و دولت اور اہل و عیال سے سرفراز کیا اور ارض مقدس کی سکونت کا شرف بخشا۔ انہوں نے جواب دیا یاد رکھو مال اور اولاد کی کثرت میں کوئی خیر نہیں ہے بلکہ خیر اس میں ہے کہ تمہارا حلم زیادہ ہو اور تمہارا علم تم کو نفع پہنچائے۔ محض ارض مقدس کا قیام کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا جب تک تمہارا عمل اس قابل نہ ہو اور عمل بھی اس طرح کا ہو کہ گویا خدا تم کو دیکھ رہا ہے اور تم اپنے کو مردہ سمجھو[3]

عہد فاروقی:

ایران کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور چونکہ خود ایرانی تھے اس لیے فتوحات میں بہت قیمتی امداد پہنچائی' مگر اصول اسلام کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔ ایک ایرانی قصر کے محاصرہ کے وقت جارحانہ حملے کے پہلے محصورین کو سمجھا دیا کہ میں بھی تمہارا ہم قوم تھا' لیکن خدا نے مجھ کو اسلام سے نوازا۔ تم لوگ عربوں کی اطاعت گزاری سے کسی طرح نہیں بچ سکتے۔ تم کو سمجھائے دیتا ہوں کہ اگر تم اسلام لا کر ہجرت کر کے ہم میں مل جاؤ تو تم کو اہل عرب

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۴۔ [2] اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۳۰۔ [3] اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۳۱۔

Marfat.com

کے حقوق دیئے جائیں گے اور جو قانون ان کے لیے ہے وہی تم پر جاری کیا جائے گا اور اگر اسلام قبول نہیں کرتے اور صرف جزیہ منظور کرتے ہو تو ذمیوں کے حقوق تم کو ملیں گے اور ان کا قانون تم پر نافذ کیا جائے گا۔ تین دن تک برابر تبلیغ کا فرض ادا کرتے رہے۔ جب کوئی اثر نہ ہوا تو حملہ کا حکم دے دیا' اور مسلمانوں نے قصر مذکور کو بزور شمشیر فتح کر لیا۔[1]

فتح جلولا میں شریک تھے اور وہاں مشک کی ایک تھیلی ان کے ہاتھ آئی تھی[2] جس کو اپنی زندگی کے آخری لمحات میں کام میں لائے۔

گورنری:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدائن کی حکومت پر سرفراز ہوئے۔ اس کی تفصیلات آئندہ اخلاق وعادات میں آئیں گی۔

چونکہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ مقربین بارگاہ نبویؐ میں سے تھے اسی لیے حضرت عمرؓ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ ایک دفعہ یہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے۔ اس وقت آپ ایک گدے پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے' سلمان رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر گدا ان کی طرف بڑھا دیا۔[3]

علالت:

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں بیمار پڑے۔ سعدؓ بن ابی وقاص عیادت کو گئے تو رونے لگے۔ سعدؓ نے کہا ابوعبداللہ رونے کا کون سا مقام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تم سے خوش خوش دنیا سے اٹھے۔ تم ان سے حوض کوثر پر ملو گے۔ بچھڑے ہوئے ساتھیوں سے ملاقات ہوگی۔ کہا خدا کی قسم میں موت سے نہیں گھبراتا اور نہ دنیا کی حرص باقی ہے۔ رونا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے عہد لیا تھا کہ ہمارا دنیاوی ساز وسامان ایک مسافر کے زادراہ سے زیادہ نہ ہو۔ حالانکہ میرے گھر میں اس قدر سانپ (اسباب) جمع ہیں۔ سعدؓ کہتے ہیں کہ کل سامان جس کو سانپ سے تعبیر کیا تھا ایک بڑے پیالے' ایک لگن اور ایک تسلہ سے زیادہ نہ تھا۔ اس کے بعد سعدؓ نے خواہش کی کہ مجھ کو کچھ نصیحت کیجیے۔ فرمایا:

---

[1] مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۴۴۱۔ [2] ابن سعد جزو ۴ قسم ۱ ص ۶۶۔ [3] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۹۹۔

Marfat.com

''کسی کام کا قصد کرتے وقت' فیصلہ کرتے وقت اور تقسیم کرتے وقت خدا کو یاد رکھا کرو[1]
اس بیماری کے دوران میں اور احباب نے بھی نصیحت اور وصیت کی خواہش کی' فرمایا تم میں سے جس سے ہو سکے اس کی کوشش کرے کہ وہ حج' عمرہ' جہاد یا قرآن پڑھتے ہوئے جان دے دے اور فسق و فجور اور خیانت کی حالت میں نہ مرے[2]

وقت آخر آیا تو اپنی بیوی سے وہی مشک کی تھیلی منگوائی اور اپنے ہاتھ سے پانی گھول کر اپنے چاروں طرف چھڑکوایا' اور سب کو اپنے پاس سے ہٹا دیا۔ لوگ تنہا چھوڑ کر ہٹ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر گئے تو دیکھا کہ مرغ روح قفس خاکی سے پرواز کر چکا تھا[3]

فضل و کمال:

حضرت سلمانؓ کے دن کا بڑا حصہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں گزرتا تھا۔ اس لیے قدرۃً آپ علوم و معارف نبویؐ سے کافی بہرہ ور ہوئے' حضرت علیؓ سے آپ کے مبلغ علم کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا' ان کو علم اول اور علم آخر سب کا علم تھا' اور وہ خود ایسا دریا تھے جو پایابی سے ناآشنا رہا۔ وہ ہمارے اہل بیت تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وہ علم و حکمت میں لقمان کے برابر تھے[4] علم اول سے مراد کتب سابقہ کا علم اور علم آخر سے مقصود آخری کتاب الٰہی یعنی قرآن کا علم ہے' او ر اہل بیت سے ہونا آنحضرت ﷺ سے قربت و اختصاص کی بنا پر اور اس لیے کہ عربوں میں ان کا کوئی خاندان نہ تھا۔ آپ نے ان کو یہ شرف بخشا کہ اعزازاً اپنے اہل بیت میں داخل کر لیا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ جو خود بھی بہت بڑے عالم اور صاحب کمال صحابی تھے ان کے کمال علم کے معترف تھے' چنانچہ ایک مرتبہ اپنے ایک شاگرد سے کہا چار آدمیوں سے علم حاصل کرنا ان میں ایک سلمان رضی اللہ عنہ کا نام بھی تھا[5] ایک موقع پر خود زبان نبوت نے ان کے علم و فضل کی ان الفاظ میں تصدیق کی ہے کہ سلمان علم سے لبریز ہیں[6] صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں کہ سلمان رضی اللہ عنہ فضلائے صحابہ میں تھے[7] آپ کی کوششوں سے حدیث

---

1 ابن سعد جزو ۴ قسم ۲ ص ۶،۵۔ 2 ایضاً۔ 3 ایضاً۔ 4 استیعاب ج ۲ ص ۵۷۲۔
5 ابن سعد ج ۴ قسم ا ص ۶۱۔ 6 ایضاً۔ 7 اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۳۱۔

Marfat.com

کا کافی حصہ اشاعت پذیر ہوا۔ آپ کی مرویات کی تعداد ۶۰ ہے۔ ان میں سے تین حدیثیں متفق علیہ ہیں۔ ان کے علاوہ ایک میں مسلم اور اور تین میں بخاری منفرد ہیں[1]
ابوسعید خدریؓ، ابوالطفیلؓ، ابن عباسؓ، اوس بن مالک اور ابن عجرہ وغیرہ آپ کے زمرۂ تلامذہ میں ہیں۔

گو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ علم اول اور آخر کے امین تھے، تاہم حدیث بیان کرنے میں بہت محتاط تھے۔ اس لیے ان کی مرویات کی تعداد ۶۰ سے متجاوز نہ ہوئیں۔ حضرت حذیفہؓ مدائن میں لوگوں سے ایسی باتیں بیان کرتے تھے جو آنحضرت ﷺ نے غصہ کی حالت میں کسی سے فرمائی تھیں، لوگ اس کی تصدیق کے لیے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ آپ نے صرف اس قدر جواب دیا کہ حذیفہ خود زیادہ جانتے ہیں۔ لوگوں نے حضرت حذیفہؓ سے آکر کہا کہ ہم نے آپ کی بیان کردہ حدیث سلمان رضی اللہ عنہ کو سنائی وہ نہ اس کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تردید۔ حضرت حذیفہؓ نے آکر سلمانؓ سے کہا جو کچھ تم نے آنحضرت ﷺ سے سنا اس کی تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا بعض اوقات آنحضرت ﷺ لوگوں کو غصہ کی حالت میں کہہ دیتے تھے اور بعض اوقات خوش ہو کر فرما دیتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم اس قسم کی باتوں کو بیان کر کے کسی کو کسی کا دوست اور کسی کو کسی کا دشمن بنا دو گے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ خداوندا غصہ کی حالت میں اگر کسی کے متعلق کوئی برا کلمہ نکل جائے تو اس کو بھی اس کے حق میں خیر کر دینا۔ پھر ان سے کہا کہ تم اس قسم کی باتوں سے باز آؤ۔ نہیں تو میں عمر رضی اللہ عنہ کو آگاہ کر دوں گا[2]

چونکہ وہ اسلام کے قبل عرصہ تک نصرانی رہ چکے تھے اس لیے عیسائی مذہب کے متعلق کافی معلومات رکھتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سلمانؓ دو کتابوں کا علم رکھتے ہیں۔ کلام اللہ اور انجیل کا۔ مذہب عیسوی کے مسائل محض پادریوں کی زبانی نہیں

---

[1] تہذیب الکمال ص ۱۴۷۔
[2] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۱۔

Marfat.com

سنے تھے بلکہ خود انجیل کا مطالعہ کیا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے توراۃ میں دیکھا ہے کہ کھانے کے بعد وضو کرنے سے برکت ہوتی ہے[1]

عام حالات میں تقرب بارگاہ نبوی ﷺ:

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کے اس مخصوص زمرے میں تھے جس کو بارگاہ نبویؐ میں خاص تقرب حاصل تھا۔ مخصوص صحابہ کرام کے علاوہ کم لوگ ایسے تھے جو بارگاہ نبوت کی پذیرائی میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی ہمسری کر سکتے ہوں۔ غزوۂ خندق کے موقع پر جب مہاجرین اور انصار علیحدہ علیحدہ جمع ہوئے تو مہاجرین کہتے تھے کہ سلمانؓ ہمارے زمرہ میں ہیں انصار کہتے تھے کہ ہماری جماعت میں ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سلمانؓ ہمارے اہل بیت میں ہیں۔[2] ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سلمان (رضی اللہ عنہ) کی شب کی تنہائی کی صحبت آنحضرت ﷺ کے پاس اتنی لمبی ہوتی تھی کہ ہم لوگ (ازواج) کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں ہماری باری کی رات بھی اس نشست میں نہ گزر جائے۔

انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے، علیؓ، عمارؓ اور سلمانؓ کی۔ آپ کے تقرب کی آخری مثال یہ ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ حضرت صدیق اکبرؓ جیسے فدائی اسلام اور جلیل القدر صحابی سے حضرت سلمانؓ اور ان کے بعض رفقاء کے بارے میں رنجیدہ ہو گئے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابوسفیان چند آدمیوں کے ساتھ حضرت صہیبؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت سلمانؓ کے پاس سے گزرے۔ ان تینوں بزرگوں نے کہا خدا کی کوئی تلوار دشمن (ابوسفیان) کی گردن پر نہیں پڑی۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ تم لوگ سردار قریش کے متعلق زبان سے ایسا کلمہ نکالتے ہو، اور آنحضرت ﷺ سے آکر واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ شاید تم نے ان لوگوں کو ناراض کر دیا۔ اگر تم نے ان لوگوں کو ناراض کیا تو گویا خدا کو ناراض کیا۔ حضرت ابوبکرؓ بہت نادم ہوئے اور آکر ان بزرگوں سے معذرت کی[3]

---

[1] مسلم ج ۲ ص ۳۶۲ مصر۔ [2] استیعاب ج ۲ ص ۵۷۶۔

Marfat.com

اخلاق و عادات:

حضرت سلمان فارسیؓ میں مذہبی جذبہ کی شدت فطری تھی' جس طرح آتش پرستی کے زمانے میں سخت آتش پرست اور نصرانیت کے زمانہ میں سخت عابد و زاہد نصرانی تھے اسی طرح مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اسلام کا مکمل ترین نمونہ بن گئے۔ ان کے اصل فضل و کمال کا میدان یہی ہے۔

زہد و تقویٰ:

ان کا زہد و ورع اس حد تک پہنچ گیا تھا جس کے بعد رہبانیت کی حد شروع ہو جاتی ہے۔ ان کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ عمر بھر گھر نہیں بنایا۔ جہاں کہیں دیوار یا درخت کا سایہ ملتا پڑ رہتے۔ ایک شخص نے اجازت چاہی کہ میں آپ کے لیے مکان بنا دوں' فرمایا مجھ کو اس کی حاجت نہیں۔ وہ پیہم اصرار کرتا رہا یہ برابر انکار کرتے رہے۔ آخر میں اس نے کہا کہ آپ کی مرضی کے مطابق بناؤں گا۔ فرمایا وہ کیسا؟ عرض کیا اتنا مختصر کہ کھڑے ہوں تو سر چھت سے مل جائے اور اگر لیٹیں تو پیر دیواروں سے لگیں۔ فرمایا خیر اس میں کوئی مضائقہ نہیں' چنانچہ اس نے ایک جھونپڑی بنا دی[1]

اس زہد کا اثر زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں تھا۔ مزخرفات دنیاوی کو بھی پاس نہ آنے دیا۔ وفات کے وقت گھر کا پورا اثاثہ بیس یا بائیس درہم سے زیادہ کا نہ تھا۔ بستر میں معمولی سا بچھونا تھا اور دو اینٹیں جن کا تکیہ بناتے تھے۔ اس پر بھی روتے تھے اور فرماتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ انسان کا ساز و سامان ایک مسافر سے زیادہ نہ ہونا چاہیے اور میرا یہ حال ہے[2] یہ حالت زندگی کے ہر دور میں قائم رہی۔ جب امارت کے عہدے پر ممتاز تھے اس وقت بھی کوئی فرق نہ آیا۔ حسن بیان کرتے ہیں کہ سلمانؓ جب پانچ ہزار تنخواہ پاتے تھے اور تیس ہزار نفوس پر حکومت کرتے تھے اس وقت بھی صرف ان کے پاس ایک عبا تھی جس میں لکڑیاں جمع کرتے تھے۔ اس کا آدھا حصہ بچھاتے تھے اور

---

[1] استیعاب ج ۲ ص ۵۷۶۔ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۳۸، ۴۳۹۔

Marfat.com

آدھا اوڑھتے تھے[1] زہد و ورع کا یہ حال تھا کہ خادم کو گوشت کی بوٹیاں گن کر دیا کرتے تھے کہ مبادا اس کی طرف سے کوئی سوء ظن نہ پیدا ہو۔

رہبانیت سے اجتناب:

اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیم کے خلاف رہبانیت کی طرف مائل تھے۔ مذہبی تشدد کے ساتھ ساتھ دنیاوی حقوق کا بھی پورا پورا لحاظ رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے۔ ان کے اسلامی بھائی حضرت ابو درداءؓ بڑے عابد و زاہد تھے رات بھر نماز پڑھتے تھے اور دن بھر روزہ رکھتے تھے' حضرت سلمانؓ ان سے ملنے ان کے گھر جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ابو درداء رضی اللہ عنہ کی بیوی کو بہت خراب حالت میں دیکھا۔ پوچھا تم نے کیا صورت بنا رکھی ہے۔ انہوں نے کہا کس کے لیے بناؤ سنگار کروں تمہارے بھائی کو تو دنیا کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔

حضرت ابو درداءؓ جب گھر آئے تو بڑے تپاک سے ملے اور کھانا منگوایا مگر خود معذرت کی کہ میں روزے سے ہوں۔ فرمایا جب تک تم نہ کھاؤ گے میں نہ کھاؤں گا۔ پھر رات کو حضرت سلمانؓ ان کے پاس ہی لیٹے اور ان کو دیکھتے ہی رہے۔ جب وہ عبادت کو اٹھے تو روک کر فرمایا کہ تم پر تمہارے رب' تمہاری آنکھ اور تمہاری بیوی سب کا حق ہے' روزوں کے ساتھ افطار اور شب بیداری کے ساتھ سونا بھی ضروری ہے' اس کے بعد دونوں نے یہ معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے ابو درداء رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سلمان تم سے زیادہ مذہب کے واقف کار ہیں[1]

سادگی:

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی تصویر حیات میں تکلف کے آب و رنگ کی بجائے سادگی بہت غالب تھی جو ہر زمانہ میں یکساں قائم رہی۔ مدائن کی امارت کے زمانہ میں جب کہ شان و شوکت اور خدم و حشم وغیرہ تمام لوازم ان کے لیے مہیا ہو سکتے تھے اس وقت بھی

---

[1] استیعاب جلد ۲ ص ۵۷۳۔

Marfat.com

ان کی سادگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ لباس میں ایک عبا اور ایک معمولی سی جانگھیا اور ایک اونچا پائجامہ ہوتا تھا۔ چونکہ ان کے سر کے بال گھنے اور کان لمبے لمبے تھے اس لیے اس ایرانی ہیئت کو دیکھ کر لوگ ''گرگ آمد' گرگ آمد'' کہتے۔ ایک مرتبہ اسی امارت کے زمانہ میں اس شان وشوکت سے نکلے کہ سواری میں بلا زین کا گدھا تھا۔ لباس میں ایک تنگ اور چھوٹی قمیص تھی جو سواری پر سے کسی وجہ سے اٹھ گئی تھی۔ جس سے گھٹنے بھی نہ چھپتے تھے' ٹانگیں کھلی ہوئی تھیں۔ لڑکے اس ہیئت کذائی کو دیکھ کر ان کے پیچھے لگ گئے' لوگوں نے یہ طوفان بدتمیزی دیکھا تو ڈانٹ کر ان کو ہٹایا کہ امیر کا پیچھا کیوں کرتے ہو۔

ایک دستہ فوج کی سرداری سپرد ہوئی۔ فوجی امارت کی شان وشوکت کا تو ذکر کیا یہاں معمولی سپاہی کی بھی وضع نہ تھی۔ چنانچہ فوجی نوجوان دیکھ کر ہنستے اور کہتے کہ یہی امیر ہیں۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی والدہ فرماتی ہیں کہ حضرت سلمان ایک مرتبہ مدائن سے شام آئے۔ اس وقت وہ وہاں کے گورنر تھے مگر سادگی کی وجہ سے معمولی لباس اور ابتر حالت میں تھے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ نے اپنے کو اس قدر ابتر کیوں بنا رکھا ہے آپ نے فرمایا کہ آرام وراحت تو صرف آخرت کے لیے ہے۔

ابو قلابہ راوی ہیں کہ ایک شخص سلمانؓ کے یہاں گیا۔ دیکھا تو بیٹھے آٹا گوندھ رہے ہیں' پوچھا خادم کہاں ہے۔ کہا کام سے بھیجا ہے۔ مجھ کو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ دو دو کاموں کا بار اس پر ڈالوں۔

اس غیر معمولی سادگی کی وجہ سے لوگوں کو ان پر اکثر مزدور کا دھوکا ہو جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک عبسی نے جانور کے لیے چارہ خریدا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کھڑے تھے ان سے کہا اس کو گھر تک پہنچا دو وہ اٹھا کر لے چلے۔ راستہ میں لوگوں نے دیکھا تو کہنے لگے لائیے ہم پہنچا دیں یہ حال دیکھ کر عبسی نے پوچھا یہ کون ہیں۔ لوگوں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں وہ سن کر بہت نادم ہوا اور کہا کہ آپ تکلیف نہ کیجیے۔ آپ نے فرمایا اس میں مجھے نیت کا ثواب ملتا ہے۔ اب میں اس بوجھ کو بغیر پہنچائے ہوئے نہیں رکھ سکتا۔

Marfat.com

فیاضی:

فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ بھی آپ کا نمایاں وصف تھا۔ جو کچھ آپ کو تنخواہ ملتی تھی وہ کل کی کل مستحقین میں تقسیم کر دیتے تھے اور خود چٹائی بن کر معاش پیدا کرتے تھے اور چٹائی کی آمدنی کا بھی ایک تہائی اصل سرمایہ کے لیے رکھ لیتے تھے' ایک تہائی بال بچوں پر خرچ کرتے' اور ایک تہائی خیرات کرتے تھے۔ ارباب علم کے بڑے قدردان تھے۔ جب کوئی رقم ہاتھ آ جاتی تو حدیث نبویؐ کے شائقین کو بلا کر کھلا دیتے تھے[1]

صدقات سے اجتناب:

صدقات سے بہت سخت پرہیز کرتے تھے۔ اگر کسی چیز میں صدقہ کا ادنیٰ شائبہ ہوتا تو اس سے بھی احتراز کرتے۔ ایک غلام نے خواہش کی کہ مجھ کو مکاتب بنا دیجیے' فرمایا تمہارے پاس کچھ ہے۔ کہا میں لوگوں سے مانگ کر ادا کر دوں گا۔ فرمایا تم مجھ کو لوگوں کے ہاتھ کا دھوون کھلانا چاہتے ہو۔[2] (حالانکہ اس کا مانگنا ان کے لیے صدقہ نہ رہ جاتا)

حلیہ:

بال گھنے' کان لمبے اور دراز قامت تھے۔

زریں اقوال:

حضرت سلمانؓ کے بہت سے حکیمانہ جملے اور زریں اقوال کتب احادیث میں منقول ہیں۔ ان میں سے چند جواہر ریزے ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

ایک مرتبہ دجلہ کے کنارے جانے کا اتفاق ہوا۔ ایک شاگرد بھی ساتھ تھا۔ حضرت سلمانؓ نے اس سے کہا کہ گھوڑے کو پانی پلا لاؤ۔ اس نے حکم کی تعمیل کی آپ نے فرمایا خوب اچھی طرح پلاؤ۔ جب وہ سیراب ہو گیا تو شاگرد سے مخاطب ہو کر حضرت سلمانؓ نے فرمایا کہ علم کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔ اس میں سے جتنا بھی خرچ کیا جائے گھٹتا نہیں۔ چاہیے کہ علم نافع طلب کرو۔ آپ نے فرمایا کہ علم بہت ہے اور عمر تھوڑی' تو بقدر علم دین اسے حاصل کر لو اور ساری دنیا کے علوم کے پیچھے نہ پڑو۔

---

[1] ابن سعد جزو ۴ قسم ۱ ص ۶۴۔ [2] ایضاً ص ۶۴۔

Marfat.com

فرمایا مومن کی مثال ایک مریض کی ہے اور اس کے پاس طبیب موجود ہے جو مرض اور اس کے علاج سے بخوبی واقف ہے۔ مریض کو جب کوئی ایسی چیز کی خواہش ہوتی ہے جو اس کے لیے مضر ہوتی ہے تو وہ اس کو روکتا ہے' اسی طرح وہ برابر اس کی دیکھ بھال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ بالکل تندرست ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مومن کی خواہشات بھی بہت ہوتی ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اس کو بری اور مضر خواہشات سے بچاتا رہتا ہے' تاآنکہ اسے موت آجاتی ہے اور وہ جنت کی تمام نعمتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ اگر وہ پہلے باز نہ رکھا گیا ہوتا تو اس کو یہ نعمتیں کیسے ملتیں۔

ابودرداءؓ نے ایک مرتبہ ان کو لکھا کہ آپ ارض مقدس (غالباً بیت المقدس) میں چلے آیئے۔ حضرت سلمانؓ نے ان کو جواب میں لکھا کہ کوئی زمین انسان کو مقدس نہیں بناتی خود اس کا عمل مقدس اور متبرک بناتا ہے۔ پھر آپ نے لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم کسی جگہ کے قاضی بنا دیئے گئے ہو تو اگر تمہارے فیصلوں سے لوگوں میں انصاف ہو تو بہت اچھا ہے اور اگر تم مصنوعی قاضی ہو تو پھر ایسا نہ ہو کہ اپنے فیصلوں سے تمہیں دوزخ میں جانا پڑے۔ یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد ابودرداء رضی اللہ عنہ کا یہ حال ہو گیا کہ جب دو آدمیوں میں فیصلہ کرتے اور فریقین واپس جانے لگتے تو ان کی طرف ایک نظر ڈالتے اور ان سے فرماتے کہ واقعی میں مصنوعی قاضی ہوں' واپس آؤ اور پھر مجھ سے اپنا مقدمہ بیان کرو شاید فیصلہ میں غلطی ہو گئی ہو۔

فرماتے ہیں کہ مجھے تین آدمیوں پر بڑا تعجب ہوتا ہے ایک وہ جو دنیا کی طلب میں پڑا ہوا ہے اور موت اسے طلب کر رہی ہے' دوسرا وہ جو موت سے غافل ہے حالانکہ موت اس سے غافل نہیں ہے تیسرا وہ جو قہقہے مار کر ہنستا ہے اور نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے یا ناراض۔ فرمایا تین چیزیں مجھے اس قدر غمگین کرتی ہیں کہ میں رو دیتا ہوں۔ ایک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کی جدائی' دوسری عذاب قبر' تیسری قیامت کا خطرہ۔

آپ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے آپ سے نصیحت کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے فرمایا بولو نہیں۔ اس نے کہا کہ لوگوں میں رہ کر یہ کیسے ممکن ہے۔ آپ نے فرمایا

Marfat.com

کہ اگر بولو تو صحیح اور مناسب بات کہو۔ اس نے کہا کہ کچھ اور ارشاد ہو۔ فرمایا کہ غصہ نہ کرو۔ اس نے کہا کہ میں غصہ میں قابو سے باہر ہو جاتا ہوں' فرمایا کہ اپنے ہاتھ اور زبان کو قابو میں رکھو۔ اس نے کہا کچھ اور ارشاد فرمایئے' فرمایا کہ لوگوں سے ملو جلو نہیں۔ اس نے کہا یہ کیسے ممکن ہے کہ لوگوں سے ملا جلا نہ جائے۔ آپ نے فرمایا اگر ملتے جلتے ہو تو پھر بات میں سچائی سے کام لو اور امانت ادا کر دیا کرو[1]

(۳۶) حضرت سمعانؓ بن خالد

صاحب اصابہ نے ان کے تذکرہ میں صرف اتنا لکھا ہے کہ یہ بنو قریظہ سے تھے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے۔ آپ نے ان کے لیے برکت کی دعا کی اور ان کے سر پر دست شفقت پھیرا[2]

صاحب تجرید نے اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ ان سے کچھ احادیث بھی مروی ہیں' جو ان کی اولاد کے پاس موجود ہیں[3]

(۳۷) حضرت سیمونہ بلقاوی رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

سیمونہ[1] یا سیما نام' نسباً اور عقیدۃً نصرانی' بلقاء کے رہنے والے تھے' اور ان کا شمار عباد نصاریٰ میں تھا۔

اسلام:

یہ تصریح نہیں مل سکی کہ کب اسلام لائے۔ ارباب رجال صرف اتنا لکھتے ہیں:

---

[1] یہ تمام اقوال صفوۃ الصفوۃ سے لیے گئے ہیں۔ [2] اصابہ جلد ۲ ص ۸۰۔
[3] تجرید ج ا ذکر سمعان بن خالد۔ [4] تجرید ج ا ص ۲۷۰۔

Marfat.com

كان نصرانياً شماسا فاسلم[1]

''ایک نصرانی عابد شخص تھے' پھر اسلام لائے''۔

مدینہ سے تجارتی تعلقات:

حضرت سیمونہ رضی اللہ عنہ کو تجارت کے سلسلہ میں مختلف جگہ جانے کا اتفاق ہوتا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ چند آدمی بلقاء سے گیہوں لے کر مدینہ آئے اور یہاں اسے فروخت کیا اور اس کی قیمت میں مدینہ کی کھجوریں بلقا لے جانے کا خیال ہوا۔ مدینہ کے لوگوں نے کھجوریں دینے سے انکار کیا' یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل مدینہ سے فرمایا کہ یہ لوگ اپنا گیہوں سستا دیتے ہیں اور کھجوریں گراں خریدتے ہیں۔ اس بھی تمہیں اطمینان نہیں ہے۔ تم لوگ انہیں کھجوریں لے جانے دو[2]

وفات:

آپ کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے برکت دی تھی۔ ایک سو بیس برس کی عمر میں وفات پائی۔ سنہ وفات کی تصریح نہیں مل سکی۔

فضائل:

شرف صحبت کے علاوہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کا شرف بھی حاصل ہوا ہے فرماتے ہیں:

رايت النبيّ وسمعت من فيه اذني[3]

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور ان کے دہن مبارک سے خود میرے کانوں نے سنا''۔

منصور بن صبیح نے جو ربیع بن صبیح مشہور تابعی کے بھائی ہیں' حضرت سیمونہ سے روایت کی ہے[4]

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۸۳۔ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔ [4] اصابہ ج ۲ ص ۱۰۴۔

Marfat.com

(ش)

(۳۸) حضرت شمعون رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

شمعون نام' ابوریحانہ کنیت' پورا سلسلہ نسب یہ ہے' شمعون بن زید بن خنافۃ القرظی[۱] ام المومنین حضرت ریحانہؓ کے والد تھے[۲]

اسلام:

یہ تو معلوم نہیں ہوسکا کہ کب اسلام لائے مگر حافظ ابن عبدالبر نے یہ تصریح کی ہے:

له صحبة وسماع ورواية.

''صحابی ہیں' سماع اور روایت کا شرف حاصل ہے''۔

غزوات:

نسائی اور طبرانی کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ رسول ﷺ کے ساتھ کسی غزوہ میں بھی شریک ہوئے تھے۔

كان مع النبي صلى الله عليه وسلم في الغزوة.[۳]

---

۱ استیعاب ج ۲ ص ۶۰۳۔ ۲ ایضا۔ ابن سعد نے حضرت ریحانہؓ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ یہ نسبا بنو قریظہ سے تھیں لیکن شادی بنونضیر کے ایک شخص کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس بنا پر حضرت شمعون رضی اللہ عنہ کو بھی نضری سمجھنا چاہیے۔ لیکن یہ بھی تیقن کے ساتھ تمام ارباب رجال لکھتے ہیں کہ حضرت ریحانہؓ بنوقریظہ کی جنگ میں گرفتار ہوئی تھیں۔ اس بنا پر وہ قرظی ہوئیں اور بنونظیر کی جلاوطنی تو اس سے ایک سال پہلے ہو چکی تھی۔ ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت شمعون رضی اللہ عنہ نضری ہو اور حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا کی شادی بنی قریظہ ہی میں کردی ہو اور دوسرے تعلقات کی بنا پر وہ ان ہی کے ساتھ رہنے لگے ہوں۔ ۳ اصابہ جلد۲ ص ۱۵۶۔

Marfat.com

''رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک تھے''۔

اگرچہ اس کی تصریح نہیں ملتی کہ کس غزوہ میں شریک ہوئے تھے۔

عہد فاروقی:

عہد صدیقی میں تو آپ کا ذکر نہیں آتا، مگر عہد فاروقی میں جب دمشق فتح ہوا تو آپ بھی اس شرف جہاد میں شریک رہے[1]

شام کا قیام:

آپ مستقل طور سے شام میں رہتے تھے، لیکن کچھ دنوں کے لیے مصر میں چلے آئے تھے، مگر وہاں تھوڑے روز رہ کر واپس شام چلے آئے[2]

وفات:

سنہ وفات معلوم نہیں ہے۔

فضل وکمال:

آپ کا شمار عباد اور زہاد صحابہ میں تھا۔ حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

کان من فضلاء الاخیار الزاھدین فی الدنیا الراجین مع عنداللہ .

(استیعاب ج ۲ ص ۶۱۰)

''اخیار علماء میں تھے۔ دنیا سے بالکل بے تعلق اور اللہ پر متوکل تھے''۔

اسد الغابہ میں ہے:

کان من صالحی الصحابة وعبادھم. (ج ۳ ص ۴)

''صالح، نیک اور عبادت گزار صحابہ میں ان کا شمار تھا''۔

اصابہ میں ہے:

کان یکثر السجود. ''نمازیں بہت پڑھتے تھے''۔

---

[1] اصابہ جلد ۲ ص ۱۵۶۔

[2] اسد الغابہ ج ۳ ص ۴۔

Marfat.com

قرآن سے شغف:

قرآن مجید سے بے حد شغف تھا۔ بسا اوقات آپ قرآن پاک پڑھنے میں ایسا منہمک ہو جاتے تھے کہ آرام کرنے کا بھی خیال نہ رہتا تھا۔

ایک مرتبہ آپ کسی غزوہ سے واپس ہوئے' کھانا کھایا اور وضو کر کے اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ شکر ادا کرنے کے لیے مسجد میں حاضر ہوئے' کوئی سورت پڑھنی شروع کی اور رات بھر اسی کو پڑھتے رہے۔ صبح کی نماز پڑھ کر جب گھر تشریف لائے تو بیوی نے کہا غزوہ سے تھکے ماندے واپس آئے تھے کچھ آرام کر لینا چاہیے تھا۔ آپ نے فرمایا' ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔

ان ذکرتک لکان علی حق.

''اگر تم یاد آ گئی ہوتیں تو ضرور مجھ پر تمہارا حق ہوتا''۔

بیوی نے پوچھا' آخر کس چیز نے آپ کو اس قدر مشغول کر لیا تھا؟ آپ نے فرمایا:

التفکر فیما وصف اللہ فی جنة ولذاتها حتی سمعت المؤذن.

''اللہ تعالیٰ نے جو جنت اور اس کے لذات کی تعریف کی ہے اسی میں غور وفکر کرتا رہا یہاں تک کہ صبح کی اذان ہوگئی۔ (اصابہ ج ۲ ص ۱۵۶)

آپ قرآن مجید یاد کرنے کی بے حد کوشش کرتے تھے' مگر وہ زیادہ یاد نہیں رہتا تھا۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے اور قرآن مجید کے بار بار بھول جانے اور اپنے یاد کرنے کی محنت کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ:

لا تحمل مالا تطیق علیک بالسجود. (کتاب الاسماء والکنی للدولابی ج ۱ ص ۳۰)

''اپنی یادداشت بھر یاد کرو۔ نماز کی زیادہ پابندی رکھو یعنی جب نماز زیادہ پڑھو گے تو قرآن بھی بار بار پڑھو گے اس طرح وہ یاد رہے گا''۔

Marfat.com

(ص)

(۳۹) حضرت صالح القرظی رضی اللہ عنہ

صالح نام تھا' قبیلہ قریظہ[1] سے آپ کا نسبی تعلق تھا۔ جب مقوقس (شاہ مصر) نے ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تو آپ بھی ان ہی کے ساتھ مدینہ تشریف لائے۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ دھوکا ہو گیا ہے کہ ان کو بھی مقوقس ہی نے بھیجا تھا' مگر صاحب اصابہ نے اس کی تردید کی ہے[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان میں ٹھہرایا[3]

زندگی کے اور دوسرے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

(ع)

(۴۰) حضرت عامر الشامی رضی اللہ عنہ

عامر نام' شام یا حبشہ کے رہنے والے تھے۔

اسلام:

اس کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملی کہ کب اسلام لائے۔ مگر جب حضرت جعفرؓ حبشہ سے واپس آئے تو ان کے ساتھ حبشہ سے کچھ لوگ جو اسلام لا چکے تھے خدمت نبویؐ میں مدینہ آئے۔ ان ہی آنے والوں میں حضرت عامر بھی تھے[4] ان آنے والوں

---

[1] اصابہ میں ہے والصواب قبطی' مگر اور دوسرے ارباب طبقات قرظی لکھتے ہیں۔ تجرید ج اص ۲۸۱' اسد الغابہ ج ۳ص ۱۰۔ [2] اصابہ جلد ۲ص ۱۷۴۔ [3] ایضاً۔ [4] پوری تفصیل حضرت اشرف کے حالات میں گزر چکی ہے

Marfat.com

کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:[1]

﴿ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ ھُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْھِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا کُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ ﴾

''جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں جب ان کے سامنے قرآن کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر بھی ایمان لائے بے شک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم اس کے نزول کے پہلے سے مسلمان ہیں''۔

عبدالحارث رضی اللہ عنہ بن السنی

نام و نسب:

عبدالحارث یا عبدالرحمٰن، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ عبدالحارث بن السنی بن الدیان الحارثی[2] آپ کا شمار نجران کے ممتاز لوگوں میں تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر نجران پہنچی اور وہاں فتنہ ارتداد اٹھا تو آپ نے روک تھام کی پوری کوشش کی۔ آپ نے اہل نجران کے سامنے ایک بہت بلیغ خطبہ دیا جس کے الفاظ یہ ہیں:

یااھل نجران من امرکم بالثبات علی ھذا الدین لقد نصحکم ومن امرکم ان تزیغوا فقد غشکم الیٰ ان قال وانما کان نبی اللہ عاریةً بین اظھرکم فاتی علیه اجله وبقی الکتاب الذی جاء به فامره ونھیه نھی الیٰ یوم القیامه.

---

[1] طبری۔ [2] تجرید میں آپ کا نام عبدالرحمٰن درج ہے۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ ہوسکتا ہے رسول اللہ ﷺ نے عبدالحارث سے آپ کا نام تبدیل کر کے عبدالرحمٰن رکھ دیا ہو۔ اصابہ جلد ۲ ص ۳۸۸۔

Marfat.com

''اے اہل نجران جس نے تم کو اس دین اسلام پر جم جانے کے لیے کہا وہ تمہارا خیر خواہ ہے اور جس نے کج روی کی تلقین کی وہ تمہارا بدخواہ اور تم کو دھوکا دے رہا ہے یہ اللہ کے نبی محمد ﷺ تھوڑے سے زمانے کے لیے تمہارے پاس آئے تھے۔ اب ان کی وفات ہو چکی ہے مگر جو کتاب وہ لے کر آئے تھے وہ اب بھی باقی ہے اس کا حکم حکم ہے۔ اس کی نہی نہی ہے۔ اس کے اوامر اور منہیات قیامت تک باقی رہیں گے''۔

اور پھر یہ اشعار پڑھے:

ونحن بحمدالله هامة مذحج بنوالحرث الخير الذين هم مدد

ونحن على دين النبی مزی الذی نهانا حراما منه ولامر ما امر

چنانچہ بہت سے لوگ آپ کی کوشش کی وجہ سے ارتداد سے باز آ گئے[1]

وفات وغیرہ کے متعلق کوئی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی۔

[1] اصابہ ج ۲ ص ۳۸۔

Marfat.com

(۴۲) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام

نام ونسب:

جاہلی نام حصین تھا۔ اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ نام رکھا' ابو یوسف کنیت ہے۔ یہود مدینہ کے خاندان قینقاع سے تھے' مشہور ہے کہ ان کا سلسلۂ نسب حضرت یوسف علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے۔ مختصراً آپ کا شجرہ نسب یہ ہے: عبداللہ بن سلام بن حارث' قبیلہ خزرج میں ایک خاندان بنی عوف کے نام سے مشہور ہے ان میں ایک شاخ کا نام قواقل ہے' حضرت عبداللہ اسی قواقل کے حلیف تھے۔

اسلام:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور مالک بن نجار کے محلّہ میں ناقہ سے اترے تو عبداللہ بن سلام کو خبر ہوئی۔ وہ اپنے بچوں کے لیے باغ میں پھل چننے گئے تھے۔ جلدی سے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا آپ سے تین باتیں دریافت کرتا ہوں جو انبیاء کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جواب دیا تو فوراً بول اٹھے اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد انک رسول اللہ' اس کے بعد کہا کہ یہود افتراء پرداز قوم ہے اور میں عالم بن عالم اور رئیس بن رئیس ہوں' آپ ان کو بلا کر میری نسبت دریافت کیجیے' لیکن میرے مسلمان ہونے کی خبر نہ دیجیے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو بلا کر اسلام کی دعوت دی اور کہا عبداللہ بن سلام کون شخص ہیں؟ بولے ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں۔ فرمایا وہ مسلمان ہو سکتے ہیں؟ جواب ملا' کبھی نہیں۔ عبداللہ بن سلام مکان کے ایک گوشے میں چھپے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی تو کلمہ پڑھتے ہوئے باہر نکل آئے اور یہودیوں سے کہا کہ خدا سے ڈرو۔ تمہیں خوب معلوم ہے کہ یہ رسول ہیں اور ان کا مذہب بالکل سچا ہے اور بایں ہمہ

Marfat.com

ایمان لانے پر تم لوگ آمادہ نہیں ہوتے یہود کو خلاف توقع جو خفت نصیب ہوئی' اس نے ان کو آتش زیر پا کر دیا' اور غصہ میں کہا کہ تم جھوٹے ہو اور ہماری جماعت کے بدترین شخص ہو اور تمہارا باپ بھی بدترین شخص تھا۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا' یارسول اللہ ﷺ آپ نے دیکھا مجھ کو اسی کا خوف تھا[1]

غزوات:

بدر واحد کی شرکت کے متعلق اختلاف ہے۔ صاحب طبقات کے نزدیک خندق ان کا پہلا غزوہ تھا۔ اس لیے انہوں نے صحابہؓ کے تیسرے طبقہ یعنی اصحاب خندق میں ان کا تذکرہ لکھا ہے کہ بنونضیر کے محاصرہ کے وقت جنگی ضرورتوں کی بنا پر جب ان کے نخلستان صاف کیے جانے لگے تو اس کام پر جو لوگ متعین تھے۔ ان میں عبداللہؓ بن سلام بھی تھے[2]

عہد فاروقی:

عہد نبوت کے بعد خلافت فاروقی میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ صلح بیت المقدس کے لیے مدینہ سے شام روانہ ہوئے تو حضرت عبداللہؓ بن سلام بھی ساتھ تھے۔

عہد عثمانی:

حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں جب باغیوں نے آستانہ خلافت کا محاصرہ کر کے آپ کے قتل کی تیاریاں کیں تو عبداللہؓ بن سلام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ کی مدد کے لیے تیار ہوں' فرمایا' تمہارا مکان کے اندر رہنا ٹھیک نہیں' باہر جا کر مجمع کو منتشر کرو۔ حضرت عبداللہؓ بن سلام باہر تشریف لائے اور ایک مختصر تقریر کی جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"لوگو! میرا نام جاہلیت میں فلاں تھا (حصن) آنحضرت ﷺ نے عبداللہ رکھا۔ میرے متعلق قرآن مجید میں کئی آیتیں نازل ہوئیں' چنانچہ شهد شاهد من بنی اسرائیل اور قل کفی بالله شهیدا بینی وبینکم ومن عنده علم الکتاب میری ہی شان میں

---

[1] صحیح بخاری ص ۵۵۶ و ۵۶۱ ج ۱۔ [2] شرح السیر الکبیر ج ۱ ص ۴۲۔

Marfat.com

اتری ہیں۔ خدا کی تلوار اب تک نیام میں ہے' اور فرشتوں نے تمہارے شہر کو جو رسول اللہ ﷺ کا دارالہجرت ہے' اپنا نشیمن بنالیا ہے۔ پس ڈرو خدا سے ڈرو! اور ان (حضرت عثمانؓ) کو قتل نہ کرو۔ خدا کی قسم اگر تم ان کے قتل پر کمربستہ ہوئے تو تمہارے ہمسایہ فرشتے مدینہ چھوڑ دیں گے اور خدا کی تلوار نکل پڑے گی جو اس وقت تک نیام میں بند ہے اور جو پھر قیامت تک نیام میں واپس نہ جائے گی۔ لیکن سنگدلوں پر اس پرزور تقریر کا کچھ اثر نہ ہوا' بلکہ اس کے خلاف شقاوت اور زیادہ ترقی کرگئی' بولے کہ اس یہودی اور عثمانؓ دونوں کو قتل کرڈالو[1]

عہد مرتضوی:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں مدینہ سے کوفہ دارالخلافہ تبدیل کرنا چاہا تو انہوں نے آپ کو کہلایا کہ رسول اللہ ﷺ کا منبر نہ چھوڑیے ورنہ پھر اس کی زیارت نہ کرسکیں گے۔ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خبر کی تو فرمایا' وہ بے چارے نہایت نیک آدمی ہیں[2]

وفات:

۴۳ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔ یہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت تھا۔

اولاد:

دو بیٹے یادگار چھوڑے۔ یوسف اور محمد' دونوں آنحضرت ﷺ کے زمانے میں پیدا ہوئے تھے۔ یوسف بڑے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنی گود میں بٹھایا' سر پر ہاتھ پھیرا اور یوسف نام رکھا[3]

علم وفضل:

توراۃ اور انجیل کے عالم تھے۔ اسلام لانے کے بعد قرآن وحدیث کی طرف توجہ کی اور آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوا' جن کی طرف سے مسائل میں فتویٰ لیا جاتا تھا۔

---

[1] صحیح ترمذی ص ۶۲۸۔ [2] اصابہ ج ۴ ص ۸۱۔ [3] مسند ص ۳۵۔

Marfat.com

حضرت معاذؓ بن جبل سے لوگوں نے مرض الموت میں وصیت کی خواہش کی تو آپ نے فرمایا میں نہ رہوں گا' مگر علم اپنی جگہ پر باقی رہے گا' اور جو اس کی جستجو کرے گا خصوصیت سے چار آدمیوں کے پاس آئے گا۔ پھر آپ نے ابو درداءؓ، سلمان فارسیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن سلام کے متعلق فرمایا:

كان يهوديا فاسلم فاني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول انه عاشر عشر الجنة.

''یہ یہودی تھے' مسلمان ہوئے' میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا ہے کہ وہ دسویں جنتی ہیں''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ باوجود یہ کہ خود بہت بلند پایہ کے تھے' مگر بعض مسائل آپ سے پوچھا کرتے تھے' جمعہ کے روز ایک گھڑی ایسی ہے جس میں نمازی کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہؓ بن سلام سے دریافت کیا کہ وہ کونسی گھڑی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ عصر کے بعد کا وقت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ یہ ذکر خاص تو حالت نماز کا ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن سلام نے فرمایا کہ کیا وہ حدیث پیش نظر نہیں ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بندہ جب تک نماز کے انتظار میں رہتا ہے وہ گویا نماز میں ہوتا ہے تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا آپ ٹھیک فرماتے ہیں۔

روایت حدیث:

آپ سے صرف ۲۵ روایتیں منقول ہیں' راویوں میں بعض صحابہ کرام بھی ہیں جن کے نام نامی یہ ہیں۔ آپ کے دونوں صاحبزادے یوسف و محمد' زرارہ بن اوفی' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن معقل' عبدالرحمٰن بن حنظلہ' تابعین میں سے حسب ذیل لوگوں نے آپ سے روایتیں کی ہیں' خرشہ بن الحر' قیس بن عبادہ' ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن' حمزہ بن یوسف آپ کے پوتے' عمرو بن محمد (پوتے) عوف بن مالک' ابوبردہ بن ابو موسیٰ' ابوسعید المقبری' عبادۃ الزرقی' عطاء بن یسار' عبیداللہ بن جیش غفاری[1]

---

[1] مسند ج۵ ص۴۸۶۔

Marfat.com

اتباع سنت:

عطاء بن یسار فرماتے ہیں' آپ ان صحابہ میں تھے جو رفتار' گفتار' نشست و برخاست ہر چیز میں رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرتے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے چند صحابہ کو جمع کر کے ان کے سامنے سبح لله ما فی السموت (الایة) تلاوت فرمائی تو حضرت عبداللہؓ بن سلام کا دستور تھا کہ وہ بھی لوگوں کے سامنے یہ آیت تلاوت کیا کرتے تھے اور یہ طریقہ امام اوزاعی تک برابر جاری رہا۔[1]

تواضع خاکساری:

زندگی ہی میں جنت کی بشارت مل چکی تھی۔ علم و فضل اور تقویٰ و دیانت میں بھی آپ اپنی نظیر تھے۔ لیکن اس فضل و کمال کے باوجود مزاج میں انتہائی تواضع و خاکساری تھی' حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ مسجد نبوی میں آئے' آپ کے چہرے سے خشوع و خضوع کا اظہار ہو رہا تھا۔ آپ نے دو رکعت نماز ادا کی۔ اس اثنا میں لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ "یہ شخص جنتی ہے"۔ جب وہ نماز ادا کر چکے تو میں بھی ان کے ساتھ ہولیا۔ گھر پہنچ کر کچھ باتیں کیں۔ جب ذرا آپ مجھ سے مانوس ہو گئے تو میں نے کہا کہ مسجد میں لوگ آپ کے متعلق ایسا کہہ رہے تھے' آپ نے فرمایا کہ لوگوں کو جو بات معلوم نہ ہو وہ بات نہیں کہنی چاہیے۔ پھر فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر رسول اللہ ﷺ نے یہ بتائی کہ تمہارا خاتمہ اسلام پر ہوگا۔

یہ بات آپ نے انکسار کی وجہ سے فرمائی' ورنہ اوپر گزر چکا ہے کہ معاذ بن جبل فرمایا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ الفاظ سنے ہیں کہ:

انه عاشر عشرة الجنة.

اسی طرح کی ایک اور روایت سعدؓ بن عبادہ سے بخاری میں ہے۔

ما سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول لا حد یمشی علی الارض

---

[1] مسند جلد ۵ ص ۴۸۶۔

Marfat.com

انه من اهل الجنة الا لعبدالله ابن سلام[1]

''موجودہ لوگوں میں میں نے عبداللہ ابن سلام کے علاوہ کسی کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے یہ کہتے نہیں سنا کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں''۔

ایک مرتبہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر لا رہے تھے' لوگوں نے کہا آپ کو خدا نے اس سے مستغنی کیا ہے' فرمایا یہ ٹھیک ہے لیکن میں اس سے کبر وغرور کا قلع قمع کرنا چاہتا ہوں[2]

اس خاکساری وتواضع کے ساتھ حق وصداقت کا جوش بھی بے اندازہ تھا۔ فرماتے تھے کہ تم کو ایک بار قریش سے لڑائی پیش آئے گی اس وقت اگر مجھ کو قوت نہ ہو تو تخت پر بٹھا کر مجھ کو فریقین کی صفوں کے درمیان رکھ دینا[3]

---

[1] اس روایت میں اشکال یہ ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی بعض لوگ ہیں جن کو زندگی ہی میں جنت کی بشارت دے دی گئی تھی اور اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ صرف عبداللہ بن سلام ہی اس کے مستحق ہیں۔ حافظ ابن حجر نے اس اشکال کے مختلف جوابات دیئے ہیں ان میں سب سے صحیح بات یہ ہے کہ سعد بن عبادہ نے دوسرے حضرات کی وفات کے بعد یہ کہا تھا۔ سعدؓ بن عبادہ خود انہی مبشرین جنت میں ہیں لیکن انہوں نے انکساری سے اپنا نام نہیں لیا۔

[2] تذکرۃ الحفاظ جلد اص ۲۳۔ [3] استیعاب جلد اص ۳۹۶۔

Marfat.com

(۴۳) حضرت عبدالرحمٰنؓ بن زبیر

نام ونسب:

عبدالرحمٰن نام' باختلاف[1] روایت پورا سلسلہ نسب یہ ہے' عبدالرحمٰن بن زبیر ابن باطیاء القرظی' یہود کے مشہور قبیلہ بنو قریظہ سے تھے۔

اسلام:

یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ کب اسلام لائے۔

کتب احادیث میں آپ کا یہ واقعہ درج ہے:

حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی تمیمہ کو طلاق دے دی تھی جن سے عبدالرحمٰنؓ بن زبیر نے شادی کرلی۔ مگر حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کی کچھ طبعی قوت کی کمزوری کی وجہ سے ان سے نباہ نہ ہوسکا۔ تمیمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور علیحدگی کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ باتیں دریافت کیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ حلالہ کی شرط جب تک پوری نہ ہوجائے گی اس وقت تک تم کو علیحدگی کا اختیار نہیں ہے اس کے کچھ روز بعد پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں۔ مگر آپ نے پھر بھی علیحدگی کی اجازت نہیں دی۔ پورا واقعہ حضرت رفاعہؓ کے تذکرہ میں آچکا ہے۔

---

[1] ابن مندہ نے آپ کا سلسلہ نسب یہ لکھا ہے: عبدالرحمٰن بن زبیر بن زید بن امیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن مالک بن اوس' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اوسی تھے۔ مگر حافظ ابن حجر نے اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ زبیر بن باطیاء تو بنوقریظہ کے مشہور و معروف لوگوں میں ہیں۔ یہ ہوسکتا ہے کہ قبیلہ اوس کے وہ متبنی ہوں اور اس حیثیت سے اوسی بھی مشہور ہوگئے ہوں۔ (اصابہ ج ۲ ص ۳۹۸، اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۸۶)

Marfat.com

وفات:

آپ کی وفات کی اگر چہ کوئی تصریح نہیں ملتی، مگر حضرت رفاعہؓ کے حالات میں گزر چکا ہے کہ تمیمہ حضرت عمرؓ کے زمانہ تک چاہتی رہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن زبیر سے علیحدگی ہو جائے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ غالباً حضرت عبدالرحمٰن عہد فاروقی تک زندہ رہے۔ واللہ اعلم۔

اس آیت کا شان نزول آپ ہی کے نکاح کا واقعہ ہے:

﴿فَلَا تَحِلُّ لَه مِنْ بَعْدِ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَه﴾

''پس جب تک دوسرا شوہر نکاح نہ کرلے دوسرا نکاح جائز نہیں ہے''۔

(۴۴) حضرت عداس رضی اللہ عنہ

عداس نام تھا، شیبہ بن ربیعہ کے غلام تھے، نینوا کے مشہور مقام موصل کے کسی گاؤں کے رہنے والے تھے[1] مذہباً عیسائی تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل طائف کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے طائف تشریف لے گئے اور ان لوگوں نے آپ کے ساتھ بدسلوکی کی اور آپ وہاں سے واپس ہوئے تو راستہ میں شیبہ اور عتبہ نے جو آپ کی یہ حالت دیکھ رہے تھے، عداس رضی اللہ عنہ کو انگور کے کچھ خوشے دے کر آپ کے بھیجا۔ جب عداس رضی اللہ عنہ آپ کے پاس انگور لائے تو آپ نے بسم اللہ فرمایا اور لے لیا۔

عداسؓ نے تعجب سے کہا کہ یہ تو ایک نیا طرز کلام سن رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ کہاں کے رہنے والے ہو۔ عداسؓ نے بتایا نینوا کا رہنے والا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جہاں کے حضرت یونس علیہ السلام رہنے والے تھے، عداسؓ نے کہا آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ یونس علیہ السلام کون ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں[2]

---

[1] اصابہ ج ۲ ص ۴۶۶۔ [2] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۹۰، ایک روایت میں ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فرمایا۔ زرقانی ص ۳۵۶۔

Marfat.com

اسلام:

عداسؓ نے نبوت کے یہ آثار وصفات دیکھ کر آپ کے دست مبارک اور پیروں کا بوسہ لیا اور کہہ اٹھے:

اشهد انک عبدالله ورسوله[1]

''میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں''۔

شیبہ اور عتبہ دور سے حضرت عداس رضی اللہ عنہ کی کیفیت دیکھ رہے تھے' جب وہ واپس ہوئے تو انہوں نے کہا تم نے دست بوسی کیوں کی۔ حضرت عداسؓ نے کہا کہ یہ دنیا کے بہترین شخص ہیں' یہ سن کر ان دونوں نے کہا وہ تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ نہ کردیں' تمہارا دین ان کے دین سے بہتر ہے۔ (البدایہ ج ۳)

بدر کے میدان میں جب دونوں طرف سے جنگ کی تیاریاں ہو رہی تھیں تو حضرت عداسؓ ایک ٹیلہ پر بیٹھ گئے۔ جب شیبہ اور ربیعہ ادھر سے گزرے تو آپ نے ان دونوں کا پیر تھام لیا اور فرمایا کہ خدا کی قسم تم لوگ نبی سے لڑنے کے لیے جا رہے ہو۔ تم لوگوں کا بچ کر واپس آنا بہت مشکل ہے۔ حضرت عداس رضی اللہ عنہ کو ان دونوں سے ایک گونہ تعلق تھا اس لیے بہت کچھ سمجھایا' مگر وہ نہ مانے تو آپ الگ غمگین ہو کر بیٹھ گئے۔[2]

زندگی کے دوسرے واقعات کا ذکر رجال کی کتابوں میں نہیں ملتا۔

---

[1] اصابہ ج ۲ ص ۴۶۶۔ [2] زرقانی نے تمام واقعات تفصیل سے لکھے ہیں' اور اصابہ میں بھی یہ واقعات مذکور ہیں۔ زرقانی ج ا ص ۳۵۸ و اصابہ ج ۲ ص ۳۶۶۔

Marfat.com

(۴۵) حضرت عدیؓ بن حاتم

نام ونسب:

عدی نام' ابوطریف کنیت' نسب نامہ یہ ہے' عدی بن حاتم بن عبداللہ بن سعد بن مشرج بن امراء القیس ابن عدی بن ربیعہ بن جزول بن ثعل بن عمرو بن یغوث بن طے بن اود بن زید بن کہلان' عدی مشہور حاتم طائی کے جن کی فیاضیاں ضرب المثل ہیں بیٹے ہیں' عقیدہ کے اعتبار سے عیسائیوں کے رکوی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

عدی کا خاندان مدت سے قبیلہ طے پر حکمران چلا آتا تھا اور ظہور اسلام کے وقت وہ خود تخت فرمانروائی پر تھے۔ جب آنحضرت ﷺ کو مسلسل فتوحات حاصل ہوئیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کا اثر واقتدار اور اسلام کا دائرہ وسیع ہونے لگا اور عدی کو نظر آیا کہ کچھ دنوں میں ان کو بھی آنحضرت ﷺ کے سامنے سر اطاعت خم کیے بغیر چارۂ کار نہیں رہ جائے گا تو دوسرے فرمانرواؤں کی طرح ان کی نخوت کو بھی ایک معمولی قریشی کی ماتحتی اور اور حکومت گوارا نہ ہوئی۔

لیکن ایک طرف اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا روکنا ان کے بس سے باہر تھا' دوسری طرف حکمرانی کا غرور اسلام کے سامنے سر جھکانے کی اجازت نہ دیتا تھا۔ اس لیے انہوں نے ترک وطن کا فیصلہ کرلیا اور سامان درست کر کے اسلامی فوجوں کی آمد کا انتظار کرنے لگے کہ ادھر وہ ان کی حدود کی طرف بڑھیں اور ادھر وہ اپنا وطن چھوڑ کر نکل جائیں۔ جب اسلامی شہ سوار قبیلہ طے میں پہنچے تو عدی اپنے اہل وعیال کو لے کر اپنی عیسائی برادری کے پاس شام چلے گئے۔[1]

اتفاق سے عدی کی ایک عزیزہ چھوٹ گئی تھیں' وہ مسلمانوں کے ہاتھ آئیں اور عام قیدیوں کے ساتھ ایک مقام پر منتقل کردی گئیں۔ آنحضرت ﷺ کا ادھر سے گزر

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۶۸۔

Marfat.com

ہوا تو ان خاتون نے عرض کیا' یارسول اللہ ﷺ باپ مر چکے ہیں' چھڑانے والا اس وقت موجود نہیں ہے' مجھ پر احسان کیجیے' خدا آپ پر احسان کرے گا۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا۔ چھڑانے والا کون ہے؟ عرض کیا عدی بن حاتم۔ فرمایا وہی جس نے خدا اور رسول ﷺ سے فرار اختیار کیا۔ یہ کہہ کر چلے گئے۔ دوسرے دن پھر گزرے اور اسیر خاتون نے پھر وہی درخواست کی اور پھر وہی جواب ملا۔ تیسری مرتبہ اس نے حضرت علیؓ کے مشورے سے درخواست کی۔ اس مرتبہ درخواست قبول ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے رہا فرمادیا' لیکن چونکہ بڑے گھر کی عورت تھیں اس لیے ان کے رتبہ اور اعزاز کا لحاظ کر کے ارشاد ہوا کہ ابھی جانے میں جلدی نہ کرو۔ جب تمہارے قبیلہ کا کوئی معتبر آدمی مل جائے تو مجھے خبر کرو۔

چند دنوں کے بعد قبیلہ بلی اور قضاعہ کے کچھ لوگ مل گئے۔ طائی خاتون نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی۔ آپ نے ان کے شایان شان سواری' لباس اور اخراجات سفر کا انتظام کر کے بحفاظت تمام روانہ کردیا۔ یہاں سے یہ خاتون براہ راست عدی کے پاس شام پہنچیں اور ان کی نہایت بری طرح خبر لی کہ تم سے زیادہ قاطع رحم کون ہوگا۔ اپنے اہل وعیال کو لے آئے اور مجھ کو تنہا چھوڑ دیا عدی نے ندامت اور شرمساری کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ چند دنوں کے بعد عدی نے ان سے پوچھا۔ تم ہوشیار اور عاقلہ ہو تم نے اس شخص (آنحضرت ﷺ) کے متعلق کیا رائے قائم کی۔ انہوں نے کہ میری یہ رائے ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے تم ان سے ملو اور اگر وہ نبی ہیں تو ان سے ملنے میں سبقت کرنا شرف سعادت ہے اور اگر بادشاہ ہیں تو بھی یمن کا ایک باعزت فرمانروا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔[1]

یہ معقول بات عدی کی سمجھ میں آ گئی۔ چنانچہ وہ شام سے مدینہ آئے اور مسجد نبویؐ میں آ کر آنحضرت ﷺ سے ملے۔ آپ نے ان کا نام پوچھا اور ان کو لے کر شانہ اقدس کی طرف چلے۔ راستہ میں ایک بوڑھی عورت ملی۔ اس نے آپ کو روک لیا۔ آپ

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۶۹ و ۳۷۰۔

Marfat.com

دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے۔ اس کا عدی کے دل پر خاص اثر ہوا' اور انہوں نے کہا کہ یہ طرز دنیاوی بادشاہ کا نہیں ہوسکتا۔ گھر پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے باصرار عدی کو ایک گدے پر بٹھایا اور خود زمین پر بیٹھے۔ اس اخلاق کا عدی کے دل پر اور اثر ہوا اور انہیں یقین ہوگیا کہ آنحضرت ﷺ کسی طرح دنیاوی بادشاہ نہیں ہوسکتے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے عدی کے سامنے اسلام پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں تو ایک مذہب کا پیرو ہوں آپ نے فرمایا میں تمہارے مذہب سے تم سے زیادہ واقف ہوں۔ عدی نے متعجبانہ پوچھا آپ میرے مذہب سے مجھ سے زیادہ واقف ہیں؟ فرمایا بے شک' کیا تم رکوی[1] نہیں ہو اور مال غنیمت کا چوتھائی حصہ نہیں لیتے ہو۔ عدی نے اقرار کیا۔ ان کے اقرار کے بعد آنحضرت ﷺ نے اعتراضاً فرمایا کہ یہ تمہارے مذہب میں جائز نہیں ہے۔

یہ حقیقت سن کر عدی کمزور پڑ گئے۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا میں سمجھتا ہوں کہ کیا چیز تمہارے اسلام قبول کرنے میں مانع ہوتی ہے۔ اسلام کے متعلق تمہارا خیال ہوگا کہ اس کے پیرو کمزور اور ناتواں لوگ ہیں جن کے پاس نہ کوئی طاقت ہے اور نہ ان کا کوئی پرسان حال۔ پھر پوچھا' تم حیرہ کو جانتے ہو' عدی نے کہا دیکھا تو نہیں ہے لیکن نام سنا ہے۔ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ایک دن خدا اسلام کو تکمیل کے درجہ تک پہنچائے گا اور (اسکی برکت سے) ایک تنہا عورت بلا کسی حفاظت کے حیرہ سے آکر کعبہ کا طواف کرے گی اور کسریٰ بن ہرمز کا خزانہ فتح ہوگا۔ عدی نے استعجاباً پوچھا کسریٰ ابن ہرمز! فرمایا ہاں کسریٰ بن ہرمز' اور مال کی اتنی فروانی ہوگی کہ لوگوں کو دیا جائے گا اور وہ لینے سے انکار کریں گے۔ اس گفتگو کے بعد عدی آنحضرت ﷺ کے دست حق پرست پر مسلمان ہوگئے۔[2]

---

[1] رکوی عیسائی مذہب کا ایک فرقہ ہے۔

[2] مسند احمد بن حنبل ج ۴ص ۲۵۷ مسند میں یہ حالات جستہ جستہ ہیں۔ ہم نے انہیں جمع کر کے ایک سلسلہ مین لکھ دیا ہے۔

Marfat.com

امارت:

آنحضرت ﷺ ہر نئے مسلمان سے اس کے رتبہ کے مطابق کام لیتے تھے اور اسلام سے پہلے جن کا جو رتبہ تھا اس کو اسلام کے بعد برقرار رکھتے تھے۔ عدی رضی اللہ عنہ قبیلہ طے کے حکمران تھے اس لیے اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو طے کی امارت پر ممتاز فرمایا[1]

عہد صدیقی:

حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں جب ارتداد کا فتنہ اٹھا تو بہت سے عرب قبائل نے زکوٰۃ دینا بند کر دی۔ اس موقع پر عدی رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے ان کا قبیلہ اس فتنہ سے محفوظ رہا اور عدی رضی اللہ عنہ برابر زکوٰۃ وصول کر کے دربار خلافت میں پہنچاتے رہے[2]

عہد فاروقی:

۱۳ ہجری میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کی فتوحات کی تکمیل کے لیے تمام ممالک محروسہ سے فوجیں طلب کیں تو عدی بھی اپنے قبیلہ کے آدمیوں کو لے کر شرکت جہاد کے لیے پہنچے اور امیر العسکر مثنیٰ کے ساتھ حیرہ کے معرکہ میں شریک ہوئے اس معرکہ میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی اور ایرانیوں نے شکست کھائی۔ اس کے بعد نہر مثنیٰ پر صف آرائی ہوئی' اس میں بھی عدی رضی اللہ عنہ شریک تھے اور ایرانی ناکام رہے[3] اس کے بعد جسر کے معرکہ میں شرکت کی۔ اس میں مثنیٰ کی غلطی سے مسلمانوں کو شکست[4] ہوئی۔ اس سلسلہ کی سب سے بڑی جنگ قادسیہ میں بھی عدی نے داد شجاعت دی[5]

سب سے آخر میں کوثی اور مدائن پر فوج کشی ہوئی۔ عدی اس میں بھی شریک ہوئے اور مدائن کے فاتحین میں تھے' ان کے سامنے کسریٰ کا خزانہ مسلمانوں کے قبضے میں آیا اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے آنحضرت ﷺ کی پیشین گئی پوری ہوتی ہوئی دیکھ لی[6]

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۸۷۔ [2] استیعاب ج ۲ ص ۵۱۶۔ [3] ابن اثیر ج ۲ ص ۲۴۱۔
[4] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۹۳۔ [5] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۹۳۔ [6] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۵۷۔

Marfat.com

ان لڑائیوں کے علاوہ تستر اور نہاوند کے معرکوں میں بھی شریک تھے[1] شام کی بعض جنگوں میں بھی وہ حضرت خالدؓ بن ولید کے ہمراہ تھے۔غرض اس عہد کی اکثر لڑائیوں میں انہوں نے شرکت کی سعادت اور فتوحات حاصل کیں[2]

عہد مرتضوی:

حضرت عثمانؓ کے طرز عمل سے عدی رضی اللہ عنہ کو اختلاف تھا اس لیے ان کے زمانے میں بالکل خاموش رہے، ان کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ اور دوسرے اکابر صحابہ میں اختلاف ہوا تو عدیؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نہایت پر جوش حمایت کی۔ چنانچہ جنگ جمل میں وہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ بصرہ کے قریب جب حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو مرتب کیا تو قبیلہ طے کا علم عدی رضی اللہ عنہ کو عنایت کیا۔ وہ جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں نہایت جانبازی سے لڑے۔ جس میں ان کی ایک آنکھ کام آ گئی[3]

جنگ جمل کے بعد صفین میں بھی وہ اسی جوش وخروش کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں نکلے۔ اس جنگ میں بنو قضاعہ کی کمان حضرت عدیؓ کے ہاتھوں میں تھی[4] صفین کا معرکہ مدتوں جاری رہا۔ شروع میں فریقین کے بہادر ایک ایک دستہ لے کر میدان میں اترتے تھے۔ ایک دن حضرت خالدؓ کے صاحبزادے شامیوں کی جانب سے میدان میں اترے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے جناب عدیؓ ان کے مقابلے کو نکلے اور صبح سے شام تک مقابلہ کرتے رہے۔[5]

ایک دن جب کہ گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی اور عراقی فوجیں پراگندہ ہو رہی تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ علیحدہ ایک دستہ کو لیے صف آرا تھے۔ عدی رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نظر نہ آئے تو آپ کی تلاش میں نکلے اور ڈھونڈ کر عرض کیا کہ اگر آپ صحیح وسالم ہیں تو معرکہ سر کر لینا کچھ دشوار نہیں ہے میں آپ کی تلاش میں لاشوں کو روندتا ہوا آپ تک پہنچا ہوں۔

---

[1] ابن اثیر ج ۲ ص ۲۴۱۔ [2] اخبار الطوال ص ۱۵۵۔

[3] ایضاً۔ [4] ایضاً ص ۱۸۳۔ [5] ایضاً ص ۱۹۸۔

Marfat.com

اس دن سب سے زیادہ ثابت قدمی عدیؓ نے دکھائی تھی۔ ان کا ماتحت دستہ ربیعہ اس بہادری سے لڑا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہنا پڑا کہ ربیعہ میری زرہ اور تلوار ہیں[1]

صفین کے بعد نہروان کا معرکہ گرم ہوا' اس میں بھی عدیؓ حضرت علیؓ کے دست راست تھے۔ غرض شروع سے آخر تک وہ برابر حضرت علیؓ کے جان نثارانہ شریک رہے[2]

وفات:

مختار ثقفی کے خروج تک عدی رضی اللہ عنہ کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ اس اعتبار سے وہ جنگ صفین کے بعد ۳۰ سال تک زندہ رہے۔ مگر اس تیس سالہ زندگی کے واقعات پردہ خفا میں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے فدائیوں میں تھے' اور آپ کے بعد انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوفہ میں عزلت کی زندگی بسر کرتے تھے اور یہیں ۶۷ھ میں وفات پائی[3]

فضل وکمال:

عدی رضی اللہ عنہ گو آخری زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے' تاہم چونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین رضی اللہ عنہما کے پاس برابر آتے جاتے رہتے تھے خصوصاً حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کے تعلقات بہت زیادہ تھے اس لیے وہ مذہبی علوم سے بھی واقف تھے' چنانچہ ان کی ۶۶ روایتیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں ان میں سے چھ متفق علیہ ہیں اور تین میں امام بخاریؒ اور دو میں امام مسلم منفرد ہیں۔[4]

ان کے تلامذہ میں عمرو بن حریث' عبداللہ بن معقل' تمیم بن طرفہ' خیثمہ بن عبدالرحمٰن' محل بن خلیفہ طائی' عامر الشعبی' عبداللہ بن عمرو' ہلال بن منذر' سعید بن جبیر' قاسم بن عبدالرحمٰن' عبادہ بن جیش وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ علامہ ابن عبدالبر نے ان کے کمالات کے متعلق یہ رائے ظاہر کی ہے۔

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۹۸۔ [2] استیعاب ص ۵۱۷ ج ۲۔ [3] اخبار الطوال ص ۱۹۸۔

[4] تہذیب الکمال ص ۲۶۳۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۶۷۔

Marfat.com

كان سيداً شريفاً في قومه خطيباً حاضر الجواب فاضلا كريما.[1]

''وہ اپنی قوم کے معززین میں تھے خطیب حاضر جواب' فاضل اور کریم تھے''۔

مذہبی زندگی:

یوں تو عدی رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی خالص مذہبی زندگی تھی' لیکن نماز اور روزوں کے ساتھ خاص شغف تھا۔ نماز کے لیے یہ اہتمام تھا کہ ہر وقت باوضو رہتے تھے۔ کبھی اقامت کے وقت وضو کی ضرورت نہیں پڑی[2] ہر وقت نماز میں دل لگا رہتا تھا' اور نہایت اشتیاق سے نماز کے وقت کا انتظار کرتے رہتے تھے[3] روزہ کے شرائط کی اس سختی سے پابندی کرتے تھے کہ جب یہ آیت:

﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ﴾

''یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے لیے سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے''۔

نازل ہوئی تو سوتے وقت سفید و سیاہ عقال تکیہ کے نیچے رکھ لیتے تھے اور اس سے سحری کے وقت کے اختتام کا اندازہ لگاتے تھے۔ لیکن سیاہی اور سفیدی میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے ہنس کر فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے تمہارا تکیہ بہت لمبا چوڑا ہے۔ اسود ابیض سے مراد رات دن ہیں[4]

فیاضی:

سخاوت و فیاضی وراثۃً ملی تھی۔ ان کا دروازہ ہر شخص کے لیے کھلا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ اشعث بن قیس نے دیگیں مانگ بھیجیں۔ حضرت عدیؓ نے انہیں بھروا کر بھیجا۔ اشعث نے کہلا بھیجا کہ میں نے تو خالی مانگ بھیجیں تھیں۔ جواب میں کہلا بھیجا کہ میں عاریۃً بھی خالی دیگ نہیں دیتا۔[5] ایک مرتبہ ایک شاعر سالم بن عروہ نے آکر کہا میں نے آپ کی مدح میں اشعار کہے ہیں۔ حضرت عدیؓ نے کہا رک جاؤ میں ذرا اپنے مال و اسباب کی تفصیل تو

---

[1] استیعاب ج ۲ ص ۵۱۶۔ [2] اصابہ جلد ۴ ص ۲۲۸۔ [3] استیعاب ج ۲ ص ۵۱۶۔

[4] ابوداؤد کتاب الصوم باب وقت السحور۔ [5] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۹۳۔

Marfat.com

تمہیں بتلا دوں اس کے بعد سنانا۔ میرے پاس ایک ہزار بچے والے مویشی' دو ہزار درہم' ۳ غلام اور ایک گھوڑا ہے۔ اس کے بعد شاعر نے مدحیہ قصیدہ سنایا[1] جو شخص ان کے رتبہ سے کم سوال کرتا اسے نہ دیتے تھے۔ صحیح مسلم میں بروایت صحیح مروی ہے ایک شخص نے سو درہم کا سوال کیا۔ اتنی کم رقم سن کر بولے میں حاتم کا بیٹا ہوں اور تم مجھ سے صرف سو درہم مانگتے ہو۔ خدا کی قسم ہرگز نہ دوں گا[2]

ان کی فیاضی سے انسان تو انسان حیوان تک مستفید ہوتے تھے۔ چونٹیوں کی غذا مقرر تھی۔ ان کے لیے روٹیاں توڑ کر ڈالتے تھے۔ کہتے تھے کہ یہ بھی حقدار ہیں۔[3]

بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عزت:

عدی اپنے ذاتی اور خاندانی فضائل کی وجہ سے بڑی عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ ان کے لیے جگہ خالی کر دیتے[4] خلفاء کے یہاں بھی یہی وقعت قائم تھی۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مدینہ آئے اور ان سے مل کر پوچھا' آپ نے مجھے پہچانا' فرمایا' پہچانتا کیوں نہیں تم اس وقت ایمان لائے جب لوگ کفر میں مبتلا تھے' تم اس نے وقت حق کو جانا جب لوگ حق کے منکر تھے اور تم نے اس وقت وفا کی جب لوگ دھوکا دے رہے تھے اور تم اس وقت آئے جب لوگ پیٹھ پھر رہے تھے۔ سب سے پہلا صدقہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے چہروں کو بشاش کیا وہ تمہارے قبیلہ طے کا تھا۔[5]

---

[1] استیعاب ج ۲ ص ۵۱۶۔ [2] مسلم ج ۲ ص ۲۲ مطبوعہ مصر۔ [3] اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۹۳۔
[4] استیعاب ج ۲ ص ۵۱۷۔ [5] اصابہ ج ۴ ص ۲۲۹ خفیف تغیر کے ساتھ یہ روایت بخاری کتاب المغازی میں بھی ہے۔

Marfat.com

(۴۶) حضرت عطیۃ القرظی رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عطیہ نام باپ کے نام کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملی قبیلہ بنو قریظہ کے یہودی تھے[۱]

اسلام:

بنوقریظہ کے روز جو لوگ نابالغ سمجھ کر چھوڑ دیئے گئے تھے اور بعد میں مسلمان ہوگئے ان میں حضرت عطیہ رضی اللہ عنہ بھی تھے[۲]

زندگی کے عام حالات اور وفات کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملتی۔

علم وفضل:

کتب احادیث میں آپ کی ایک روایت مجاہد عبدالملک بن عمیر وغیرہ کے واسطے سے مروی ہے[۳]

۱ استیعاب ص ۵۱۸۔ ۲ اسد الغابہ ص ۴۱۳ ج ۳۔ ۳ ایضاً۔

Marfat.com

(۴۷) حضرت علیؓ بن رفاعہؓ

نام و نسب:

علی نام، حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ صحابی کے صاحبزادے اور نسباً یہودی تھے[1]

اسلام اور شرف صحبت:

غالباً اپنے والد رفاعہؓ کے ساتھ اسلام لائے ہوں گے، اپنے والد کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ اسلام لائے تھے، ان میں میرے والد بھی تھے۔ اسی روایت کی بنا پر صاحب تجرید اور ابو موسیٰ وغیرہ کا خیال ہے کہ ان کو شرف صحبت حاصل نہیں ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر نے اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ ابو حاتم نے ایک روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی صحابی ہیں۔ وہ روایت یہ ہے۔ عمرو کہتے ہیں کہ مجھے طاؤس نے لکھا کہ مخابرہ[2] کے متعلق انصار سے دریافت کرو۔ میں نے علی بن رفاعہ سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ:

هو كرا الارض بالثلث او الربع.

''مخابرہ نام ہے زمین کے تہائی یا چوتھائی پیداوار پر اٹھانے کا''۔

علم و فضل:

مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں دینی مسائل اور احکام میں کافی درک تھا اور لوگ ان سے مسائل پوچھتے تھے۔

---

[1] اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۵۔ [2] مزارعہ اور مخابرہ میں فرق ہے، مزارعہ میں بیج مالک کا ہوتا ہے اور مخابرہ میں عامل کا۔ دوسرا فرق مجمع بحار الانوار نے بیان کیا ہے: مزارعہ اکترا العامل ہے بعض مایخرج والمخابرہ اکترا العامل الارض ببعض مایخرج جلد الفظ ''خبر'' یہ لفظ خبار یا خیبر سے مشتق ہے۔

Marfat.com

(۴۸) حضرت عمروؓ بن سعدی

نام ونسب:

عمرو نام' باپ کا نام سعدی' قبیلہ قریظہ سے نسبی تعلق تھا۔

اسلام:

بنو قریظہ جس روز جلاوطن کیے گئے آپ یہود کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ اے یہود تم لوگوں نے محمد ﷺ سے نقض عہد کیا' ان سے غداری کی' ان سے تم نے معاہدہ کیا تھا کہ ان کے دشمنوں کی مدد نہ کرو گے' مگر تم نے خلاف ورزی کی۔ میں نے اس وقت بھی اس سے گریز کیا تھا اور اب بھی تم سے بالکل علیحدہ ہوں[1]

البدایہ والنہایہ میں ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ:

یاقوم رایتم ما رایتم فاتبعونی وتعالوا نتبع محمداً واللہ انکم تعلمون انہ نبی قد بشرنا بہ وبامرہ ابن الھیبان وعمر. ابن الحراش ھو اعلم یھود.[2]

''اے قوم جو کچھ پیش آیا وہ تم دیکھ چکے۔ اب آؤ محمد ﷺ کا اتباع کریں خدا کی قسم! تمہیں معلوم ہے کہ ابن الہیبان اور ابن الحراش جو ہم میں سب سے بڑے عالم تھے ان کی آمد اور اس واقعہ کی خبر دے چکے تھے''۔

اس کے بعد وہ مسجد میں آئے اور رات وہیں بسر کی اور اسلام قبول کیا' اور پھر دوسرے روز مدینہ سے باہر کہیں چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ذالک رجل نجاہ اللہ بصدقہ.

''اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو اس کی سچائی کی وجہ سے نجات دی''۔

---

[1] اصابہ جلد ۲ ص ۵۳۸۔ [2] البدایہ جلد ۴ ص ۸۰۔ [3] اصابہ جلد ۲ ص ۵۳۸۔

Marfat.com

(۴۹) حضرت عمیرؓ بن امیہ

عمیر نام' باپ کا نام امیہ تھا۔ پورا سلسلہ نسب معلوم نہیں۔ ذیل کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ یہودی تھے۔

ان کی ایک بہن تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف طریقہ سے تکلیف دیتی تھی اور سخت وسست کہا کرتی تھی۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کو ایک روز غصہ آیا اور چپکے سے اسے قتل کردیا۔ جب اس کے لڑکوں کی خبر ہوئی تو بہت برہم ہوئے اور آپ کی بجائے ایک دوسرے شخص کو قاتل سمجھ کر اس سے بدلہ لینا چاہا۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے قتل کیا ہے۔ فرمایا اپنی بہن کو قتل کرڈالا؟ کہا ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ آپ کو بہت تکلیف دیا کرتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لڑکوں کو بلوایا اور واقعہ پوچھا۔ انہوں نے ایک دوسرے شخص کا نام لیا لیکن آپ نے انہیں عمیر رضی اللہ عنہ کا نام بتلایا اور ان کو سمجھا بجھا کر معاملہ رفع دفع کردیا۔

جس عورت کو انہوں نے قتل کیا تھا اس کے متعلق تصریح ہے کہ وہ یہودیہ [1] تھی اور چونکہ وہ آپ کی بہن تھی اس لیے آپ بھی یہودی رہے ہوں گے' واللہ اعلم۔

---

[1] اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۴۰۔

Marfat.com

(ک)

(۵۰) حضرت کثیر[1] بن السائب رضی اللہ عنہ

نام ونسب:
کثیر نام، باپ کا نام سائب تھا جو خاندان قریظہ سے تھے۔غزوۂ بنو قریظہ میں جو لوگ نابالغ سمجھ کر چھوڑ دیئے گئے ان میں حضرت کثیر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔نسائی نے ان سے صرف ایک روایت کی ہے۔لیکن ابونعیم اور ابن مندہ وغیرہ نے متعدد روایتوں کی تحریج کی ہے[2] زندگی کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

---

[1] بعض لوگوں نے ان کو زمرۂ تابعین میں شمار کیا ہے لیکن حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ابونعیم، ابن شاہین اور ابن مندہ وغیرہ کے اقوال نقل کیے ہیں جن سے آپ کا صحابی ہونا ثابت ہوتا ہے۔واللہ اعلم بالصواب۔

[2] اصابہ ذکر کثیر بن السائب۔

Marfat.com

(۵۱) حضرت کرز رضی اللہ عنہ بن علقمہ

نام ونسب:

کرز یا کوز[1] نام' باپ کا نام علقمہ تھا۔ آپ کا نسبی تعلق قبیلہ بکر بن وائل سے تھا۔ آپ نے اپنے بھائی ابوحارثہ کے ساتھ نصرانیت قبول کرلی تھی اور نجران میں مقیم ہوگئے تھے اس لیے نجرانی مشہور ہیں[2]

اسلام:

جب نجران کے عیسائیوں کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ آیا تو اس میں آپ کا بھائی ابوحارثہ بن علقمہ بھی تھا۔ دونوں بھائی ایک ہی سواری پر سوار تھے راستہ میں جب کہیں سواری کوٹھوکرلگتی تو کرز کہتے کہ نفس الابعد (دوررہنے والے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا برا ہو)۔ ابوحارثہ نے یہ سنا تو کہا کہ تمہارا برا ہو' کرز نے بھائی سے کہا ایسا کیوں کہتے ہیں' بھائی نے جواب دیا کہ:

قدو الله النبی الذی کنا ننتظره.

''خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جس کا ہم لوگ انتظار کررہے ہیں''۔

پھر کرز نے کہا کہ تو تم ان کا اتباع کیوں نہیں کرتے ہو؟ ابوحارثہ نے کہا یہ مال و دولت اور عزت وعظمت جو کچھ حاصل ہے وہ سب چھن جائے گی۔ ابوحارثہ کا یہ جملہ حضرت کرز رضی اللہ عنہ کے دل میں نوریقین پیدا کردینے کا سبب ہوگیا۔ اس وقت تو خاموش رہے مگر کچھ روز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرلیا۔[3]

متاخرالاسلام تھے اس لیے زندگی کے زیادہ تر واقعات پردۂ اخفا میں ہیں۔

---

[1] نام میں تھوڑا اختلاف ہے' بعض لوگوں نے کرز اور بعض لوگوں نے کوز لکھا ہے۔

[2] البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۵۶۔ [3] اصابہ ج ۳ ص ۲۹۲۔

Marfat.com

(۵۲) حضرت کعبؓ بن سلیم

نام ونسب:

کعب نام، باپ کا نام سلیم تھا۔ یہود مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو قریظہ سے تھے چونکہ قریظہ اوس کے حلیف تھے اس لیے کعب قرظی اور اوسی دونوں مشہور ہیں۔

اسلام:

بنو قریظہ کے روز جو لوگ نابالغ سمجھ کو چھوڑ دیئے گئے تھے ان میں حضرت کعبؓ بھی تھے اور اپنے دوسرے احباب کی طرح بعد میں دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

وفات:

وفات کا سنہ معلوم نہیں۔

اولاد:

دینی و مذہبی فضل و کمال کے علاوہ آپ کا اضافی فضل یہ ہے کہ محمدؒ بن کعب القرظی مشہور تابعی آپ ہی کے صاحبزادے ہیں۔[1]

(م)

(۵۳) حضرت محرب رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

محرب نام، الرباب الشنی مشہور عیسائی کاہن کے لڑکے تھے۔

صاحب اصابہ نے آپ کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے آپ کو عمان کے والی ابن الجلندی کے پاس بطور سفیر بھیجا تھا۔[3]

آپ کے ایک صاحبزادے ثنی بڑے صاحب فضل و کمال ہوئے ہیں۔[4]

---

[1] استیعاب ج ۱ ص ۲۶۶۔ [2] اصابہ ج ۳ ص ۳۶۷۔ [3] ایضاً۔ [4] ایضاً۔

Marfat.com

(۵۴) حضرت محمد بن عبداللہ بن سلام

نام و نسب:

محمد نام، حضرت عبداللہؓ بن سلام کے صاحبزادے تھے۔

اسلام:

آپ کے اسلام لانے کوئی تصریح نہیں ملتی۔ غالباً حضرت عبداللہؓ بن سلام کے ساتھ اسلام لائے ہوں گے۔ آپ کو شرف صحبت اور روایت دونوں حاصل ہیں۔

کتب رجال میں ہے کہ:

له روية ورواية محفوظة[1]

"ان کو صحبت اور روایت دونوں حاصل ہیں"۔

مسند میں آپ سے دو روایتیں مروی ہیں۔ ان میں ایک روایت بہت مشہور ہے وہ یہ ہے:

عن محمد بن عبدالله بن سلام لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم علينا يعني قباء[2] قال ان الله عزوجل قد اثنى عليكم في الطهور.

وفات اور زندگی کے حالات کتب رجال میں مذکور نہیں ہیں۔

---

[1] اصابہ۔ [2] اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا خانوادہ مدینہ میں قبا میں رہتا تھا۔

Marfat.com

(۵۵) حضرت مخریق رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

مخریق نام، قبیلہ نضیر[1] سے نسبی تعلق تھا۔ آپ کا شمار علمائے یہود میں تھا۔

اسلام:

اسلام قبول کرنے کے متعلق کتب رجال وسیر میں صرف اتنا مذکور ہے:

كان خيراً عالما فامن بالنبي صلى الله عليه وسلم[2]

''نہایت صالح اور عالم تھے۔ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے''۔

غزوۂ احد میں شرکت اور شہادت:

غزوۂ احد پیش آیا تو حضرت مخریق رضی اللہ عنہ یہود مدینہ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ تم لوگوں کو محمد (ﷺ) کی ہر طرح مدد کرنی چاہیے، جب کہ تمہیں یہ علم ہے کہ ان کی مدد تم پر ضروری ہے۔ یہود نے کہا کہ آج یوم سبت (سنیچر) ہے۔ ہم کیسے تلوار اٹھا سکتے ہیں۔ فرمایا، سبت وغیرہ کیا چیز ہے؟ فوراً تلوار ہاتھ میں لی اور سربکف خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور تمام مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو کر پامردی سے لڑے، اور شہادت پائی۔[3]

فضل وکمال:

آپ نے جب شہادت پائی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

مخريق سالق يهود[4]

''مخریق یہود میں سب سے آگے جانے والے ہیں''۔

---

[1] تجرید جلد ۲ ص ۷۰۔ اصابہ میں ہے کہ انه كان بقايا من بنى قينقاع مگر حافظ ابن حجر کا رجحان ان کے نضری ہونے کی طرف ہے۔ کیونکہ انہوں نے ''مخریق النضری'' کی سرخی قائم کی ہے۔

[2] تجرید ج ۲ ص ۷۰۔ [3] اصابہ ج ۳ ص ۳۹۳۔ [4] اصابہ جلد ۳ ص ۳۹۳۔

Marfat.com

مدینہ میں آپ کے کئی باغات تھے۔ جب غزوۂ احد میں آپ زخمی ہوئے تو اپنی ساری جائیداد باغ اور مال واسباب آنحضرت ﷺ کو وصیت کر گئے۔ آپ نے جو باغات آنحضرت ﷺ کو دیئے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں:

المیث' الضائفہ' الدلال' حسن' جرفہ' الاعواف' مشربہ ام ابراہیم [1]

[1] ایک روایت میں المیت کے بجائے المبثر ہے اور الاعواف کی جگہ المعوال ہے۔ اصابہ جلد ۳ ص ۳۹۳۔

[2] ایضاً۔

Marfat.com

(۵۶) حضرت میمون رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

میمون نام، باپ کا نام یامین، یہود کے مشہور قبیلہ قریظہ سے تھے۔ اسلام لانے سے پہلے اپنے قبیلہ میں بہت ممتاز تھے اور آپ کا شمار احبار یہود میں تھا[1]

اسلام:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو میمون خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ لیکن دل میں یہ تڑپ تھی کہ ان کی قوم کے دوسرے لوگ بھی اس دولت سرمدی وسعادت ابدی سے بہرہ ور ہوتے تو اچھا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ یہود کو بلوائیں اور ان سے فرمائیں کہ وہ آپ کے اور اپنے درمیان کوئی حکم مقرر کرلیں جس کے فیصلہ پر دونوں فریق گردن جھکالیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو بلوا بھیجا اور میمون سے کہا کہ تم مکان کے اندر چلے جاؤ، یہود آئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگ اپنے اور میرے درمیان ایک حکم مقرر کرلو جس کی تصدیق وعدم تصدیق کے فیصلہ پر ہم دونوں سر جھکا دیں۔ سب نے یک زبان ہوکر کہا کہ ہم میمون یامین کو اپنا حکم مقرر کرتے ہیں، اگر انہوں نے آپ کی تصدیق کرلی تو ہم بھی تصدیق کریں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میمون کو آواز دی۔ وہ مکان سے نکلے اور فرمایا:

اشهد ان محمداً رسول الله.

''آپ بے شک اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں''۔

لیکن یہود نے قبول حق کی بجائے حضرت میمون رضی اللہ عنہ پر طعن وتشنیع شروع کردی اور وہ واپس چلے گئے۔

---

[1] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۲۷۔

Marfat.com

آپ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿قُلْ اَرَاَیْتُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ کَفَرْتُمْ بِهٖ[1] وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ﴾

''آپ کہہ دیجیے کہ تم مجھ کو بتلاؤ کہ اگر یہ قرآن من جانب اللہ ہو اور تم اس کے منکر ہو اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ اس جیسی کتاب پر گواہی دے کر ایمان لے آوے''۔

زندگی کے بقیہ حالات کے متعلق ارباب رجال خاموش ہیں۔

(۵۷) حضرت مابور رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

مابور نام' اور خصی عرف تھا' حضرت ماریہؓ کے چچا زاد یا ماموں زاد بھائی تھے اور ان ہی کے ساتھ مقوقس شاہ مصر نے انہیں بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تحفۃً بھیجا تھا[2]

اسلام:

حضرت ماریہؓ اور ان کی بہن حضرت سیرینؓ نے تو شروع ہی میں اسلام قبول کرلیا تھا لیکن مابور نے کچھ دنوں کے بعد اسلام قبول کیا[3] حضرت ماریہؓ سے وہ بہت زیادہ مانوس تھے اور ان کی کافی خدمت کیا کرتے تھے۔ ان کو لکڑی اور پانی کی ضرورت ہوتی تو اکثر یہی مہیا کرتے تھے[4]

---

[1] لیکن یہ واقعہ ارباب رجال حضرت عبداللہؓ بن سلام کے بارے میں بھی نقل کرتے ہیں اور آیت کا شان نزول ان ہی کو بتاتے ہیں مگر اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ دونوں کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہو اور دونوں منشائے نزول ہوں۔ جیسا کہ فتح الباری میں دونوں آدمیوں کے قبول اسلام کا واقعہ اس آیت کے تحت درج ہے۔ اصابہ ۲/۱۷۴' اسد الغابہ ۲/ ۲۲۷۔

[2] اصابہ ج ۳ ص ۳۴۴۔ [3] ایضاً ج ۴ ذکر ماریہؓ۔ [4] ایضاً۔

Marfat.com

(ن)

(۵۸) حضرت نافع رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

نافع نام، حبشہ کے رہنے والے اور علمائے نصاریٰ میں تھے۔

اسلام:

غالباً اپنے دوسرے احباب کے ساتھ حبشہ میں اسلام لائے۔

خدمت نبوی ﷺ میں حاضری:

جب مہاجرین حبشہ سے مدینہ واپس آنے لگے تو آپ بھی مدینہ آئے اور زیارت نبوی ﷺ سے مشرف ہوئے۔

زندگی کے دوسرے سوانح و حالات نہیں مل سکے، لیکن آپ کا شمار بھی ان صحابہ میں ہے جن کے بارے میں سورۂ مائدہ کی یہ آیتیں نازل ہوئیں ہیں [1]

﴿ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾ (مائدہ)

''دوستی رکھنے کے قریب تر آپ ان لوگوں کو پائیں گے جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ ان میں بہت سے علم دوست عالم ہیں اور بہت سے تارک دنیا و درویش ہیں۔ اور اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ متکبر ہیں''۔

---

[1] آپ کے ساتھ اور کئی آدمی حبشہ سے آئے تھے۔ جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ ان ہی کے تذکرہ میں آپ کے فضائل اور حالات بھی آ چکے ہیں۔

Marfat.com

(ی)

(۵۹) حضرت یامینؓ بن عمیر

نام ونسب:

یامین[1] نام' باپ کے نام میں تھوڑا سا اختلاف ہے' اور بعضوں نے باپ کا نام بھی یامین ہی لکھا ہے' مگر عام ارباب رجال کا رجحان عمیر ہی کی طرف ہے[2] پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ یامین بن عمیر بن کعب بن عمرو بن حجاش' بنونضیر سے نسبی تعلق تھا۔

اسلام:

یہود مدینہ کی مسلسل سازشوں' شرارتوں' کیادیوں اور منافقتوں کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عفو و درگزر سے کام لیتے تھے' مگر جب پانی سر سے اونچا ہوگیا تو ان کی یکے بعد دیگرے سرزنش شروع کردی گئی۔ بنی قینقاع کے بعد جب بنونضیر نے بدعہدی کی' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش شروع کردی تو ان کو مدینہ چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا۔ امید تھی کہ اس سزا کے بعد وہ اپنے گزشتہ اعمال سے تائب ہوکر غلامان نبی میں شامل ہوجائیں گے مگر ان کج فطرتوں نے جس طرح پہلے روز قبول حق سے گریز کیا تھا اسی طرح آخر وقت تک گریز کرتے رہے۔ لیکن ان ہی کج فطرتوں میں کچھ نیک فطرت بھی تھے جن کے دل میں قبول حق کی کسی قدر صلاحیت باقی تھی۔ انہوں نے جب دیکھ لیا کہ اسلام کی صداقت کے لیے کسی مزید ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہی تو فوراً اسلام قبول کرلیا اور اپنی قوم کا ساتھ چھوڑ دیا کہ وہ دیدہ و دانستہ بھاگ رہے ہے[3]

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۹۔ [2] ایضاً استیعاب ج ۲ ص ۶۳۶' حافظ ابن حجر نے یامین بن یامین اور یامین بن عمیر کو دو شمار کیا ہے اور دونوں کا ترجمہ الگ الگ لکھا ہے مگر صاحب اسد الغابہ اور صاحب استیعاب نے دونوں کو ایک شمار کرکے ایک ترجمہ لکھا ہے۔ [3] ابن الہیبان نے یہود مدینہ کو وصیت کے طور پر لکھا تھا کہ عنقریب ایک نبی مدینہ کی طرف ہجرت کرکے آئے گا۔ اگر تم نے اس کا اتباع نہ کیا تو بہت سے مصائب پیش آئیں گے جس میں ایک جلاوطنی ہے۔

Marfat.com

ان ہی مسلمان ہونے والوں میں حضرت یامین رضی اللہ عنہ بھی تھے[1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن سے بدلہ:

عمرو بن حجاش' یامین رضی اللہ عنہ کا چچا زاد بھائی تھا۔ اس نے سازش کی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکے سے ایک مکان کے نیچے بلایا جائے اور اوپر سے کوئی وزنی چیز گرا کر کام تمام کر دیا جائے (معاذ اللہ) لیکن کامیاب نہ ہو سکا' یامین رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یامین رضی اللہ عنہ سے فرمایا اپنے چچا زاد بھائی کی حرکت دیکھتے ہو۔ وہ دھوکے سے مجھے قتل کر دینا چاہتا تھا' مگر اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کے ذریعہ مجھے اس کے ارادہ سے آگاہ کر دیا۔ یامین رضی اللہ عنہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھے اور اس دشمن رسول کی فکر میں لگ گئے' اور ایک روز موقع پا کر اس کو واصل جہنم کر دیا[2]

غزوۂ تبوک میں مدد:

غزوۂ تبوک پیش آیا تو چند صحابہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور سواریوں کی درخواست کی' مگر اتفاق سے اس وقت سواریاں موجود نہ تھیں اس لیے معذوری ظاہر کی۔ وہ لوگ بچشم پرنم مایوس واپس گئے۔ قرآن نے ان کی مایوسی اور رنج و ملال کا نقشہ کھینچا ہے۔

﴿ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴾ (توبہ)

''جس وقت وہ آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ ان کو کوئی سواری دے دیں اور آپ ان سے کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں جس پر میں تم کو سوار کر دوں تو وہ ناکام اس حالت میں واپس چلے جاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں اس غم میں کہ افسوس ان کو خرچ کرنے کو کچھ بھی میسر نہیں''۔

ان ہی میں حضرت ابولیلیٰ اور حضرت عبداللہ بن مغفل بھی تھے' جنہیں لڑائی میں شریک نہ ہو سکنے کا بے حد افسوس تھا۔ یہ رو رہے تھے کہ یامین رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا۔ انہوں نے

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۹۹۔ [2] اصابہ ج ۳ ص ۶۴۹۔

Marfat.com

رونے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے سارا قصہ کہہ سنایا۔ حضرت یامینؓ نے فوراً دوسواریاں اور کچھ سامان سفر پیش کیا اور وہ دونوں غزوہ میں شریک ہوئے[1]

وفات اور زندگی کے دوسرے واقعات اور حالات کے بارے میں ارباب سیر خاموش ہیں۔

فضائل:

حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:[2]

وھو من کبار الصحابة. ''آپ کا شمار کبار صحابہ میں تھا''

جن لوگوں کے بارے میں یہ آیت:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾

''اے اہل ایمان اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ''۔

نازل ہوئی ان میں ایک حضرت یامین رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

---

1 بالکل یہی واقعہ حافظ ابن حجر نے ذکوان بن یامین کے تذکرے میں بھی لکھا ہے۔ لیکن دونوں واقعے ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ دوسرے تمام ارباب رجال و سیر نے اس واقعہ کو حضرت یامین رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ چونکہ حضرت یامین رضی اللہ عنہ کے نام اور ان کے باپ کے نام میں بڑا اختلاف ہے اس لیے یہ واقعہ کئی ناموں کی طرف منسوب ہو گیا ہے۔ چنانچہ تجرید نے آپ کا نام یاسر بن یامین لکھا ہے اور سلسلۂ نسب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکوان حضرت یامین رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے۔ اس لیے ہوسکتا ہے کہ واقعہ کے وقت وہ بھی موجود رہے ہوں اور راوی نے ان کی طرف بھی اسی واقعہ کو منسوب کردیا ہو۔ 2 استیعاب جلد۲ ص ۶۳۶۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ کی اس آیت کا منشائے نزول یامین بن یامین کو لکھا ہے مگر جیسا کہ اوپر اسد الغابہ کے حوالہ سے لکھا جا چکا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی ہیں۔

Marfat.com

(۶۰) حضرت یوسفؓ بن عبداللہ بن سلامؓ

نام ونسب:

یوسف نام، ابویعقوب کنیت، حضرت عبداللہؓ بن سلام کے صاحبزادے تھے[1] جن کا اوپر ذکر آچکا ہے۔

تعلیم وتربیت:

آپ جب پیدا ہوئے تو گھر کے اندر اور باہر ہر طرف اسلام کی آواز گونج رہی تھی۔ آپ نے اسی ماحول میں آنکھیں کھولیں اور تعلیم وتربیت پائی۔ صحابہ کا معمول تھا کہ ان کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں دعاو برکت کے لیے لاتے یہ پیدا ہوئے تو ان کو بھی بارگاہ نبوت میں لایا گیا۔ آپ نے ان کو گود میں بٹھایا اور سر پر دست شفقت پھیرا اور ان کا نام یوسف تجویز فرمایا۔ خود یوسفؓ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ:

اجلسنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حجرہ ومسح علی راسی وسمانی یوسف.

''رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو اپنی گود میں بٹھایا اور میرے سر پر دست شفقت پھیرا اور میرا نام یوسف رکھا''۔

شرف صحبت:

فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ ایک کھجور کو روٹی کے ایک ٹکڑے کے اوپر رکھا، اور فرمایا کہ یہ کھجور اس روٹی کا سالن ہے[2]

---

[1] مسند ج ۴ ص ۳۵۔ [2] بعض لوگوں نے آپ کی صحابیت سے انکار کیا ہے۔ اس روایت سے اس کی تردید ہوجاتی ہے۔ اصابہ ج ۳ ص ۶۷۱۔

Marfat.com

وفات:

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانۂ خلافت میں وفات پائی[1]

آنحضرت ﷺ کے علاوہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ سے بھی روایتیں کی ہیں۔

علم وفضل:

ترمذی، ابوداؤد و مسند احمد میں ان کی متعدد روایتیں موجود ہیں، بعض لوگوں نے ان کا شمار ان صحابہ میں کیا ہے، جنہوں نے اپنی کوئی تحریر یادگار نہیں چھوڑی ہے[2]

[1] اصابہ جلد ۳ ص ۶۷۱۔ [2] اصابہ ج ۳ ص ۶۷۱۔

Marfat.com

(۶۱) حضرت ابو سعیدؓ بن وہب

نام ونسب:

ابو سعید نام یا کنیت، باپ کا نام وہب۔ تھے تو قبیلہ بنو نضیر سے مگر غلطی سے بنو قریظہ کی طرف منسوب[1] ہو کر قرظی مشہور ہیں۔

اسلام:

بنو نضیر کی جلاوطنی کے روز[2] یامینؓ کے ساتھ انہوں نے بھی یہودیت سے اپنا رشتہ توڑ کر ہمیشہ کے لیے اسلام سے جوڑ لیا۔[3]

مسلمانوں کی آپ کے مال و جائیداد سے دست برداری:

بنو نضیر کے متروکہ مال و جائیداد پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا، مگر حضرت یامینؓ اور حضرت ابو سعیدؓ چونکہ اسلام لا چکے تھے اس لیے کسی نے ان کے مال و جائیداد کو ہاتھ نہیں لگایا۔[4]

وفات:

سنہ وفات معلوم نہیں ہو سکا۔

علم و فضل:

آپ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے، اور آپ سے آپ کے صاحبزادے روایت کرتے ہیں۔[5]

---

[1] حافظ ابن عبدالبر نے ان کے قرظی ہونے کی تردید کی ہے۔ [2] بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ غزوہ قریظہ کے روز اسلام لائے، مگر حافظ نے اس کی تردید کی ہے۔ اصابہ ج ۴ ص ۸۷۔

[3] استیعاب ج ص ۷۱۳۔ [4] اصابہ ج ۴ ص ۸۷۔ [5] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۱۰۔

Marfat.com

(۶۲) حضرت ابو مالک رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

عبداللہ نام' ابو مالک کنیت' اسلام سے پہلے آپ علمائے یہود میں تھے۔ اصل وطن یمن تھا لیکن کسی وجہ سے ترک وطن کر کے یثرب چلے آئے تھے اور یہیں قبیلہ قریظہ میں کسی عورت سے شادی کر لی تھی۔ اسی وجہ سے بجائے یمنی کے قرظی مشہور ہیں[1]

وفات:

وفات کی تصریح نہ مل سکی۔

رسول اللہ ﷺ کی جو صفات توراۃ میں مذکور ہیں ان کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا:

صفته فی کتاب نبی هارون الذی لم یبدل ولم یغیر احمد من ولد اسماعیل یاتی بدین الحنیفیه دین ابراهیم یازر علی وسطه ویغسل اطرافه وهو اخر الانبیاء[2]

''آنحضرت ﷺ کی صفت حضرت ہارون علیہ السلام کی کتاب میں موجود ہے جس میں اب تک کوئی تبدیلی اور تحریف نہیں ہوئی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ احمد نام کے ایک نبی دین حنیف کو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے لے کر آئیں گے' تہہ بند ناف سے اوپر باندھتے ہوں گے' اپنے اعضا کو پاک صاف رکھتے ہوں گے اور یہ آخری نبی ہوں گے''۔

آپ سے کوئی روایت مروی نہیں ہے۔

---

[1] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۲۔ [2] ایضاً۔

Marfat.com

(۶۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک یہودی خادم

نام ونسب تو نہیں معلوم ہوسکا' لیکن حاکم نے مستدرک میں حضرت انسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک یہودی خادم بھی تھے جو اپنی زندگی کے آخری ایام میں مسلمان ہوگئے تھے۔ پوری روایت یہ ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی غلام آپ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ بیمار پڑا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ عیادت کے بعد آپ نے قبول اسلام کی دعوت دی۔ اس کا باپ وہاں موجود تھا اس نے باپ کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ باپ نے کہا جو کچھ نبی امی فرمار ہے ہیں اس کی تعمیل کرو۔ اس نے فوراً کلمہ طیبہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔

غالباً اسی مرض میں ان کی وفات ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے ساتھ ان کے جنازہ کی نماز پڑھی۔

اس روایت سے دو خاص باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو ایک یہودی خادم رسول کا مشرف باسلام اور صحابی ہونا' اور دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت قلب اور وسعت اخلاق کہ جن یہودیوں نے اسلام کی بیخ کنی اور آپ کی دشمنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ان ہی کے ایک فرد کے ساتھ آپ کا یہ سلوک تھا کہ اس نے پوری زندگی آپ کے ساتھ گزار دی۔ مگر آپ نے ایک روز بھی اس کو اسلام لانے پر مجبور نہ کیا۔ حالانکہ اس وقت بڑی آسانی سے اسلام کا قلادہ اطاعت اس کی گردن میں ڈالا جاسکتا تھا۔ لا اکراہ فی الدین کا اس سے بڑھ کر ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے[1]

---

[1] اس روایت کو ذہبی نے تلخیص میں دوسری سند سے ذکر کیا ہے اور حاکم کی روایت پر کوئی حرج نہیں ہے۔

Marfat.com

تابعین

(۱) ادیم التغلبی رحمۃ اللہ علیہ

ادیم، ہذیم یا ہریم[1] نام۔ باپ کا نام عبداللہ تھا۔ خاندان تغلب کے نصرانیوں سے نسبی تعلق تھا۔ زمانہ قبول اسلام کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

---

[1] نام میں اختلاف ہونے کی وجہ سے بعض لوگوں نے ایک کی بجائے دو آدمیوں کو شمار کیا ہے۔ چنانچہ صاحب بذل المجہود نے عین المعبود کے مؤلف پر یہ استدراک کیا ہے کہ وہ ان دونوں آدمیوں کو ایک سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ایک نہیں دو ہیں۔ ہریم تابعی ہیں اور ہذیم صحابی۔ لیکن یہ استدراک میرے خیال میں صحیح نہیں ہے۔ ارباب رجال نے ان کو ایک شمار کیا ہے۔ اسد الغابہ میں ہے کہ ادیم اور ہذیم ایک ہی ہیں۔ صاحب اصابہ نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔ رہا ہریم، تو ہریم ابن عبداللہ انصاری کا نام کتب رجال میں ملتا ہے۔ لیکن ان سے بھی ابن سعد کی یہ روایت ثابت نہیں ہے اور اس نام کا کوئی دوسرا شخص جس سے صبیٰ کی روایت بھی ثابت ہو کتب رجال میں نہیں ملتا۔

یہ روایت نسائی اور سنن بیہقی میں بھی ہے لیکن اس میں ادیم، ہذیم یا ہریم کے واسطے سے روایت نہیں ہے ابوداؤد میں ہزیم کا نام آیا ہے۔ لیکن نسخوں کے اختلاف کی وجہ سے ان کے نام میں بھی کافی اختلاف ہے۔ اس لیے ہم نے بھی ارباب رجال کے اتباع میں ان کو ایک شمار کیا ہے۔

[2] ان کی نصرانیت کی کوئی تصریح نہیں ملتی دو قابل ترجیح قرینے موجود ہیں جن کے پیش نظر ہم نے ان کو اس فہرست میں لے لیا ہے۔ ایک یہ کہ اسد الغابہ میں ہے کہ ان بنی تغلب کانوا نصاری (بنو تغلب نصاریٰ تھے) اور اس لیے ان کا تغلبی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ صبیٰ ابن معید نے اپنی روایت میں یہ تصریح کی ہے کہ ادیم ان کے خاندان اور قوم کے آدمی تھے اور صبیٰ بن معید کے متعلق معلوم ہے کہ وہ نصرانی اور تغلبی تھے۔

Marfat.com

یہ صحابی ہیں یا تابعی اس کے بارے میں ارباب رجال کے درمیان اختلاف ہے۔ صاحب اسد الغابہ اور صاحب استیعاب نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور صاحب اصابہ نے اپنی کتاب کی تیسری قسم یعنی مخضرین میں داخل کیا ہے۔ جو لوگ ان کو صحابہ کی فہرست میں داخل کرتے ہیں غالباً ان کے پیش نظر ابوداؤد کی وہ روایت ہے جس میں ایک تابعی صبی بن معید نے ان سے حج قران کے متعلق دریافت کیا تھا تو انہوں نے صبی کو اس کی اجازت دے دی تھی۔

حدیث کی کتابوں میں یہی ایک روایت ان سے مروی ہے' لیکن ابوموسیٰ نے لکھا ہے کہ کسی نے اس روایت کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچائی ہے اور یہی سبب ہے کہ صاحب اصابہ نے ان کو صحابی شمار نہیں کیا ہے۔ خود صاحب اسد الغابہ نے بھی ابوموسیٰ کا یہ قول نقل کر کے کہ ان کی روایت کا سلسلۂ سند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچتا ان کے صحابی ہونے میں شک ظاہر کیا ہے۔

بہرحال اس اختلاف رائے کے باعث ان کی صحابیت کی تعیین نہیں ہو سکی اور اسی بناء پر ہم نے ان کو بجائے صحابہ کے زمرہ میں شمار کرنے کے تابعین کی فہرست میں داخل کیا ہے۔

زندگی کے دوسرے حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

Marfat.com

(۲) ارمی بن النجاشی رحمۃ اللہ علیہ

ارمی' ارہی یا اریحا نام' نجاشی شاہ حبشہ کے صاحبزادے تھے۔

خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آمد سے پہلے وفات:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تمام بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے تو شاہ نجاشی کے پاس عمرو بن امیہ کو پیغام دے کر بھیجا۔ شاہ نجاشی نے اس پیغام کا خیر مقدم کیا اور ساٹھ آدمیوں کے ساتھ اپنے صاحبزادے ارمی کو خدمت نبویؐ میں روانہ کیا۔ لیکن یہ قافلہ راستہ ہی میں جب کہ وہ ایک دریا کو عبور کر رہا تھا' اس کی ہلاکت خیز موجوں کی نذر ہو گیا[1] اور منزل مقصود کو نہ پہنچ سکا۔ اکسٹھ آدمیوں کے اس قافلہ میں صرف ارمی بن النجاشی کا پتہ چل سکا۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

بقیہ قافلہ تو ان کے وجود کے ساتھ ان کے نام ونشان بھی ہمیشہ کے لیے مٹ گئے۔

(۳) اصبغ بن عمرو

نام ونسب:

اصبغ نام' باپ کا نام عمرو تھا' سلسلۂ نسب یہ ہے' اصبغ بن عمرو بن ثعلبہ بن حصین ابن ضمضم بن عدی بن خباب' قضاعہ کی ایک شاخ بنو کلب سے تھے' یہ قبیلہ دومۃ الجندل کے قریب رہتا تھا' اصبغ مذہباً عیسائی اور اپنے قبیلہ کے سردار اور حکمران تھے۔

اسلام:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کے لیے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو دومۃ الجندل بھیجا تھا' حضرت عبدالرحمٰن نے وہاں پہنچ کر اہل دومہ کو اسلام کا پیغام سنایا' پہلے روز ان پر

---

[1] اصابہ جلد ا۔

Marfat.com

کوئی اثر نہیں ہوا' دوسرے روز بھی انہوں نے دعوت دی' لیکن ان لوگوں نے کوئی توجہ نہیں کی' تیسرے روز پھر حسب دستور انہوں نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا تو اصبغ پر ان کی دعوت کا اثر ہوا' اور انہوں نے نصرانیت کا قلادہ گردن سے اتارا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

اصبغ کی صاحبزادی سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا نکاح:

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے آنحضرت ﷺ کو اصبغ کے اسلام کی اطلاع دی اور اس قبیلہ سے تعلقات قائم رکھنے کے متعلق بھی دریافت کیا' تو آپ نے ان کو تعلقات کی استواری کے خیال سے اس قبیلہ میں شادی کرنے کی ترغیب دی' حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے تعمیل ارشاد میں اصبغ کی صاحبزادی تماضر سے نکاح کر لیا[1] مزید تفصیل تماضر کے حالات میں آئے گی۔

اس سے پہلے قریش اور بنو کلب وغیرہ میں باہم شادی بیاہ کے تعلقات نہیں تھے' اس لیے کہ قریش اپنی شرافت نسب کے سامنے ان قبائل کو بہت ادنیٰ اور فروتر سمجھتے تھے' لیکن اسلام نے ان معمولی رشتوں اور اضافی اوصاف سے بلند ہو کر دینی اخوت اور اخلاق و کردار کو شرافت اور رشتہ کا معیار قرار دیا' یہ شادی اس اسلامی مساوات کی پہلی مثال تھی[2]

اصبغ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے' لیکن شرف زیارت سے سرفراز نہیں ہوئے' اسی لیے ان کا شمار تابعین میں کیا جاتا ہے' اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

---

[1] اصابہ جلد ا۔ [2] اصابہ جلد ۴ ذکر تماضر۔

Marfat.com

(۴) اصحمہ نجاشیؓ شاہ حبشہ

نام ونسب:

اصحمہ نام' باپ کا نام ابجر۔ نجاشی شاہی لقب' حبشہ (ابی سینا) کے بادشاہ تھے۔ عرب میں عطیہ کے نام سے بھی مشہور ہیں[1]

مسلمانوں کی پہلی ہجرت گاہ:

قریش کے ظلم وستم کا بادل جب پیہم برس کر نہ کھلا تو رحمت عالم ﷺ نے مسلمانوں کو حبش ہجرت کر جانے کا حکم دیا' چنانچہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد مکہ سے حبشہ ہجرت کر گئی۔ حبشہ میں میں اس وقت یہی اصحمہ النجاشی بادشاہ تھے' نجاشی نے مسلمانوں کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا۔ قریش کو اس احسان وسلوک کا حال معلوم ہوا تو بڑا پیچ وتاب کھایا۔ آخر میں طے کیا کہ شاہ نجاشی کے پاس ایک وفد جائے' اور یہ عرضداشت پیش کرے کہ ہمارے مجرموں (مسلمانوں) کو ہمارے حوالے کر دے۔ اس مہم کے لیے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ منتخب ہوئے یہ لوگ حبشہ پہنچے تو پہلے تمام پادریوں سے ملے اور تحفے تحائف پیش کیے' اور مقصد کی تکمیل کے لیے ان کو ہموار کیا' پھر شاہ نجاشی اصحمہ کے دربار میں باریابی حاصل کی اور نذرانہ پیش کیا۔

نجاشی نے آمد کی وجہ دریافت کی' انہوں نے اپنا مطالبہ ظاہر کیا' نجاشی نے پادریوں سے دریافت کیا' انہوں نے یک زبان ہو کر ان کے مطالبہ کی تائید کی' لیکن شاہ نجاشی نے کہا' میں ان لوگوں سے خود بالمشافہ گفتگو کروں گا' اگر وہ لوگ جیسا کہ تم کہتے ہو مجرم ثابت ہوئے تو ان کو واپس کر دوں گا۔ ورنہ جو جو میری پناہ میں آ گیا ہے اس پر ظلم روا نہیں رکھا جا سکتا مسلمان دربار میں بلائے گئے تو اصحمہ نے ان سے پوچھا کہ تم نے کون سا دین اختیار کیا ہے' جو نہ نصرانیت ہے نہ بت پرستی' اور نہ کسی دوسری قوم کا دین ہے'

[1] اصابہ جلد اذکر اصحمہ۔

Marfat.com

مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفرؓ نے وکالت کی اور بر سر دربار ایک بہت ہی مؤثر اور دلنشین تقریر کی جس میں آنحضرت ﷺ کے اوصاف اور اسلام کی اخلاقی خوبیاں بیان کیں۔ اس کے بعد شاہ نجاشی نے حضرت جعفرؓ سے قرآن کا کچھ حصہ پڑھنے کی فرمائش کی انہوں نے سورۂ مریم کی چند ابتدائی آیتیں تلاوت کیں۔ نجاشی پر رقت طاری ہوگئی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے ان فدائیان اسلام کو قریش کے حوالے کرنے سے صاف انکار کر دیا اور مسلمان زبان حال سے یہ شعر پڑھتے ہوئے دربار سے نکل آئے۔

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے دیکھنے ہم بھی گئے پر تماشا نہ ہوا

جب قریش کے وفد کو پہلے روز ناکامیابی ہوئی تو انہوں نے دوسرے روز پھر کسی طرح دربار میں رسائی حاصل کی اور شاہ نجاشی کے سامنے یہ عرضداشت پیش کی کہ ان مسلمانوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق دریافت فرمایا جائے۔ مسلمان پھر بلائے گئے ان کے لیے یہ بڑی آزمائش کا وقت تھا اگر سچ کہتے ہیں تو شاہ نجاشی ناخوش ہوتا ہے اور اس کے خلاف کہتے ہیں تو دین کے وقار کو صدمہ پہنچتا ہے۔

آخر کار انہوں نے یہ طے کیا کہ چاہے جو کچھ بھی ہو انہیں سچ ہی بولنا چاہیے اس روز بھی حضرت جعفرؓ ہی گفتگو کے لیے منتخب ہوئے انہوں نے فرمایا ہمارے نبیؐ نے ہمیں بتایا کہ ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے اس کے کلمہ اور اس کی روح ہیں''۔ نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا ''خدا کی قسم! حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں''۔ دربار کے بطریق اور پادری اس پر بہت ناراض ہوئے لیکن ناراضگی کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا قریش نے جو تحائف نجاشی کے حضور میں پیش کیے تھے نجاشی نے سب واپس کر دیئے اور وفد وہاں سے نامراد مکہ واپس چلا آیا۔

اسلام:

یہ واقعہ بجائے خود نجاشی کے اسلام پر شاہد ہے لیکن اس کے علاوہ ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ:

قال النجاشی اشهد انه رسول الله و انه الذی یبشر به عیسیٰ ابن مریم.

Marfat.com

''نجاشی نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے شک اللہ کے رسول ہیں اور وہی نبی ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے''۔

بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر بیعت اسلام بھی کی تھی۔

خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تڑپ:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ملوک وسلاطین کو دعوت اسلام بھیجی' تو شاہ نجاشی نے آپ کے قاصد کا پرتپاک خیر مقدم کیا' آپ کی رسالت کا اقرار کیا' اور اپنے لڑکے ارمیٰ کو آپ کی خدمت کے لیے بھیجا' اور لکھا کہ اگر سلطنت کی ذمہ داری کا بوجھ میرے اوپر نہ ہوتا تو میں خود بھی بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کفش برداری کی سعادت حاصل کرتا۔[1]

وفات:

مسلمانوں کے اس غم خوار اور محسن نے ۹ ہجری میں داعی اجل کو لبیک کہا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے اسی روز[2] ان کی موت کی اطلاع مل گئی' او آپ نے بڑے رنج وغم کے ساتھ مدینہ میں ان کی موت کا اعلان کیا' فرمایا مسلمانو! تمہارے برادر صالح اصحمہ نے انتقال کیا۔ ان کے لیے دعا استغفار کرو' پھر صحابہؓ کے ساتھ ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔[3]

---

[1] ابوداؤد۔ [2] بخاری اور تمام کتب حدیث میں یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی روز ان کی موت کی خبر مل گئی تھی' اسی طرح غزوۂ موتہ میں بھی آپ کو سپہ سالار اسلام کی شہادت اور حضرت خالدؓ کے ہاتھوں اس فتح کی خبر بھی کسی مادی ذریعہ اطلاع کے بغیر پہنچ چکی تھی' اور آپ نے ان کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا' بعد میں حرف بحرف اس کی تصدیق ہوئی۔ [3] غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کے بارے میں فقہاء کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے بعض لوگ اس کو عام حکم سمجھتے ہیں' اور اب بھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کو جائز کہتے ہیں' اور بعض اسے آپ کی خصوصیت بتلاتے ہیں' اور بعض کا لوگوں کا خیال ہے کہ اگر ایسی ہی کسی اجنبی جگہ میں کسی مسلمان کا انتقال ہو تو اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔

مسلم کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ وہ نجاشی نہیں ہیں جن کی آپ نے نماز جنازہ پڑھی تھی' لیکن حافظ ابن قیم نے اسے راوی کا وہم بتایا ہے۔

Marfat.com

فضائل:

تفسیر کی روایتوں میں ہے کہ قرآن کی ان آیات:

﴿ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ﴾

''بعض اہل کتاب ہیں' جو ایمان لائے ہیں اللہ پر اور جو تمہاری طرف نازل ہوا ہے اور جو ان کی طرف اللہ سے ڈرتے ہوئے' جب وہ سنتے ہیں جو کچھ رسول اللہ ﷺ کی طرف نازل ہوا' تو تم دیکھو گے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ہیں' یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے''۔

میں دوسرے اہل کتاب کے ساتھ شاہ نجاشی بھی مراد لیے گئے ہیں۔

اخلاق:

شاہانہ اوصاف' عدل و انصاف' رحم و کرم اور رعایا پروری کے علاوہ عام انسانی اخلاق و اوصاف سے بھی متصف تھے۔ اپنے ملک میں مظلوم و ستم رسیدہ مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے جو حسن سلوک کیا' اس احسان سے امت محمدیہ ہمیشہ گراں بار رہے گی۔

(۵) بکاء الراہب

نام و نسب:

بکاء نام' شام اصلی وطن تھا' ایک گوشہ نشین اور تارک الدنیا بزرگ تھے مشہور ہے کہ چالیس برس تک عبادت گاہ سے باہر قدم نہیں رکھا۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں موجود تھے' لیکن شرف زیارت سے مشرف نہ ہو سکے۔ ذیل کی روایت سے اس کی تفصیل معلوم ہو جائے گی۔

سعدؓ بن العاص صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا کہ میرے چچا ابان بن سعید

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کو ہمیشہ برا بھلا کہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ بغرض تجارت شام گئے۔ وہاں بکاء الراہب سے جو چالیس برس کے بعد عبادت گاہ سے نکلے تھے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے جا کر ان سے کہا کہ میری قوم کے ایک فرد نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے' بکاء نے نام دریافت کیا' کہا محمد (ﷺ)' پھر پوچھا کتنے زمانہ سے وہ اپنے آپ کو نبی کہتے ہیں' جواب دیا کہ بیس برس سے' اس کے بعد بکاء نے کہا کہو تو میں ان کی صفات بیان کروں' ابان کہتے ہیں کہ انہوں نے ان کی تمام صفات بیان کیں اور ذرا غلطی نہیں کی۔ اس کے بعد کہا کہ خدا کی قسم وہ نبی برحق ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ضرور غالب کرے گا۔ میرا اسلام ان کو پہنچا دینا۔ یہ کہہ کر وہ پھر گرجا میں چلے گئے۔

اس ملاقات کا یہ اثر ہوا کہ ابان جب مکہ واپس آئے تو سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کے حالات دریافت کیے' اور بکاء سے ملاقات کا سارا واقعہ بیان کیا' اس کے بعد ابان نے آنحضرت ﷺ کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیا اور پھر کچھ روز کے بعد مسلمان ہو گئے۔

(۶) تمامؒ بن یہودا

صاحب اصابہ نے لکھا ہے کہ احبار یہود میں سے جو لوگ اسلام لائے تھے' ان میں تمام بن یہودا بھی تھے اور اس بنا پر ان کو اپنی کتاب کی قسم اول (صحابہ میں داخل کیا ہے)' جس کی کسی دوسرے ماخذ سے تائید نہیں ہوتی' اور خود انہوں نے بھی یعنی صاحب اصابہ نے آنحضرت ﷺ سے ان کی ملاقات و روایت کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ اس بناء پر ہم نے ان کو صحابہ کے بجائے تابعین کی فہرست میں داخل کیا ہے۔

Marfat.com

(۷) صبیؒ بن معبد

نام ونسب:

صبی نام' باپ کا نام معبد تھا' نسباً تغلبی اور مذہباً عیسائی تھے۔

اسلام:

نصرانیت ترک کر کے اسلام قبول کیا' اور پھر اسی پر خاتمہ ہوا۔ حدیث کی تمام کتابوں میں ان سے قرآن کے بارے میں ایک مشہور حدیث مروی ہے وہ یہ ہے:

فرماتے ہیں کہ میں ابھی جدید الاسلام تھا' اور مجھے جہاد کا بڑا شوق تھا' لیکن مجھ پر حج اور عمرے کی ادائیگی بھی فرض تھی' اس لیے میں نے چاہا کہ اسے ادا کرلوں (پھر جہاد میں شرکت کروں گا) میں اپنی قوم کے ایک بزرگ ہذیم[1] بن عبداللہ نامی کے پاس گیا' اور ان سے مسئلہ قرآن کے متعلق دریافت کیا' انہوں نے مجھ کو اس کی اجازت دی[2] حج کے ارکان ادا کر چکا تو مقام عذیب میں سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان[3] سے ملاقات ہوئی' ان میں سے ایک نے دوسرے سے میرے بارے میں کہا کہ یہ شخص تمہارے اونٹ سے بھی زیادہ فقیہ ہے (یہ طنزیہ جملہ تھا کہ مناسک حج سے ناواقف ہے) میں وہاں سے سیدھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور ان سے یہ سارا واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا تم نے سنت نبویؐ کے مطابق حج کیا ہے۔[4]

اسی روایت کو ان کی سوانح حیات کا سرمایہ سمجھنا چاہیے۔ اس سے زیادہ ان لوگوں کی زندگی کے حالات پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔

روایت:

حسب ذیل حضرات نے ان سے روایت کی ہے۔

ابو وائل' مسروق' ابو اسحاق السبیعی' زر بن حبیش' امام شعبی' ابراہیم النخعی' مجاہد' ابن حبان'

---

[1] ان کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ [2] حج و عمرہ ساتھ کرنے کی اجازت دے دی۔ [3] یہ دونوں آدمی بھی ان ہی کے ہم قوم تھے۔ [4] اسد الغابہ۔

Marfat.com

نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے، حسم بن حاتم بھی فرماتے ہیں:

تابعی ثقة[1] ''ثقہ تابعی تھے''

(۸) ضغاطر الاسقف الشہید

نام ونسب:

ضغاطر نام، روم اصلی وطن تھا، مذہباً عیسائی تھے، ہرقل کے خاص معتمد اور مشیر اور قوم کے بڑے پادری تھے۔

اسلام:

ہرقل شہنشاہ روم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دحیۃ الکلبی کے ذریعہ نامہ اسلام بھیجا تو ہرقل نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یقیناً نبی ہیں، لیکن میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے اسلام قبول کیا تو اہل ملک مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے، پھر اس نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو ضغاطر الاسقف کے پاس بھیجا کہ وہ کیا رائے دیتے ہیں، حضرت دحیہؓ ان کے پاس آئے تو انہوں نے آپ کی رسالت کی تصدیق کی اور فرمایا لنعرفہ باسمہ ووصفہ (ہم ان کے نام اور صفات سے واقف ہیں) پھر وہ اندر لئے اپنا مخصوص لباس اتارا اور سفید لباس پہن کر باہر واپس آئے، اور اسی وقت اہل روم کے پاس گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور اسلام کی سچائی کا اعلان کیا، یہ اعلان کرنا تھا کہ چاروں طرف سے ان کی قوم نے ان پر نرغہ کیا، اور ان کو شہید کر ڈالا۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

بعض روایتوں میں ہے کہ ہرقل سے کہا کہ خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جن کا ہمیں انتظار تھا۔ اس پر ہرقل نے آپ کے قتل کا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے کہا کچھ بھی ہو، میں تو اتباع حق سے نہیں بھاگ سکتا[2]

---

[1] تہذیب التہذیب۔ [2] اصابہ ذکر ضغاطر۔

Marfat.com

(۹) عمیرؓ بن حسین

نام ونسب:

عمیر نام، نجران اصلی وطن تھا، مذہباً عیسائی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام قبول کر چکے تھے، لیکن شرف زیارت سے سرفراز نہیں ہو سکے۔

اسلام پر استقامت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب نجران میں ارتداد کا فتنہ شروع ہوا تو عمیر نے بڑی استقامت دکھلائی۔ خود اسلام پر آخری وقت تک جمے رہے اور اہل نجران کو ارتداد سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی۔ انہوں نے ان کے سامنے یہ پر اثر تقریر فرمائی کہ:

"اے اہل نجران اس وقت اسلام پر زیادہ جمنے کی ضرورت تھی، اور تم اس میں کوتاہی کر رہے ہو، یقین کے بعد شک اور کل کے دین کے بعد آج (یعنی نصرانیت کے بعد اسلام) کے دین میں زیادہ سوچنے کی ضرورت تھی، تم کو چاہیے تھا کہ اسلام پر جمے رہتے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی ہدایت کی روشنی تمہیں نصیب ہوتی۔ پھر اس کے بعد یہ اشعار پڑھے[1]

یا اھل نجران امسکوا بھدی	اللہ کونوا یداً علی الکفار
لا تکونوا بعد الیقین الی	الشك وبعد الرضا الی الکفار
واستقیموا علی الطریقة فیه	وکونوا کھیئة الانصار[2]

---

[1] اصابہ جلد ۲۔

[2] یہاں غالباً انصار سے حواری مراد لیا ہے۔ مدینہ کے مسلمانوں کا مخصوص گروہ مراد نہیں ہے۔

Marfat.com

(۱۰) کعب احبارؒ

نام ونسب:

کعب نام' ابواسحاق کنیت' نسباً یمن کے مشہور حمیری خاندان کی شاخ آل ذی رعین سے تھے۔نسب نامہ یہ ہے۔کعب بن مانع بن ہینوع بن قیس بن معن بن جشم ابن وائل بن عوف بن جمہر بن عوف بن زہیر بن ابن حمیر بن سبا حمیری۔

اسلام اور ورود مدینہ:

کعب مشہور تابعی ہیں۔قبول اسلام سے پہلے یہود کے جید علماء میں شمار کیے جاتے تھے' عہد رسالت میں موجود تھے لیکن صحیح روایت کے مطابق اس عہد بابرکت میں وہ اسلام کی سعادت حاصل نہ کرسکے اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں مشرب باسلام ہوگئے تھے' کعب کا بیان ہے کہ علی رضی اللہ عنہ جب یمن آئے تو ان کی خدمت میں حاضر ہوکر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف پوچھے تو انہوں نے بتائے تو میں مسکرایا علیؓ نے مسکرانے کا سبب پوچھا۔میں نے کہا' ہمارے یہاں (نبی آخرالزماں کی) جو علامات بتائی گئی ہیں' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہیں' اسی لیے مجھے ہنسی آگئی۔اس سوال وجواب کے بعد میں مسلمان ہوگیا اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگا۔لیکن قیام یمن ہی میں رہا۔عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہجرت کرکے مدینہ گیا۔کاش میں نے اس سے پہلے ہجرت کی ہوتی[1] ایک روایت یہ ہے کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اسلام لائے[2] لیکن یہ دونوں روایتیں کمزور ہیں۔اس باب میں صحیح ترین روایت وہ ہے جو

---

[1] اصابہ ج ۵ ص ۳۲۲ کعب کے حالات ''تابعین'' سے نقل کیے گئے ہیں۔آخر میں اور کہیں کہیں درمیان میں کچھ اضافہ وترمیم ہے۔ [2] ایضاً۔

Marfat.com

طبقات ابن سعد میں کعب کے حلیف حضرت عباسؓ سے مروی ہے جس سے خود کعب کی زبان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ان کا اسلام لانا ثابت ہوتا ہے۔ سعید بن مسیبؒ کا بیان ہے کہ حضرت عباسؓ نے کعب کے اسلام لانے کے بعد ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کے زمانہ میں قبول اسلام میں کیا چیز مانع تھی کہ عمرؓ کے زمانے میں اسلام لائے جواب دیا کہ میرے والد نے مجھ کو توراۃ سے ایک تحریر نقل کر کے دی تھی اور ہدایت کی تھی کہ اس پر عمل کرنا دوسرے اپنی تمام مذہبی کتابوں پر مہر لگا کر مجھ سے حق ابوت کا واسطہ دلا کر وعدہ کیا تھا کہ اس کو نہ توڑنا تو میں نے اس کو نہیں توڑا اور والد جو تحریر دے گئے تھے اس کے مطابق میں عمل کرتا رہا۔

جب اسلام کی اشاعت اور اس کا غلبہ ہونے لگا اور کسی کا خوف باقی نہیں رہ گیا تو اس وقت میں نے دل میں خیال کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ والد نے مجھ سے کچھ چھپایا ہے مجھے ان کتابوں کو کھول کر دیکھنا چاہیے چنانچہ میں نے مہر توڑ کر کتابیں پڑھیں تو مجھ کو نظر آیا کہ ان میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی امت کے اوصاف لکھے ہیں۔ اس وقت مجھ پر اصل حقیقت روشن ہوئی اور آ کر مسلمان ہو گیا[1] قبول اسلام کے بعد وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کے حلیف بن گئے تھے۔

فضل و کمال:

کعب یہود کے بڑے ممتاز اور نامور علماء میں ہیں یہودی مذہب کے متعلق ان کی معلومات نہایت وسیع تھیں حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ علم کا ظرف اور اہل کتاب کے علمائے کبار میں تھے[2] امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کے وفور علم اور توثیق پر سب کا اتفاق ہے۔ وہ اپنی وسعت علم کی وجہ سے کعب احبار اور کعب الحبر کہے جاتے تھے۔ ان کے مناقب بکثرت ہیں اور ان کے اقوال و حکم بہت مشہور ہیں[3] اکابر صحابہ ان کی وسعت نظر کے معترف تھے ابودرداءؓ انصاری کا حمص میں بڑا ساتھ رہا تھا فرماتے تھے کہ ابن حمیریہ

---

[1] ابن سعد ج ۷ ص ۱۵۶۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۴۵۔ [3] تہذیب الاسماء ج ا ص ۶۹۔

Marfat.com

کے پاس بڑا علم ہے[1] امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ ابو درداء حکماء میں ہیں اور کعب علماء میں' ان کے پاس سمندر جیسا اتھاہ علم تھا[2]

چونکہ ایک مذہب کے وہ ایک بڑے عالم تھے اس لیے اسلامی حکومت کے ساتھ بھی انہیں خاص مناسبت ہو گئی تھی۔ مدینہ میں صحابہ سے انہوں نے کتاب وسنت کی تعلیم حاصل کی تھی اور صحابہ نے ان سے اہل کتاب کے علوم سیکھے تھے[3]

کتاب وسنت میں انہوں نے حضرت عمرؓ، صہیبؓ اور حضرت عائشہؓ سے استفادہ کیا تھا' اور اسرائیلیات میں صحابہ میں ابو ہریرہؓ، معاویہؓ، ابن عباسؓ اور تابعین میں مالک بن ابی عامر اصبحی' عطاء بن ابی رباح' عبداللہ بن رباح انصاری' عبداللہ بن حمزہ سلولی' ابو رافع' صائغ' عبدالرحمن بن شعیب اور ایک کثیر جماعت ان سے فیض یاب ہوئی تھی[4]

علم اور علماء اور زوال علم:

ایک مرتبہ عبداللہ بن سلام نے ان سے پوچھا کہ کعب! علماء کون لوگ ہیں' جواب دیا جو علم جانتے ہیں۔ ابن سلام نے پوچھا کون سی شے علماء کے دلوں سے علم کو زائل کر دے گی' فرمایا طمع' حرص اور لوگوں کے سامنے اپنی حاجت پیش کرنا۔ عبداللہ ابن سلام نے کہا' تم نے سچ کہا[5]

شام کا سفر:

کعب کا آبائی مذہب یہودیت تھا۔ اس لیے پہلے سے ان کو ارض شام کے ساتھ دلی لگاؤ تھا' مسلمانوں کے نزدیک بھی یہ سرزمین مقدس و محترم ہے' اس لیے چند دن مدینہ میں قیام کرنے کے بعد کعب شام چلے گئے' اور حمص میں جا کر سکونت اختیار کر لی[6]

مواعظ:

شام کے زمانۂ قیام میں ان کا مشغلہ زیادہ تر اسرائیلی قصص کے مواعظ تھے۔ ایک مرتبہ عوف بن مالک نے دوران وعظ میں ان سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۵۶۔ [2] اصابہ ج ۵ ص ۳۲۳۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۵۔
[4] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۴۳۸۔ [5] اصابہ ج ۵ ص ۳۲۴۔ [6] ابن سعد جلد ۷ ق ۲ ص ۱۵۶۔

Marfat.com

سنا ہے کہ امیر، ماموراور مکلف کے علاوہ لوگوں کے سامنے اور کسی کو مواعظ و قصص نہ بیان کرنے چاہئیں، یہ سن کر کعب نے وعظ گوئی چھوڑ دی، لیکن پھر امیر کے حکم سے دوبارہ وہ سلسلہ جاری کر دیا[1]

اسلامی روایات میں اسرائیلیات کا شمول:

کعب کی علمی جلالت میں کوئی شک نہیں۔ وہ یہودی مذہب کے بڑے نامور عالم تھے۔ لیکن چونکہ خود یہودیوں کا سرمایۂ علم زیادہ تر قصص و حکایات تھیں اس لیے کعب کا سرمایۂ معلومات بھی تمام تر یہی تھا۔ اس سے ایک نقصان یہ ہوا کہ بہت سی بے سروپا اسرائیلی روایات ان کے ذریعے اسلامی لٹریچر میں داخل ہوگئیں، اسی بنا پر بعض ائمہ حدیث کعب کو روایات میں ساقط الاعتبار سمجھتے ہیں۔

وفات:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت ۳۲ ہجری میں شام میں وفات پائی[2]

---

[1] اصابہ جلد ۵ ص ۳۲۳۔

[2] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۵۶ ان کے حالات تابعین سے نقل کیے گئے ہیں۔

Marfat.com

(۱۱) محمدؒ بن کعب القرظی

نام ونسب:

محمد نام' ابوحمزہ کنیت' نسب نامہ یہ ہے۔ محمد بن کعب بن حیان بن سلیم بن اسد قرظی' ان کے والد کعب بنی قریظہ کے یہودی اور انصار کے قبیلہ اوس کے حلیف تھے۔ غزوۂ قریظہ میں گرفتار ہوئے لیکن بہت کمسن تھے اس لیے چھوڑ دیے گئے۔

فضل وکمال:

محمد بن کعب بڑے فاضل اور بلند مرتبہ تابعی تھے' ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ علم وفقہ میں مدینہ کے فاضل ترین علماء[1] میں تھے' امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے علماء اور ائمہ تابعین میں تھے۔[2]

قرآن:

ان کو قرآن وحدیث دونوں میں یکساں کمال حاصل تھا' عجلی ان کو ثقہ رجل صالح اور عالم قرآن لکھتے ہیں'[3] عون بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے تاویل قرآن کا ان سے بڑا عالم نہیں دیکھا[4] حافظ ذہبی ان کو مفسر قرآن لکھتے ہیں۔[5]

قرآن میں تدبر وتفکر:

قرآن کے معنی میں تدبر وتفکر بھی آپ کی خصوصیت تھی۔ ایک مرتبہ رات میں سورۂ زلزال اور سورۂ القارعہ پڑھنا شروع کیں' اور پوری رات ان سورتوں کے معانی و مطالب میں تدبر وتفکر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ سفیدۂ صبح نمودار ہوگیا۔[6]

---

۱ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۲۱۔ ۲ تہذیب الاسماء ج اول ق ا ص ۹۰۔ ۳ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۲۱۔ ۴ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۲۱۔ ۵ ایضاً۔ ۶ ایضاً۔

Marfat.com

فرماتے تھے' قرآن کے معنی کا مجھ پر اس قدر ورود اور ہجوم ہوتا ہے کہ رات کی رات کٹ جاتی ہے' پھر بھی معانی کا ہجوم اور آمد ختم نہیں ہوتی[1]

تفسیر کی کتابوں میں صدہا آیتوں کی تفسیر میں ان کے اقوال ملیں گے۔ ان میں سے بیشتر میں کوئی نہ کوئی لفظی یا معنوی ندرت ضرور ہوگی۔

حدیث:

حدیث کے بھی وہ ممتاز حافظ تھے۔ علامہ ابن سعد ان کو ثقہ عالم اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں[2] حدیث میں انہوں نے معاویہ' کعب بن عجرہ' ابو ہریرہؓ، زید بن ارقم، عبداللہ ابنؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاص' عبداللہ بن یزید خطمی' عبداللہؓ بن جعفر بن ابی طالب' براء بن عازبؓ، جابرؓ اور انسؓ بن مالک سے استفادہ کیا تھا۔

ان سے فیض اٹھانے والوں میں ان کے بھائی عثمان' حکم بن عتبہ' یزید بن ابی زیاد' ابن عجلان' موسیٰ بن عبیدہ' ابو معشر' ابو جعفر خطمی' یزید بن الہاد' ولید بن کثیر، محمد بن المنکدر' عاصم بن کلیب' ایوب بن موسیٰ، ابن ابی الموالی' ابن المقدام اور ہشام بن زیاد وغیرہ لائق ذکر ہیں[3]

فقہ:

فقہ میں مدینہ کے مشہور فقہاء میں شمار تھا۔

کان من افاضیل اهل المدینة علماً وفقها.[4]

''علم وفقہ کے اعتبار سے مدینہ کے فضلا میں تھے''۔

زہد وورع:

زہد وورع کی دولت سے بھی بہرہ مند تھے' ابن سعد ان کو علماء متورعین[5] میں شمار کرتے ہیں اور حافظ ذہبی[6] زاہد' ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ کعب علم صلاح اور ورع سے

---

[1] دول الاسلام ذہبی ج ا ص ۵۶۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۲۱۔

[3] ایضاً۔ [4] ایضاً۔ [5] ایضاً۔ [6] ایضاً۔

Marfat.com

متصف تھے[1]

ان کی پاک بازی کی شہادت ان کی والدہ کی زبانی:

زندگی کے ہر زمانہ میں نہایت پاکباز اور پاک نفس رہے' بایں ہمہ دعائے مغفرت وتوبہ استغفار میں ہر وقت مشغول رہتے تھے' یہ دیکھ کر ان کی والدہ فرماتی تھیں محمد! اگر تمہاری پاکبازانہ زندگی میرے سامنے نہ ہوتی تو تمہاری دن رات کی گریہ زاری اور توبہ واستغفار سے میں سمجھتی کہ تم نے کوئی بہت بڑا گناہ کیا ہے لیکن میں نے تمہیں بچپن میں بھی بہت پاکباز اور پاک نفس پایا اور بڑے ہونے پر بھی ویسا ہی پا رہی ہوں۔

محمد بن کعب نے فرمایا' اماں جان! آپ جو سمجھتی ہیں وہ ٹھیک ہے' لیکن میں اپنے کو گناہوں سے مامون نہیں پاتا' ہوسکتا ہے کہ مجھ سے کوئی ایسی لغزش ہوگئی ہو جو خدائے تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کا باعث ہو' اسی وجہ سے میں ہر وقت استغفار کیا کرتا ہوں۔

زریں اقوال:

فرماتے تھے' اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو بھلائی کی توفیق دیتا ہے تو اس میں تین خصلتیں پیدا کردیتا ہے۔ دین میں سمجھ' دنیا سے بے رغبتی' اور عیب پوشی۔

فرمایا کہ کچھ لوگوں کے اوپر اور کچھ لوگوں کے واسطے زمین روتی ہے' پھر فرمایا جو لوگ بھلائی کرتے ہیں' ان کے واسطے زمین روتی اور دعا کرتی ہے اور جو لوگ برائی کرتے ہیں ان کے اوپر زمین روتی ہے اور بددعا کرتی ہے' پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ﴾

''زمین وآسمان ان پر نہیں روئے''۔

رونے سے مراد ہمدردی وشہادت ہے۔ اس لیے کہ قیامت میں ہمارے اعمال کے بارے میں ہر چیز سے شہادت لی جائے گی۔

آپ سے پوچھا گیا کہ خذلان اور حرمان کی علامات کیا ہے؟ فرمایا کہ اچھے کو

---

[1] دول الاسلام ج ۱ ص ۵۶۔

Marfat.com

برا اور برے کو اچھا سمجھنا۔

ذکر الٰہی:

فرماتے تھے کہ اگر ترک ذکر کی رخصت دی جاسکتی تو سب سے پہلے حضرت زکریا علیہ السلام کو رخصت ملتی (کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے تین دن تک بولنے سے منع کر دیا تھا' مگر اسی کے ساتھ یہ حکم بھی تھا کہ ذکر الٰہی کثرت سے کیا کرو) پھر یہ آیت تلاوت کی:

﴿ ایٰتُکَ اَلَّا تُکَلِّمُ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا وَّاذْکُرْ رَّبَّکَ کَثِیْرًا ﴾

''تمہارے لیے نشانی یہ ہے کہ تین روز تک کسی شخص سے بجز اشارے کے بات نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ کرو''۔

پھر فرمایا کہ دوسرے مجاہدین فی سبیل اللہ کو اس کی رخصت مل سکتی تھی لیکن ان کے متعلق فرمایا ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی:[1]

﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَثِیْرًا ﴾

''اے ایمان والو! جب تم سے دشمن کی کسی جماعت سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور ذکر الٰہی زیادہ کرو''۔

وفات:

۱۰۸ھ میں وفات پائی۔[2]

---

[1] حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۱۲۔ [2] شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۳۶۔

Marfat.com

(۱۲) نعیم الحبر

نعیم نام تھا' شام کے رہنے والے اور مذہباً عیسائی تھے۔ کعب احبار کی طرح ان کا شمار بھی علمائے اہل کتاب میں تھا۔ چنانچہ حبر (عالم) ان کے نام کا حبر ہو گیا تھا۔ مزدوری کر کے گزر اوقات کرتے تھے۔[۱]

مطرف بن مالک تابعی بیان کرتے ہیں کہ عہد فاروقی میں جب تستر فتح ہوا تو مال غنیمت میں ایک برتن ہاتھ آیا' جس میں ایک کتاب تھی' ہمارے ساتھ ایک نصرانی مزدور تھا جس کا نام نعیم تھا۔ اس نے ہم لوگوں سے کہا کہ یہ برتن مع کتاب میرے ہاتھ فروخت کر دو! ابو موسیٰ اشعریؓ اور دوسرے صحابہ کتاب فروخت کرنا چاہتے تھے' لیکن ہم لوگوں نے برتن کو اس کے ہاتھ فروخت کر دیا' اور کتاب ہدیۃً دے دی' ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ یہ کسی نبی کی کتاب ہے۔ اس کو دفن کر دینا چاہیے' بعض روایتوں میں ہے کہ نعیم خود اس برتن کو فروخت کرنے کے لیے مسلمانوں کے پاس آئے۔ انہوں نے برتن خرید لیا اور کتاب ان کو ہدیہ کر دی۔[۲]

قبول اسلام:

مطرف بن مالک ہی راوی ہیں کہ مجھے بیت المقدس جانے کا اتفاق ہوا' وہاں نعیم سے ملاقات ہوئی' میں نے ان سے پوچھا کہ تمہاری نصرانیت کا کیا حال ہے؟ نعیم نے کہا کہ میں تو اب دین حنیف (یعنی اسلام) میں داخل ہو گیا ہوں۔

بیت المقدس میں نعیم اور کعب کی دعوت اسلام اور علمائے اہل کتاب کا قبول اسلام:

مطرف بیان کرتے ہیں کہ اس سفر میں نعیم کے ساتھ کعب احبار بھی تھے۔ جب ان کی آمد کی اطلاع یہود کو ملی تو وہ ان کے گرد جمع ہو گئے۔ کعب احبار کو جو کتاب تستر میں

---

[۱] اصابہ ذکر نعیم۔ [۲] ایضاً۔

Marfat.com

ملی تھی انہوں نے اس کو یہود کے سامنے پیش کیا' اور کہا کہ یہ قدیم کتاب ہے جو تمہاری زبان (غالباً عبرانی) میں ہے' اس کو پڑھو' ایک شخص نے پڑھنا شروع کیا' جب وہ ایک خاص جگہ پر پہنچا تو اس نے کتاب زمین پر ٹپک دی۔ نعیم اس کی حرکت سے بہت ناخوش ہوئے اور کتاب کو انہوں نے اپنی گود میں اٹھا لیا۔ اور ان سے کہا کہ اب میں ہرگز اس کتاب کو تمہیں نہیں دوں گا لیکن انہوں نے جب بہت منت سماجت کی تو نعیم نے کہا اچھا میں اسے اپنے زانو پر رکھ کر بیٹھتا ہوں' تم میں سے کوئی شخص پڑھے' چنانچہ جب کتاب ان کے ہاتھ میں تھی اور ایک شخص اسے پڑھ رہا تھا جب وہ پڑھتے پڑھتے اس آیت:

﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ﴾

''جو اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین چاہے گا اس سے وہ قبول نہیں کیا جائے گا''۔

پر پہنچا تو تقریباً بیالیس علمائے یہود اسی جگہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے[1] افسوس ہے کہ اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

---

[1] اس سے پہلے والے شخص نے غالباً اسی آیت پر پہنچ کر غصہ میں کتاب پھینک دی تھی۔ یہ آیت قرآن کی ہے لیکن اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کتب قدیم میں اس آیت کی پیشین گوئی موجود تھی' نعیم نے دوسرے سے اس لیے پڑھوایا کہ ان کے پڑھنے سے یہود کو شبہ ہوتا۔

Marfat.com

(۱۴) وہب بن منبہ

وہب بن منبہ کی عام کتب سماوی خصوصاً تورات اور انجیل سے واقفیت اور ان سے متعلق ان کی معلومات کی کثرت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اہل کتاب میں سے تھے' لیکن چونکہ ارباب رجال میں سے کسی نے ان کے اہل کتاب ہونے کی تصریح نہیں کی ہے اس لیے مجھے ان کو اس فہرست میں داخل کرنے سے تامل تھا۔ لیکن ابن ندیم کی یہ تصریح مل جانے کے بعد کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ ایمان لائے تھے' ان میں وہب بن منبہ بھی تھے[1] زمرۂ اہل کتاب ''تابعین'' میں داخل کرلیا گیا۔

مگر اس کے بعد ایک دوسرا سوال کہ وہ عیسائی تھے یا یہودی باقی رہ جاتا ہے۔ ان میں سے کسی ایک کی تصریح نظر سے کہیں نہیں گزری' لیکن کتب تفسیر میں عام طور پر اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں خاص طور پر ان کے جو اقوال نقل کیے ہیں' ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عیسائی لٹریچر کے مقابلہ میں یہودی لٹریچر سے زیادہ واقف تھے۔ نیز سیف بن ذی یزن یمنی یہودی سے ان کا عزیزانہ تعلق بھی تھا۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ یہودی رہے ہوں گے۔

اب اس مختصر تمہید کے بعد ان کے حالات بھی لکھے جاتے ہیں:

نام ونسب:

وہب[2] نام' ابوعبداللہ کنیت' نسب نامہ یہ ہے: وہب بن منبہ بن کامل بن سیج ابن ذی کناز یمنی صنعانی' ایک روایت یہ ہے کہ وہب عجمی النسل تھے۔ ان کے والد منبہ کسریٰ کے زمانہ میں جب اس نے سیف بن ذی یزن حمیری کی قیادت میں حبشہ پر مہم بھیجی تھی' یمن آئے تھے اور پھر یہیں آباد ہوگئے اور عہد نبوی میں مشرف با اسلام ہوگئے۔

---

[1] فہرست ابن ندیم ص ۳۲۔ [2] یہ حالات زیادہ تر ''تابعین'' سے ماخوذ ہیں۔

Marfat.com

پیدائش:

۲۲ھ میں پیدا ہوئے۔[۱]

فضل و کمال:

اسلامی علوم میں وہب کا کوئی خاص درجہ نہ تھا' بلکہ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ بمقابلہ اس کے وہ دوسرے مذاہب کی کتابوں اور صحیفوں کے عالم تھے' تاہم وہ اسلامی علوم سے بیگانہ نہ تھے' تابعین میں ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ وہ جلیل القدر تابعی ہیں۔ ان کی توثیق پر سب کا اتفاق ہے۔[۲]

حدیث:

حدیث میں متعدد صحابہ سے فیض یاب ہوئے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ، جابر بن عبداللہؓ، عبداللہؓ بن عباس، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، ابوسعید خدریؓ، انس بن مالک اور نعمان ابن بشیر سے ان کی روایات ملتی ہیں۔[۳]

ان کے صاحبزادے عبداللہ و عبدالرحمٰن اور بھتیجے عبدالصمد اور عقیل اور عام لوگوں میں عمرو بن دینار' سماک بن فضل' اسرائیل وغیرہ نے ان سے سماع حدیث کیا تھا۔[۴]

فقہ:

ان کے تفقہ کے سلسلہ میں صرف اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں صنعا کے عہدۂ قضا پر مامور تھے۔[۵]

غیر مذاہب کے صحیفوں کا علم:

وہب دوسرے صحیفوں کے بڑے نامور عالم تھے' بلکہ اس بارے میں ان کی جماعت میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ گزشتہ کتابوں کے علم و معرفت میں مشہور ہیں۔[۶] حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے وسیع العلم تھے' اور اپنے زمانہ

---

۱ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۸۸۔ ۲ تہذیب الاسماء جلد اول ص ۱۴۹۔ ۳ تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۱۶۷۔
۴ ایضاً۔ ۵ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۸۵۔ ۶ تہذیب الاسماء جلد اول ص ۱۴۹۔

Marfat.com

میں کعب احبار کے نظیر مانے جاتے تھے[1]

استقصاء سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بانوے الہامی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا جن میں سے بعض ایسی تھیں جن کے متعلق لوگوں کو کم واقفیت ہے۔ داؤد بن قیس صنعانی کا بیان ہے کہ میں نے وہب سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے بانوے آسمانی کتابیں پڑھیں جن میں سے بہتر کنیسوں میں اور لوگوں کے پاس موجود ہیں' اور بائیس کتابوں کا علم بہت کم لوگوں کو ہے۔ ان تمام کتابوں میں یہ مضمون مشترک ہے کو جو انسان مشیت کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے وہ کافر ہے''۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تیس کتابیں ایسی پڑھی تھیں جو تیس نبیوں پر اتری تھیں۔ ان دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے' بلکہ دونوں صحیح ہیں۔ تیس کتابیں ایسی ہوں گی جن کی حیثیت مستقل مصاحف کی ہوگی اور بقیہ مستقل کتابیں نہ رہی ہوں گی۔ اس قدر مسلم ہے کہ وہ کتب ماضیہ کے سب سے بڑے عالم تھے' اور قدیم صحیفوں کے مشہور اور نامور علماء کعب احبار اور عبداللہ بن سلام دونوں کا مجموعی علم ان کی تنہا ذات میں جمع تھا۔

تفصیلات:

عہد اسلام میں فن تاریخ پر سب سے پہلی کتاب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اخبار الماضین لکھی گئی' اس کے بعد وہب بن منبہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ انہوں نے اس فن میں ایک مفید کتاب ''ذکر الملوک'' لکھی۔ یہ اس وقت ناپید ہے' لیکن ساتویں صدی تک موجود تھی' علامہ ابن خلکان نے اس کتاب کو دیکھا تھا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اس میں یمن کے متعلق بہت مفید معلومات ہیں اور اس میں ملوک حمیر کے اخبار وانساب اوران کے مقابر واشعار کا تذکرہ تفصیل سے موجود ہے۔ (ابن خلکان ص ۱۸۰ ج ۲)

اس کتاب کے علاوہ صاحب کشف الظنون نے ان کی ایک کتاب کا تذکرہ کیا ہے۔ کشف الظنون کی عبارت یہ ہے:

---

1 تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۸۹۔ 2 ابن سعد ج ۵ ص ۲۹۶۔

Marfat.com

اول من صنف فی المغازی عروۃ بن الزبیر و جمعھا ایضاً وھب بن منبہ.

"مغازی میں سب سے پہلے عروہ بن زبیر نے تصنیف کی۔ اس کے بعد اس فن کو وہب بن منبہ نے جمع کیا"۔

اس کتاب کا ایک نسخہ ہیڈن برگ (جرمنی) میں موجود ہے۔ اس نسخہ پر سنہ کتابت ۲۲۸ھ درج ہے۔ وہب نے اپنی عادت کے مطابق اس میں بھی اسناد کا استعمال نہیں کیا ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انہوں نے کہیں اسرائیلیات کو دخل نہیں کیا ہے (ضحی الاسلام ج ۲ ص ۲۳۲)

فضائل اخلاق:

وہب فطرۃً نہایت صالح تھے۔ دینی کتابوں کے مطالعہ نے ان کو اور زیادہ حلیم اور عبادت گزار بنا دیا تھا۔ وہ عابد شب زندہ دار تھے۔ ساری ساری رات عبادت کرتے تھے' کامل بیس سال تک انہوں نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔ طبیعت میں نرمی اس قدر تھی کہ کسی ذی روح کے لیے ان کی زبان سے گالی یا درشت کلمہ نہ نکلا۔

غیر معتبر روایات:

لیکن کعب احبار کی طرح ان کی ذات بھی مسلمانوں میں غیر معتبر اسرائیلیات کی اشاعت کا باعث ہوئی۔

حکیمانہ مقولے:

حلیۃ الاولیاء میں وہب بن منبہ کے بہت سے حکیمانہ اقوال درج ہیں۔ ان میں سے چند یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ فرمایا کہ بے عمل اور آوارہ آدمی حکماء میں نہیں ہوسکتا۔ (ج ۴ ص ۶۷)

فرمایا کہ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے کو نصیحت کی کہ اے نور چشم! اہل ذکر اور اہل غفلت کی مثال نور اور ظلمت کی ہے' یعنی اہل ذکر میں خدا کا نور ہوتا ہے' اور اہل غفلت میں ظلمت ہوتی ہے۔

ایک بار نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ترازو کے پلڑوں کی طرح ہر چیز کے دو

Marfat.com

کنارے ہوتے ہیں۔ اگر ایک کو پکڑو گے تو دوسرا جھک جائے گا' اس لیے چاہیے کہ وسط کو پکڑو' تا کہ دونوں میں سے کوئی نہ جھکنے پائے' یعنی ہر کام میں اعتدال ملحوظ رکھنا چاہیے۔

(ج ۴ص ۳۵)

فرمایا ہر چیز ابتداء میں چھوٹی ہوتی ہے پھر آہستہ آہستہ بڑی ہو جاتی ہے' لیکن مصیبت کا حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ وہ ابتداء میں بڑی ہوتی ہے پھر آہستہ آہستہ چھوٹی ہو جاتی ہے یعنی اس کا اثر گھٹ جاتا ہے۔ (ج ۴ص ۶۳)

فرمایا جو شخص علم حاصل کرتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا اس کی مثال اس طبیب کی سی ہے جس کے پاس دوا اور شفا کا سامان موجود ہے لیکن وہ انہیں استعمال نہیں کرتا (ج ۴ص ۷۱)

کسی نے ان سے دریافت کیا کہ ایک شخص نماز میں طویل قیام کرتا ہے اور دوسرا سجدہ میں۔ دونوں میں کون افضل ہے' فرمایا جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ تعلق اور محبت رکھتا ہو (ج ۱ص ۳۴)۔

فرمایا منافق کی ایک پہچان یہ ہے کہ وہ تعریف کو پسند کرتا ہے اور تنقید کو ناپسند (۲ص ۴۱)

ایک مرتبہ فرمایا کہ ہر چیز کی کوئی نہ کوئی علامت اور شناخت ہوتی ہے۔ دین کی علامت تین چیزیں ہیں' ایمان' علم اور عمل۔ پھر ایمان کی بھی تین علامتیں ہیں' اللہ پر' ملائکہ پر اور اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں پر ایمان۔ عمل کی بھی تین شناخت ہے' نماز' روزہ' زکوۃ۔ علم کی تین علامتیں یہ ہیں' اللہ اور اس کی رضا اور عدم رضا کا علم' تصنع اور تکلف کرنے والوں کی تین پہچان ہے' جو اس سے اونچے ہوتے ہیں ان کا ہر چیز میں وہ مقابلہ کرتا ہے' اور جو چیز اسے معلوم نہیں ہوتی اس کے بارے وہ اپنی معلومات کا اظہار کرتا ہے' اور جو چیز اللہ نے اسے فطرۃً دی نہیں یا وہ پا نہیں سکتا اس کے حصول کی کوشش کرتا ہے۔ منافق کی شناخت کی تین صورت ہیں جب وہ تنہا ہوتا ہے تو کسل مند ہوتا ہے اور جب اس کے یہاں کوئی جاتا ہے تو نشاط اور چستی کا اظہار کرتا ہے اور ہر کام میں تعریف کا خواہاں ہوتا ہے۔ حاسد کے پہچاننے کی تین صورتیں ہیں جن سے وہ حسد کرتا ہے' جب وہ غائب ہوتا ہے تو اس کی غیبت کرتا ہے اور جب وہ سامنے موجود ہوتا ہے تو اس کی خوشامد کرتا ہے' اور مصیبت کے وقت گالی گفتہ کرتا ہے مسرف کی تین عادتیں ہوتی ہیں' وہ اس چیز کو خریدتا جو

Marfat.com

اس کے لائق اور اس کے لیے مفید نہیں ہے، کھانا وہ کھاتا ہے جو اس کے لیے نہیں ہے، کپڑے وہ پہنتا ہے جو اس کے لیے نہیں ہیں، یعنی ہر کام میں وہ اپنا معیار بلند کرتا ہے۔

(ج ا ص ۴۷)

ان اقوال میں انہوں نے مختصر طور سے اخلاق وعمل کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈال دی ہے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق دے۔

وفات:

ہشام بن عبدالملک کے عہد میں ۱۱۰ھ میں صنعا میں وفات پائی۔

اولاد:

کتب رجال میں اولاد کی کوئی تصریح نہیں ملتی، لیکن ابن ندیم نے ان کے پرنواسے عبدالمنعم کا ذکر کیا ہے، جنہوں نے تاریخ کی ایک کتاب ''کتاب المبتدا'' کے نام سے تصنیف کی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے ایک صاحبزادی تھیں۔ (ص ۱۳۸)

Marfat.com

صحابیات رضی اللہ عنہن

(۱) حضرت تمیمہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

تمیمہ نام' باپ کا نام وہب' بنوقریظہ سے نسبی تعلق تھا[۱]

اسلام:

اسلام لانے کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

شادی اور طلاق کا قصہ:

شادی حضرت رفاعہؓ (جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے) سے ہوئی تھی مگر نباہ نہ ہوسکا' اسی لیے حضرت رفاعہؓ نے طلاق دے دی۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ بن زبیر سے شادی ہوئی' لیکن بعض وجوہ کی بناء پر عبدالرحمٰنؓ بن زبیر سے بھی علیحدگی اختیار کرنا چاہی مگر حلالہ کے لیے مباشرت ضروری تھی اور وہ غالباً ممکن نہ تھی۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئیں' اور عرض کی کہ علیحدگی کی اجازت مرحمت فرمائی مگر اجازت نہیں ملی' اور آنحضرت ﷺ کے عہد سعادت تک عبدالرحمٰن بن زبیر کے ساتھ رہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں بھی انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے علیحدگی کی اجازت چاہی' لیکن آپ نے بھی اجازت نہیں دی۔ حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو ان سے بھی اجازت چاہی' حضرت عمرؓ نے بڑی سختی سے فرمایا کہ اب آؤ گی تو رجم کردوں گا[۲]

---

[۱] آپ کے نام میں بڑا اختلاف ہے' اس کے علاوہ آپ کے حسب ذیل نام ہیں' سہیمہ' رمیصا' امیمہ' عمیصا' مگر زیادہ روایتوں میں عائشہ یا تمیمہ آیا ہے' اسد الغابہ ص ۱۸۱ ج ۲۔ [۲] اسد الغابہ ایضاً۔

Marfat.com

آپ کی زندگی کا یہی واقعہ تمام ارباب رجال لکھتے ہیں' اس کے علاوہ اور حالات نہیں مل سکے۔

وفات:

وفات کی تصریح نہیں ملی' لیکن اوپر کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عہد فاروقی تک زندہ رہیں۔

﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ﴾ (بقرہ: ۲۹)

''پھر اگر مرد طلاق دے دے عورت کو تو پھر اس کے لیے حلال نہ رہے گی اس کے بعد یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ نکاح کرے''۔

اس آیت کے اسباب نزول میں ایک سبب حضرت تمیمہ رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ نکاح بھی تھا۔

Marfat.com

(۲) حضرت خالدہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

خالدہ یا خلدہ نام' باپ کا نام حارث' حضرت عبداللہ بن سلام کی چچی ہوتی تھیں۔

اسلام:

حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے منتظر تھے کہ ایک شخص نے آپ کی آمد کا مژدہ سنایا۔ میں بے تابی سے اٹھا' میری چچی خالدہ میرے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ میری بے تابی دیکھ کر انہوں نے کہا کہ موسیٰ بن عمران کا اگر ظہور ہوتا تو کیا تمھیں اس سے زیادہ مسرت نہ ہوتی۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا' خدا کی قسم یہ تو نبوت میں موسیٰ کے ساتھی ہیں۔ دونوں کی بعثت کا مقصد ایک ہے۔ اس پر ان کی چچی نے تعجب سے کہا کہ کیا یہ وہی نبی تو نہیں ہیں جن کی بعثت کے ہم سب منتظر تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے انہیں اثبات میں جواب دیا' اور وہاں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور اسلام کی دولت سے بہرہ اندوز ہوئے' اور پھر گھر آ کر گھر کے سارے افراد کو جن میں حضرت خالدہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں' اس سے بہرہ اندوز کیا۔

زندگی کے دوسرے کارنامے اور وفات وغیرہ کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

Marfat.com

(۳) حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

ریحانہ نام' باپ کا نام شمعون یا زید تھا' [1] باختلاف روایت سلسلۂ نسب یہ ہے۔
ریحانہ بنت شمعون بنت زید' بعض روایتوں میں ہے کہ ریحانہ بنت زید بن عمر بن جنافہ بن شمعون ابن زید ہے۔قبیلہ بنوقریظہ سے تھیں [2]

نکاح:

پہلے بنوقریظہ کے ایک شخص حکم سے نکاح ہوا تھا۔غزوۂ بنوقریظہ کے دن دوسرے یہودیوں کے ساتھ حکم بھی قتل کر دیا گیا۔اس روز جو عورتیں اور بچے اسیر ہو کر آئے تھے' ان ہی میں حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بڑی احتیاط کے ساتھ ام المنذر بنت قیس کے گھر میں ٹھہرایا [3]

اسلام:

ان سے فرمایا تمہیں اختیار ہے چاہے اسلام قبول کر لو یا اپنے مذہب (یہودیت) پر قائم رہو۔انہوں نے اپنے قدیم مذہب پر رہنا پسند کیا' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اسلام

---

[1] میرے خیال میں ریحانہ بنت شمعون ہی آپ کا صحیح سلسلۂ نسب ہے۔اس لیے کہ ان کے والد کا شمار صحابہ میں ہے حافظ ابن عبدالبر نے استیعاب میں آپ کا سلسلۂ نسب شمعون بن زید لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حضرت ریحانہؓ کے والد تھے' اسی لیے جس سلسلہ میں شمعون کا نام کئی ناموں کے بعد ہے' وہ صحیح نہیں ہے۔

[2] بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ بنونضیر سے تھیں' لیکن یہ صحیح نہیں ہے' جیسا کہ حضرت شمعونؓ کے حالات میں تفصیل آ چکی ہے۔حافظ ابن عبدالبر نے شمعون کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ قرظی تھے اور انصار' خزرج کے حلیف تھے۔اس لیے ہوسکتا ہے کہ اسی طرح بنونضیر سے بھی ان کے عزیزانہ تعلقات رہے ہوں۔

Marfat.com

نہ لانے کا بڑا رنج ہوا' اور دوبارہ فرمایا' اگر تم اسلام قبول کر لو تو میں تمہیں اپنے پاس رکھوں گا' لیکن انہوں نے پھر انکار کیا۔ یہ مزاج اقدس پر اور زیادہ گراں گزرا اور خاموشی اختیار فرمالی گئی۔ ایک دن آپ مجلس میں تشریف فرما تھے کہ یکا یک ایک شخص کے پیر کی چاپ سنائی دی۔ آپ نے فرط مسرت سے تمام حاضرین سے فرمایا کہ یہ ثعلبہ بن سعید ہیں' جو ریحانہ کے اسلام لانے کی خوشخبری لے کر آ رہے ہیں[1]

دوسری روایت یہ ہے کہ آپ نے ان لوگوں سے فرمایا اگر تم اللہ اور رسول (اسلام) کو اختیار کرتی ہو تو میں تمہیں اپنے لیے خاص کر لوں گا۔ اس پر حضرت ریحانہؓ نے کہا ہاں میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں[2]

ہوسکتا ہے کہ ابتداء میں انہوں نے اسلام قبول کرنا اپنی قدیم دینی اور قومی حمیت کے خلاف سمجھا ہو' اور بعد میں جب اس کی خوبیوں سے واقف ہو گئیں تو قبول کر لیا ہو۔

قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے انہیں اپنی ملک میں رکھا اور بعض روایتوں کے مطابق آپ نے انہیں آزاد کر کے اپنے حبالۂ عقد میں لے لیا اور وہ ازواج مطہرات میں داخل ہوئیں[3]

ابن سعد اور حافظ ابن حجر نے انہیں ازواج مطہرات میں اور اکثر اہل رجال نے انہیں سراری میں شمار کیا ہے' لیکن ابن اسحاق کی ایک روایت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ان سے نکاح نہیں کیا تھا' بلکہ انہیں یہ اختیار بخشا تھا کہ اگر وہ چاہیں تو آپ ان سے نکاح فرمالیں اور انہیں ازواج مطہرات میں شامل کر لیں' لیکن انہوں نے فرمایا کہ یارسول اللہ ﷺ اگر آپ اپنی ملک میں ہی رکھیں تو میرے اور آپ دونوں کے لیے آسانی ہو چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنی ملک ہی میں رکھا۔ (اصابہ ج ۴ ص ۲۰۹)

---

[1] ابن سعد ج ۸ ص ۹۳ ان کے اسلام میں پہلی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ثعلبہ بن سعید کے ذکر میں تمام اہل رجال نے اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

[2] ابن سعد ایضاً۔

Marfat.com

وفات:

آنحضرت ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے سے چند مہینے پہلے ہی اس دار فانی کو چھوڑ کر دار بقاء میں پہنچ گئیں[1]

تدفین:

جنت البقیع میں سپرد خاک کی گئیں[2]

حلیہ:

خدائے تعالیٰ نے حسن صورت اور حسن سیرت دونوں سے نوازا تھا[3]

قیام گاہ:

ابتداء میں ام المنذر کے مکان میں ٹھہرائی گئیں۔ اس کے بعد غالباً دار قیس بن فہد مستقل قیام گاہ رہی[4] اور وہیں وفات پائی۔

فضائل:

آنحضرت ﷺ کو ان سے بڑی محبت تھی۔ جب وہ کوئی فرمائش کرتی تھیں تو آپ ضرور پوری کرتے تھے۔ ابن سعد میں ہے کہ ازواج مطہرات کی طرح ان کی بھی باری کا دن مقرر تھا،[5] اور باپردہ رہتی تھیں۔

---

[1] بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کی وفات سے چھ مہینے پہلے آپ کا انتقال ہوا، اور بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کے حجۃ الوداع سے واپس آنے کے بعد آپ کی وفات ہوئی، اصابہ جلد ۴ ص ۳۰۹۔

[2] اصابہ ایضاً۔ [3] ابن سعد ج ۸ ص ۹۳۔ [4] اصابہ جلد ۴ ص ۳۰۹۔ [5] ابن سعد ج ۸ ص ۹۳۔

Marfat.com

(۴) حضرت سفانہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

سفانہ نام‘ حضرت عدیؓ بن حاتم مشہور صحابی کی بہن تھیں۔ اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب اسلامی لشکر قبیلہ طے میں پہنچا تو اس وقت حضرت عدیؓ قبیلہ کے سردار تھے۔ وہ اپنے اہل وعیال کو لے کر اپنی عیسائی برادری کے پاس شام چلے گئے[1] لیکن اتفاق سے سفانہ چھوٹ گئیں اور مسلمانوں کے ہاتھ آ گئیں۔ عام قیدیوں کے ساتھ وہ مدینہ لائی گئیں اور ایک خاص مقام پر رکھی گئیں۔ آنحضرت ﷺ کا ادھر سے گزر ہوا تو سفانہ نے عرض کیا‘ یا رسول اللہ ﷺ! میرے والد کا انتقال ہو چکا ہے اور ان کے علاوہ جو چھڑانے والا ہے وہ اس وقت موجود نہیں ہے۔ مجھ پر احسان کیجیے‘ خدا آپ پر احسان کرے گا۔ حضورؐ نے پوچھا چھڑانے والا کون۔ عرض کیا‘ عدی بن حاتم‘ فرمایا وہی تو نہیں جس نے خدا اور رسول سے فرار اختیار کر لیا۔ دوسرے دن پھر آپ کا گزر ہوا۔ اسیر خاتون نے پھر وہی درخواست کی‘ اور پھر وہی جواب ملا۔ تیسری مرتبہ انہوں نے حضرت علیؓ کے مشورہ سے درخواست کی۔ اس مرتبہ قبول ہوگئی اور رہا کر دی گئیں۔

لیکن چونکہ بڑے گھر کی عورت تھیں اس لیے ان کے رتبہ اور اعزاز کے پیش نظر ارشاد ہوا کہ ابھی جانے میں جلدی نہ کرو‘ جب تمہارے قبیلہ کا کوئی معتبر آدمی مل جائے تو مجھے خبر کرو۔ چند دنوں کے بعد قبیلہ بلی اور قضاعہ کے کچھ لوگ ملے۔ سفانہ نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی۔ آپ نے ان کے شایان شان سواری‘ لباس اور اخراجات سفر کا انتظام کر کے بحفاظت تمام ان کو روانہ کر دیا۔ یہاں سے براہ راست عدی کے پاس شام پہنچیں

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد۲ ص ۳۶۸۔

Marfat.com

اور ان کو بہت ملامت کی کہ تم سے زیادہ قاطع رحم کون ہوگا۔ اپنے اہل وعیال کو تو لے آئے اور مجھ کو تنہا چھوڑ دیا۔ عدی نے ندامت اور شرمساری کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کیا' اور چند دنوں کے بعد ان سے پوچھا کہ تم ہوشیار اور عاقلہ ہو۔ تم نے اس شخص (آنحضرت ﷺ) کے متعلق کیا رائے قائم کی۔ انہوں نے کہا میری یہ رائے ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو ان سے ملو اگر وہ نبی ہیں تو ان سے ملنے میں سبقت کرنا شرف وسعادت ہے' اور اگر بادشاہ ہے تو بھی یمن کا ایک باعزت فرمانروا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا[1]

اسلام:

اسلام کے بارے میں صاحب اصابہ لکھتے ہیں:

وکانت اسلمت واحسنت اسلامھا.

''وہ اسلام لائیں اور حسن وخوبی سے اسے نباہا''۔

وفات اور زندگی کے دوسرے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۶۹' ۳۷۰۔

Marfat.com

(۵) حضرت سیرین رضی اللہ عنہا

حضرت سیرین اور ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا حقیقی بہنیں تھیں۔ ان کو مقوقس شاہ مصر نے بارگاہ رسالت میں ہدیۃً بھیجا تھا' حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا تو حرم نبویؐ میں داخل ہوئیں' اور حضرت سیرینؓ حضرت حسان رضی اللہ عنہ مشہور صحابی و شاعر کے حبالۂ عقد میں آئیں' جن کے بطن سے حضرت عبدالرحمٰن بن حسانؒ پیدا ہوئے۔ حضرت سیرینؓ بڑی صابر اور شاکر تھیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاجزادے حضرت ابراہیم کا جو حضرت ماریہؓ کے بطن سے تھے' انتقال ہوا تو حضرت ماریہ لخت جگر کی جدائی سے بے قابو ہو کر رونے لگیں۔ حضرت سیرین کو اگرچہ اپنی محبوب بہن کے بچے کے مرنے کا غم تھا لیکن انہوں نے اپنے جذبات پر قابو رکھا اور حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو سمجھاتی رہیں[1]

حضرت ماریہؓ اور حضرت سیرینؓ کے متعلق اگرچہ رجال اور سیر کی کتابوں میں اس کی تصریح نہیں ملتی کہ وہ عیسائی تھیں' لیکن بعض قرائن کی بنا پر انہیں اہل کتاب صحابیات کے زمرہ میں لے لیا گیا ہے۔

پہلا قرینہ یہ ہے کہ وہ قبطی تھیں' اور معلوم ہے کہ مصر کے قبطی عموماً عیسائی تھے' چنانچہ زرقانی نے حضرت ماریہؓ کے حالات میں قبطی کے لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

نسبة الی القبط ای نصاریٰ مصر. ''قبطی مصر کے عیسائی تھے''۔

دوسرا یہ کہ ان کے ساتھ ان کے بھائی مابور بھی آئے تھے' ارباب سیر و رجال لکھتے ہیں کہ بہنوں نے تو اسلام قبول کر لیا' لیکن یہ اس وقت اپنے قدیم دین پر قائم رہے اور کچھ دن کے توقف کے بعد مسلمان ہوئے۔ ہمارا خیال ہے کہ دین سے نصرانیت ہی کی طرف اشارہ ہوگا۔

مابور کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔

---

[1] ابن سعد ج ۸ ص ۱۵۵۔

Marfat.com

(۶) حضرت صفیہ[1] رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

اصلی نام زینب تھا۔ لیکن چونکہ وہ جنگ خیبر میں خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آئی تھیں اور عرب میں مال غنیمت کے ایسے حصے کو جو امام یا بادشاہ کے لیے مخصوص ہوتا تھا' صفیہ کہتے تھے اس لیے وہ بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہو گئیں۔ یہ زرقانی کی روایت ہے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو باپ اور ماں دونوں کی جانب سے سیادت حاصل تھی' باپ کا نام حی بن اخطب تھا' جو قبیلہ بنو نضیر کا سردار تھا' اور ہارون علیہ السلام کی نسل میں شمار ہوتا تھا ماں کا نام ضرد تھا سموال رئیس قریظہ کی بیٹی تھی' اور یہ دونوں خاندان (قریظہ اور بنو نضیر) بنو اسرائیل کے ان تمام قبائل سے ممتاز سمجھے جاتے تھے' جنہوں نے زمانہ دراز سے عرب کے شمالی حصوں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

نکاح:

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی شادی سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی۔ سلام نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں' جو ابو رافع تاجر حجاز اور رئیس خیبر تھا' کنانہ جنگ خیبر میں مقتول ہوا' حضرت صفیہؓ کے باپ اور بھائی بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں۔ جب خیبر کے تمام قیدی جمع کیے گئے تو دحیہ کلبیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لونڈی کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتخاب کرنے کی اجازت دے دی۔ انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو منتخب کیا۔ لیکن ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں آ کر عرض

---

[1] ان کے حالات کسی قدر اضافے کے ساتھ حرف بحرف سیرت الصحابیات ایڈیشن اول مؤلفہ سعید انصاری سابق رفیق دار المصنفین سے منقول ہیں۔

Marfat.com

کی کہ آپ نے رئیسہ بنو نضیر کو دحیہ کو دے دیا۔ وہ تو صرف آپ کے لیے سزاوار ہے مقصود یہ تھا کہ رئیسہ عرب کے ساتھ عام عورتوں کا سا برتاؤ ٹھیک نہیں۔ چنانچہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو آپ نے دوسری لونڈی عنایت فرمائی' اور صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے خود نکاح کر لیا۔[1] خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام صہبا میں رسم عروسی ادا کی'[2] اور جو کچھ لوگوں کے پاس سامان تھا اس کو جمع کر کے دعوت ولیمہ فرمائی۔ وہاں سے روانہ ہوئے تو آپ نے ان کو خود اپنے اونٹ پر سوار کر لیا' اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا۔ مدینہ پہنچ کر آپ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حارث بن نعمان کے مکان میں اتارا' جب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ان کی آمد کی اطلاع ہوئی تو حضرت عائشہؓ حضرت زینبؓ، حضرت حفصہؓ وغیرہ انصار کی چند عورتوں کے ساتھ ان کو دیکھنے آئیں' حضرت عائشہؓ جب دیکھ کر واپس ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کیف رأیتھا یاعائشہؓ عائشہ تم نے ان کو کیسا پایا' حضرت عائشہؓ بولیں ''یہودیہ ہے'' فرمایا یہ نہ کہو وہ تو مسلمان ہوگئی ہیں اور ان کا اسلام بہتر ہے۔[3]

عام حالات:

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے مشہور واقعات میں حج کا سفر ہے جو انہوں نے ۱۰ ہجری میں آنحضرتؐ کے ساتھ کیا تھا۔

حضرت عثمانؓ کے ایام محاصرہ میں جو ۳۵ھ میں ہوا تھا' حضرت صفیہؓ نے ان کی بے حد مدد کی تھی' جب حضرت عثمانؓ پر ضروریات زندگی مسدود کر دی گئیں اور ان کے مکان پر پہرہ بٹھا دیا گیا تو وہ خود خچر پر سوار ہو کر ان کے مکان کی طرف چلیں۔ غلام ساتھ تھا' اشتر کی نظر پڑی تو انہوں نے آ کر خچر کو مارنا شروع کیا۔ حضرت صفیہؓ نے کہا مجھ کو ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں' میں واپس جاتی ہوں' تم خچر کو چھوڑ دو۔ گھر واپس آئیں تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مامور کیا۔ وہ ان کے مکان سے حضرت عثمانؓ کے

---

[1] صحیح بخاری کتاب الصلوۃ باب مایذکر فی الفخذ صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۴۶۔

[2] اصابہ ج ۸ ص ۱۲۶۔ [3] ابن سعد ج ۸ ص ۹۰۔

Marfat.com

کے پاس کھانا اور پانی لے جاتے تھے[1]

وفات:

حضرت صفیہؓ نے رمضان ۵۰ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں اس وقت ان کی عمر ۶۷ سال کی تھی۔ ایک لاکھ ترکہ چھوڑا اور ایک ثلث کی اپنے ایک یہودی بھانجے کے لیے وصیت کر گئیں[2]

حلیہ:

کوتاہ قامت اور حسین تھیں[3]

فضل و کمال:

حضرت صفیہؓ سے چند حدیثیں مروی ہیں' جن کو امام زین العابدینؒ، اسحاق بن عبداللہ بن حارث، مسلم بن صفوان، کنانہ اور یزید بن معتب' صہیرہ بنت جیفر وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

دیگر ازواج کی طرح حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے زمانہ میں علم کا مرکز تھیں۔ چنانچہ جب صہیرہ بنت جیفر حج کر کے حضرت صفیہؓ کے پاس مدینہ آئیں تو کوفہ کی بہت سی عورتیں مسائل دریافت کرنے کی غرض سے بیٹھی ہوئی تھیں۔ صہیرہ کا بھی یہی مقصد تھا۔ اس لیے انہوں نے کوفہ کی عورتوں سے سوال کرائے۔ ایک فتویٰ نبیذ کے متعلق تھا۔ حضرت صفیہؓ نے سنا تو بولیں' اہل عراق اس مسئلہ کو اکثر پوچھتے ہیں[4]

اخلاق:

حضرت صفیہؓ میں بہت سے محاسن اخلاق جمع تھے۔ اسد الغابہ میں ہے۔[5]

كانت عاقلة من عقلاء النساء .

''وہ نہایت عاقلہ تھیں''۔

---

[1] اصابہ ص ۱۳۷ ج ۱ بحوالہ ابن سعد۔ [2] زرقانی ص ۲۹۶ ج ۳۔ [3] صحیح مسلم ص ۵۴۸ ج ۱۔
[4] مسند ص ۳۳۷ ج ۳۔ [5] اسد الغابہ ص ۴۹۰ ج ۵۔

Marfat.com

زرقانی میں ہے[1]

کانت صفیة عاقلة حلیمة فاضله .

''یعنی صفیہ عاقل' فاضل اور حلیم تھیں''۔

حلم وتحمل ان کے باب فضائل کا نہایت جلی عنوان ہے۔غزوۂ خیبر میں جب وہ اپنی بہن کے ساتھ گرفتار ہوکر آ رہی تھیں تو ان کی بہن یہودیوں کی لاشوں کو دیکھ کر چیخ اٹھتی تھی' حضرت صفیہؓ اپنے محبوب شوہر کی لاش سے قریب ہوکر گزریں' لیکن اب بھی اسی طرح پیکر متانت تھیں' اور ان کی جبین تحمل پر کسی قسم کی شکن نہیں آئی۔

ایک مرتبہ حضرت حفصہؓ نے ان کو یہودیہ کہا ان کو معلوم ہوا تو رونے لگیں۔

حضرت صفیہؓ کے پاس ایک کنیز تھی' جو حضرت عمرؓ کے پاس جا کر ان کی شکایت کیا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک دن کہا کہ ان میں یہودیت کا اثر آج تک باقی ہے۔ وہ یوم السبت کو اچھا سمجھتی ہیں' اور یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے تصدیق کے لیے ایک شخص کو بھیجا۔ حضرت صفیہؓ نے جواب دیا کہ یوم السبت کو اچھا سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کے بدلے میں خدا نے ہم کو جمعہ کا دن عنایت فرمایا ہے۔ البتہ میں یہود کے ساتھ صلۂ رحمی کرتی ہوں۔ وہ میرے خویش و اقارب ہیں۔ اس کے بعد لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ تو نے میری شکایت کی تھی؟ بولی ''ہاں مجھ کو شیطان نے بہکا دیا تھا''۔ حضرت صفیہؓ خاموش ہوگئیں اور اس کو آزاد کر دیا[2]۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت ﷺ سے نہایت محبت تھی۔ چنانچہ جب آپ علیل ہوئے تو نہایت حسرت سے بولیں: ''کاش آپ کی بیماری مجھ کو ہو جاتی'' ازواج نے ان کی طرف دیکھنا شروع کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''سچ کہہ رہی ہیں''[3] (یعنی اس میں تصنع کا شائبہ نہیں ہے)۔

---

[1] زرقانی ص ۲۹۶ ج ۳۔ [2] اصابہ جلد ۸ ص ۱۲۷ (زرقانی ص ۲۹۶ بحوالہ ابن سعد)

[3] زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶۔

Marfat.com

آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ کسی بات پر کبیدہ خاطر ہو گئے۔ یہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں اور ان سے کہا کہ میں آج کی اپنی باری جو میرے نزدیک سب سے محبوب چیز ہے دیتی ہوں۔ آپ آنحضرت ﷺ کو راضی کر دیں۔ حضرت عائشہؓ جب آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ تمہاری باری کا دن نہیں ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا "یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے"۔ اس کے بعد واقعہ بیان کیا۔ آنحضرت ﷺ یہ سن کر حضرت صفیہؓ سے راضی ہو گئے[1]

آنحضرت ﷺ کو بھی ان کے ساتھ نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دلجوئی فرماتے تھے۔ ایک بار آپؐ سفر میں تھے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی ساتھ تھیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیمار ہو گیا۔ حضرت زینب کے پاس ضرورت سے زیادہ اونٹ تھے۔ آپ نے ان سے کہا کہ ایک اونٹ صفیہ رضی اللہ عنہا کو دے دو۔ انہوں نے کہا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دوں؟ اس پر آنحضرت ﷺ ان سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک ان کے پاس نہ گئے[2] ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے ان کے قد و قامت کی نسبت چند جملے کہے، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم نے یہ ایسی بات کہی کہ اگر سمندر میں چھوڑ دی جائے تو اس میں مل جائے[3] (یعنی سمندر کو بھی گدلا کر سکتی ہے)

ایک بار آپ حضرت صفیہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ رو رہی ہیں۔ آپ نے رونے کا سبب پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ "عائشہ اور زینب کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں افضل ہیں۔ ہم آپ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کی چچا زاد بہن بھی ہیں"۔ آپ نے فرمایا "تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ 'ہارون میرے باپ' موسیٰ میرے چچا اور محمد (ﷺ) میرے شوہر ہیں' اس لیے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو"[4]

سفر حج میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیٹھ گیا تھا اور وہ سب سے پیچھے رہ گئی

---

[1] مسند ج ۶ ص ۱۴۵۔ [2] اصابہ ج ۸ ص ۱۲۶ بحوالہ ابن سعد۔

[3] ابوداؤد ج ۲ ص ۱۹۳۔ [4] صحیح ترمذی ص ۶۳۹۔

Marfat.com

تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے تو دیکھا کہ زار وقطار رو رہی ہیں۔ آپ نے رداء اور دست مبارک سے ان کے آنسو پونچھے آپ آنسو پونچھتے جاتے تھے اور وہ بے اختیار روتی جاتی تھیں[1] آخر کار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قافلہ کو رک جانے کا حکم دیا[2]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سیر چشم اور فیاض واقع ہوئی تھیں۔ چنانچہ جب وہ ام المومنین بن کر مدینہ میں آئیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ازواج مطہرات کو اپنے سونے کی بجلیاں تقسیم کیں[3]

کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تحفہ بھیجا کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کے گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انہوں نے پیالہ میں جو کھانا بھیجا تھا اس کا ذکر بخاری اور نسائی وغیرہ میں آیا ہے۔

---

[1] زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶۔ [2] مسند ج ۶ ص ۳۳۶۔ [3] زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶۔

Marfat.com

(۷) حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

ماریہ نام، ام ابراہیم کنیت، قبطیہ[۱] ان کی قومی نسبت تھی۔ مصر کے ایک ضلع انصا یا انص کا ایک گاؤں حفن ان کا آبائی وطن تھا۔

خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آمد:

۷ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کے لیے شاہان وقت کو جو خطوط لکھے تھے ان میں ایک خط مقوقس عزیز مصر کے نام بھی تھا، جس کو حضرت حاطب رضی اللہ عنہ ابن ابی بلتعہ لے کر مصر گئے تھے۔ مقوقس نے اسلام قبول نہیں کیا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیام اور پیامبر کی بڑی پذیرائی کی اور قیمتی ساز وسامان کے علاوہ دو لڑکیاں جن کے ساتھ ان کے بھائی مابور بھی تھے، خدمت نبوی میں تحفۃً بھیجیں۔[۲] ان لڑکیوں میں ایک تو سیرین رضی اللہ عنہا تھی جن کا ابھی ذکر آچکا ہے دوسری یہی ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

اسلام:

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا مصر سے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے ساتھ آئیں تھیں اس لیے وہ ان سے بہت زیادہ مانوس ہوگئی تھی۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے اس انس سے فائدہ اٹھا کر ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا اور ان کی بہن حضرت سیرین رضی اللہ عنہا نے تو اسلام قبول کرلیا، لیکن ان کے بھائی مابور اپنے قدیم دین عیسائیت پر قائم رہے۔

قیام گاہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ماریہ کو پہلے ہمارے پڑوس میں حارثہ رضی اللہ عنہ بن

---

[۱] حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ قبطی کی نسبت ہی اگرچہ ان کی عیسائیت کی دلیل کے لیے کافی ہے، لیکن میں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ صاحب زرقانی کی تصریح اور بعض دوسرے قرائن کی بنا پر ان کو اس فہرست میں داخل کیا ہے۔ سیرین کے حالات میں اس کی تصریح آچکی ہے۔ [۲] اصابہ ج ۴ ص ۴۰۵۔

Marfat.com

نعمانؓ کے مکان پر ٹھہرایا گیا اور ہم لوگ برابر ماریہ کے پاس آیا جایا کرتے تھے لیکن جب آنحضرت ﷺ کی آمدورفت ان کے پاس زیادہ ہونے لگی تو ہم لوگوں نے ان کے پاس آنا جانا کم کردیا (کہ آنحضرتؐ کے سکون میں فرق نہ آئے) وہ تنہائی کی وجہ سے گھبرانے لگیں تو آنحضرتؐ نے انہیں مقام العالیہ میں جو اس وقت مشربہ ام ابراہیم کے نام سے مشہور ہے منتقل کردیا[1] ۹ ہجری میں ایلاء کا واقعہ پیش آیا' جس سے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کا خاص تعلق ہے۔اس کی تفصیل آخر میں آئے گی۔

عہد صدیقی وفاروقی:

حضرت ماریہ گو ازواج مطہرات میں نہیں تھیں' لیکن رحمت عالمؐ ان کے ساتھ ازواج مطہرات ہی کے ایسا سلوک کرتے تھے۔آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے بھی ان کے اعزاز واحترام کو باقی رکھا اور ہمیشہ ان کے نان ونفقہ کا خیال کرتے رہے۔حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت فاروقؓ نے بھی ان کے ساتھ یہی سلوک مرعی رکھا۔

وفات:

حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ خلافت میں محرم ۱۶ ہجری میں داعی اجل کو لبیک کہا[2]

تدفین:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی وفات کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے خود تمام اہل مدینہ کو جمع کیا' اور ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔مدینہ کے عام قبرستان بقیع میں سپرد خاک کی گئیں[3]

اولاد:

آنحضرت ﷺ کی جتنی اولادیں ہوئی وہ سب حضرت خدیجہؓ کے بطن سے ہوئیں۔ ان کے بعد صرف حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کے بطن سے حضرت ابراہیم

---

[1] فتح الباری ج ۸ ص ۵۱۳۔ [2] ابن سعد ج ۸ ص ۱۵۶' بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے ۵ برس بعد ان کی وفات ہوئی۔اس حساب سے ان کی وفات ۱۵ھ میں ہوئی' لیکن دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے اس لیے کہ ۱۶ھ کے پہلے مہینے محرم میں ان کی وفات ہوئی اس لیے ۵ برس کی تعیین غلط نہیں ہے۔ [3] اصابہ۔

Marfat.com

پیدا ہوئے اور ۱۷۔۱۸ ماہ زندہ رہ کر داغ مفارقت دے گئے۔ آنحضرت ﷺ کو ان کی وفات کا بے حد غم ہوا تھا۔

حلیہ:

قدرت نے حسن باطن کے ساتھ ساتھ حسن ظاہر سے بھی نوازا تھا' بال نہایت گھنے اور خوبصورت تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مجھے جتنا رشک ان پر آتا تھا کسی دوسرے پر نہیں[1]

رقت قلب:

نہایت رقیق القلب تھیں' حضرت ابراہیم کا جب انتقال ہوا تو رقت قلب کی وجہ سے ان کو اپنے اوپر قابو نہیں رہا' اور بے اختیار رونے لگیں[2]

فضائل:

رسول اللہ ﷺ کو حضرت ماریہؓ سے بے حد محبت تھی' اور اس وجہ سے ان کے پاس آپ کی آمد و رفت بہت زیادہ رہتی تھی' گو وہ کنیز تھیں'[3] لیکن ازواج کی طرح ان کو بھی آپ نے پردہ میں رہنے کا حکم دیا تھا۔[4] ان کے فضل کے لیے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد مبارک کافی ہے کہ:

استوصو بالقبط فان لهم ذمةً ورحماً ورحمهم ان ام اسماعيل بن ابراهيم وام ابراهم بن النبیؐ منهم. (ابن سعد ج ۸ ص ۱۵۴)

"قبطیوں کے (مصر کے عیسائی) ساتھ حسن سلوک کرو۔ اس لیے کہ ان سے عہد اور نسب دونوں کا تعلق ہے۔ ان سے نسب کا تعلق تو یہ ہے کہ حضرت اسماعیل کی والدہ (حضرت حاجرہ) اور میرے لڑکے ابراہیم دونوں کی ماں اسی قوم سے ہیں' اور اس عہد کا تعلق یہ ہے کہ ان سے معاہدہ ہو چکا ہے"۔

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے:

وكانت مارية هذا من الصالحات الخيرات الحسان. (البدایہ ج ۷ ص ۷۴)

---

[1] ابن سعد ج ۸ ص ۱۵۲۔ [2] ایضاً ص ۱۵۵۔ [3] جاریات یعنی کنیزوں کے لیے پردہ کی ضرورت نہیں۔
[4] اصابہ و ابن سعد۔

Marfat.com

''اور ماریہ نہایت صالح' پاکیزہ اور نیک سیرت تھیں''

ایلا:

۹ ہجری میں رسول اللہؐ نے بعض خانگی اور ازدواجی معاملات کی بنا پر ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ اسی واقعہ کو ایلاء کہتے ہیں جن اسباب کی بناء پر آپ نے علیحدگی کا فیصلہ کیا تھا اس کے بارے میں مفسرین و محدثین میں باہم اختلاف ہے' اور انہوں نے ایک دوسرے سے بہت متضاد اور متخالف باتیں کہی ہیں۔

ان اسباب میں ایک سبب حضرت ماریہؓ کے واقعہ کو بھی جس کا ذکر آگے آتا ہے قرار دیا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایلا کے واقعہ سے حضرت ماریہؓ کے واقعہ کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ وہ صرف حضرت ماریہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ تھا۔ روایتوں میں دونوں واقعے' خلط ملط ہو گئے ہیں' جس کی وجہ سے واقعات کی اصل نوعیت سامنے نہیں آنے پاتی۔ اب ہم اس کی تفصیل کرتے ہیں تاکہ واقعہ کی اصل حقیقت واضح ہو جائے۔ بات یہ تھی کہ ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کو آنحضرتؐ سے غایت درجہ تعلق اور محبت تھی اس وجہ سے ہر ایک آپ کی صحبت کو باعث سعادت سمجھتی تھی' ان میں سے جن کو بھی تقرب و اختصاص کا موقع ملتا تھا' اس میں کسی کی شرکت کا شائبہ بھی ان کو بہت گراں گزرتا تھا' اور پھر باقتضائے بشریت آپس میں کچھ جذبۂ رشک و مسابقت بھی موجود تھا۔ اس وجہ سے کبھی کبھی آپس میں شکررنجی بھی ہو جایا کرتی تھی۔

اور اس مصیبت میں ایک مرتبہ حضرت ماریہ بھی مبتلا ہو گئیں' جس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت حفصہ کی باری کا دن تھا۔ آنحضرتؐ حسب معمول ان کے پاس تشریف لے گئے تو حضرت حفصہ موجود نہیں تھیں۔ اس اثناء میں آنحضرتؐ حضرت ماریہؓ سے جو حضرت حفصہؓ کے پڑوس میں ہی رہتی تھیں باتیں کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت حفصہؓ واپس آئیں تو آپ کو اپنے گھر میں حضرت ماریہؓ سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا' باقتضائے بشریت ان کو بڑا رنج ہوا اور حضورؐ سے فرمایا کہ اپنی تمام بیویوں میں آپ صرف میرے ساتھ ہی ایسا کرتے ہیں۔[1]

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماریہ سے کنارہ کشی کا عزم کر لیا' بعض روایتوں میں

---

[1] فتح الباری ج ۸ ص ۵۰۳۔

Marfat.com

آتا ہے کہ حضرت حفصہؓ نے آنحضرت ﷺ سے غصہ میں بات کی۔اس پر آپ نے حضرت ماریہؓ سے علیحدگی کی قسم کھائی' جس پر سورۂ تحریم کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں۔

لیکن صحیح یہ ہے سورۂ تحریم کی یہ ابتدائی آیتیں آپ کی شہد نوشی اور اس کو اپنے اوپر حرام کر لینے کی وجہ سے نازل ہوئیں' لیکن جیسا کہ بخاری وغیرہ میں تصریح موجود ہے یہ ہوسکتا ہے کہ ایلاء کا واقعہ بھی اسی زمانہ میں پیش آیا ہو جس زمانہ میں آپ نے حضرت ماریہؓ سے کنارہ کشی کر لی تھی' اور دونوں واقعے نزول آیات کا سبب بنے ہوں' جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تمام روایتوں کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

ان تکون الایة نزلت فی سببین[1]

''ہوسکتا ہے کہ آیت کے نزول کا سبب دونوں واقعے ہوں''۔

بہر حال حضرت ماریہؓ سے علیحدگی اور ایلاء کے واقع میں ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت میں حضرت ماریہؓ کے واقعہ کے سلسلہ میں جتنی روایتیں ہیں ان سب پر جرح کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ واقعہ سرے سے صحیح ہی نہیں ہے لیکن جہاں تک میری تحقیق کا تعلق ہے اس کے لحاظ سے یہ تو صحیح ہے کہ آیت کے نزول کا سبب حضرت ماریہ کا واقعہ نہیں ہے' لیکن نفس واقعہ کے عدم وقوع و عدم صحت کا ثبوت نہیں ملتا۔ انہوں نے اس سلسلہ میں تین باتیں کہی ہیں۔ایک تو یہ کہ یہ روایت صحاح ستہ میں نہیں ہے۔دوسرے یہ کہ امام نووی نے اس کی صحت پر کلام کیا ہے۔تیسری یہ ہے کہ یورپ کے اکثر مورخوں نے اسی قسم کی روایتوں کی بنا پر آنحضرتؐ کے اخلاق پر حرف گیریاں کی ہے۔

1. صحاح کی پانچ کتابوں میں تو یہ روایت یقیناً نہیں ہے' لیکن نسائی باب الغیرۃ میں حضرت انسؓ سے یہ روایت موجود ہے۔اگرچہ اس میں بھی حضرت ماریہ کا نام نہیں ہے' لیکن روایت کے سیاق و سباق اور دوسرے قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ماریہ ہی کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔اس روایت میں چار راوی ہیں[1] اور ان میں سے کسی

---

[1] ابراہیم اور ان کے والد یونس' حماد بن سلمہ' ثابت بن اسلم البنانی تہذیب میں ان سب کا تذکرہ موجود ہے۔ائمہ رجال نے ان میں سے کسی کو مجروح یا غیر ثقہ قرار نہیں دیا ہے۔

Marfat.com

کی بھی وثاقت اور عدالت پر کلام نہیں کیا گیا۔

بالکل یہی روایت حاکم نے بھی مستدرک میں نقل کی ہے۔ اس روایت کے اوپر کے دو راوی حضرت انس اور ثابت البنانی ہیں' لیکن اس کے بعد چار راوی دوسرے ہیں حاکم نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے:

هذا حديث صحيح على شرط مسلم. (ص ۴۹۳ ج ۴)

''یہ حدیث صحیح ہے اور مسلم کی شرط پر پوری اترتی ہے''۔

حافظ ذہبی نے مستدرک کی تلخیص میں اس روایت پر کوئی جرح نہیں کی ہے' جو اس بات کا ثبوت ہے کہ روایت میں کوئی سقم نہیں ہے۔

نسائی اور مستدرک میں ماریہؓ کے حضرت حفصہؓ کے گھر میں موجود ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے' اس کے علاوہ طبرانی اور بزار نے بھی اس روایت کی تخریج کی ہے' بزار کی روایت کے متعلق حافظ نورالدین ہیثمی نے مجمع الزوائد میں لکھا ہے کہ:

رجال البزار رجال الصحيح غير بشر بن ادم الاصفر وهو ثقة.

''بزار کے تمام رواۃ صحیح حدیث کے رواۃ ہیں' بجز بشیر بن آدم کے' لیکن ان کے ثقہ ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے''۔ (ج ۷ ص ۱۲۶)

حافظ ابن حجر نے اس روایت کے بعض اور طرق ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ هذه طرق يقوى بعضها بعضا 'یہ روایت بہت سے طریقوں سے مروی ہے' اور ان میں ایک روایت دوسری روایت کو قوی کرتی ہے (یعنی غیر صحیح نہیں ہے)

امام نووی نے یقیناً لکھا ہے۔

ولم تات قصة مارية من طريق صحيح.

''ماریہ کا قصہ صحیح طریق سے ثابت نہیں ہے''۔

لیکن اس کے ساتھ حافظ ابن کثیر' حافظ ابن حجر' ابوبکر ہیثمی' امام ذہبی اس کی صحت کے قائل ہیں' حدیث کے بارے میں امام نووی کی رائے یقیناً بہت وقیع ہے' لیکن ان کے مقابلہ میں دوسرے بزرگوں کی رائے کو بھی آسانی سے رد نہیں کیا جا سکتا۔

Marfat.com

حافظ ابن کثیر نے آیت کے سبب نزول کے بارے میں تو یہ ضرور لکھا ہے کہ:

ان ذالک فی تحریم الاصل.

''آیت کے نزول کا سبب آپ کا شہد کو حرام کر لینا تھا''۔

لیکن حضرت ماریہؓ کے نفس واقعہ سے انہوں نے انکار کیا ہے۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

1. ایلاء کا مشہور واقعہ جس میں آپ نے ازواج مطہرات سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور حضرت ماریہؓ کے قصہ کا تعلق حضرت حفصہؓ یا بعض روایتوں کے مطابق حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں سے تھا۔
2. سورۂ تحریم کی ابتدائی آیتوں کے نزول کا اصلی سبب آپ کی شہد نوشی اور اس کی تحریم ہے' لیکن یہ ممکن ہے کہ اسی زمانہ میں حضرت ماریہ کا واقعہ بھی پیش آیا ہو' اور بعض نے اس کو ان آیات کا سبب نزول سمجھ لیا ہو۔
3. حضرت ماریہؓ سے آپ کی کنارہ کشی کا واقعہ صحیح روایتوں سے ثابت ہے۔ یہ ضرور ہے کہ صحیح روایات میں لغو واقعات کا شمول نہیں ہے' چنانچہ نسائی اور مستدرک کی روایات اس سے خالی ہیں۔
4. اگر امام نووی نے اس روایت کی صحت پر کلام کیا ہے تو دوسرے ائمہ حدیث نے اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔
5. اس قسم کی روایات پر یورپین مورخین کو اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حرف گیری کا موقع ملتا ہے تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بلندی ونزاہت اخلاق پر جس کا سارا زمانہ گواہ ہے' کیا حرف آ سکتا ہے' قرآن کی صحت پر کس کو کلام ہے لیکن کیا وہ ان کی خردہ گیری کی زد سے بچ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کی تعریف آپ کے زمانہ کے دشمنوں نے کی ہے۔ لیکن یورپ کو آپ میں (نعوذ باللہ) کوئی نیکی نظر نہیں آتی۔ آپ کے معیار اخلاق پر حرف گیری کے لیے اس قسم کی روایات تو الگ رہیں جن کا بیشتر حصہ موضوع' جعلی' ناقابل اعتبار ہے' خود تعداد ازدواج اور کنیزوں سے

Marfat.com

انتفاع جنسی جیسے معلم و محقق مسائل تک کو لے لیا گیا۔

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے است' ان کے مقابلہ میں سکوت ہی اولیٰ تر ہے۔

بہرحال کسی روایت کو اس نقطۂ نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے کہ اس سے غیروں کو اعتراض کا موقع ملتا ہے' پھر اگر اس واقعہ کو معاشرتی اور ازدواجی نقطہ نظر سے دیکھا جائے اور یہ پیش نظر رکھا جائے کہ آپ کی صحبت میں متعدد ازواج کے ساتھ جاریات بھی تھیں' تو اس میں کوئی قابل اعتراض بات نظر نہیں آتی۔ صورت واقعہ کو ایک بار پھر اپنے سامنے لائیں تو اس کی صحیح نوعیت سامنے آجائے گی۔

6 جس دن یہ واقعہ پیش آیا' اس دن حضرت حفصہ کی باری کا دن تھا' لیکن اس روز وہ گھر میں موجود نہیں تھیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ اپنے والد حضرت عمرؓ سے ملنے گئی تھیں۔ آنحضرت ﷺ حسب معمول ان کے یہاں تشریف لے گئے' تو مکان خالی پایا' حضرت ماریہؓ جیسا کہ اوپر حضرت عائشہؓ کا بیان گزر چکا ہے' حضرت حفصہؓ کے پڑوس میں ہی رہتی تھیں قیاس ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر یا اسی طرح کسی ضرورت سے حضرت حفصہؓ کے مکان پر آئی ہوں گی' اور آنحضرت ﷺ ان سے گفتگو فرمانے لگے ہوں گے۔ اس اثنا میں حضرت حفصہ بھی آ گئیں۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو حضرت ماریہؓ کے ساتھ تنہا دیکھ کر بتقاضائے صنف لطیف ناراضگی کا اظہار کیا اور آنحضرت ﷺ نے ان کی خاطر کچھ دنوں کے لیے حضرت ماریہؓ سے کنارہ کشی اختیار کر لی تو اس میں کون سی بات عقلی یا اخلاقی معیار سے گری ہوئی ہے یا اس میں ازدواجی نقطۂ نظر سے کون سا استبعاد نظر آتا ہے۔

Marfat.com

(۸) حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ

امام بخاری نے ادب المفرد میں ایک باب "عرض الاسلام علی ام النصرانیة" باندھا ہے جس کے تحت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کے قبول اسلام کا ذکر کیا ہے۔ پورا واقعہ یہ ہے ابو کثیر بیان کرتے ہیں:

سمعت ابا هريرة يقول ما سمع بی احد يهودی ولا نصرانی لا اجنبی ان امی كنت اريدها على الاسلام فتابی۔

"میں نے ابو ہریرہؓ سے یہ واقعہ سنا وہ فرماتے تھے کہ جس یہودی یا نصرانی نے یہ بات سنی کہ میں اپنی والدہ کو حلقہ اسلام میں لے آنا چاہتا ہوں مگر وہ انکار کرتی ہیں (اور میں برابر ان کی خدمت کرتا رہتا ہوں اور کچھ نہیں کہتا) تو اس نے میرے اس طرز عمل کو پسند کیا"۔

صحیح مسلم اور مسند میں بھی ان کے اسلام لانے کا ذکر موجود ہے' مگر اس میں ان کے نصرانی ہونے اور اس واقعہ کے ابتدائی ٹکڑے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ارباب رجال نے بھی "ام ابی ہریرہ" کے عنوان سے حضرت ابو ہریرہ کی والدہ کا تذکرہ کیا ہے لیکن ان میں سے کسی نے بھی ان کے نصرانی ہونے کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے' مگر امام بخاری نے ان کے نصرانی ہونے کی تصریح کر دی ہے' اس لیے ان کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کا نسبی تعلق قبیلہ دوس سے تھا' جو یمن کا ایک ممتاز قبیلہ تھا' اور معلوم ہے کہ یمن کے متعدد قبائل نے نصرانیت قبول کر لی تھی اس لیے ممکن ہے کہ دوس میں بھی کچھ لوگوں نے نصرانیت اختیار کر لی ہو' جن میں یہ خاتون بھی شامل ہوں' جیسا کہ اس واقعہ کے ابتدائی ٹکڑے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس پڑوس میں کچھ یہودی و نصرانی آباد تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

Marfat.com

تابعات

تماضر

نام و نسب:

تماضر نام تھا' حضرت اصبغ[1] تابعی کی جو دومۃ الجندل کے حکمران اور مذہباً عیسائی تھے' صاجزادی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو تماضر کے قبیلہ میں تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا تھا۔ اس قبیلہ میں سب سے پہلے تماضر کے والد اصبغ مشرف بہ اسلام ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے مشورہ سے انہوں نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے تماضر کا نکاح کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ کچھ دن دومۃ الجندل ہی میں رہے' پھر وہاں سے اپنی بیوی تماضر کے ساتھ مدینہ چلے آئے۔

تماضر ان کے عقد نکاح میں آخر وقت تک رہیں' لیکن مرض الموت میں میاں بیوی میں کچھ شکر رنجی ہو گئی جس کی وجہ سے عبدالرحمٰنؓ نے انہیں اپنے حبالۂ عقد سے آزاد کر دیا۔ ان کی وفات کے بعد انہوں نے حضرت زبیرؓ سے شادی کر لی' لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان سے بھی جدائی ہو گئی۔

عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں ان کا تذکرہ نہیں ملتا۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اس حیثیت سے ان کا تذکرہ ملتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے انہیں حضرت عبدالرحمٰنؓ کے ترکہ سے حصہ دیا تھا۔

وفات کی تصریح نہیں ملتی لیکن یہ معلوم ہے کہ حضرت معاویہؓ کے عہد تک زندہ رہیں۔

اولاد:

حضرت عبدالرحمٰنؓ کے صلب سے ان کے ایک صاجزادے ابوسلمہ تھے۔

---

[1] ان کا تذکرہ اوپر آ چکا ہے۔

Marfat.com

ام محمد القرظی

اہل رجال نے صحابیات کے یا تابعات کے ذکر میں ان کا نام نہیں لیا ہے۔ لیکن اصابہ اور صفوۃ الصفوۃ کی بعض روایتوں سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ صحابیات میں ہوں گی۔ لیکن ان کا صحابیات میں ہونا مشتبہ تھا اس لیے ان کا تذکرہ آخر میں کیا جاتا ہے۔

حضرت کعبؓ کے حالات زندگی اور نیز ایک ضعیف روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ یہود کے قبیلہ نضیر سے تھیں۔ وہ روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ دو کاہنوں میں ایک بڑا عالم پیدا ہوگا' تو بڑے عالم سے مراد محمد بن کعب ہیں اور دو کاہنوں سے مراد بنوقریظہ اور بنونضیر ہیں۔ محمد بن کعب کے والد تو بنوقریظہ سے تھے' اور ان کی والدہ ام محمد بنونضیر سے۔

بہرحال اس روایت کی بنا پر ان کا نام اس فہرست میں داخل کرلیا گیا ہے۔ زندگی کے اور حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ.

Marfat.com

ضمیمہ

مقدمہ سے متعلق بعض چیزوں کے تلاش و تفحص کے سلسلہ میں کتابوں میں چند اور اہل کتاب بزرگوں کے ناموں پر نظر پڑی' جو عہد نبویؐ میں اسلام لا چکے تھے' مگر چونکہ اس وقت تک کتاب چھپ چکی تھی اس لیے ان کا تذکرہ بطور ضمیمہ آخر میں شامل کیا جاتا ہے۔

فردہ بن عمرو حاکم معاون:

فردہ معاون اور اس کے قرب وجوار کے علاقہ میں قیصر روم کے عامل تھے ان کے پاس براہ راست اگرچہ اسلام کی دعوت نہیں بھیجی گئی تھی' مگر ان کو جب کسی ذریعہ سے بعثت نبوی اور دعوت حق کا علم ہوا تو بغیر کسی پس وپیش کے اس کو لبیک کہا اور حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ اس کے بعد اپنے خاص قاصد مسعود بن سعید کے ذریعہ بارگاہ رسالت میں اپنے اسلام کی اطلاع دی' اور متعدد سواریاں' عمدہ چادریں اور قیمتی قبائیں خدمت اقدس میں تحفۃً بھیجیں' رسول اللہ ﷺ نے ان کو قبول کیا اور قاصد کو اپنی طرف سے کچھ تحائف دے کر رخصت فرمایا۔

فردہ کے اسلام لانے کا معان اور ان کے ملحقہ علاقوں میں جہاں کے وہ حاکم تھے' کیا ردعمل ہوا اس کا ذکر کتابوں میں نہیں ملتا' مگر ظاہر ہے کہ حاکم کی حیثیت سے ان کے اسلام کا کافی چرچا ہوا ہوگا۔ بہت سے خواص اور عوام نے ان کے اثر سے اسے قبول کیا ہوگا' اور کتنوں کے عقائد و ایمانیات میں تزلزل آ گیا ہوگا' جس کو قیصر روم برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ چنانچہ جونہی اس کو ان چیزوں کی اطلاع ہوئی اس نے فردہ کو دھوکے سے دربار میں طلب کیا۔ پہنچتے ہی ان کو حبس دوام کی سزا کا جابرانہ حکم سنایا۔ جسے انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے قبول کیا' اور اسی قید کی حالت میں جان جان آفرین کے سپرد کردی۔ قیصر کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی تو اس نے لاش شارع عام پر لٹکوادی[1]

اس کی تصریح نہیں ملتی کہ وہ نصرانی تھے' مگر وہ قبیلہ جذام سے تعلق رکھتے تھے' جو معان کے قریب آباد تھا' اور اس کے متعلق اوپر آچکا ہے کہ وہ نصرانی ہوگیا تھا' اس بناء پر وہ بھی نصرانی رہے ہوں گے' دوسرے معان چونکہ بری و بحری دونوں حیثیتوں سے بڑا اہم مقام تھا اس لیے قیصر کا ایسی جگہ پر کسی غیر نصرانی کو عامل مقرر کرنا کسی طرح قرین قیاس نہیں ہوسکتا۔

---

[1] ہم نے ابن سعد کے بیان کو ترجیح دی ہے' زرقانی وغیرہ میں ہے کہ ان کو سولی دے کر شہید کردیا گیا۔ ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۴۸ از زرقانی ج ۴ ص ۵۲۔

Marfat.com

ذوالکلاع اور ذوعمرو:

یہ دونوں بزرگ حمیری خاندان کے ممتاز لوگوں میں سے تھے جن کے ہاتھ میں حکومت تو نہیں تھی، مگر اس کا اثر ان میں باقی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جریر بن عبداللہ البجلی کو اسلام کا پیغام دے کر ان کے پاس بھیجا۔ ایک دن حضرت جریرؓ ان کو احادیث نبویؐ سنا رہے تھے کہ ذوعمرو نے کہا کہ تم جن کی حدیثیں سنا رہے ہو ان کا تو انتقال ہو گیا ہے۔ جریر یہ اندوہناک خبر سنتے ہی وہاں سے روانہ ہو گئے، راستہ میں کچھ سوار ملے جن سے اس کی تصدیق ہوگئی۔ حضرت جریرؓ وہیں سے پھر واپس لوٹ آئے، اور ان دو آدمیوں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ذوالکلاع کے متعلق ذکر ہے کہ وہ ایک بار حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے ان کو شام کی مہم پر بھیج دیا۔

محمد بن حبیب نے ذوعمرو کے متعلق لکھا ہے کہ یہودی تھے، لیکن ذوالکلاع کے مذہب وعقیدہ کے متعلق کوئی تصریح نہیں کی ہے، مگر حمیری خاندان سے ان کا تعلق ان کی یہودیت کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔

غسان:

عہد نبویؐ میں غسانیوں کے کسی فرد کے اسلام قبول کرنے کا تذکرہ عام طور سے کتابوں میں نہیں ملتا، مگر زرقانی اور ابن سعد نے نام کی تصریح کیے بغیر لکھا ہے کہ تین نیک فطرت غسانی (غالباً ۱۰ ہجری میں) حضور انور ﷺ کی خدمت اقدس میں آئے اور یہ کہہ کر کہ آپ جو تعلیم لائے ہیں وہ حق ہے، مشرف بہ اسلام ہو گئے، جب واپس جانے لگے تو خدمت نبویؐ میں عرض کیا کہ جس دین کو ہم نے قبول کیا ہے اس کو ہم اپنی قوم کے پاس لیے جا رہے ہیں معلوم نہیں وہ قبول کرے گی یا نہیں؟ پھر انہوں نے اپنی قوم کی ذہنی اور اخلاقی حالت کا ان لفظوں میں نقشہ کھینچا:

وهم يحبون بقاء ملكهم وقرب قيصر.

''ان کا حال یہ ہے کہ اپنے ملک کی بقاء اور قیصر کے تقرب کو ہر چیز سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں''۔

آنحضرت ﷺ نے ان کو نہایت اعزاز واکرام کے ساتھ رخصت فرمایا۔ وطن پہنچے تو اپنی قوم کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، مگر اس کے دل و دماغ پر مادیت کے اتنے تہ بہ تہ پردے پڑے تھے کہ نور حق سے وہ اپنے دل و دماغ کو روشن نہ کر سکی، اور اسلام کی رحمت عام سے محروم رہ گئی۔

غسانیوں نے ان داعیان حق کے ساتھ اگر کچھ برا سلوک بھی کیا ہو تو تعجب نہیں ہے اس لیے کہ وہ رومیوں کے زیر اثر تھے اور رومی اپنے مقبوضات میں اسلام قبول کرنے والوں کے ساتھ بہت برا سلوک کرتے تھے، فروہ بن عمرو کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے، ان ہی بدسلوکیوں اور مظالم کے ڈر سے ان حضرات نے اپنے اسلام کو چھپانا مناسب سمجھا اور دعوت ترک کر دی۔ ان میں سے دو بزرگ اسی غربت واجنبیت کی حالت میں جان بحق ہو گئے اور ایک صاحب عہد فاروقی تک زندہ رہے اور جنگ یرموک کے دن حضرت ابوعبیدہؓ سپہ سالار لشکر اسلام کی خدمت میں آئے اور اپنے اسلام کی آپ کو اطلاع دی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے ان کا بڑا اعزاز واکرام

Marfat.com

کیا اور یہ سلوک ان کے ساتھ آخر تک قائم رکھا[1]

بنو تغلب:

بنو تغلب کے چند افراد کا تذکرہ کتاب میں موجود ہے۔ مسند احمد اور طبقات ابن سعد میں حرب بن ہلال کی روایت سے یہ واقعہ درج ہے کہ ایک تغلبی بزرگ آنحضرت ﷺ کی خدمت بابرکت میں آئے۔ آپ نے انہیں شرائع اسلام سکھائے۔ اس کے بعد انہوں نے اسلام قبول کرنے والوں پر جزیہ لگانے کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جزیہ یہود و نصاریٰ پر عائد ہوتا ہے' ان میں سے مسلمان ہو جانے والوں پر نہیں[2]

ان بزرگ کے مذہب کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی' مگر بنو تغلب کے متعلق آ چکا ہے کہ یہ قبیلہ نصرانی تھا۔

دوسرے یہ کہ اسلام لانے کے بعد انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اپنے اہل وطن مومنین اہل کتاب پر جزیہ لگانے کے متعلق استفسار کیا' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ جو اہل کتاب اسلام قبول کرلیں ان پر بھی جزیہ لگتا ہے۔ مگر آپ نے اس کی نفی فرما دی۔

---

[1] زرقانی ص ۷۳ ابن سعد ج ۱ ص ۷۳۔ [2] ابن سعد ج ۶ ص ۳۹۔ مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۰۔

Marfat.com

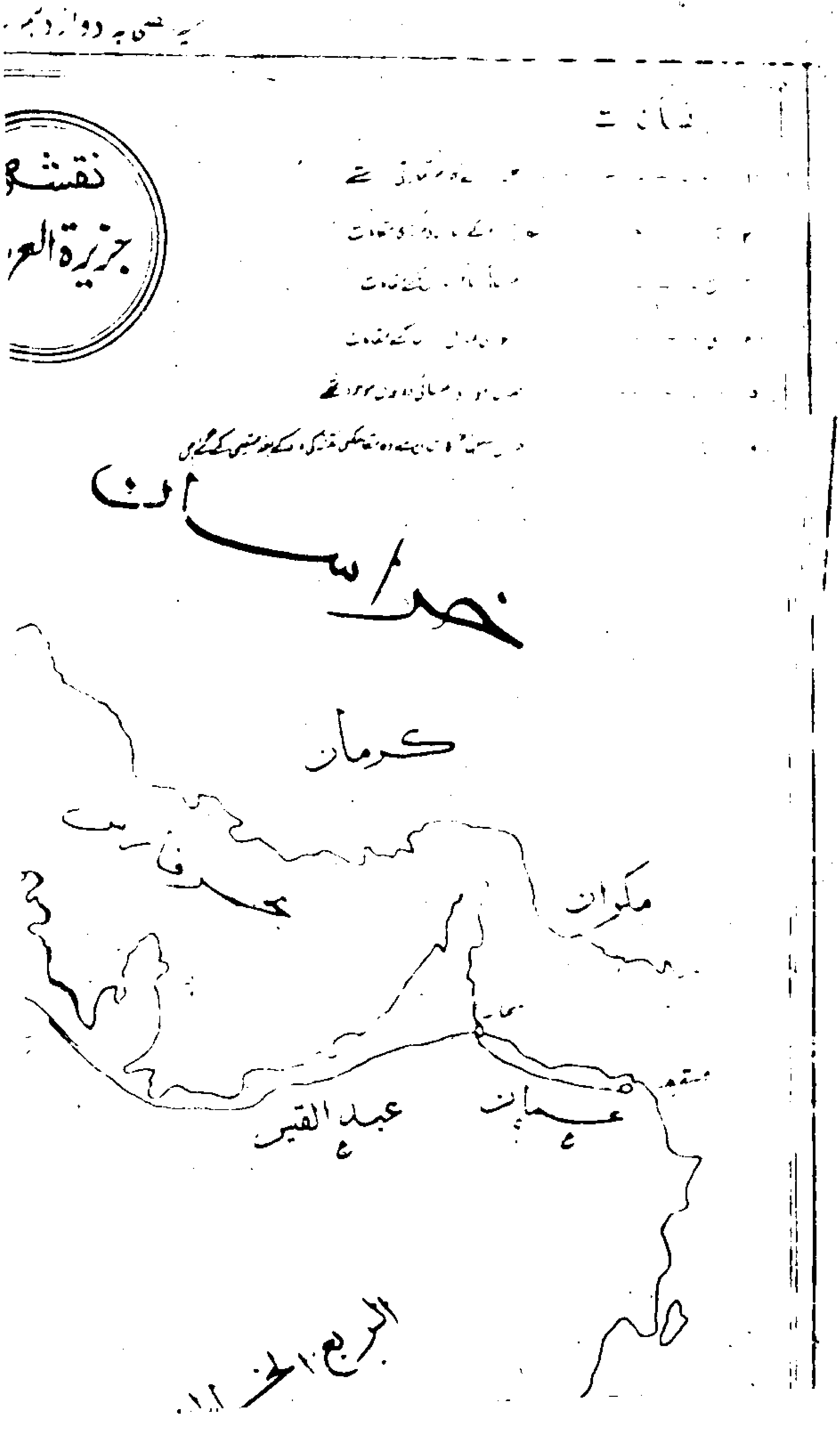

Marfat.com

۱؎ زرقانی ص ۳۷۳ ابن سعد ج ۱ ص ۷۳۔ ۲؎ ابن سعد ج ۶ ص ۳۹۔ مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۰۔

Marfat.com

Marfat.com

اسلامی کتب خانہ
فضل الٰہی مارکیٹ ○ چوک اردو بازار ○ لاہور
Ph: 7223806-7230718

Marfat.com